قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

تبصرہ

جلد دوم

(سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 142 سے اختتام تک)

سید ریاض حسین شاہ

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن درو الا، اسلام آباد

تبصرہ جلد دوم
(سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 142 سے اختتام تک)
سید ریاض حسین شاہ

تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰی لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ

تبصرہ

قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

جلد دوم

(سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 142 سے اختتام تک)

سید ریاض حسین شاہ

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن دروالا، اسلام آباد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب .... تبصرہ (جلد دوم)

(سورۂ بقرہ کی آیت 142 سے اختتام تک)

ترجمہ وتفسیر .... سید ریاض حسین شاہ

اشاعت اوّل .... نومبر 2016ء

اشاعت دوم .... مئی 2021ء

اشاعت سوم ....

ہدیہ ....

اہتمام خصوصی .... ڈاکٹر محمد طارق (مانچسٹر)

ناشر .... تھری میم سیرت فاؤنڈیشن

در والا، اسلام آباد

042-35838038

0322-4301986

بسم الله الرحمن الرحيم

مولای
صل
وسلم
دائما ابدا
علی حبیبک
خیر الخلق کلهم

مَوۡلَایَ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّهِمِ

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ
قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا
لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ
لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِيْنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ
اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

(142) اب کہیں گے کچھ عقل کے ہلکے لوگ کہ کس چیز نے انہیں اُس قبلے سے پھیر دیا جس پر وہ تھے "آپ فرمایئے! مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں" وہی ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دے دیتا ہے

(143) اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمّت بنایا ہے تا کہ تم محبت والوں اور بھولنے والوں سب پر گواہ ہو جاؤ اور ہو جائیں رسول معظّم تم پر گواہ ونگہبان اور ہم نے نہیں بنایا تھا وہ قبلہ جس پر آپ تھے مگر اس لیے کہ دیکھیں ہم کہ کون پیچھے چلتا ہی رہتا ہے رسول کے اور کون ہے وہ جو اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے، یہ بات بڑی گراں تھی لیکن اُن کے لیے نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت بخشی اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تمہارے ایمانوں کو ضائع کر دے، یقین رکھیے کہ اللہ لوگوں کے حق میں نہایت مہربان رحمت والا ہے

مفردات

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

''اب کہیں گے کچھ عقل کے ہلکے لوگ کہ کس چیز نے انہیں اُس قبلے سے پھیر دیا جس پر وہ تھے'' آپ فرمائیے! مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں'' وہی ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دے دیتا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اسلام کے پانچ بنیادی مسائل بیان ہوئے ہیں اس طرح تاریخی اور روحانی اہمیت کی حامل اس آیت میں قرآن کے اس واشگاف اعلان سے بات شروع کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے کعبہ معظّمہ کو قبلہ قرار دے دیا گیا ہے۔ اس پر منفی ردّعمل ظاہر کرنے والے بے وقوف اور کمینے لوگ ہیں۔ انہیں دین کے بنیادی مقاصد ہی سے آگاہی نہیں۔ ان کا ردّعمل سفاہت اس لیے ہے کہ وہ رنگ اور نسل کے بتوں کی پوجا مذہب وملت کا مرکز تصور کرتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ منفی کردار اور عصبیت کا پرچار کرنے والے یہودی تھے لیکن قرآن حکیم ''سفاہت'' کا پیٹ کھلا رکھے ہوئے ہے۔ دنیا بھر سے ہر زمانے کے نسل پرست جو غلاظت بھی کھینچ رہے ہیں قرآن حکیم انہیں کم ظرف، کمینہ اور بے وقوف قرار دیتا ہے۔ آیت کا عمود صراطِ مستقیم کی پہچان ہے، سیدھی راہ تک رسائی ہے اور یہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے یہ پاکیزہ فکر عطا فرماتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے پارہ کا مرکزی نکتہ ایمان سازی ہے اور دوسرے پارہ کا فکری مرکز بے وقوف کی پہچان اور ان کے کرتوتوں سے ادراک اور مشاہدہ ہے۔ تفسیر اور تعبیر کا یہ مبحث اول تھا جس کا مطالعہ کیا گیا۔

آیت کی تعبیر میں دوسرا اہم اشارہ اُمت کی تشکیل کی طرف ہے۔ وہ خصوصیات کبریٰ اور صفات عالیہ جوملت اسلامیہ کو دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہیں ان کی ایک جھلک بتائی گئی ہے اور روحانی اعتبار سے اُمت کے لیے ایک مرکز قائم کیا گیا اور اس کا نام قبلہ رکھا گیا اور پرانے مرکز سے نئے مرکز کی طرف عدول کو اُمت کی بنیادی ضرورت قرار دیا گیا اور وہ لوگ جو اس مرکز سے نظری، عملی اور فکری اعراض برتتے ہیں قرآن مجید نے کہا کہ وہ ناسمجھ ہیں۔ برملا اس حقیقت کو آشکار کردیا گیا کہ قبلے کی مرکزیت کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں ہے کہ خدا کسی خاص سمت میں سمایا ہوا ہے۔ مشرق مغرب کی کوئی اہمیت نہیں اصل اہمیت اللہ کے حکم کی ہے البتہ نظام حق اور نظام قرآن کو کعبہ کے محسوس مرکز کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ کعبہ معظّمہ سے وابستہ تاریخ کی یہ اہمیت ضرور بیان کی گئی کہ نظام حق کی تلاش کا صحیح اور درست راستہ

سَيَقُوْلُ: عنقریب کہیں گے
السُّفَهَآءُ: بے وقوف لوگ
مِنَ: سے
النَّاسِ: لوگوں میں سے
مَا وَلّٰىهُمْ: کس چیز نے پھیر دیا انہیں
عَنْ: سے
قِبْلَتِهِمُ: ان کے قبلہ سے
الَّتِيْ: وہ جس پر
كَانُوْا: وہ تھے
عَلَيْهَا: اس پر
قُلْ: فرمادو
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
الْمَشْرِقُ: مشرق
وَالْمَغْرِبُ: اور مغرب
يَهْدِيْ: وہ پہنچاتا ہے
مَنْ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
اِلٰى: کی طرف
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: سیدھا راستہ

کون سا ہے۔

آیت کا تیسرا مبحث کعبہ کی عظمت اور فضیلت کو قاریٔ قرآن کے ذہن اور روح میں اُجاگر کرنے سے متعلق ہے۔ دوسرے پارے کا پہلا رکوع پڑھنے کے بعد قاریٔ کتاب پر یہ بات اچھی طرح کھل جاتی ہے کہ کعبہ کی یہ خصوصیت نہیں ہے کہ وہ فنِ تعمیر کا کوئی شہکار ہے۔ باعث کشش کعبہ کا مادی اور فنی اعتبار نہیں بلکہ روحانی اور تاریخی اعتبار ہے اور اعتقادی اور عملی مثمرات جو اس مرکز سے وابستہ ہیں ان کا مطالعہ ہے۔

مفسرین نے یہ باتیں درست لکھی ہیں:

(1) کعبہ سب سے پہلا گھر ہے جو اللہ نے لوگوں کے لیے عبادت کی مقصدیت پر قائم فرمایا۔
(2) یہی وہ گھر ہے جس کا طواف لاکھوں اولیائے کرام اور انبیائے عظام نے فرمایا، اس اعتبار سے یہ جلوہ گاہِ معرفت ہے۔
(3) تاریخ ابراہیم اور اسماعیل کا مرجع یہی قبلہ ہے۔
(4) ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اسی گھر کے معمارِ اول ہیں۔ اولین دینی دعوت کا انشاء اسی مقام سے ہوا۔
(5) اس گھر کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمائی۔
(6) اس گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی عزت دی گئی۔
(7) کعبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہجرت کا آغاز فرمایا۔
(8) اسی گھر کے جوارِ رحمت سے تاریخ انسانیت کی عظیم قربانی دی گئی۔
(9) تاریخ کی سب سے بڑی بُت شکنی اس گھر سے شروع ہوئی۔
(10) محمدی دعوت کا آغاز اسی گھر سے ہوا۔
(11) حجر اسود اسی مرکز میں زیارت گاہِ خلائق بنا۔
(12) مقام ابراہیم اس مرکز کا امتیاز ٹھہرا۔
(13) اسلام کی عظیم فتح کا اتمام اسی گھر میں ہوا۔
(14) مولائے اسلام علی کرم اللہ وجہ الکریم کی پیدائش اسی گھر میں ہوئی۔
(15) اسی گھر میں میزاب رحمت کے نیچے قبور انبیاء کا سراغ ملا۔
(16) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پہلی نماز کی امامت اسی گھر میں فرمائی۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(17) صراطِ مستقیم کا نشان رفیع باب کعبہ ہی سے اُجاگر ہوا۔

(18) دنیا کے بکھرے ہوئے نظام متحد المنزل کعبہ ہی سے ہوئے۔

(19) اسی گھر کے سامنے حضور ﷺ کی مبارک پشت پر اوجڑی ڈالی گئی اور سیدہ طیبہ طاہرہ نے اپنے معصوم ہاتھوں سے اسے پیچھے ہٹایا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی مدافعت میں پہلی نسوانی آواز عملاً یہاں سے گونجی۔

(20) اُمت مسلمہ کی تشکیل کا آغاز اسی مرکز سے ہوا۔

(21) رنگ، نسل، زبان اور نیشنلزم کے بت سب سے پہلے کعبہ ہی کے آنگن میں ٹوٹے۔

(22) اسی گھر کو مسلمانوں کی توجہات کا محسوس مرکز قرار دے دیا گیا کہ وہ جہاں بھی نماز ادا کریں اپنے چہروں کا رخ ادھر ہی رکھیں۔

(23) کعبہ نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ پہلے یہودی اور عیسائی ہدایت کی دنیا کا موضوع تھے یہاں سے مسلمانوں کی تاریخ کا آغاز ہوا۔ باطل مذاہب کے راستے روک دیے گئے اور حق کا پرچم اتنا سربلند ہوا کہ وہ عرش معلیٰ تک جا پہنچا۔

(24) مادی تہذیب کے پرچم سرنگوں ہو گئے اور مصطفوی نظام کی روشنیاں یہیں سے سراج منیر بن کر چمکیں۔

(25) کعبہ میں ثواب الاعمال ایک ایک لاکھ تک جا پہنچا۔

آیت کا چوتھا تعبیراتی مبحث اللہ کا نظام ہدایت ہے یہ جملہ غور طلب ہے: ''وہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے''۔ یہ بات بڑی جاذب روح ہے کہ ایک پیغمبر والد ہونے کے رشتہ سے ساری زندگی بیٹے کے چہرے کے لیے آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ ہدایت کا ایک نقش جمیل اس میں بھی ہے اور بیٹا کنویں میں پھینکے جانے کے بعد سراپائے سپاس نظر آتا ہے اس میں بھی ہدایت کے روحانی سفر کا جلوہ موجود ہے۔ ایک ملک کا مالک اپنے ہی ملک کے ایک قفس میں بند رہ کر ہدایت کی بارش برسنے کی پیشین گوئی کرتا ہے۔ ایک اور انوار کی گزرگاہ ملاحظہ ہو، طائف میں سنگ زنی کرنے والوں کا شکار ہونے سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ کے جلووں تک ہدایت ہی کے ستارے جگمگاتے نظر آرہے ہیں۔ خیال ہے کہ ہدایت خوش نصیبوں ہی کا حصہ ہوتا ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ آیت سکھلاتی ہے کہ مشرق مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں اور وہ ہی ہے جو جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اس دولت کے حاصل کرنے کے لیے دعا بھی ہونی چاہیے اور تگ و تاز بھی جاری رہنی چاہیے۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

آیت کا پانچواں تفسیری مبحث آیت کے فوائد کا جاننا ہے جو تعداد میں پندرہ ہو سکتے ہیں:

- پہلا فائدہ آیت سے اللہ تعالیٰ کے علم کا توسع ثابت ہوتا ہے۔ یہ چیز اس جملہ سے ثابت ہوتی ہے کہ اللہ نے فرمایا: ''عنقریب بے وقوف کہیں گے''۔ یہودیوں کی سوچوں کی تصویر اللہ نے ان کے کہنے سے پہلے ہی آشکار کر دی۔
- دوسرا فائدہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی اس کا عملی تحقق ہے۔
- تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے وقوف کہا جو اللہ کے علم پر اعتراض کرے۔ یہاں سیدھی راہ پر وہی ہے جس میں تسلیم اور تعمیل دونوں ہوں۔
- چوتھا یہ کہ حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کو تسلی دی گئی کہ ان پر اعتراض کنندہ احمق ہوتا ہے۔
- پانچواں فائدہ یہ ہے کہ بندہ جو توقع رکھتا ہو اُسے اس کی تکمیل کے لیے عملی کوشش بھی کرنی چاہیے۔
- چھٹا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ تربیت کا قرآنی منہاج معلوم ہو گیا کہ تبدیلیِ احکام انسان کی اطاعت اور وفا کا امتحان ہوتا ہے۔ مشرق سے مغرب اور قدس سے کعبہ کی طرف عدول ربّ کی مرضی کے ساتھ چلنے کی تربیت ہے اور یہ مذہب کا مقصودِ حقیقی بھی ہے۔
- ساتواں فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ اس میں صرف قبلہ نہیں کہا گیا ''ان کا قبلہ'' کہا گیا۔ اس میں نفسیاتی اعتبار سے تشویق کا ابھار بھی ہے اور غیرت دینی کا شعور بھی ہے۔
- آٹھواں فائدہ محبوب ﷺ سے یہ کہلوانا ہے کہ فرما دو: مشرق مغرب اللہ ہی کے لیے ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ مکان و زماں بذاتِ خود معبود نہیں، جہتیں اور سمتیں اپنی ذات میں کوئی تقدس نہیں رکھتیں اصل چیز اللہ کا حکم ماننا ہے۔
- نواں فائدہ یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ مشیت اللہ ہی کی معتبر ہے۔
- دسواں فائدہ ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔
- گیارہواں فائدہ یہ کہ قبلہ کی طرف اُمت کا متوجہ ہونا رسول معظم ﷺ کو خوش کرنا ہے۔
- بارہواں فائدہ یہ ہے کہ معلوم رکھا جائے کہ شریعت کے ساتھ معارضت سفاہت ہی نہیں گمراہی بھی ہے اس طرح کہ شریعت صراط مستقیم ہے اور اس پر چلنا ہدایت ہے اور ہدایت جہاں نہ ہو وہاں گمراہی ہی گمراہی بچتی ہے۔
- تیرہواں فائدہ یہ ہے کہ اُمت مصطفویہ کی فضلیت یہ ٹھہری کہ اُسے افضل البیت کی طرف

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَ: اور
كَذٰلِكَ: اسی طرح
جَعَلْنٰكُمْ: بنایا ہم نے تمہیں
اُمَّةً: اُمت
وَّسَطًا: درمیانی
لِّتَكُوْنُوْا: تا کہ تم ہو
شُهَدَآءَ: گواہ
عَلَى: پر
النَّاسِ: لوگوں
وَيَكُوْنَ: اور ہوں
الرَّسُوْلُ: رسول معظم
عَلَيْكُمْ: تم پر
شَهِيْدًا: گواہ
وَمَا: اور نہیں
جَعَلْنَا: بنایا ہم نے
الْقِبْلَةَ: قبلہ
الَّتِيْ: وہ جو
كُنْتَ: آپ تھے
عَلَيْهَآ: اس پر یا جس پر
اِلَّا: مگر یہ کہ
لِنَعْلَمَ: تا کہ ہم دیکھ لیں، یہاں علم کا مادہ رؤیت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے
مَنْ يَّتَّبِعُ: کون اتباع کرتا ہے
الرَّسُوْلَ: رسول معظم
مِمَّنْ: وہ کہ اس سے یا وہ جو
يَّنْقَلِبُ: پلٹ جاتا ہے
عَلٰى: پر

متوجہ ہونے کا حکم ملا۔

❁ چودھواں فائدہ سیدھے راستے کے نشان کا پتہ چل جانا ہے اور وہ شعائر اللہ کی تعظیم ہے جیسے کعبہ یا مقام ابراہیم کا احترام ہے۔

❁ پندرھواں فائدہ یہ ہے کہ راستے کی صفت میں دو باتیں بتائی گئیں: ایک راستے کا سیدھا اور کھلا ہونا اور دوسرا راستے کا ٹیڑھا نہ ہونا یعنی منزل تک پہنچانے والا ہونا (1)۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمّت بنایا ہے تا کہ تم محبت والوں اور بھولنے والوں سب پر گواہ ہو جاؤ اور ہو جائیں رسول معظم تم پر گواہ و نگہبان اور ہم نے نہیں بنایا تھا وہ قبلہ جس پر آپ تھے مگر اس لیے کہ دیکھیں ہم کہ کون پیچھے چلتا ہی رہتا ہے رسول کے اور کون ہے وہ جو اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے، یہ بات بڑی گراں تھی لیکن اُن کے لیے نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت بخشی اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تمہارے ایمانوں کو ضائع کر دے یقین رکھیے کہ اللہ لوگوں کے حق میں نہایت مہربان رحمت والا ہے''۔

اس آیۂ کریمہ میں سب سے اہم مضمون خصائص اُمت کا بیان ہوا ہے۔ بکھرے ہوئے ذروں کو ایک چٹان بنا دیا گیا ہے۔ تشکیل اُمت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے کعبہ کی کشش ثقل بیان کی گئی ہے۔ وہ پہلی صفت جو قرآن نے ''اُمت'' کے حوالے سے بیان کی وہ امت کا ''وسط'' ہونا ہے۔

''الوسط'' کا معنیٰ تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے:

تاج العروس میں زبیدی حنفی لکھتے ہیں (2):

''الوسط'' کا معنیٰ ہر چیز کا درمیانی حصہ ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی نے ''وسط'' کا ترجمہ عدل اور انصاف سے کیا ہے (3)۔

محیط کا مؤلف لکھتا ہے ''وسوط الشمس'' کا مطلب سورج کا آسمان کے درمیان آ جانا ہوتا ہے (4)۔

علامہ اسماعیل حقی نے اعتدال سے ترجمہ کیا ہے (5)۔

مفردات

عَقِبَیۡهِ: اپنی ایڑیوں
وَ: اور
اِنۡ: نہیں
کَانَتۡ: ہے
لَکَبِیۡرَۃً: بھاری
اِلَّا: مگر
عَلَی الَّذِیۡنَ: ان پر
هَدَی اللّٰهُ: جسے اللہ نے ہدایت بخشی
وَمَا: اور نہیں
کَانَ: ہے
اللّٰهُ: اللہ
لِیُضِیۡعَ: کہ ضائع کرے
اِیۡمَانَکُمۡ: تمہارے ایمان کو
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
بِالنَّاسِ: لوگوں پر
لَرَءُوۡفٌ: بہت مہربان اور نرم
رَّحِیۡمٌ: رحم کرنے والا

طباطبائی نے خوبصورت شئی سے اس کو تعبیر کیا ہے(6)۔

علامہ زبیدی حنفی نے لکھا ''واسطة القلادہ'' ہار کا درمیانی موتی جو نفیس ترین ہو(7)۔

لسان العرب نے شاید اسی مناسبت سے خوبصورت اور نفیس سے لفظ کی تعبیر دی ہے(8)۔

وہ شخص جو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان پڑ جائے اسے بھی ''الوسیط'' کہتے ہیں(9)۔

ابن عاشور نے ''وسط'' کو شرف و عظمت کے معنوں میں لیا ہے(10)۔

تفسیر نمونہ نے افراط و تفریط سے دور رہنے کے لیے یہ لفظ سمجھا ہے(11)۔

التفسیر البسیط کے مؤلف نے کہا ہے۔ وادی کی بہترین جگہ ''وسط'' ہوتی ہے(12)۔

دھنک کا درمیانی رنگ بھی ''وسطه'' کہلاتا ہے(13)۔

شعراء نے بعض مقامات پر چودھویں کے چاند کو بھی ''وسیطه'' کہہ دیا ہے(14)۔

سید قطب نے اسے میانہ روی کے معنوں میں بھی سمجھا ہے(15)۔

امام فخر الدین رازی نے ایک حدیث نقل کی کہ ''اُمت وسط'' کا مطلب ''اُمت عدل'' ہے(16)۔

آیت میں حضور ﷺ کی اُمت کو کہا گیا کہ تم ''اُمت وسط'' ہو۔ تمہارا یہ فرض بنتا ہے کہ لوگوں کے درمیان تم عدل و انصاف قائم کرو۔ تمہارے عدل پر رہنے ہی سے لوگوں کے سامنے یہ معیار قائم ہو گا کہ وہ تم پر اعتماد کرسکیں گے۔

اُمت وسط ہونے کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ تم معتدل ہو، عقائد اور نظریات میں تم غلو نہیں کرتے، تقصیر اور شرک کی راہ نہیں چلتے، جبر میں نہیں پڑتے، تفویض کے قائل نہیں ہوتے، نہ تشبیہ کا عقیدہ رکھتے ہو اور نہ تعطیل کے تم قائل ہو۔ عملی زندگی میں نہ تم دنیا میں کھو جانے والے ہو اور نہ روحانیت کو بھول جانے والے ہو۔ یہودیوں کی طرح مادہ پرست نہیں اور عیسائیوں کی طرح رہبانیت کے عاشق نہیں۔ تم محبت سے محروم ہو کر عقل کی پگڈنڈیوں پر جہاں الجھتے نہیں وہاں عقل سے دستکش ہو کر محبت میں دیوانے بھی نہیں ہوتے، تم عقائد میں اُمت وسط ہو، تم اعمال میں اُمت معتدل ہو، تم زماں میں ملت وسط ہونے کا شرف رکھتے ہو، تم زماں میں معتدل ہونے کی تاریخ رکھتے ہو، روحانی دنیا میں تمہاری پہچان اُمت وسط ہونے کی ہے اور مادی دنیا میں بھی تم مرکز کائنات ہونے کے ناطے وسیط بھی اور بسیط بھی ہو۔ جمالیاتی دنیا میں نہ تم کور ذوق ہو کہ تماشائے حسن تمہارے لیے ممکن نہ ہو اور نہ ہی تم جنس زدہ ہو کہ حسن کا جنسی گھونٹ بھر لو، تم فکر و شعور اور تعمیل و تسلیم کی وادی میں احتیاط سے قدم رکھتے ہو، نہ ہر ایک کو چھوڑتے ہو اور نہ ہر ایک کا دامن پکڑنے میں عجلت کرتے ہو۔ تمہارا ذہن اعتدال کے صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا

ہے، تم افکار و نظریات کی شمعوں کی روشنی بھی محسوس کرتے ہو اور تم الہام و وحی کی عظمتوں سے بھی آگاہ رہتے ہو، تمہارا اپنا کوئی کمال نہیں، تمہیں تمہارے بنانے والے ہی نے اُمت وسط بنا دیا ہے اس لیے تم کوشش کرو کہ ''اُمت عدل'' ہی بن کر جیو۔

قرآن کی دعوت کتنی رسیلی ہے
اور صحیفۂ نور کی سند کتنی دلکش اور مضبوط ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ

''كَذٰلِكَ'' میں کاف تشبیہ کا ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ اس کاف کا تعلق ''یھدی'' کے ساتھ ہے اس صورت میں مفہوم آیت یہ ہوگا کہ ہم نے تمہیں جس طرح ہدایت سے نوازا اسی طرح ہم نے تمہیں ''اُمت وسط'' بنا کر انعام سے نوازا (17)۔

تعبیر کی دوسری جہت یہ ہے کہ اس حرف تشبیہ کا تعلق کعبہ سے ہے کہ ہم نے جس طرح کعبہ کو درمیانی بنایا تمہیں بھی معتدل اور وسط بنایا۔ اب تم لوگ نہ تُند رَو ہو اور نہ کُند رَو ہو۔ تمہیں نمونے کی قوم اور ملت بنا دیا گیا (18)۔

رازی نے لکھا کہ اس کا تعلق انتخاب ابراہیم کے ساتھ ہے۔ جیسے ان کا اصطفا کیا گیا تمہارا بھی فضیلت کے اعتبار سے انتخاب ہو گیا (19)۔

اس باب میں چوتھا قول یہ ہے کہ تمام جہتیں مشرق مغرب اور شمال جنوب اللہ کی ملک میں برابر تھیں لیکن اللہ نے فضل و شرف سے نوازا کہ قبلہ کو سب کے لیے مقرر کر دیا اور یہ تشبیہ عبادت میں ٹھہری (20)۔

رازی نے یہ بھی لکھا کہ یہاں ضمیر کا ذکر مرجع کے بغیر ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب مرجع معروف و مشہور ہو، اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے اس نے اپنی قدرت سے تمہیں اُمت وسط بنا دیا ہے (21)۔

جَعَلْنٰكُمْ

''کُم''، ضمیر سے مراد عامۃ المفسرین نے اُمت مسلمہ ہی مراد لی ہے لیکن خاص ضمیر کے حاملین نے یہ بھی کہا ہے کہ اُمت وسط کا تعلق دعائے ابراہیم سے ہے۔ آپ نے دعا فرمائی تھی (22):

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

''اور ہماری اولاد میں سے اپنی فرماں بردار اُمت پیدا فرما''۔

ایک دوسرے مقام پر اسی اُمت کو مخاطب کر کے فرمایا (23):

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ

''یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اُسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا''۔

مفسرین میں خاص ذوق کے حاملین نے کہا کہ آیات میں اولاد ابراہیم میں قیامت تک چلنے والے وہ ائمہ ہدایت مراد ہیں (24) جن سے وابستگی دوزخ کی آگ سے امان اور جنت میں دخول کا ذریعہ ہوگی اور کچھ سمجھ آئے نہ آئے اولاد رسول کی عظمت وفضیلت کے سامنے سرافگندگی قرآنی وژن کی مظہر ضرور نظر آتی ہے۔

وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ

قرآن مجید کا یہ جملہ بتاتا ہے کہ تحویل قبلہ کی علت اور حکمت یہ تھی کہ قیامت تک آنے والے قارئینِ صحیفہ پر یہ بات کھول دی جائے کہ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے جاہلانہ روایات، قومی تعصبات، لایعنی رسومات اور گروہی ترجیحات سے عشق اور دیوانگی مچائے رکھی اور وہ بلند بخت محبین رسالت کون تھے جنہوں نے غلامی کی ہر زنجیر کاٹ کر صدق دل سے رسول معظم کی پیروی کی تھی۔

قبلہ کو آباؤ اجداد کی روایت سمجھ کر ماننا اور ہے اور فرمان الٰہی کے تحت ماننا اور ہے۔عرب کے صحرانشینوں نے ہدایت کا کتنا بلند رتبہ پالیا تھا کہ نماز کے اندر ہی رسول معظم کی پشت پر نظر رکھتے ہوئے آدھی نماز قدس اور باقی نماز کعبہ کی طرف پڑھ لی تھی۔کیا یہ واشگاف اعلان نہیں تھا کہ مسلمان جہتوں کا بندہ نہیں وحی کا پابند ہے۔ قرآن سے وابستگی کا کتنا عظمت مآب عملی اظہار ہے اور عشق رسالت کی کتنی من موہ لینے والی تصویر ہے۔

قرآن مجید نے بساط ذہن سے بڑی حکمت کے ساتھ کانٹے چن لیے کہ ممکن ہے کوئی سوچتا ہو قبلہ آخر بدلنے کی ضرورت کیا تھی؟ فرمایا گیا تاکہ ہم دیکھ لیں آپ کی اطاعت کون بجالائے گا اور ایڑیوں پر گھوم کون جائے گا جملہ کی جو تفسیر ہونی تھی وہ تو ہو گئی۔ایڑیوں پر اعلیٰ حضرت کے چند اشعار قرآن کی خیرات لیے ہوئے محسوس ہوئے:

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں
ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج
جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں
ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اُمت وسط ہونے کی علت بیان ہوئی کہ تمہیں لوگوں پر گواہ بنانے کی غرض سے تمہیں عدل و انصاف پر قائم رہنے والا بنا دیا۔

شہادت کیا ہے؟

تاج نے لکھا کہ اس لفظ کا اساسی معنیٰ موجود ہونا اور حاضر ہونا ہوتا ہے(25)۔ بصارت یا بصیرت دونوں میں کسی ایک کی وجہ سے معلوم شئی کو کماحقہ بیان کر دینا شہادت ہے۔ مشاہدہ آنکھوں سے دیکھنے کو کہتے ہیں(26)۔''شاهد الفرس'' گھوڑے کی اس طاقت کو کہتے ہیں جسے استعمال میں لاکر وہ دوڑتا ہے(27)۔''امراۃ مشهد''اس عورت کو کہتے ہیں جو گھر میں موجود رہتی ہو(28)۔ اللہ کو بھی قرآن مجید نے شہید اس لیے کہا کہ ہر چیز اس کی نگاہوں میں ہے۔

''الشهد'عسل''کو بھی کہتے ہیں شاید چھتے میں موجود رہنے کی وجہ سے اسے شہد کہہ دیتے ہیں(29)۔ شہادت کا معنیٰ فیصلہ کرنا بھی ہوتا ہے(30)۔ اُمت مسلمہ کے لوگوں پر شہادت قائم کرنے کا یقیناً ان کے احوال سے خبردار رہنے کے معنوں میں استعمال ہونا ہے، کسی بھی نظام کی کامیابی لوگوں کی خبر گیری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو خبر گیری کرنے والا پاسباں بنا دیا ہے۔ یقیناً بروز قیامت بھی مسلمانوں کی دوسری اُمتوں پر گواہی گزرے گی۔ یہ اُمت مسلمہ کا اعزاز ہے، ذمہ داری ہے اور اس کا فرض ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرے، ان کے لیے حق کا معیار ظاہر کرے اور اقدارِ حیات کا تعین کرے۔ اُمت مسلمہ شاہدین کی ملت ہے انہیں لوگوں کے مرسومات اور رسوم، دساتیر اور قوانین، ضوابط اور طرق، شعائر اور تہذیبی آثار سب کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ دینا ہوتا ہے کہ جینے کے لیے معیار وحی کا اسوہ کہاں ہے۔ مفسرین کی یہ بات بالکل درست ہے کہ''شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ''ملت اسلامیہ اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب ان کے اندر کامل نمونہ قائم ہو جائے۔ عقائد، معارف اور تعلیمات میں قرآن اور سنت نبی کے ساتھ ساتھ چلنا ہی شہادت کے قیام کا مفہوم ظاہر کرسکتا ہے(31)۔

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

قرآن مجید کے اس حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب سیرت سے ایک ورق کھولا گیا ہے۔ جملے کا ایک ایک لفظ معانی اور مطالب کا موجزن سمندر ہے۔ لفظ کے آئینہ میں معانی کی حقیقت بڑی جاذبِ روح محسوس ہو رہی ہے۔ رسول پر الف لام نے عظمتوں اور فضیلتوں کے ساتوں آسمان مصطفیٰ کریم کے

قدموں میں رکھ دیے ہیں۔قوموں میں سے کوئی قوم نہیں اور ملتوں میں سے کوئی ملت نہیں جس پر اُمت مصطفویہ کی گواہی نہ گزرے گی اور اُمت مصطفویہ کا کوئی فرد نہیں جس کے فرد عمل پر رسول معظم کی نظر نہ ہو۔آپ شاہد بھی ہیں اور شہید بھی ہیں۔زمانہ ان کی نظر میں ہے قومیں اپنے مالہ اور مالھا کے ساتھ آپ کے علم کا ایک گوشہ بھی نہیں،اسفل واعلیٰ جوشئی ہے ان کے قدموں میں معراج پاتی ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا کہ بروز محشر لوگوں کے تمام اعمال پر رسول معظم کی گواہی گزرے گی۔بعض علماء نے لکھا کہ ''علیکم ،لکم'' کے معنوں میں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے گواہی دیں گے تا کہ تم سرفراز ہوجاؤ۔یہ بھی کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے ان پر تبلیغ کی گواہی دیں گے(32)۔

و اللہ اعلم

وَ اِنۡ کَانَتۡ لَکَبِیۡرَۃً

علامہ واحدی نے لکھا کہ اس جملہ سے مراد قبلہ کی تبدیلی ہے اور قدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف منہ کرنا ہے یعنی یہ ایک سخت امتحان ہے(33)۔انسان فطری طور پر روایت پرست واقع ہوا ہے۔جہاں اسے تاریخ نے جکڑ دیا ہوتا ہے وہاں سے نکلنا آسان نہیں ہوتا اصل امتحان تو اللہ کی بندگی اور رسول کی اطاعت و وفا ہے۔احکام کی تبدیلی سے لوگوں کے نفس ساز ماحول پر چوٹ مارنا ضروری ہوتا ہے۔ آیت یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ اللہ کے ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے فائز المرام ہونا کوئی بھاری نہیں ہوتا۔اللہ کی دی ہوئی ہدایت انسان میں تسلیم وتعمیل کی روح بیدار کردیتی ہے۔جملہ کا یہ مفہوم ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسے ہی سمجھا کرتے تھے۔مجاہد اور قتادہ نے اسی تفسیر پر ''صاد'' کیا تھا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنا بہت بھاری ہے مگر اس پر گراں نہیں جسے اللہ ہدایت عطا فرمادے۔ابن زید نے یہی قول کیا ہے(34)۔

ابن جریر اور واحدی کی عبارت سے یہ بھی سمجھا گیا کہ مسلمانوں کے لیے قدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا ایک مشکل سا کام تھا،اللہ نے قلبی ہدایت سے انہیں نواز کر آسان کردیا(35)۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَکُمۡ

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے حضرت ابوامامہ،سعد بن زرارہ اور براء بن عازب کا قدس کے قبلہ کی طرف ہی نمازیں ادا کرتے ہوئے وصال ہوگیا۔ان کے قبائل نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی ہمارے پیاروں کا وصال تو قدس پر ہی ہوگیا وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کی لذت سے ہم چشیدہ نہ ہوسکے ان کا کیا بنے گا؟ آیت کا یہ ٹکڑا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

حضور ﷺ نے تلاوت فرمایا کہ قدس کی نمازیں ضائع ہوئیں نہ ایمان کی حرارت میں کچھ فرق پڑا۔ ایک مصلحت سے دوسری مصلحت کی طرف عدول اور ایک ذمہ داری سے دوسری ذمہ داری کی طرف متوجہ ہونا ایمان کو ضائع نہیں کرتا بلکہ وفاؤں کے تام ہونے کا اعلان کرتا ہے (36)۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

قفال نے رافت اور رحمت میں فرق یہ کیا ہے کہ رافت خصوصی رحمتوں میں مبالغہ کا نام ہے اور ناپسندیدہ چیز کی ضرر سے دفاع کرنے کی تعبیر ہے اور رحمت کے اندر اثباتِ خیر کا پہلو نمایاں ہونے کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ ہوا، بارش اور پانی رحمت ہیں اور بادوباراں کے طوفان سے دشمنوں کے خیمے اجاڑ دیے جائیں تو یہ رؤف ربّ کی رافت ہے جسے چاہتا ہے وہ نوازدیتا ہے (37)۔

آیت میں اسباق:

1۔ نیکیوں بدیوں کی تاریخ اللہ کے ہاتھ میں ہے انسان کو خوبیوں کی خوشبو کے لیے رجوع اِلی اللہ ہی کرنا چاہیے۔

2۔ اُمت بامقصد لوگوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے مسلمانوں کو زندگی کی مقصدیت قرآن کے چراغوں سے حاصل کرنے کے لیے سفر جاری رکھنا چاہیے۔

3۔ اُمت مسلمہ کو ''وسط'' ہونے کی معنویت سے خود کو محروم نہیں کرنا چاہیے، یہ زیبائی زندگی کو نکھارتی ہے۔

4۔ ''شہادت علی الناس'' مسلمانوں کا فرض منصبی ہے انہیں ہمہ وقت اس تگ ودو میں لگا رہنا چاہیے۔

5۔ رسول معظم ﷺ کو زندگی میں اثر ورحمت اور نگہبانی اور شہادت میں اپنے ساتھ ساتھ سمجھنا چاہیے۔ تربیت کا انتہائی مؤثر وسیلہ ہے۔

6۔ احکام اور نواہی میں ندرت امتحان ہوتے ہیں انہیں صلاحیتوں کے اُجاگر کرنے کے لیے عمل اور تعمیل میں بسائے رکھنا چاہیے۔

7۔ ہدایت روحانی اہم چیز ہے عملی زندگی میں اس کی طلب اور آرزو دل کی دھڑکنوں سے متقارب رکھنی چاہیے۔

8۔ اُمت وسط کا خصوصی اطلاق اولاد ابراہیم اور ائمہ سادات پر ہوتا ہے ان کے فیوض سے بہرہ مندرہنا چاہیے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

9۔ احکام واوامر کی تاریخ سے زندگی کی قیمت معلوم کی جاسکتی ہے۔

10۔ وسائل اور شعائر دینیہ سے مستفید ہونے کی کوشش جاری رہنی چاہیے۔

11۔ ”کَذٰلِکَ“ کا لفظ بتاتا ہے کہ ہدایت کا جو نور سابقین میں چمکا اسے مشعل راہ بنا کر آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔

12۔ اعتدال اچھی اور خوبصورت عادت ہے۔ محبتوں، الفتوں، نوازشوں، فیصلوں اور اقدامات میں معتدل رہنا اچھا انسان ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ زندگی میں یہ تربیت رہنی چاہیے۔

13۔ ایمان، زندگی اور وقت قیمتی دولت ہے اسے ضائع ہونے سے بچانا چاہیے۔

14۔ آیت اللہ کی دو صفتوں پر ختم ہوتی ہے: بات کرتے ہوئے اللہ کی حمد کا ترانہ گونجتے رہنا چاہیے۔

15۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ اگر اللہ انسانوں پر مہربان ہے تو مبلغین کو بھی قافلۂ انسانیت کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرنا چاہیے۔

16۔ رؤف صفت بتاتی ہے کہ ناپسندیدہ لوگوں کے شر سے بچنا الوہی سکھایا ہوا طریقہ ہے اسے ہر حال میں زیرِ نظر رکھنا چاہیے۔

17۔ رحیم کا مطلب خیر کا اثبات ہے۔ خوبیوں کا چمن لوگوں کو ہمیشہ ہرا رکھنا چاہیے مہربانی کی کنجی سے جنت کا ہر دروازہ کھولا جاسکتا ہے۔

18۔ اللہ سے رابطہ ہر شدت اور مشقت کو نرمی اور رحمت سے بدل دیتا ہے۔

19۔ اللہ تعالیٰ سے اچھی امید وابستہ رہنی چاہیے وہ کسی کی کوئی چیز ضائع نہیں کرتا۔

20۔ تشکیل اُمت کی قرآنی بنیادوں کو مضبوط کرنا چاہیے یعنی اللہ کی رسی مضبوط پکڑنی چاہیے اور تفرقہ سے بچتے رہنا چاہیے۔

21۔ کعبہ مسلمانوں کی ایمانی، تحریکی اور عملی زندگی کا محور اور مرکز ہے۔ یہ ہمیشہ توجہات کا مرکز رہنا چاہیے۔

22۔ احکام سارے تو نماز کی روح رکھتے ہیں، اسے قائم رکھنے میں کوئی سستی اور تساہل نہیں برتنا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا
وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾
وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا
اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

(144) ہم آپ کے چہرے کو آسمان میں بار بار پھیرنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور ہی پھیر دیں گے آپ کو اُس قبلہ کی طرف جدھر آپ راضی ہوں گے، راضی رہو اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اُسی کی طرف پھیرو اور یقین رکھو کہ وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اُن کے ربّ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اُس سے جو وہ کرتے ہیں

(145) اور اگر آپ لے آئیں ساری ہی آیتیں ان کے پاس جنہیں کتاب دی گئی ہے، پیروی نہیں کریں گے آپ کے قبلہ کی اور آپ تابع نہیں ہیں ان کے قبلہ کے، اُن کی حالت تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ اُن کے قبلہ کے تابع ہو جائیں (قاریٔ قرآن) اور اگر تو نے اُن کی خواہشات کی پیروی شروع کر دی بعد اس کے کہ آ چکا تمہارے پاس علم تو یقیناً تو ظالموں سے ہوگا

مفردات

قَدۡ: بے شک
نَرٰى: ہم دیکھ رہے ہیں
تَقَلُّبَ: بار بار اٹھنا
وَجۡهِكَ: آپ کے چہرے کا
فِى: بیچ میں، کی طرف
السَّمَآءِ: آسمان یا پھر بلندی کی طرف
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ: تو ضرور ہم پھیر دیں گے
قِبۡلَةً: قبلے کی طرف
تَرۡضٰٮهَا: جدھر آپ خوش ہوں گے
فَوَلِّ: سو پھیر لیں
وَجۡهَكَ: اپنا چہرہ
شَطۡرَ: جانب
الۡمَسۡجِدِ: مسجد
الۡحَرَامِ: حرم، حرمت والی مسجد
وَحَيۡثُ مَا: اور جہاں کہیں
كُنۡتُمۡ: آپ ہو
فَوَلُّوۡا: سو پھیر لو تم سب
وُجُوۡهَكُمۡ: اپنے چہروں کو
شَطۡرَهٗ: اسی کی طرف
وَاِنَّ: اور بے شک
الَّذِيۡنَ: وہ لوگ
اُوۡتُوۡا: جو دیے گئے
الۡكِتٰبَ: کتاب
لَيَعۡلَمُوۡنَ: ضرور جان لیں گے
اَنَّهُ: بے شک وہ
الۡحَـقُّ: حق ہے
مِنۡ رَّبِّهِمۡ: ان کے ربّ کی طرف سے

قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰٮهَا ۖ فَوَلِّ وَجۡهَكَ
شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ؕ وَاِنَّ
الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾

''ہم آپ کے چہرے کو آسمان میں بار بار پھیرنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور ہی پھیر دیں گے آپ کو اُس قبلہ کی طرف جدھر آپ راضی ہوں گے، راضی رہوا پنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اُسی کی طرف پھیرو اور یقین رکھو کہ وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اُن کے ربّ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اُس سے جو وہ کرتے ہیں''۔

اس آیت کا عنوان اور عمود حضور ﷺ کا چہرہ ہے۔ آپ نے ایک سچی اور تاریخ بدل آرزو چہرے پر سجا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ نور دیکھنے والے نے اوپر نظر اٹھا کر نور کے سوا اور کیا دیکھنا تھا۔ تقرب اور قرب کے جلوے بقول گسے رنگ اور آواز سے بلند ہوتے ہیں، جہاں صرف نور رہتا ہے، روشنی ہوتی ہے وہاں آرزوئیں طلب کی روشنی لے کر چمکتی ہیں اور عطائیں صدق دیکھنے والوں کو کائنات کی کوئی چیز نہیں جس سے نواز نہ دیتی ہوں۔

شہر نور ''مدینہ'' میں جب حضور ﷺ کا ورود ہوا کچھ عرصہ کے لیے جانِ رحمت نے قدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا فرمائیں۔ آپ کا ایسا کرنا یقیناً وحی سے تھا لیکن یہود جن کی سرشت میں شرارت تھی، پروپیگنڈا شروع کر دیا، دیکھو جی محمد ﷺ ویسے تو ہمارے دین کی کسی چیز کو قبول نہیں کرتے لیکن نماز ہمارے قبلے کی طرف ہی منہ کر کے ادا کرتے ہیں۔ فطری بات تھی حضور ﷺ کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ قبلہ کعبہ کو بنا دیا جائے تو دینی دعوت میں جان پیدا ہو جائے گی اور عرب کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں دلچسپی محسوس کرنے لگ جائیں گے چنانچہ آپ کی آرزو تڑپ بن گئی اور چشم منتظر سے آسمان کی طرف بار بار دیکھنے لگ گئے۔

مواہب اور سبیل الرشاد میں ہے کہ آپ ﷺ براء کے انتقال کے بعد ام بشر بن براء کے گھر تشریف لے گئے۔ ام بشر نے آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا۔ وہاں ہی آپ ﷺ نے ظہر کی نماز اپنے اصحاب کی معیت میں ادا کی۔ مسجد بنی سلمہ میں آپ نے نماز شروع فرمائی، جب دو رکعت ادا ہو گئیں تو

مفردات

وَمَا اللّٰهُ: اور نہیں ہے اللہ
بِغَافِلٍ: بے توجہ
عَمَّا: اس سے
يَعْمَلُوْنَ: جو وہ کرتے ہیں

جبرائیل نے کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا اشارہ کیا۔ آپ نماز کے اندر ہی میزاب رحمت کی جانب مڑ گئے۔ نماز میں جتنے مرد اور عورتیں تھیں وہ بھی کعبہ کی طرف مڑ گئیں۔ واحدی نے اسی قصہ کو قوی کہا (38)۔

آیت میں ''قَدْ نَرٰى'' کا لفظ جو دلچسپیاں لیے ہوئے ہے اس پر پیر کرم شاہ الازہری کی خوبصورت تفسیر ملاحظہ ہو (39):

> ''حضور ﷺ کی چشم تمنا در رحمت کی طرف بار بار اٹھتی۔ اللہ کو اپنے محبوب کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ فرمایا محبوب! جو قبلہ تمہیں پسند وہی ہمیں پسند، تیری خوشی کے لیے ہم کعبہ کو قبلہ مقرر فرماتے ہیں۔ ''قَدْ نَرٰى'' کہنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے، تیرے رخ انور کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ایسی چیز نہیں جسے قِصَّہٴ ماضی بنا کر بیان کیا جائے بلکہ چشم قدرت اس منظر روح پرور کا اب بھی یونہی مشاہدہ فرما رہی ہے، حضور ﷺ کی شان محبوبیت کا کیا کہنا ''سبحان اللہ''۔

آیت میں تکرار ہے واحد کبھی جمع، کعبہ کی طرف منہ پھیر لے اور منہ پھیر لو، اس میں خوشیوں اور جذبوں کی معراج ہے۔ رنگوں کی برسات ہے اور احساسات کا ہجوم ہے۔ لگتا ہے خوشیوں اور مسرتوں کی برات چلی ہے، عبادت کی روح میں دھوم مچی ہوئی ہے، لگتا ہے حور و غلماں بھی آج مسلمانوں کے ساتھ طرب انگیز حمدیہ نغمے الاپ رہے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ قبلہ کی تبدیلی نے ماحول کو مرتعش کر دیا تھا، امکان تھا نئے مسلمان پروپیگنڈہ کے زہریلے اثرات کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے کبھی حضور ﷺ سے اور کبھی عام مسلمانوں سے کہا گیا: مڑ جاؤ کعبہ کی طرف، اس میں ایک عقیدہ کو عمل اور تحریک بنا دیا گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ آیت میں کعبہ کی بجائے ''شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' آیا ہے اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ دور کے علاقے میں نماز پڑھنے والوں کے لیے کعبہ کا حقیقی تعین مشکل سا معاملہ ہے اس لیے ''شَطْرَ'' جس کا مطلب ''طرف'' ہوتا ہے اس پوری سمت کو معتبر قرار دے دیا گیا۔ اس بات کو زیرِ نظر رکھ لیا جائے تو یہ سارے اقوال معنیٰ آفرینی میں یکساں ہو جاتے ہیں۔ ''شَطْرَ'' سے مراد پورے کعبے کے سامنے ہو جانا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا (40):

''کعبہ کے پرنالہ کے سامنے، اہل اندلس اور اہل مدینہ کا قبلہ اسی جانب ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا(41):

''بیت اللہ اہل مسجد کے لیے قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کے لیے قبلہ ہے اور حرم میری اُمت کے مشرق مغرب میں رہنے والے اہل زمین کا قبلہ ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قول ہر پیچیدگی کو آسانی میں ڈھال دینے والا ہے۔

نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے(42):

''ہم لوگ بنو حارثہ کی مسجد میں ظہر یا عصر ادا کر رہے تھے۔ ہمارا منہ قدس کی طرف تھا۔ دو رکعت پڑھ چکے تو کسی نے اطلاع دی کہ قبلہ کعبہ ہو گیا ہے۔ ہم نے نماز کے اندر ہی کعبہ کی طرف منہ موڑ لیا۔ ہم گھومے تو مردوں کی جگہ عورتیں اور عورتوں کی جگہ مرد آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت کی یہ خبر پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے''۔

قرآن مجید کی اس آیت کی تفہیم میں جو احادیث اور احوال دور نبوی کے حوالے سے رقم کیے گئے ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رحمت عالم کے فیضان تربیت نے اس سوسائٹی کو زندگی عطا کر دی تھی۔ ایمان اور خود اعتمادی نے فضا کو باہمی اعتماد کا حسن بھی عطا کر دیا تھا۔ وہ معمولی خبر اور اطلاع پر قبلۂ سابق کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف مڑ گئے تھے۔ وحی کا نزول تو جانِ رسالت پر ہوا تھا انہوں نے تو محض منشائے رسالت کو بھانپ کر وفا، اطاعت اور اتباع کے نقوشِ جمیلہ اوراق تاریخ میں ثبت کر دیے تھے، اسلام اور دین مصطفوی کی روح تو یہی ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے نبوی دعوت کے خلاف محاذ بنا رکھا تھا، قرآن مجید یہاں ان کے تعصب اور ضد کا حوالہ دے رہا ہے کہ ان کی پتلی حالت دیکھیے کہ کتاب رکھنے کے باوجود اپنی تاریخ کو مسخ کر رہے تھے۔ مجہول کا صیغہ بتا رہا ہے کہ یہ لوگ اپنی کارستانیوں اور کرتوتوں کی وجہ سے کوئی قابلِ ذکر لوگ نہیں ہیں۔ ان کا حوالہ صرف اس لیے دیا جا رہا ہے کہ دوسرے اہل ایمان ان سے عبرت گیری کریں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ

یہود ونصاریٰ اوران کے حاشیہ نشینوں کو اچھی طرح یہ معلوم ہے کہ پیغمبر ﷺ کچھ دنوں کے لیے قدس کی طرف نماز پڑھیں گے اور کعبہ ہی کو اللہ کے حکم کے مطابق قبلہ بنالیں گے۔ تحویل کعبہ سے لے کر قرآنی ہدایات میں سے ایک ایک چیز ہے، حق ہے۔ یہ سب کچھ ان کی معلومات میں ہے لیکن ان کے نفسوں کا بغض، ان کے دلوں کا حسد اور ان کی سوچوں کی ڈھٹائی انہیں حق سے قریب نہیں ہونے دیتی (43)۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ

اس جملہ کا تعلق مومنین سے بھی ہوسکتا ہے اور یہود سے بھی ہوسکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ مومنین سے اس کا تعلق یوں بنتا ہے کہ اللہ فرمار ہا ہے کہ اے غلامانِ رسول! اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس کی رضا طلبی میں اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالے ہوئے ہو، وہ تمہارے اس عمل خیر سے بے توجہ نہیں، اس کا فیصلہ ہے کہ اس نے تمہیں ثواب و جزا دینی ہے۔ اسی طرح یہود نے تعصب اور حسد کا اظہار کر کے اللہ کا غضب وسخط کمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں ان کی ذلتوں سے غافل نہیں وہ ان رذیل لوگوں کے تمام کرتوتوں سے آگاہ ہے (44)۔

آیت میں اسباق:

1۔ سچی آرزوئیں اور تمنائیں ایک نہ ایک دن اللہ ضرور پوری فرمادیتا ہے۔
2۔ مشاہدہ اور مراقبہ اصلاح احوال میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔
3۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقام محبوبیت حاصل تھا۔
4۔ قوموں کی فکری اور تحریکی زندگی میں روحانی مرکز کو ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔
5۔ اہل اللہ کے چہروں کو دیکھنا روحانی زندگی میں ایک میٹھی منزل ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔
6۔ اللہ کی رضا حضور ﷺ کی رضا میں مضمر ہے۔
7۔ عبادت میں قبلہ کی طرف یکسوئی کے ساتھ منہ موڑنا اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔
8۔ مسجد الحرام کی بڑی اہمیت ہے، قرآن خود اس کی فضیلت بیان کرتا ہے، مسلمانوں کو اپنے اس مرکز سے والہانہ لگاؤ رکھنا چاہیے۔
9۔ دین کے بارے میں غیر مسلم کیا سوچتے ہیں؟ یہ آیت بتاتی ہے کہ تحریکی زندگی میں

مفردات

وَلَئِنۡ: اور اگر
اَتَيۡتَ: تم آؤ
الَّذِيۡنَ: ان کے پاس جو
اُوۡتُوا: دیے گئے ہیں
الۡكِتٰبَ: کتاب
بِكُلِّ: ہر قسم کی
اٰيَةٍ: نشانی کے ساتھ
مَّا تَبِعُوۡا: نہ پیروی کریں وہ
قِبۡلَتَكَ: آپ کے قبلے کی
وَمَا: اور نہ
اَنۡتَ: آپ
بِتَابِعٍ: پیروی کرنے والے ہیں
قِبۡلَتَهُمۡ: ان کے قبلے کی
وَمَا: اور نہ
بَعۡضُهُمۡ: بعض ان کے
بِتَابِعٍ: پیروی کرنے والا
قِبۡلَةَ: قبلے
بَعۡضٍ: بعض کے
وَلَئِنِ: اور اگر
اتَّبَعۡتَ: آپ نے پیروی کی
اَهۡوَآءَهُمۡ: ان کی خواہشات کی
مِّنۡۢ بَعۡدِ: بعد سے
مَا جَآءَكَ: جو آیا آپ کے پاس
مِنَ الۡعِلۡمِ: علم سے
اِنَّكَ: بے شک آپ
اِذًا: جب تو
لَّمِنَ: سے
الظّٰلِمِيۡنَ: انصاف نہ کرنے والوں

یہ بھی ضروری ہے۔

10۔ حق کی جستجو اور تاریخ دین کی اساسی ضرورت ہے۔

11۔ ہر انسان کی فردِ عمل اللہ کے سامنے ہے، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں۔

وَلَئِنۡ اَتَيۡتَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ ۚ وَمَا بَعۡضُهُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَةَ بَعۡضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

''اور اگر آپ لے آئیں ساری ہی آیتیں ان کے پاس جنہیں کتاب دی گئی ہے، پیروی نہیں کریں گے آپ کے قبلہ کی اور آپ تابع نہیں ہیں ان کے قبلہ کے، اُن کی حالت تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ اُن کے قبلہ کے تابع ہوجائیں (قاریٔ قرآن) اور اگر تو نے اُن کی خواہشات کی پیروی شروع کر دی بعد اس کے کہ آچکا تمہارے پاس علم تو یقیناً تو ظالموں سے ہوگا''۔

قرآن مجید نے اس آیت میں ایک تعجب انگیز حقیقت بیان فرمائی کہ یہود و نصاریٰ کی باہمی عداوت کا یہ حال ہے کہ یہ ایک دوسرے کا قبلہ بھی نہیں مانتے۔ ایک قدس کے شرقی حصہ کو اور دوسرا غربی حصہ کو قبلہ مانتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کے قبلہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ان کے ہیکل کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا اور یہودیوں کے لیے ممنوع ہوگیا تھا کہ وہ اس شہر میں کبھی داخل ہوسکیں لیکن اس کے برعکس اسلام دشمنی میں وہ ایک دوسرے کے ساتھی بن چکے تھے۔ ان کی رفاقتوں کے عقب میں ان کی منافقتوں کی پوشیدہ تاریخ کو قرآن حکیم نے کھول کر بیان کر دیا اور تاریخ کو استدلال کی اساس بنا دیا۔

لفظ آیت کی تشریح

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (45):

> ''ایه، فعلة'' کے وزن پر ہے۔ اصل میں ''یا'' مشدد تھی۔ ثقل کی وجہ سے اول ''یا'' کو ماقبل ''فتحہ'' کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا۔ اب ''الایہ'' کا مفہوم اور معنیٰ جہت اور علامت ہوتا ہے۔ ''آیة الرجل'' کا معنیٰ اس کی ذات ہوتی ہے۔ یہ لفظ جماعت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کی آیت کو آیت اس لیے

کہتے ہیں کہ اس میں بھی حروف کی نشان دار جماعت
ہوتی ہے''۔

تاج العروس نے لکھا کہ راستہ کے نشانات بھی آیات کہلاتے ہیں(46)۔

لغات القرآن کے مؤلف نے لکھا کہ ہر اس ظاہر شئ کو آیت کہتے ہیں جو کسی چھپی ہوئی شئ کا لازمی خاصہ ہو اور جب کوئی شخص اس ظاہری شئ کا ادراک کرلے تو وہ جان لے کہ اس نے اس پوشیدہ چیز کا ادراک یا اندازہ کرلیا ہے(47)۔

قرآن مجید نے کائنات میں بکھرے ہوئے مظاہر فطرت کو بھی آیات سے تعبیر کیا ہے۔خصوصاً انبیاء کے معجزات بھی آیات ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔عربی زبان میں ''ایا النبات'' پودوں کے پھولوں اور خوبصورتی کو کہتے ہیں۔ابن فارس نے لکھا کہ کسی جگہ رک کر غور وفکر کرنا بھی ''تأیا'' کہلاتا ہے(48)۔

وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ

''اَهۡوَآءَهُمۡ ،ھویٰ'' سے ہے، یہ وہ چیز ہوتی ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو۔اردو میں خواہش سے اس کو تعبیر کیا جاتا ہے، اس جملہ میں مخاطب کون ہے؟ فخر الدین رازی نے اس میں تین قول نقل کیے ہیں(49):

- پہلا قول یہ ہے کہ رسول معظم ﷺ مخاطب ہیں۔
- دوسرا قول یہ ہے کہ رسول معظم ﷺ اور آپ کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ مخاطب ہیں۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ مخاطب حضور ﷺ ہیں لیکن مراد دیگر علماء ہیں۔

خواہشات کی پیروی اور حضور ﷺ کے درمیان زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ہے۔سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ قضیہ شرطیہ ہے اور اس قضیہ کے صدق کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس کے طرفین صادق ہوں۔ اگر کوئی بوڑھا یہ کہے کہ اگر میں جوان ہوگیا تو یہ کام کروں گا ظاہر ہے یہاں جوان ہونا اور کام کا لازم آنا دونوں ناممکن ہوں گے(50)۔

علامہ قرطبی کی نفیس عبارت

''اس آیت میں خطاب حضرت محمد ﷺ کو ہے اور مراد
آپ کی اُمت کے وہ لوگ ہیں جن کا خواہش کی پیروی
کرنا جائز ہے اور وہ لوگ خواہش کی پیروی کرنے سے
ظالم ہو سکتے ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ایسا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

عمل سرے سے جائز ہی نہیں جس کی وجہ سے آپ
ﷺ ظالم ہو جائیں۔ حضور ﷺ کی عصمت اور
آپ ﷺ سے ایسے اعمال سرزد نہ ہونے کی قطعیت
کی وجہ سے اُمت کے ارادہ پر محمول ہے''(51)۔

آیت میں اسباق

1۔ انسانی افکار میں آیات باری کا تتبّع فلاح اور کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔

2۔ معجزات اور آیات پر یقین اور تیقُّن ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

3۔ اسلامی قیادت کی اہم صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ خواہشات کے تابع نہیں ہوتی۔

4۔ حق کی پیروی پیغمبرانہ کردار کا ہمیشہ مرکز ہوتا ہے۔

5۔ دل میں حسد اور بغض ہونے کی صورت میں دلائل بے اثر ہو جاتے ہیں۔

6۔ خواہشات کی پیروی انسان کو حق سے محروم کر کے ظلم کے دائرہ میں جا داخل کرتی ہے۔

7۔ تمام لوگوں کو اپنا احتساب کرنا چاہیے اس لیے کہ اسلام اور قرآن میں خود احتسابی کی بڑی اہمیت ہے۔

8۔ روحانی اعتبار سے اپنے قبلہ سے وابستگی زندگی کے چمن میں فضیلتوں کے پھول پیدا کرتی ہے۔

9۔ دین کا مرجع طبیعت نہیں قرآن حکیم ہے سو مراجعت قرآن کی طرف ہونی چاہیے۔

10۔ کتاب کا حق اس سے کماحقہ استفادہ کرنا ہوتا ہے محض وابستگی کوئی بلیغ معنی نہیں رکھتی۔

11۔ آیت میں ایک علم کا ذکر ہے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد معجزات اور دلائل قرآنی ہیں۔

12۔ علم کی فضیلت مسلّمہ ہے۔

13۔ علم کو ایمان آفرین اور کردار ساز ہونا چاہیے۔

14۔ تاریخ کے علم کو استدلال میں فنی اور اساسی اہمیت حاصل ہے، یہاں یہود و نصاریٰ کے اختلافات کی تاریخ کو بطور دلیل بیان کیا گیا ہے۔

15۔ ظلم بہت بری چیز ہے اس سے بچنا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ ؕ وَ اِنَّ
فَرِیۡقًا مِّنۡہُمۡ لَیَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾
اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾ ع
وَ لِکُلٍّ وِّجۡہَۃٌ ہُوَ مُوَلِّیۡہَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ ؕ؃ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ
بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۴۸﴾
وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ اِنَّہٗ
لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾

(146) وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور یقیناً اُن میں ایک گروہ ہے جو حق کو چھپا تا رہے گا اور ایسا وہ جان بوجھ کر کریں گے

(147) یہ حق ہے تمہارے ربّ کی طرف سے لہٰذا اُن میں سے نہ ہو جانا جو شک ہی کرتے رہتے ہیں

(148) اور ہر ایک کی توجہ کے لیے ایک مرکز ہے جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے تو کیا دیر ہے نیکیوں میں دوسروں سے آگے آگے رہو تم کہیں بھی ہوئے تو اللہ تم سب کو اُٹھا لے آئے گا بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے

(149) اور آپ جدھر سے بھی باہر نکلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام ہی کی طرف پھیرے رکھیں اور یقیناً یہی حق ہے تمہارے ربّ کی طرف سے اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ‌ؕ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُوۡنَ الۡحَـقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾

''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور یقیناً اُن میں ایک گروہ ہے جو حق کو چھپا تا رہے گا اور ایسا وہ جان بوجھ کر کریں گے''۔

''اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ'' کتابِ حقائق بینی کا آئینہ ہوتا ہے اہل کتاب اپنی کتب میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف جان چکے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی، خصوصیات اور نشانیاں وہ لوگ جانتے تھے۔ جیسے بچے کے اوصاف سے انسان آگاہ ہوتا ہے اس معاشرہ کے پڑھے لکھے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی نظر ہی میں پہچان لیتے تھے۔ یہ بات درست ہے کہ اولاد کی محبت صرف مشاہدہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ قلبی اور روحی محبت کی عکاس ہوتی ہے۔ یہ لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفسیاتی، تاریخی اور قلبی میلانات سے پہچانتے تھے لیکن حسد اور بغض نے ان کی آنکھوں میں مٹی ڈال دی تھی۔ ان کے لیے انصاف کرنا جاہلی تعصّبات کی بنا پر مشکل ہو گیا تھا وگرنہ ان کی کتابیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے بھری ہوئی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی جانتے ہو جیسے تم اپنی اولاد کو پہچانتے ہو؟ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے ''بلکہ اس سے بھی زیادہ'' اس لیے کہ آسمانوں کا امین زمین کے امین پر نازل ہوا یعنی جبرائیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہیں، ہمیں کیا ہے کہ ہم اپنے نبی کو نہ پہچانیں، ہمیں اپنی اولادوں میں شک ہو سکتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی برحق ہونے میں شک نہیں ہو سکتا (52)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار سے پوچھا کہ تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کس طرح بیان ہوئے ہیں، وہ فرمانے لگے ہم نے تورات میں لکھا پایا ہے (53):

> ''ان کا نام محمد ہے، ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور طابہ کی طرف ہجرت کریں گے اور شام کا علاقہ ان کے قبضے میں آجائے گا۔ ان کی زبان صاف ستھری ہوگی، وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہ ہوں گے اور برائی کا بدلہ وہ برائی سے نہیں لیں گے۔ وہ ہمیشہ درگزر کریں گے، ان کی اُمت کثرت سے حمد کرنے والی ہوگی

مفردات

اَلَّذِيۡنَ: وہ جنہیں
اٰتَيۡنٰهُمُ: ہم نے دی ان کو
الۡكِتٰبَ: کتاب
يَعۡرِفُوۡنَهٗ: پہچانتے ہیں وہ اسے
كَمَا: جیسا کہ
يَعۡرِفُوۡنَ: وہ پہچانتے ہیں
اَبۡنَآءَهُمۡ: اپنے بیٹوں کو
وَاِنَّ: اور بے شک
فَرِيۡقًا: ایک گروہ
مِّنۡهُمۡ: ان میں سے
لَيَكۡتُمُوۡنَ: وہ چھپا رہے ہیں
الۡحَـقَّ: حق کو
وَ: حالانکہ
هُمۡ: وہ لوگ
يَعۡلَمُوۡنَ: جانتے ہیں، علم رکھتے ہیں، اشارہ اس طرف ہے کہ وہ جان بوجھ کر کتمانِ حق کرتے ہیں

اور شدت، نرمی اور خوشی، غم ہر موقع پر اللہ کی حمد کرے گی، وہ
بلندی پر چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہیں گے۔آپ کی اُمت
دست و پا کو وضو سے منور کرنے والی ہوگی، وہ وسطِ کمر پر تہہ
بند باندھیں گے، وہ نمازوں میں لڑائی کی طرح صف بندی
کریں گے، مسجدوں کے اندران کی آوازیں شہد کی مکھی کی
آواز سے بھی پست ہوں گی، پاس والا بھی نہ سن سکے گا''۔

''یَعۡرِفُوۡنَ''میں ضمیر کا مرجع

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ یہ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے مطلب یہ ہوا کہ انہیں حضور ﷺ کی معرفت اپنی اولادوں سے بھی زیادہ تھی (54)۔

رازی نے اس ضمن میں دوسرا قول یہ لکھا کہ ضمیر کا تعلق تحویل قبلہ کے ساتھ ہے یعنی اہل کتاب میں قبلہ کی تبدیلی کا معاملہ اتنا معروف تھا جیسے اولادیں انسان پر مخفی نہیں ہوتیں (55)۔

تیسرا قول شہاب الدین حلبی کا ہے کہ ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے یعنی وہ لوگ قرآن کی دعوات سے اس طرح آگاہ تھے جیسے وہ اپنی اولادوں سے واقف ہوتے ہیں (56)۔

چوتھا قول ابوحیان اندلسی کا ہے کہ ضمیر کا مرجع مسجد الحرام ہے (57)۔

اور اسی طرح پانچواں قول ضمیر کا موعود العلم ہونے کا ہے (58)۔

آیت میں ''فَرِيۡقًا'' کی تعبیر

حق ناشناس لوگ خود کو کتنا ہی منظم کیوں نہ کرلیں وہ اُمت نہیں فرقہ ہوتے ہیں۔ایسے لوگوں کی رذیل اور ذلیل سوچیں اُمت کو ادھیڑتی ہیں، تقسیم کرتی ہیں، ٹکڑوں میں بانٹتی ہیں، دلوں کو بکھیرتی ہیں اور قومی اور ملی وجود کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کے اندر کا ایک گروہ فرقہ قرار دیا اور کہا کہ کتمانِ حق ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ان کے پاس دلوں کو جوڑنے والا مقناطیس موجود نہیں ہوتا۔ انہوں نے نفوس کی پٹاریوں میں دہشت ناک اور زہریلے ناگ پال رکھے ہوتے ہیں اور علم وحق کو دبیز اندھیروں میں چھپانے کا دھندا یہ لوگ جان بوجھ کر کرتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ جاننے والوں کا درجہ اور فضیلت بھی بہت ہے لیکن اپنی ذمہ داریوں سے اغماض برتنے سے وبال بھی خوفناک ہوتا ہے۔علم والوں کو علم کے چراغوں کی روشنی سب سے پہلے خود کو عطا کرنی چاہیے اور پھر اس روشنی سے معاشرہ منور کرنا چاہیے۔انسان کا اپنا اندر پیاس کی شدت سے چیختا

رہے اور انسان سخاوت کے جام پیٹھ پر لاد کر صحرائے ربُع الخالی کا مسافر بنا رہے۔ مچھلیوں کے سر بندروں کے دھڑوں سے جوڑ کر پریاں محورقص کرنا فریب نظر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

تعبیر آیت میں علمی افادات

1۔ آیت میں پانچ قسم کی معرفتیں ہیں جنہیں حاصل کرنے کی تگ ودو ہونی چاہیے:

(1) خداشناسی

(2) رسول شناسی

(3) اولادشناسی

(4) خودشناسی

(5) اور کتاب شناسی

راغب اصفہانی فرماتے ہیں(59):

ان میں سب سے آسان اولادشناسی ہے۔ ماں باپ اولاد کے پیدا ہوتے ہی اسے پہچان لیتے ہیں لیکن باقی چاروں کی معرفتیں رسول شناسی کی محتاج رہتی ہیں۔

2۔ علامہ آفندی لکھتے ہیں کہ انسان کے تین مرتبے ہیں:

(ا) **مرتبہ التقلید:**

یہ مرتبہ عوام کا ہے۔

(ج) **مرتبہ التحقیق والایقان:**

یہ مجتہدین کو حاصل ہوتا ہے جیسے ائمہ اربعہ ہیں۔

(د) **مرتبہ المشاہدہ:**

یہ کاملین کا مرتبہ ہے۔

یہ رتبہ اس میدان کے شہسواروں کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتا ہے(60) ان کی بہترین مثال ائمہ اہل بیت ہیں۔

3۔ کتاب دانی کا اثر فکر سازی اور عمل آفرینی پر مرتب ہونا چاہیے۔

4۔ فرقہ بازی بری چیز ہے۔

5۔ کتمان حق جرم ہے اور حق شناسی اطمینان کا سرچشمہ ہے۔

6۔ مردم شناسی مذہب کی تربیت کی پہلی عطا ہوتی ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مفردات

اَلۡحَقُّ: حق
مِنۡ: سے
رَّبِّکَ: آپ کے ربّ
فَلَا: تو نہ
تَکُوۡنَنَّ: ہوجایئے آپ
مِنَ: سے
الۡمُمۡتَرِیۡنَ: شک کرنے والوں سے

7۔ عرفان حق میں تنقید نہیں ہوتی حق کی تبلیغ ہوتی ہے۔

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾

''یہ حق ہے تمہارے ربّ کی طرف سے لہٰذا اُن میں سے نہ ہوجانا جو شک ہی کرتے رہتے ہیں''۔

آیت میں تین تفہیمات ہیں:

پہلے ہم بحث کرتے ہیں کہ ''ممترین'' کا معنیٰ کیا ہے۔ یہ لفظ ''امترا'' سے ماخوذ ہے۔ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہ مادہ جہاں بھی استعمال ہو شک کرنے کا معنیٰ اس میں ضرور پایا جاتا ہے(61)۔

تاج العروس نے لکھا کہ ''امترا'' کا معنیٰ جھگڑنا ہوتا ہے اس لیے کہ ہر فریق ایک دوسرے سے شاکی ہوتا ہے(62)۔

ابن جریر طبری نے کہا یہ لفظ کبھی یقین اور شک کی درمیانی کیفیت کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن زیادہ تر یہ شک ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے(63)۔

یادر ہے کہ ابن عطیہ نے ابن جریر کا تعاقب کیا ہے اور لکھا کہ یہ لفظ ہر جگہ شک کے معنوں میں نہیں آتا۔ عربی ادب میں ''ممترین'' سے مراد وہ لوگ بھی لیے گئے ہیں جو اپنے پیروں کے ساتھ گھوڑوں کو تیز چلاتے ہیں(64)۔

''مریا'' اونٹنی کی کھیری کو اس غرض سے مس کرنا ہوتا ہے کہ وہ دودھ تھنوں میں اتار دے ''مریہ'' ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے(65)۔

دوسری بحث ''اَلۡحَقُّ'' کے اعراب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

علامہ شہاب الدین سمین جلی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''درالمصوٴن'' میں لکھتے ہیں(66):

''اَلۡحَقُّ'' پر اعراب کی تین وجوہ ہیں:

- پہلی یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے اور بعد والا جار مجرور اس کی خبر ہے۔ اس صورت میں الف لام دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا: پہلی یہ کہ یہ عہدی ہے، اشارہ اس طرف ہوگا کہ حق وہی ہے جس پر رسول معظم ﷺ ہیں یا پھر حق سے مراد وہ ہے جو ''یکتمون الحق'' میں ہے جسے یہود چھپاتے تھے اور وہ صفات محمدیہ ہیں۔ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنا بھی آپ ہی کی نعت تھی۔
- اعراب کی دوسری صورت یہ ہوگی کہ یہ خبر ہے جس کا مبتدا محذوف ہے اور وہ ہے ''هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ' وہی حق ہے تیرے ربّ کی جانب سے''۔ دریں صورت ضمیر کا مرجع ''الحق المکتوم'' ہوگا۔

❁ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے جس کی خبر محذوف ہے اور مقدر عبارت یہ ہوگی ''اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ''۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ''اَلۡحَقُّ'' کو منصوب بھی پڑھتے تھے اس کی ایک وجہ ''الحق المکتوم'' سے اس کا بدل واقع ہونا ہے۔ زمخشری نے یہی کہا۔ دوسری وجہ ''فَلَا تَكُوۡنَنَّ'' کی وجہ سے اضمار ہونے کی بنا پر یہ منصوب ہوگا اور تیسری وجہ ''يَعۡلَمُوۡنَ'' کی وجہ سے منصوب ہونا ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ حق جانتے ہیں جو تیرے ربّ کی طرف سے ہونے والا ہے (67)۔

تیسری بحث ان تربیتی اسباق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جو اس آیت میں مضمر ہیں:

1۔ حق وہی ہوتا ہے جو پروردگار کی طرف سے ہوتا ہے۔ یا پھر اسے ربّ کی رضا اور تائید حاصل ہوتی ہے

2۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اقدار حقہ کی تلاش میں وحی کے نظام کی پیروی کرے۔

3۔ پرورش اور تربیت دونوں کے لیے نظام وہی درست ہے جس میں پیغام ربوبیت شامل ہو۔

4۔ ''مِنۡ'' آیات میں ہر جگہ بعضیہ نہیں ہوتا بعض مقامات پر تشریفیہ بھی ہوتا ہے اگر یہاں ''مِنۡ'' کو ہر دو معنوں میں لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے شرف و منزلت اور قدر و افتخار اسی کے لیے ہے جو ربّ کی طرف سے ہو۔

5۔ آیت سختی سے منع کرتی ہے کہ ''ممترین'' میں سے نہیں ہونا چاہیے۔ مفسرین نے لکھا کہ خطاب اگرچہ حضور ﷺ سے ہے لیکن مراد اُمت کے لوگ ہیں۔ نصیحت یہ ہے کہ قرآنی احکام کو یقین اور محکم اعتقاد سے اٹھانا چاہیے۔ اس میں تردد بہتر نہیں ہوتا۔

6۔ نفسیاتی اعتبار سے اس شخص کے لیے زندگی وبال ہوتی ہے جو ہر چیز میں عیب تلاش کرتا ہو۔ متردّد رہنا ایک کمزوری ہے اس کی موجودگی میں انسان ترقی کے چمن سے گل چینی نہیں کر سکتا۔

7۔ یقینیات سے محرومی انسان کو زندگی میں بے روح ممی شدہ لاش بنا دیتا ہے۔

8۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب کہ یہود و نصاریٰ کی منفی زندگی پر تعاقب کرتے ہوئے فوراً روئے سخن مسلمانوں کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔ یہ احسن اسلوب پُر نوازش ہے۔

9۔ قرآن مجید نے سمجھایا کہ بحث و جدال کسی مسئلہ کا حل نہیں، حق کا تتبع صراط مستقیم کا روشن نشان ہے۔

10۔ انسان کو اندھا گونگا اور بہرہ بن کر زندگی بسر نہیں کرنی چاہیے۔ حق جدھر بھی ہو تسلیم کرنے کی جرأت کرنی چاہیے۔ ''علی مع الحق'' اور ''الحق مع علی'' کی ترکیبیں ظنی تو نہیں حضور ﷺ کی نوازش ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

11۔ کہاجا سکتا ہے کہ حق کہتے ہی اس کو ہیں جو تردد سے بالا ہو۔ لوگوں کی بے خبری کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔

12۔ اگر آپ کی زندگی کی کھیری میں دودھ ہے تو لوگ تجربوں کے تھن آپ کے ساتھ جوڑ ہی لیں گے۔ خود کو منفعت آفریں بنائیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں میں سے اچھا وہی ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے''۔

13۔ ''اَلْحَقُّ''میں قال سے نکال کر حال میں داخل کر دیا گیا ہے کہ نماز میں صرف کعبہ کی طرف گھومنا ہی کافی نہیں بارگاہ صمدیت میں پیار کی کیفیات کے ساتھ استغراق اور یکسوئی بھی ضروری ہے۔

14۔ آیت میں ''اَلْحَقُّ'' اور ''امترا'' دونوں کو آمنے سامنے رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ فیصلے کرتے ہوئے مثبت اور منفی دونوں پہلو زیرنظر رکھنے چاہییں۔

15۔ آیت کی تعبیر میں بہرحال یہ سبق موجود ہے کہ مبارک وہی ہے جو اللہ کے حکم کا پابند ہے۔

16۔ حاکم، ربّ اور محبوب اللہ ہی کو بنالینا اور اللہ ہی کو سمجھنا خوفناک بکھیڑوں سے نجات دلا دیتا ہے۔

17۔ توجہ، التفات اور یکسوئی کے ساتھ بارگاہ ربوبیت میں مراجعت، استجابت اور قبولیت کی بنیاد ہے۔

18۔ فیصلوں، اقدامات اور زندگی کی پختگی ''اَلْحَقُّ'' ہی میں ہے اس لیے کہ حق کا معنیٰ پکا ہونا، پختہ ہونا اور زور والا ہونا ہوتا ہے۔

19۔ ربّ کے علاوہ جس سے تعلق جوڑو گے وہ کمزور اور ناپختہ ہوگا۔

20۔ وہ شخص بہت میٹھا ہوتا ہے جو اپنے مالک ہی کی ہر بات کو سچ، صدق اور حق کہتا ہے، وہ اپنی بات کو منوانے کا حریص نہیں ہوتا ہے، وہ محبوب ہی کی ہر بات کو حق جانتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کبھی کبھی حق حق اور حق حق الاپتے انا الحق کہہ بیٹھتا ہے۔ لفظوں کے مفتی اس کے ظاہری لباس کے رنگوں پر فتویٰ دے بیٹھتے ہیں۔ مزیدار بات نہیں، افتاء کا فیض بانٹنے والوں کو کوئی جانتا تک نہیں لیکن انا الحق کہنے والے ابھی تک عاشقانہ خیالات کے متلاطم سمندر میں صدق کی تلاش میں کہہ رہے ہیں حق کا کوئی ایک معنیٰ تھوڑا ہے۔ محبوب کے لونگ کا لشکارا ہو یا آنکھوں کی ادائیں، وہ حق ہی تو ہوتی ہیں۔ **الحق حق و لو کان مر**

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

’’کاش! کوئی سمجھ سکتا‘‘۔

ڈبویا مجھ کو ہونے نے۔۔۔۔

وَلِکُلٍّ وِّجۡہَۃٌ ہُوَ مُوَلِّیۡہَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ ؕ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۴۸﴾

’’اور ہر ایک کی توجہ کے لیے ایک مرکز ہے جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے تو کیا دیر ہے نیکیوں میں دوسروں سے آگے آگے رہو تم کہیں بھی ہوئے تو اللہ تم سب کو اُٹھا لے آئے گا بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے‘‘۔

اس آیت میں زندگی کی اصل قیمت بتائی جا رہی ہے۔ گفتگو، بحث اور اختلافات کی ہر کتاب بند کر کے مسلمانوں میں نیکیوں کا عشق اور شوق پیدا کیا جا رہا ہے۔ عمودِ آیت تک رسائی کے لیے قرآن مجید کے بیانِ قاطع پر قرآن مجید کی روحانی مقناطیسیت نے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور فہم و ذکاء کے ملکوتی پھول طالبین کی جھولی میں ڈالتے ہوئے سمجھایا جا رہا ہے کہ ہر فرقے نے اپنا ہی ایک قبلہ بنا لیا ہے۔ یہودی الگ ایک سمت سے چمٹے ہوئے ہیں اور عیسائی اپنے ہی من زاد شوق سے ایک جہت پرستی کے جنوں کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانو! تمہارے لیے سمجھ کے لائق نکتہ یہ ہے کہ تم جہات اور سمتوں کے حصار میں قیدی نہیں ہو، تمہاری غلامی کی ہر رسی کو کاٹ دیا گیا ہے، تمہیں جہاں قیامت کے دن جمع کیا جا رہا ہے، وہاں سمتیں، جہتیں، رنگ، نخرے اور دعوے، بھڑکیں نہیں دیکھی جائیں گی وہاں نیکیوں پر نظر کی جائے گی، انہیں تولا جائے گا اور انہیں پرکھا جائے گا، سمجھنے والی بات یہ ہے کہ کسی کا قبلہ درست بھی ہو تو اس کے مخزنِ روحانی میں خیرات اور نیکیاں نہ ہوں تو وہ مظلوم بے چارہ ہنگامہ محشر کیا کرے گا۔ اصل زندگی کی قیمت تو شوق، وارفتگی اور عشق سے نیکیوں کی طرف دوسروں سے آگے نکلنے کی ہے اور نیکی کا تعلق اللہ کے امر سے ہوتا ہے، وہ جو کہتا جائے تم وہ کرتے جاؤ، دین دوستوں اور تاریخ کی پوجا کا نام نہیں، دین تو اللہ کے سامنے ہر اعتبار سے جھکنے کا نام ہے۔

- شیخ اصم کا قول ہے کہ ’’لِکُلٍّ‘‘ میں تمام لوگ شامل ہیں، مسلمان، یہود، نصاریٰ اور مشرکین۔ دوسرا قول تابعین کا ہے کہ اس میں مشرکین شامل نہیں یہود و نصاریٰ اور مسلمان شامل ہیں۔
- رازی نے تیسرا قول مسلمانوں کے بارے میں نقل کیا کہ یہاں صرف مسلمان مراد ہیں کہ وہ جس سمت سے بھی نماز ادا کریں مقصودِ عبادت پورا ہو سکتا ہے(68)۔
- چوتھا قول یہ ہے کہ ہر ایک سے روحانی مخلوق مراد ہے۔ مرسلین، اصحابِ شریعت اور

مفردات

وَلِکُلٍّ: اور ہر ایک کے لیے
وِّجۡہَۃٌ: سمت جس کی طرف چہرہ پھیرا جاتا ہو
ہُوَ: وہ
مُوَلِّیۡہَا: اسے پھیرنے والا ہے وہ
فَاسۡتَبِقُوۡا: سو تم سبقت کرو، نیکیوں میں آگے بڑھو
الۡخَیۡرٰتِ: نیکیاں، وہ تمام اعمال جن میں اللہ کی رضا آ جائے
اَیۡنَ مَا: جہاں کہیں
تَکُوۡنُوۡا: تم ہو گے
یَاۡتِ بِکُمُ: تمہیں وہ لے آئے گا
اللّٰہُ: اللہ
جَمِیۡعًا: سب کے سب کو
اِنَّ اللّٰہَ: بے شک اللہ
عَلٰی کُلِّ: ہر ایک پر
شَیۡءٍ: شئی، چیز
قَدِیۡرٌ: قدرت رکھنے والا

روحانیوں کا قبلہ اس طرح ہے۔ مقربین کا عرش، اہل محبت کا قبلہ کرسی، فرشتوں کا بیت المعمور، سابقین کا قدس اور حضور ﷺ کا کعبہ ہے(69)۔

''وِّجْهَةٌ'' پر بھی مفسرین نے چند اقوال نقل کیے ہیں:

- فخر الدین رازی نے لکھا کہ ''وِّجْهَةٌ اور وجہۃ' دونوں ایک ہی ہے۔ وہ سمت یا وہ چیز جس طرف چہرہ موڑا جائے ''وِّجْهَةٌ'' ہے(70)۔
- فرا نے معانی القرآن میں لکھا کہ عربوں کے مقولہ کے مطابق آیت میں ''وِّجْهَةٌ'' لایا گیا۔ وہ کہتے ہیں یہ کام ایسا ہے جس کی کوئی وجہ ہی نہیں شاید اس میں مقصود اور سبب ہونے کی طرف اشارہ ہے(71)۔
- زجاج کا کہنا یہ تھا کہ ''وِّجْهَةٌ'' کا معنیٰ ''وضعہ'' ہے کسی کام کو کرنے کا طریقہ اور اسلوب ''وضعہ'' کہلاتا ہے۔
- تفسیر کے سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو رازی کی بات فہم سے زیادہ قریب ہے(72)۔

''هُوَ مُوَلِّيْهَا'' میں مفسرین نے لکھا کہ حقیقت تک پہنچانے والا اللہ ہی ہے۔ یہاں اللہ کی اسی ''تولیت'' کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے تولیت کعبہ ہی کو حاصل ہے وہ لوگ جو اس کے سوا اور سمتوں کی طرف پھر رہے ہیں ان کی تولیت رحمانی نہیں شیطانی ہے(73)۔

منشور آیت

آیۂ کریمہ کا منشور نیکیوں کی طرف استباق ہے۔ تمناؤں، عقیدوں اور آرزوؤں کو تحریک وعمل کے مرکز کی طرف کھینچنا ہے۔ قرآن مجید نے نیکیوں کو مطلق رکھا تا کہ نفسیاتی اعتبار سے شوق کی بارات ہر نیکی کی طرف کشاں کشاں اور خراماں خراماں بڑھے لیکن وہ مفسرین بھی غلط نہیں جنھوں نے نیکیوں اور خیرات کو کعبہ کی تاریخ کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور کعبہ کو قبلہ بنانے کے بعد اس کی زیارت کے شوق کو مقصود بنایا جا رہا ہے تا کہ دنیا بھر سے عاشقوں کے قافلے اس گھر کی زیارت کے لیے سفر کرتے رہیں۔ لوگوں کے دلوں میں یہ جذبہ تڑپتا رہے کہ میں وہ پتھر دیکھوں جس پر ابراہیم علیہ السلام کا نقش پا ہے، میں اس محبوبِ نظر دار کے چہرے پر بوسہ لے لوں جسے حضور ﷺ نے اللہ کے داہنے ہاتھ سے تشبیہ دی ہے، میں اس جگہ طواف، اعتکاف اور رکوع وسجود کا لطف لوٹوں جہاں انبیاء، مرسلین اور لاکھوں صلحاء کے قافلے عشق میں دست بر جگر چلے ہیں اور میں شہر نور کے قدسی نظر پر بتوں کو دیکھوں۔ جی ہاں اہل دل مجھے کچھ آنسو دے دو، دلوں کی دھڑکنیں دے دو، وفورِ شوق دے دو، مجذوبو! کچھ جذب وجنوں مجھے بھی دے دو

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيلًا

تا کہ میں اس شہر کی راہ میں پڑے خارِ مغیلاں سے آبلہ پائی نہیں جگر پائی کا مزا لے لوں۔ یہ شہر قسم سے جنت کی کیاری اس لیے ہے کہ میرے آقا کی ولادت بھی تو ادھر ہی ہوئی، آؤ مکہ اور مدینہ کی راہوں میں نسبتیں تلاش کرتے ہیں، ان ایسی نیکیاں اور کیا ہوں گی اللہ نصیب جگادے۔

قرآن حکیم کہتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں لے آئے گا، قیامت بھی بپا ہوگی اور عاشقوں، چاہنے والوں اور تڑپنے والوں کے لیے عرفات بھی سجے گا، منیٰ میں لوگ زنانِ مصر سے تاریخ چھین کر چھریاں ہاتھ میں لے کر مداوائے عشق بھی تلاش کریں گے۔ شیطانوں کے سروں پر عاشقوں کے ہاتھوں سے سنگ زنی بھی کرائی جائے گی، غم نہ کھاؤ، مہبط حاجرہ میں مل کر تم تھوڑا دوڑو گے بھی، پرانی، بوسیدہ اور بیکار سوچوں کو سر کے بالوں کے ساتھ مونڈ کر ضرور تم بالوں کے قبرستان میں پھینک دو گے۔ لبیک لبیک کے گیت تم گنگناؤ گے "**اللھم اللھم**" کی عبادتیں ملیں گی "**اللہ اکبر اللہ اکبر**" کے ترانے گونجیں گے، رنگ اڑیں گے، جلوے بکھریں گے، ماحول ضوفشاں ہوگا تم سب کے سب مل کر دعوت دو۔

ہائے نے منڈیو
تے
ہے نی کڑیو
آؤ سنگ رل کے مدینے چلیے
توبہ قبول ہو ویسی

اللہ اکبر کبیرا و الحمد للہ کثیرا سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا

آیت میں اسباق

1۔ چہروں کی طرح دلوں کے بھی قبلے ہوتے ہیں، دھڑکنوں کی رہبری اہل ذکر ہی کر سکتے ہیں۔

2۔ چہروں کا نظام اپنا ہے جو آنکھوں کو بینائی دیتا ہے وہی چہروں کو دل ربائی بخشتا ہے۔ مسلمانوں کا قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے ہی کی بخشش ہے۔

3۔ روحانیت کے مرکز بے رخی برداشت نہیں کرتے۔ رخ پروری شرک نہیں ہوتا وفا ہوتی ہے۔

4۔ نیکی کی طرف پھیرنے والا خدا خود ہے۔

5۔ زندگی کی قیمت نیکیوں سے ہے تو اس خزانہ کے حصول کے لیے تڑپ ہی نہیں کوشش بھی

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَمِنۡ: اور سے
حَیۡثُ: جیسے بھی یا جہاں سے بھی
خَرَجۡتَ: آپ نکلیں
فَوَلِّ: پس پھیر لیں
وَجۡھَکَ: اپنا چہرہ
شَطۡرَ: سمت یا طرف
الۡمَسۡجِدِ: مسجد
الۡحَرَامِ: حرمت والی
وَ اِنَّہٗ: اور بے شک وہ
لَلۡحَقُّ: حکم حق ہے، پختہ، ضروری
مِنۡ رَّبِّکَ: تیرے ربّ کی طرف سے
وَمَا: اور نہیں
اللّٰہُ: اللہ
بِغَافِلٍ: توجہ نہ دینے والا
عَمَّا: اُس سے
تَعۡمَلُوۡنَ: جو تم کرتے ہو

ہونی چاہیے۔

6۔ قیامت کے دن اللہ کے حضور ہر ایک نے پیش ہونا ہے۔

7۔ بحث و جدال فیض سوز ہوتے ہیں۔ عملی زندگی کی تحریک مسائل میں حل کا اطمینان عطا کر دیتی ہے۔

8۔ کعبہ ہی قبلہ ہے وہاں کی تاریخ سے مستفیض ہونے کے لیے بار بار وہاں جانا چاہیے۔

9۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

10۔ انسان کو جدالی بننے سے فائدہ نہیں ہوتا تعمیری سوچیں فائدہ دیتی ہیں۔

11۔ حسد اور بغض انسان کو فیض اور حق سے محروم کر دیتے ہیں۔

وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ اِنَّہٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾

''اور آپ جدھر سے بھی باہر نکلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام ہی کی طرف پھیرے رکھیں اور یقیناً یہی حق ہے تمہارے ربّ کی طرف سے اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں''۔

آیت کی تفسیر میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ اس اشکال کو قرآن مرفوع کر رہا ہے کہ تولیت قبلہ کا حکم صرف اہل مدینہ کے لیے نہیں ہے بلکہ آفاق کی بستیوں میں مسلمان جہاں بھی بستے ہیں سب کے لیے حکم ہے کہ نماز میں اپنے چہروں کا رخ کعبہ کی طرف کر لیں۔ ذہن اور دل کسی الجھن اور کھٹک کا شکار نہیں ہونے چاہییں۔ ذرا غور کریں اور اپنی زندگی کے نمونہ کو دیکھیں ہم محبوب کو حکم دے رہے ہیں پیارے! اپنا چہرہ مسجد الحرام کی سمت کر لیں، آپ کے اسوۂ حسنہ سے پوری اُمت فیض یاب ہوتے ہوئے ادھر ہی گھوم جائے گی جدھر آپ اپنا منہ موڑ لیں گے۔ آیت میں یہ درست ہے کہ خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اُمت ہے۔

''مِنۡ حَیۡثُ'' کا لفظ بتاتا ہے کہ اسلام ایسا دین نہیں ہے کہ جگہ کے بدلنے سے دین بدل جائے، حکم ہوا ہے تم جہاں بھی مدنی رہنمائی کو آفاقی تصور کر کے اطاعت و وفا بجا لاؤ اسلام کی صداقت اور حقانیت کے روشن نشان قائم ہو جائیں گے۔

آیت کے آخر میں سازشیں کرنے والوں کو دھمکی انگیز انداز میں کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے اور بلاشبہ مسلمانوں کو بھی خبردار کیا جا رہا ہے تمہاری اطاعت و وفا کی خصلتوں سے اللہ بے توجہ نہیں، تم لوگ ہمہ دم اللہ کی نظر میں رہتے ہو۔

امام فخر الدین رازی نے ''مِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ'' پر پانچ اقوال نقل کیے جن کا جان لینا خالی از فائدہ نہیں (74)۔

پہلا قول

انسان تین حالتوں سے خالی نہیں، وہ مسجد حرام میں ہوگا یا پھر وہ مسجد حرام سے باہر ہوگا لیکن مکہ میں ہوگا یا پھر مکہ سے بھی خارج ہوگا۔ تین مرتبہ بات کو دہرایا اس لیے گیا ہے پہلی مرتبہ پہلی حالت، دوسری مرتبہ دوسری حالت اور تیسری مرتبہ تیسری حالت بیان ہوئی ہے، تکرار میں تعلیم کا اکمال ہے۔

دوسرا قول

پہلی مرتبہ یہ واضح کیا گیا کہ اہل کتاب جانتے ہیں کہ نبوی ہدایت اور یہ قبلہ حق ہے اس لیے کہ انہوں نے تورات میں اس کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ دوسری دفعہ یہ واضح کیا گیا کہ اللہ گواہ ہے۔ نبوت محمدی اور کعبہ کا قبلہ ہونا حق ہے اور تیسری مرتبہ یہ آشکار کیا گیا کہ لوگوں پر کوئی حجت نہ رہے۔

تیسرا قول

یہ بات کھول دی گئی کہ مسجد الحرام کو قبلہ بنانا محض محبوب کی خواہش پر نہ ہوا بلکہ یہ اللہ کا حکم تھا اور محبوب اس کے پابند تھے۔ رازی کو اللہ قبر میں خوش رکھے کئی اور مقامات پر بھی تو اللہ نے محبوب کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا، البتہ یہ بات خوب ہے کہ پہلی آیت میں تمام مقامات پر کعبہ کا قبلہ ہونا، دوسری آیت میں تمام مقامات اور زمانوں میں اور تیسری مرتبہ ہر زمانے میں دوام کی طرف اشارہ ہوا کہ سمجھا جا سکے کہ اب کعبہ کا قبلہ ہونا کبھی منسوخ نہ ہوگا۔

چوتھا قول

امر اول کا تعلق اس قبلہ سے مسلمانوں کے اکرام کا ہے جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ دوسرے کا تعلق اللہ کے اس حکم سے ہے کہ ہر ایک کے لیے ایک قبلہ ہے۔ اشارہ اس طرف مقصود ہے تاکہ آشکار ہو جائے کہ ہر صاحب دعوت وملت کا قبلہ کعبہ ہے اور تیسرے کا تعلق اس سے ہے کہ اللہ کا حکم قطعی ہے جو سب کے لیے حجت پر مبنی ہے۔

پانچواں قول

محمدی شریعت میں چونکہ کسی حکم کے منسوخ ہونے کا معاملہ پہلا تھا اس لیے تربیت کو محکم کرنے کے لیے بات بار بار دہرائی گئی۔

واللہ اعلم

❀❀❀❀❀

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَيۡثُ
مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَيۡكُمۡ حُجَّةٌ ۙ
اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ۚ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِىۡ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِىۡ
عَلَيۡكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۙ ﴿۱۵۰﴾
كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ
وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ؕ ﴿۱۵۱﴾
فَاذۡكُرُوۡنِىۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ع ﴿۱۵۲﴾

(150) اور جہاں سے بھی آپ (مسجدِ حرام) سے نکلیں تو کرلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی جانب اور تم سب بھی جہاں ہو پھیر لو اپنے چہروں کو اُسی کی طرف تاکہ لوگ تم پر خواہ مخواہ اعتراض نہ کریں سوائے اُن کے جو اندھیروں میں گر گئے ہوں، اُن سے تو تم ڈرو ہی نہ اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور تم بھی راہِ ہدایت پر ثابت قدم رہو

(151) جیسا کہ تم پر انعام کیا کہ بھیجا ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول پڑھ پڑھ سناتا تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب کی اور حکمت کی اور سکھاتا ہے تمہیں وہ وہ باتیں جنہیں تم جانتے تک نہ تھے

(152) تو خوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کُفر نہ کرنا

وَمِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡكُمۡ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ۗ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِیۡ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۙ﴿۱۵۰﴾

''اور جہاں سے بھی آپ (مسجدِ حرام) سے نکلیں تو کرلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی جانب اور تم سب بھی جہاں ہو پھیرلو اپنے چہروں کو اُسی کی طرف تاکہ لوگ تم پر خواہ مخواہ اعتراض نہ کریں سوائے اُن کے جو اندھیروں میں گر گئے ہوں، اُن سے تو تم ڈرو ہی نہ اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور تم بھی راہِ ہدایت پر ثابت قدم رہو''۔

اس آیت کی تفسیر میں دس نکات کا جاننا ضروری ہے:

❁ پہلا نکتہ

آیت میں مفہومات اور کلمات کا تکرار کمال معنویت کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

1۔ جمالیاتی لذوذ رکھنے والے جملے دہرائے جاتے ہیں اس لیے کہ یہ قوالی کی طرح محبت کی رگیں کھولنے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرحت بخش مشروب گھونٹ در گھونٹ پیا جاتا ہے تاکہ لذتیں بدن میں برودت اور سکون بکھیرتی رہیں۔

2۔ تکرار کسی چیز کو یاد کرنے اور یاد رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

3۔ ایک جملے پر تکراری توقف اگلی بات کو سمجھنے کے لیے آمادہ کر دیتا ہے۔

4۔ بعض اوقات کوئی شخص کسی چیز کو مانتا نہیں تو متکلم اپنی بات کو راسخ اور پکا کرنے کے لیے دہرادیتا ہے۔

5۔ جمالیاتی کشش اور جاذبیت کے لیے تکرار ذوق، چاہت اور عمل کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے ایسا ضروری ہوتا ہے۔ آپ کے پاس سرخ، سبز، سفید، نیلے اور پیلے پھولوں کے دستے پڑے ہوں تو آپ سب سے خوشنما پھولوں کو رکھتے ہوئے قطاروں میں تکرار کریں گے۔ پہلے سرخ پھر نیلے پھر سبز اس کے بعد پھر سرخ پھر سفید پھر نیلے اور پیلے اس کے بعد پھر سرخ سمجھ لگی کہ سرخ رنگ میں تکرار اچھا سا لگتا ہے جیسے آپ سورۂ رحمان میں محسوس کریں گے۔

مفردات

وَمِنۡ: اور سے
حَیۡثُ: جہاں سے، جیسے
خَرَجۡتَ: آپ نکلیں
فَوَلِّ: تو پھیر لیجیے
وَجۡهَكَ: اپنا چہرہ
شَطۡرَ: سمت، طرف
الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ: مسجد حرام
وَحَیۡثُ: اور جہاں بھی
مَا كُنۡتُمۡ: تم ہو
فَوَلُّوۡا: تم سب پھیرو
وُجُوۡهَكُمۡ: اپنے چہروں کو
شَطۡرَهٗ: اسی کی جانب
لِئَلَّا: تاکہ نہ
یَكُوۡنَ: ہو
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
عَلَیۡكُمۡ: تم پر
حُجَّةٌ: ایسی دلیل جو صحیح مقصد کی وضاحت کرتی ہو
اِلَّا: سوائے
الَّذِیۡنَ: ان لوگوں کے
ظَلَمُوۡا: جنہوں نے ظلم کیا
مِنۡهُمۡ: ان میں سے
فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ: پس نہ ڈرو ان سے
وَاخۡشَوۡنِیۡ: اور مجھ سے ڈرو، خشیت وہ خوف ہوتا ہے جو کسی کی عظمت کی وجہ سے دل پر چھا جائے
وَلِاُتِمَّ: اور اس لیے بھی کہ میں پورا کروں
نِعۡمَتِیۡ: اپنی نعمت کو
عَلَیۡكُمۡ: تم پر

مفردات

وَلَعَلَّكُمْ: اور تا کہ تم
تَهْتَدُوْنَ: تم ہدایت پاؤ

6۔ احکام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے بات کو مکرر لایا جاتا ہے۔

7۔ کسی کام کے فوائد اور حکمتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لیے حکمتوں کو بیان کرنے کے لیے حکم بار بار دہرایا جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے انگور خوش رنگ ہوتے ہیں، انگور خوش ذائقہ ہوتے ہیں، انگور بدن سے کئی بیماریاں دور کر دیتے ہیں، انگور دماغ کو سوچنے کی صلاحیت دیتا ہے اور انگور شفاء دینے میں ماں کے دودھ کی طرح ہوتا ہے۔ یہاں انگور انگور کا تکرار اس کے فوائد کو مصرح کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

8۔ اختلاف کا شور و ہنگامہ ہو تو بات دہرائی جاتی ہے تا کہ لوگ اصل تک آسانی سے پہنچ جائیں۔

9۔ بات کو دہرانا غبی آدمی کو بیدار کرتا ہے اور ذکی آدمی میں نشوونما کی بہترین صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

10۔ متکلم کے مخاطب زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ابلاغ کا تقاضا ہوتا ہے کہ بات دہرائی جائے۔

11۔ بعض اوقات اعتراض اور تنقید کی کالک میں آلودہ لوگ ڈھٹائی کا اظہار کرتے ہوئے نہ نہ کر رہے ہوتے ہیں اور متکلم ان کے نطق پر گرہ بند اعتراض کے پندار کو توڑنا چاہتا ہے اس لیے وہ بات دہرا دیتا ہے۔

12۔ ایسے بھی ہوتا ہے کہ کلام میں ایجاز اور ابلاغ اور ترادف اور تراکم اور تخالف اور تصادم کی کیفیات ایک بار کہنے لکھنے سے واضح نہیں ہوتیں تو بات مکرر لائی جاتی ہے۔

13۔ عقل اور محبت کے تقاضے کو الگ الگ قاری کے سامنے لانے کے لیے بات کو مکرر رنگوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

14۔ بعض اوقات بات وہی ہے لیکن ایک جملے میں حروف کم ہوتے ہیں اور دوسرے جملے میں حروف زیادہ ہوتے ہیں۔ قاری کم اور زیادہ دیکھتا ہے تو احساس دلایا جاتا ہے کہ یہاں وہ غور و فکر کرے ایسے ہی نہ گزر جائے۔

15۔ ایسے بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک قاری اور سامع خطرناک کنویں کے کنارے کھڑا ہوتا ہے اور دوسرا کسی باغ میں گل چینی کر رہا ہے، دونوں کے ماحول کو دیکھ کر بات کو دہرایا جاتا ہے تا کہ ہر شخص اپنے ماحول کے مطابق غور کرے۔

16۔ ہدایت کے ازدیاد کے لیے بھی تکرار مفید اور مانع ہوتا ہے۔ایک پیالی چائے پینے کا مزا اپنا ہے اور دو پینے کا لطف اپنا ہے۔

17۔ یہ جملہ شاید اچھا نہ ہو محبوب کو دیکھ کر ویسے ہی نغمے، گیت بڑھ جاتے ہیں۔قرآن مجید میں بھی کوئی کسی کو دیکھتا ہی ہوگا۔

❁ دوسرا نکتہ

آیت کی تفسیر میں تحویل قبلہ کی حکمتیں اور فوائد، فلسفہ اور ضرورت کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ ذہن کی ہر گرہ کھل جائے اور دل کی طرف جانے والا ہر راستہ صاف ہو جائے۔

❁ تیسرا نکتہ

اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں کے پاس حجت اور دلیل آ گئی اور اطمینان ذہنی اور قلبی روحانی تحفہ بن گیا اور مسلمان اس قابل ہو گئے کہ وہ یہودیوں کو دنداں شکن جواب دے سکیں۔

❁ چوتھا نکتہ

اہل کتاب کا غیر منطقی مؤقف قرآن مجید نے کھول کر بیان کر دیا اور ہر طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ یہودی اور عیسائی ہٹ دھرم لوگ ہیں اور ان کے ہر شور وشغب کے پیچھے ان کی نامعقولیت پوشیدہ ہوتی ہے۔

❁ پانچواں نکتہ

بار بار مسلمانوں کو مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا۔اس حکم اور بیان کے بعد ذرّہ برابر شک نہ رہا کہ اب قبلہ کعبہ ہے، کوئی حضر میں ہو یا سفر میں نمازوں میں منہ کعبہ ہی کی طرف کرے۔

❁ چھٹا نکتہ

آیت کی تفسیر میں یہ جان لینا ہے کہ ''حجت'' کیا ہوتی ہے اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس لفظ کا اساسی معنیٰ دلیل ہوتا ہے تاج نے لکھا (75) کہ کسی کو روک دینا بھی ''حجت'' کے مفہوم میں شامل ہوتا ہے۔دلیل چونکہ دوسرے کو روک دیتی ہے اور بات کو اتنا واضح اور اوضح کر دیتی ہے کہ کوئی دوسری بات قابل تسلیم نہیں رہتی۔''المحاجہ'' جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں۔''بینہ'' ایسی دلیل کو کہتے ہیں جس سے بات کا ہر پہلو خوب واضح ہو جائے اور ''حجت'' اس دلیل کو کہتے ہیں جو مخالف پر ہر طرح چھا جائے اور اس سے مؤقف کو تسلیم کروا لے۔یوں ہی مخالف سے بات کو منوا لینے کا قصد اور ارادہ کر لینا بھی ''حجت'' ہوتا ہے۔قرآن مجید نے ''اَلْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ'' کا لفظ استعمال کیا ہے (76)۔معنیٰ مخالف کی روح، ذہن اور دل تک پہنچ جانے والا مؤقف ''حجت'' ہوتا ہے۔

مفردات

كَمَآ: جیسا کہ
اَرۡسَلۡنَا: بھیجا ہم نے
فِيۡكُمۡ: تمہارے اندر
رَسُوۡلًا: عظیم الشان رسول
مِّنۡكُمۡ: تم میں سے
يَتۡلُوۡا: وہ تلاوت فرماتے ہیں
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
اٰيٰتِنَا: ہماری آیتیں
وَيُزَكِّيۡكُمۡ: اور وہ صاف ستھرا فرماتے ہیں
وَيُعَلِّمُكُمُ: اور سکھاتا ہے وہ تمہیں
الۡكِتٰبَ: کتاب
وَالۡحِكۡمَةَ: اور حکمت کی باتیں
وَيُعَلِّمُكُمۡ: اور سکھاتا ہے تمہیں
مَّا لَمۡ: جو نہیں
تَكُوۡنُوۡا: تم ہو
تَعۡلَمُوۡنَ: جانتے ہو

ساتواں نکتہ

''اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا''۔ اس جملہ سے مراد وہ تمام حیلہ گر اور بہانہ ساز لوگ مراد ہیں جو ظلم و ستم کر کے دین کی راہ میں رکاوٹ بنتے، مفاہیم کو بدل دیتے، اعتراضات سے دعوت اسلام کی روشنی مدھم کرنے کی کوشش کرتے۔

آٹھواں نکتہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں یہ کہا گیا تا کہ ظالم مسلمانوں کے خلاف حجت نہ قائم کر سکیں۔ کفار کی گندی باتوں کو حجت سے کیوں تعبیر کیا گیا۔ علامہ اسماعیل حقی نے لکھا (77) کہ گندے اقوال کو حجت سے تعبیر کرنا مجازاً ہے اس لیے کہ وہ لوگ بھی اپنی باتوں کو قوی سمجھ کر پیش کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے از روئے ہمدردی ان کی ہدایت کے لیے ان کی بات کو لائق اعتنا سمجھ کر جواب دیا ہے۔

نواں نکتہ

''ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو''۔ یہ اسلامی تربیت کا ایک قوی اور محکم قانون ہے کہ اللہ کے سوا کسی چیز، شخص، تنظیم اور سازش سے نہ ڈرا جائے۔ خشیت صرف اللہ کی ہونی چاہیے، خشونت پسند ظالموں سے ڈرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ انسان کی روح اور ذہن پر اگر مکمل حکمرانی اللہ ہی کی قائم ہو جائے تو کسی کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ ہر چیز پر قدرت اللہ ہی کی قائم ہے۔

دسواں نکتہ

اتمام نعمت سے مراد کیا ہے؟ حدیث میں اتمام نعمت سے مراد دخول جنت ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم نے فرمایا۔ اتمام نعمت اسلام پر موت ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے کہا جا سکتا ہے، احکام کی تکمیل، ایمان کا استحکام، قبلہ کی تبدیلی، قرآن کا نزول، کعبہ کی طرف منہ کرنا اور دخول جنت سب اتمام نعمت ہی کی صورتیں ہیں (78)۔

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۞ ١٥١

''جیسا کہ تم پر انعام کیا کہ بھیجا ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول پڑھ پڑھ سناتا تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب کی اور حکمت کی اور سکھاتا ہے تمہیں وہ وہ باتیں جنہیں تم جانتے تک نہ تھے''۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو مکمل کرنے کی بات کی تھی اور اتمام نعمت کا عنوان مخلوق

کی ہدایت اور قبلہ کی تبدیلی قرار دی تھی۔ یہ آیت ''کَمَآ اَرۡسَلۡنَا'' سے شروع ہو رہی ہے۔ یہاں کاف تشبیہ کا ہے۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ اس میں مفسرین کے دو اقوال ہیں: ارباب معانی کا پہلا قول یہ ہے کہ ''کَمَآ'' کا تعلق کلام ماقبل سے ہے، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا جیسے اس نے تمہیں قبلہ کی تبدیلی سے نعمت اور ہدایت سے مالا مال کیا ہے۔ تمہیں دنیا میں شرف وعزت سے نوازا ہے یونہی وہ تمہیں نعمت رسالت دے کر سرفراز فرما رہا ہے۔ تمہارے رسول تمہیں میں سے ہیں، صرف اتنا ہی نہیں وہ اپنی نوع بشر کی تکالیف، ضروریات اور مسائل سے آگاہ ہیں۔ یہ سب باتیں کہ جیسے اولاد ابراہیم میں ایک تابع اُمت رکھی۔ دعائے ابراہیم میں نعمت شریعت کے اتمام کی طرف اشارہ ہوا (79)۔

دوسرا قول مجاہد، کلبی، مقاتل اور عطا کا ہے جسے البحر المحیط میں ابوحیان اندلسی نے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ اس ''کَمَآ'' کا تعلق ''فَاذۡكُرُوۡنِيۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ'' سے ہے کہ جیسے ہم نے تم پر بعثت رسالت کے ساتھ نعمتوں کا اہتمام فرمایا ہے ایسی ہی ایک نعمت اللہ کے ذکر کی بھی ہے لہٰذا ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرو تاکہ یہ نعمتیں اور زیادہ ہوں (80)۔

جاحظ کی رسالۃ النبوۃ

''کَمَآ اَرۡسَلۡنَا'' سے میں چاہوں گا کہ قرآن مجید کے طرز استدلال کے حوالے سے تھوڑی سی بات کرلوں۔ جاحظ رسالۃ النبوۃ میں حجیت کو دو طریقوں میں محصور کر دیتا ہے: ایک قابل مشاہدہ حجت اور دوسری محکم خبر، خیال ہے جاحظ نے حجت اور استدلال کو عقلی شعور پر موقوف کر دیا ہے جو لازمی طور پر مناظرہ اور محاجہ کے ساتھ اپنی فکری تاروں کو جوڑ دینا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں جبکہ جمالیاتی اور مشاہداتی، یک صوتی، فکری اور بصری نظام ہے جس میں ہدایت کو دلوں اور روحوں سے متقارب کر دیا جاتا ہے (81)۔

آیۂ کریمہ جس کی تعبیر اور تفسیر میں ذہن اور روح مصروف اور مشغول ہیں کچھ الفاظ پر سمع اور بصر کو مرکوز کر دیا جاتا ہے۔ الفاظ کی برجستگی اور باطنی دعوت کو ترتیب سے لکھا جاتا ہے:

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا ---- فِيۡكُمۡ
رَسُوۡلًا ---- مِّنۡكُمۡ
يَتۡلُوۡا ---- عَلَيۡكُمۡ
اٰيٰتِنَا وَ ---- يُزَكِّيۡكُمۡ
---- وَيُعَلِّمُكُمُ

الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔وَيُعَلِّمُكُمۡ

مَّالَمۡ تَكُوۡنُوۡا۔۔۔۔۔تَعۡلَمُوۡنَ

''فِيۡكُمۡ، مِّنۡكُمۡ، عَلَيۡكُمۡ'' کے بعد ہر فعل پر''کم'' کا دخول ایک فردوسی لذت روحوں، ذہنوں اور دلوں میں گھول دیتا ہے۔ یہ وہ سادہ دلچسپ اور روحانی اسلوب اور استدلال ہے جو معاشرتی مسائل کو چھولیتا ہے۔

مضامین کی کتنی لطیف اور حسین تنظیم ہے سبحان اللہ

تمہارے اندر آنا

تم میں سے ہونا

تم پر پڑھنا

تم کو صاف ستھرا کرنا

تم کو سکھانا

اور

تم کو وہ کچھ سکھانا جو تم نہیں جانتے

علامہ فخر الدین رازی نے اچھا لکھا (82) کہ ''كَمَآ'' میں ''ما'' مصدر یہ ہے جو معنیٰ دیتا ہے کہ تم میں رسول بھیجے، اشارہ اس طرف ہے کہ ایسی بات نہیں کہ ''میں میانوالی تے ڈھول ملتان وے''، رسول کا رشتہ تمہیں اپنے ساتھ باندھے ہوئے ہے۔ معاشرت کے باطن میں رسولی دعوت اتری ہے اور رسول معظم کے مبارک پاؤں گویا تمہارے صحن میں ہیں۔ ''فِيۡكُمۡ'' اور ''مِّنۡكُمۡ'' میں بلاغت کے سمندر میں مجذوب ساز لہریں اٹھادینے والا اسلوب ہے اور پھر اس پر مستزاد ''عَلَيۡكُمۡ'' کہنا ہے۔ رازی نے ''ما'' کے کافہ ہونے کا قول بھی کیا ہے۔ ''فِيۡكُمۡ'' اور ''مِّنۡكُمۡ'' کا استدلال قیادت کے آسانی کے ساتھ قبول کرنے کی طرف اشارے ہیں۔

پیغمبر آیات تلاوت کرتے ہیں

تلاوت کا مادۂ اشتقاق ''ت، ل اور واؤ'' ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ پیچھے پیچھے چلنا ہوتا ہے۔ ''تلو'' کا معنیٰ وہ چیز ہوتی ہے جو پیچھے پیچھے آئے۔ ''التوالی'' اور ''التالیات'' پچھلے حصوں کو کہتے ہیں۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ اس لفظ کا معنیٰ ایسی متابعت کا ہے جو کبھی جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کبھی

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

معنوی انداز میں ہوتی ہے(83)۔تلاوت کا معنیٰ احکام کو اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل کرنا ہوتا ہے وگرنہ صرف پڑھ تو کوئی شخص بھی سکتا ہے۔آیات کی معنویت عمل وتحریک میں اُجاگر کرنا تلاوت ہوتی ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ تلاوت میں روحانی حیرتوں، کرامتوں، معجزات کا دخل بھی ہوتا ہے۔تلاوت میں پے در پے لانے کا مفہوم بھی ائمہ لغت نے شامل رکھا ہے۔مفسرین نے لکھا عمارتیں جب کسی صحیح اور درست نظام کے تحت مسلسل تعمیر ہو رہی ہوں تو وہاں بھی تلاوت کا لفظ استعمال ہو جاتا ہے۔یہ بات درست ہے کہ ''یَتۡلُوۡا'' کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک محکم نظام کی دعوت لیے قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے ہیں۔اسی تلاوت کا اثر ہوتا ہے کہ لوگ آیات کو قبول کرتے ہیں اور دلوں میں رسولی اطاعت کے لیے مؤثر جذبہ پیدا کر لیتے ہیں(84)۔

تزکیہ ایک نظام ہے

پیغمبر ﷺ کا کام تزکیہ کرنا بھی قرآن حکیم نے بیان کیا۔یہ اصطلاح انتہائی بلیغ اور معنیٰ خیز اصطلاح ہے۔تزکیہ کا مطلب صرف صاف ستھرا کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ نفس انسانی سے لے کر معاشرہ تک ہر چیز کو نشوونما کی زینت سے آراستہ کرنا ہوتا ہے۔آیت کے تعبیری آئینہ میں مقام نبوت کی بھی تصویر دیکھنا ممکن ہو رہا ہے۔

رسول رحمت ﷺ تمہارے اذہان کو صاف ستھرا کرتے ہیں،تمہارے نفوس کو دھوتے ہیں،تمہاری باطنی اہلیت میں اپنے اعجازِ نگاہ سے اضافہ کرتے ہیں،تمہاری فکری اور نظری امامت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں،تمہاری زندگی میں عملیت کا فیض جاری فرماتے ہیں،تمہیں مادہ کا استعمال روحانی منہاج پر کرنے کے اصول دیتے ہیں،تمہاری عقل کی پرورش کرتے ہیں،تمہارے اجسام کو مقاماتِ ضرر سے بچاتے ہیں، تمہاری اجتماعی زندگی کے ہر حسن کی وہ ضمانت دیتے ہیں اور نفسیاتی،عمرانی،اخلاقی عظمتوں اور فضیلتوں کے حصول کے لیے تمہیں صراط مستقیم پر چلنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔یہ سب چیزیں تزکیہ میں آتی ہیں۔

تعلیم کتاب

مقاصد نبوت میں تیسری چیز تعلیم کتاب گنی گئی۔حلفاً یہ بات کی جاسکتی ہے کہ تکمیل انسانیت کے لیے نفس، روح اور جسم کا کتاب کی دہلیز پر آنا فریضۂ حیات ہے۔کتاب پڑھنا، کتاب پڑھانا، کتاب سیکھنا اور کتاب سکھانا، کتاب کے سمندر میں اترنا اور غوطہ زنی اور شناوری سے علوم اور معارف کے موتی نکالنا واجب ہے اور لازم ہے لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔اس کے لیے عقل اور ادراک عشق دونوں کی روشنائی ضروری ہے۔زبان اور عملیت کے قلم درکار ہیں اور جمالیاتی الطاف اور

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

روحانی تو دیعات کا کوئی مرقع چاہیے۔ اللہ نے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو معلم کتاب بنا دیا۔ آپ ﷺ نے حرا سے کتاب لاکر تحفۂ لاہوتی ہی سے قافلۂ آدمیت کو نہ نوازا بلکہ نطق نوازش میں نسیم سحر کی سی نرمی، گلہائے فردوس کی خوشبو اور نور قمر کی لطافت کا آمیزہ دیا اور لوگوں کو قرآن اور کتاب سیکھنے کی دعوت دی اور انسانی قافلوں کو ہلایا، جگایا اور فکر فردا کی دعوت دی۔ مسرتوں کا راز بتایا اور پتلاِ خاک کو آسمانی علم کا روشن نشان بنا دیا اور قرآن کی تعلیم کی ایسی حرکت دے دی کہ قرآن کے پہلے تلامذہ حروف کے ساتھ بہتے محسوس ہوئے۔ سچے جذبوں نے انہیں وحی کی آواز کے ساتھ چلنا سکھا دیا۔ ''رب زدنی'' کی تمنا ان کے بوترابی وجودوں میں کچھ اس انداز سے گوندھی کہ ان کی عظمتوں کے پھریرے سرعرش لہرانے لگ گئے۔ نور و بصیرت کے ان چراغوں کو آپ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی کہہ سکتے ہیں اور تلمیذ قرآن بھی کہہ سکتے ہیں۔ دونوں ہی قول سچے اور روحانی ہیں۔ ''زبر الاولین'' کی کچی قوالی کرنے والے کہنے لگ گئے کہ انسان مٹی، ہوا، آگ اور پانی سے تخلیق ہوا۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ مٹی سے سونا تلاش کرنے والے، ہوا میں طیارے اڑانے والے، آگ سے شعلہ ایٹم کا راز چرانے والے اور پانی سے یاقوت و مرجان کی ٹوکریاں بھرنے والے ہوا، پانی اور مٹی، آگ ہی میں غرق ہو گئے لیکن ''تلمیذ قرآن اور تلمیذ رسول الرحمان'' نے آگ کے شعلوں میں خالق نیران کا کفر و شرک پر غضب پڑھ لیا دیکھ لیا اور ''اعوذ باللہ'' کا ورد شروع کر دیا۔ اس نے مٹی کے تودوں کو زیروزبر کر کے رسول رحمت کا اعجاز اور قرآن کا معجزہ دیکھتے ہوئے خاک ریاض الجنہ کا سراغ لگا لیا جسے رشکِ ارض و سما ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جی ہاں کتاب کی تعلیم ہی نے ہواؤں میں ''فنفخت فیہ من روحی'' کی تلاش لوگوں کے سینوں میں تڑپا دی، یوں وہ زمین اور آسمان کے درمیان وحی کے نورانی رنگوں کی قوس قزح دیکھنے لگ گئے اور انہوں نے پانیوں کے دیس میں انابت الی اللہ کی ایسی سیاحی کی کہ ساتوں سمندروں کے پانیوں کو درد و محبت کی آہوں کی تپش سے اڑایا اور پھر اپنی آنکھوں کا آنسو بنا لیا۔

ہمارے ادوار واقران اور دانشکدوں اور دانشوروں کو ایک بار ضرور

صداقتوں کے امین ابوبکر

سچائیوں کی تصویر عمر

تلاوتوں کے رتجگوں کے نقیب عثمان

تسبیح و سجادہ اور گرجتی شمشیروں سے کفر کو نابود کر دینے والے ابوتراب

راز ولایت کے پرچم بردار اور بت شکنی کی تاب دار روایت کے تاجدار علی

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

تدبر وایثار کا افق تابندہ حسن المجتبیٰ
آدم سے مصطفیٰ تک تاریخ شہادت کو لوح کربلا پر نقش کر دینے والے حسین
گونجتی اذانوں کے ہجوم میں مالی معاملات کے امین بلال
سب سے ایک مرتبہ ضرور پوچھ لیں
آسمانِ عظمت کے جگمگاتے ستارو! یہ نور کہاں سے لیا
سب کہیں گے تعلیم کتاب اور نگاہِ رسالت کا یہ اعجاز ہے۔

تعلیم حکمت

آیت کے افق پر حکمتوں کا سراج منیر طلوع ہوا ہے، غور سے سنو! رب قدوس کی آواز ہے کہ میں نے جسے رسول بنایا ہے، وہ وہی ہے جس کے لیے ابراہیم کی دعا تڑپی تھی۔ ہاں نوید مسیحا کی لطافت کا راز بھی وہی تھے۔ انہیں میں نے حکمت سکھانے والا بنا کر مبعوث کیا۔ حکمت دانش ہے، دانائی ہے، عقلمندی ہے، زمانہ شناسی ہے۔ دانش نہ ہو تو حکومت کی نہیں جا سکتی اور سچ کی حکومت مانی نہیں جا سکتی۔ حکمت ایمان ہے اور حکمت جلوۂ اسلام ہے، اس لیے اللہ کے جو پیارے ہوتے ہیں اللہ انہیں حکمت ضرور عطا فرماتا ہے۔ رسول رحمت کی صحبت میں جو بیٹھا ہے معلم حکمت نے اسے حکمت ضرور سکھائی ہے۔ اعلان سننا ہو تو سماعت فرمالیں:

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے''۔

دانا اور دانشمند جو ہوگا وہ تعظیم اور انکساری کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکتا ضرور ہوگا۔ علی رضی اللہ عنہ اگر حکمت کا فروزاں ستارہ ہیں تو ساتھ ''ابوتراب'' بھی ہیں۔ انسان کی اصل قیمت کارناموں اور مہم جوئیوں میں نہیں علم و عرفاں اور عقل و حکمت کی فضیلتوں میں پوشیدہ ہے۔ علم و حکمت کو ڈاکو لوٹ نہیں سکتے اور موت ختم نہیں کر سکتی۔ حکمت زندگی بھی ہے اور زندگی نواز بھی، اس لیے کہ یہ سرمایۂ نبوت ہونے کی سند رکھتی ہے۔

ایک عربی شاعر نے کتنی اچھی بات کر دی تھی:

''بے وقوف اور احمق آدمی سے دوستی رکھنا شرابیوں سے
بحث کرنے کے مترادف ہوتا ہے اور کسی دانا، دانشمند اور
رجل حکیم کی صحبت میں بیٹھنا نور کی سواریوں پر بیٹھ کر
سوئے مدینہ پہنچنا ہوتا ہے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

یہ قول غالباً لقمان حکیم کا ہے:

''دانا، حکمت مند اور سچا شخص تنہا ہو پھر بھی وہ ایک لاکھ
بے وقوف، اندھے اور بے وقعت لوگوں کے لشکر کو شکست
دے سکتا ہے اس لیے کہ طاقت ساری علم، عمل، عرفاں
اور صدق کی ہے''۔

میں کہہ سکتا ہوں حضور ﷺ نے اسی لیے علم کی ''عین'' سے علی، عمل کی ''عین'' سے عثمان، عرفان کی ''عین'' سے عمر اور صدق کی ''ص'' سے صدیق دے دیے۔ کسی کو بھی محروم نہ چھوڑا۔ حکمت کی ''حا'' سے روشنی کشید کر کے ایک کو حسن بنا دیا اور دوسرے کو حسین بنا دیا۔

حکمت سیکھنے اور سکھانے سے مادیت کو قید و بند کی سزا سنائی جا سکتی ہے اور رسول رحمت ﷺ کی شاگردی میں آیا جا سکتا ہے۔

ان پر درود و سلام ہو جائے
اور ان کے آل و اصحاب اُمت سے خوش ہو جائیں۔

وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ

قرآن مجید کا یہ جملہ بڑا حیات آفرین ہے۔ اس کی قدیم تفسیر جو بھی ہو تعبیر کی ایک تازگی اور بہار دلوں کو یقین کا لطف دے رہی ہے۔ جدید انسان کمند تسخیر جب کسی نئے جہاں اور جدید دنیا پر ڈالتا ہے اور تڑپ کر تسخیر کا کوئی نیا صفحہ پلٹنا چاہتا ہے، قرآن حکیم اسے جھنجھوڑ دیتا ہے، نبی اور رسول ﷺ کی شاگردی میں آؤ۔ باب نبوت پر زانوئے تلمذ تہ کرو، ہاں آقائے کرم کو معلم تسلیم کر لو تم جو بھی نہیں جانتے، تم جو بھی نہیں جان سکے اور تم جو بھی جاننا چاہتے ہو، اسی در سے تمہیں مل سکے گا، یقین رکھو کہ جس کو جو ملا ہے اسی در سے ملا ہے اور جس کو جو ملے گا اسی در سے ملے گا۔

معلومات انسان کان لگا کر ٹیلیویژن سے بھی حاصل کر سکتا ہے لیکن علم خوبصورت دلوں، خوبصورت ذہنوں اور لطیف روحوں کی خوراک ہے اور دنیا کے جتنے خوبصورت علوم اور خوب سیرت معارف حاصل کیے جا سکتے ہیں وہ خوبصورت دلوں ہی کی عطا ہو سکتے ہیں۔ تلمیذ الکتاب اور تلمیذ الرسول ہونے سے حسن حقیقی کے جلووں کو چھوا جا سکتا ہے۔

ایک شخص نے ایک ہاتھ پر بنے ہوئے خاکے میں سرخ رنگ بھرا اور اپنے دو شاگردوں سے پوچھا یہ کیسے لگتے ہیں؟ ایک نے کہا جیسے ہاتھ میں خون بھرا ہوا ہے لیکن دوسرے نے کہا نہیں ایسے جیسے کسی

مفردات

نے ہاتھوں میں پھول اُگا دیئے ہیں، تلمیذ الکتاب دوسرا ہی ہوسکتا ہے۔

انسان کو ہمیشہ رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی ایک سمندر ہے اس میں کوئی سمت اور کوئی رخ نہیں، یہ ازل سے ابد تک محیط ہے، اس میں اگر کوئی چاہے کہ علوم ومعارف کے ان دیکھے جزیروں تک رسائی حاصل کرے تو اسے چاہیے سمع، بصر، دل اور روح سب کچھ معلم ''ما کان و یکون'' کے لیے وقف کردے۔ عمود آیت تو یہی ہے۔

واللہ اعلم

فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾

''تو خوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کُفر نہ کرنا''۔

فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ: تو تم میرا ذکر کرو
اَذۡكُرۡكُمۡ: میں یاد کروں گا تمہیں
وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ: اور تم میرے لیے شکر ادا کرو
وَلَا: اور نہ
تَكۡفُرُوۡنِ: ناشکری کرو میری

اس آیت کی تفسیر میں علامہ بقاعی اور مفتی احمد یار خان بدایونی نے پچھلی آیات سے چار اسباب کی بنا پر آیت کو مربوط مانا ہے (85):

❁ پہلا تعلق

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں بڑی نعمتیں بیان کیں۔ مثلاً تحویل قبلہ، عظیم الشان رسول کی بعثت اور مسلمانوں کا بہترین اُمت ہونا، اس آیت میں نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

❁ دوسرا تعلق

گزشتہ آیات میں ربّ تعالیٰ کی وہبی نعمتیں مذکور ہوئیں۔ اب اس آیت میں وہ امور بیان ہوئے جن کا تعلق کسب سے ہے۔ دراصل تحریص عملیت کی ہے اور رغبت ذکر وفکر کی طرف مبذول کروائی گئی ہے۔

❁ تیسرا تعلق

اب تک نعمتوں کی عطا کا ذکر تھا اب نعمتوں کی بقا کے اسباب بیان کیے جارہے ہیں۔

❁ چوتھا تعلق

گزشتہ آیت میں علم کا ذکر تھا اب اس آیت میں اس عمل کا حکم دیا گیا جس سے روحانیت مستحکم ہوسکتی ہے۔

❁ ایک خاص بات

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں ارشاد فرمایا تھا کہ میں تم پر نعمت کو مکمل کررہا ہوں۔ ایک خاص رسول تمہارے پاس تشریف لارہے ہیں وہ آیات تلاوت کریں گے، تمہارا تزکیہ کریں گے اور تمہیں

کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں گے۔اب اگرتم یکسوئی کے ساتھ میرے ذکر میں لگ جاؤ اور شکر گزاری اور سپاس گزاری کو شعار بنالو تو میں ان نعمتوں کی تکمیل مزید عطاؤں کے ساتھ کروں گا، یعنی تمہاری فضیلتیں اور زیادہ مُنتشر کروں گا، گلی گلی تمہارے تذکرے ہوں گے اور سو بہ سو تمہارا چرچا ہوگا، اُمت مصطفوی کی دھوم سارے جگ میں مچ جائے گی۔ یہ قرآن ہے ادبی لٹخارا اور چٹخارا نہیں، جان لو جو قرآن میں وارد ہوتا ہے وہ آفتاب کی روشنی سے بھی بڑا سچ ہوتا ہے۔

کثرت سے اللہ کا ذکر

قرآن مجید کی یہ آیت کس قدر اطمینان فروغ ہے(86):

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

''خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے''۔

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایمان افروز اسلوب میں فرمایا(87):

وَالذّٰكِرِيۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ

''اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں''۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا(88):

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا

''اے ایمان لانے والو! بہت ہی زیادہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور ہر صبح اور ہر شام اس کی تسبیح کرو''۔

پھر فرمایا(89):

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ

''اے ایمان والو! تمہارے اموال اور اولادیں تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں''۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا(90):

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا

''اے ایمان والو! جب تم کسی فوج سے مقابلہ کے لیے نکلو تو جم کر جہاد کرو اور اللہ کی یاد کثرت سے کرو''۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا(91):

''مفردون آگے بڑھ گئے''۔

لوگوں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفردون کون لوگ ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مرد اور عورتیں جو کثرت سے اللہ کو یاد کریں''۔

ایک صحیح حدیث میں یوں آیا ہے(92):

ایک شخص حرم رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے احکام بکثرت ہیں لیکن مجھے بڑھاپے نے محاصرے میں لے لیا ہے، مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیں جس پر میں جم جاؤں،

فرمایا:

''پس تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے''۔

فَاذْكُرُوْنِيْ پر ''فا''

مفسرین نے لکھا ہے کہ'' فَاذْكُرُوْنِيْ '' پر'' فا '' تفریعی ہے۔ یہ حرف سابق کلام کے نتیجے کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جب اللہ نے اُمت مرحومہ کو اُمت وسط کا اعزاز دے دیا ہے تو اسے اپنے منصبی فرائض سے عہدہ برآ ہونا چاہیے اور کثرت کے ساتھ میرا ذکر کرنا چاہیے اور میری نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

دو کوٹھڑیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(93):

> ''ہر آدمی کے دل میں دو کوٹھڑیاں ہیں: ایک میں فرشتہ رہتا ہے اور دوسرے میں شیطان، جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان دور بھاگ جاتا ہے اور جب وہ شخص اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اپنی تھوتھنی اس کے دل میں گھسا دیتا ہے اور اسے بہکاتا ہے''۔

آیت میں دوسرا حکم

قرآن مجید کی اس آیت میں دوسرا حکم اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہے۔ عائض القرنی نے بڑا خوب صورت مقالہ لکھا ہے۔ آپ خامہ فرسائی کرتے ہیں:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (94):

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو گن نہ پاؤ گے''۔

جسمانی صحت، امن وسکون، کھانا پینا، پوری دنیا آپ کے پاس ہے اور آپ کو احساس بھی نہیں زندگی کے مالک ہیں لیکن آپ کا شعور اس حقیقت سے غافل ہے۔ اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر انڈیل دی ہیں۔ آپ کے پاس آنکھیں ہیں، دو ہونٹ ہیں، دو ہاتھ اور دو پیر ہیں۔ کیا یہ آسان بات ہے کہ آپ پاؤں پر چل پھر رہے ہیں جب کہ کتنے ہی پاؤں کاٹ دیے گئے ہیں۔ آپ پنڈلی کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں جبکہ کتنی ہی پنڈلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ کیا آپ کے لیے آسان ہوگا کہ احد پہاڑ اتنا سونا لے کر کسی کو اپنی آنکھ دے دیں۔ کیا آپ شہلان پربت اتنی چاندی لے کر اپنے کان کسی کو دے دیں گے، کیا آپ ڈھیروں موتی لے کر اپنے ہاتھ کسی کو دے سکتے ہیں، سوچیں اور خوب سوچیں، اگر اللہ کی نعمتوں کا احساس ہو جائے تو پھر اللہ کو راضی کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کیا جائے۔

زیر تعبیر آیت کی تفسیر بھی یہی ہے اور اللہ کا حکم بھی یہی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا (95):

''اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر بھی ان کا انکار کر دیتے ہیں اور اکثر ناشکرے ہیں''۔

ذکر کی اقسام

- مفسرین لکھتے ہیں کہ ذکر کی پہلی قسم زبان سے اللہ کی تسبیح اور تحمید ہے، تکبیر اور تمجید ہے اور تذکیر اور تہلیل ہے۔ مجدد الف ثانی قرآن مجید کی تلاوت کو بڑی اہمیت دیتے تھے (96)۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص قرآن مجید میں مشغول رہے اور اس کے مشغول بالقرآن ہونے کی وجہ سے وہ میرا ذکر نہ کر سکے اور مجھ سے دعا نہ مانگ سکے تو میں اس کو سائلین سے زیادہ دوں گا (97)۔
- ذکر کی دوسری قسم قلبی اور خفی ذکر ہے۔ یہ ذکر اپنے تمام قویٰ ادراکیہ اور لطائف باطنیہ کو اللہ کے اسم پاک کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ یہ محویت اس قدر زیادہ ہونی چاہیے کہ بندہ خود بھی خود کو بھول جائے۔ اس کے لیے سمت شیخ اور مراقبہ دونوں طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں، اصل تو اس کی خفی ذکر ہے۔ شیخ کی توجہ واقعۃً کارگر

ہوتی ہے۔مولوی عبدالحق نے صحیح لکھا کہ مٹی پھول کی صحبت سے معطر ہو جاتی ہے اور لوہا آگ میں رہنے سے اخگر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان پر آثار تقدس فائض ہوتے ہیں۔ اس کیفیت میں بندہ سے عجب عجب چیزیں سرزد ہوتی ہیں، انہی صادرات کو کرامات بھی کہا جاتا ہے(98)۔

- ذکر کی تیسری قسم جوارح کو اللہ کی اطاعت اور بندگی میں لگا دینا ہوتا ہے اور منہیّات سے جوارح کو باز رکھنا ہوتا ہے(99)

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ
ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾
وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَن يُقْتَلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتٌۢ ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلَٰكِن لَّا
تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾
وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلْخَوْفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلْأَمْوَٰلِ
وَٱلْأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٥﴾
ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

(153) اے ایمان والو! مدد لیا کرو صبر اور نماز سے، پکی بات ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے

(154) اور نہ کہا کرو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ کہا کرو کہ وہ زندہ ہیں ہاں یہ ہے کہ اُن کی زندگی تمہارے شعور سے بلند ہے

(155) اور ہم ضرور نکھاریں گے تمہیں کچھ خوف وخطر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان میں مبتلا کر کے اور خوشخبری سنایئے اُن صبر والوں کو

(156) کہ جب بھی انہیں مصیبت پڑے گی وہ پکار اُٹھیں گے ہم تو ہیں ہی اللہ کے لیے اور ہم نے یقیناً اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

مفردات

يَاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ لوگ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہو
اسۡتَعِيۡنُوۡا: مدد مانگو
بِالصَّبۡرِ: صبر کے ساتھ
وَالصَّلٰوةِ: اور نماز کے ساتھ
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
مَعَ: ساتھ
الصّٰبِرِيۡنَ: صبر کرنے والے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾

''اے ایمان والو! مدد لیا کرو صبر اور نماز سے، پکی بات ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت سے پہلی آیت نے چمنستان کتاب میں رہنے والوں کو اللہ کے نام کی خوشبوؤں سے معطر اور معنبر کر دیا تھا۔ اب اس آیت میں اصحاب ایمان کو روشنی اور حسن کی ایک نئی اور تازہ دنیا سے روشناس کروایا جا رہا ہے۔ یقین جانیے! انسانوں کے اندر ایک ایسی طاقت ہر وقت موجود رہتی ہے جو نہیں کارزارِ حیات میں مستعد رکھتی ہے، وہ لمحاتِ زندگی کو حسین اور پر مسرت بنا دیتی ہے، وہ روحوں کو بچوں کی طرح گدگداتی ہے اور طمانیت کے مراجع سے آگاہ کر دیتی ہے۔ وہ شخص جس کا باطن پُر اعتماد اور پُر امید نہیں ہوتا وہ کامیابیوں کا تازہ جہاں مسخر نہیں کر سکتا۔ روشنی اور دھوپ کی طرح اللہ نے انسان کے باطن کو بھی توانائیوں اور نہضات کی دولتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ ان کا سراغ لگانا انسان کے لیے از حد ضروری ہے۔

انسانی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہوتا ہے کہ وہ دریافت کرے کہ اسے زندگی کیسے گزارنی چاہیے؟ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت مدد کرتی ہے اور سکھاتی ہے کہ مطمئن زندگی کا مبداء اور سرچشمہ یہ عقیدہ ہے کہ ہر معاملہ میں ہر وقت اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھا جائے، وہ انسان جو اس عقیدہ سے سرمو انحراف کرے وہ بیخ دیا جاتا ہے اور جو خود کو اللہ کی مدد کے حصار میں لے آئے فطرت برگزیدگی کے رنگا رنگ پھول اس کے دامن میں ڈال دیتی ہے۔ اللہ کی مدد کے سہارے جینے والا شخص کبھی مایوس نہیں ہوتا، کم ہمت نہیں ہوتا اور صفات ایثار و خدمت سے محروم نہیں ہوتا۔ یہ آیت مزید یہ بتاتی ہے کہ اللہ کے نور کی طرح اللہ کی مدد کا ظہور بھی روحوں، دلوں اور نفوس میں صبر اور مصابرہ کے ''ریڈار'' پر ہی ہوتا ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ صبر ایک عادت اور خصلت بھی ہے، ایک خوبی اور صفت حسنہ بھی ہے اور ایک آئینۂ حقیقت بھی ہے جس میں چمک اللہ خود پیدا فرماتا ہے۔ آیت کا روحانی سبق بڑا دلچسپ ہے کہ اللہ کی مدد سے تسخیرِ خودی کرنے والا شخص ہی تسخیرِ کائنات کے مرحلوں سے گزر سکتا ہے لیکن جس نفس میں صبر نہیں وہ کامیاب نہیں۔ صبر حق کے لیے ڈٹ جانا، حق پر جم جانا اور حق پر مستقیم ہو جانا ہی نہیں گناہوں سے رک جانا بھی صبر ہے اس طرح یہ شخصیت کی حفاظت بھی ہے یوں کہ بدعقیدگی، بدعملی اور بدمعاملگی سے شخصیت درک نہ جائے، پھٹ نہ جائے اور برباد نہ ہو جائے۔ آیت کی دعوت خود شناسی بھی ہے اور

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

خودی کی حفاظت بھی ہے اور باطن کے سمندر میں غوطہ زنی کر کے خدائی مددوں کا سراغ بھی لگانا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے۔لوگ عیادت کے لیے آئے اور عرض کی کہ اجازت ہو تو طبیب بلا لائیں۔آپ نے فرمایا: طبیب تو دیکھ چکا ہے۔لوگ عرض کرنے لگے وہ کیا کہتا ہے، فرمایا: طبیب کا کہنا ہے کہ میں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں اشارہ صبر کی فضیلت کی طرف ہے(100)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے(101):

''اچھی زندگی وہ ہے جو صبر کے ساتھ گزرے اور فرحت
بخش حیات وہ ہے جو صبر سے ملے''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ قرآن مشکلات میں عروۃ الوثقیٰ ہے اور صبر فضیلتوں کا سر چشمہ ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! صبر کا ایمان میں وہی مقام ہے جو جسم میں سر کا ہوتا ہے، جسم سے سر کٹ جائے تو جسم کی کیا قیمت بچ جاتی ہے۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کسی نے یہ کہتے ہوئے سنا: ''صبر اگر انسانی شکل میں ظاہر ہوتا تو ایک شریف آدمی ہوتا''۔امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرمایا کہ ''صبر وہ سواری ہے جو اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی''۔حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''صبر خیر کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جو اللہ اپنے بہترین بندوں کو عطا کرتا ہے''۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بے صبری نے تاریخ مسخ کر دینی ہوتی ہے جبکہ صبر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے''۔

اہل بیت میں سے کسی امام کا قول ہے:

''صبر وہ عمل خیر ہے جس کے نتیجے میں اللہ اپنی معیت کی
دولت عطا فرماتا ہے''(102)۔

حضرت خباب ابن الارت فرماتے ہیں: ہم نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ہمارے لیے اللہ سے نصرت طلب نہیں کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا(103):

''تم میں سے پہلے ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص کو پکڑا جاتا اور
اسے شہید کرنے کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور
اسے اس میں رکھ دیا جاتا پھر اسے سر کی جانب سے دو
ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کی ہڈیوں

سے گوشت نوچ کر الگ کر دیا جاتا لیکن باوجود اس کے پر عزم لوگوں کو دنیا کی کوئی قوت دین سے روک نہ سکتی۔ اللہ کی قسم! وہ اس کام کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا لیکن اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ بھیڑیا بھیڑوں کی حفاظت کرے گا لیکن افسوس تم جلدی کر رہے ہو''۔

آیت میں احکام کی ترتیب بڑی دلچسپ ہے۔ ایمان اور ایقان کی نسبت رکھنے والوں کو صبر کے قلعہ میں آنے کے بعد مدد طلبی کا درس دیا گیا اور ساتھ ہی انسان کی فطری کمزوری سمجھ لی گئی کہ صبر کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے۔ اس پر مدت طویل گزر جائے تو اس میں کمزوری آ سکتی ہے اس لیے نماز کو صبر کے لیے طاقت اور قوت کا سرچشمہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے مستقل حکم بنا دیا کہ نماز سے مدد حاصل کرو۔

سید قطب نے صحیح لکھا (104):

''نماز وہ سرچشمہ ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا اور یہ وہ زادِ راہ ہے جسے ختم نہیں ہونا ہوتا، قوت اور طاقت صبر اور ثبات کی تجدید کے لیے یہ منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ سے لولگانے کے لیے نماز بڑا خوبصورت ذریعہ ہے''۔

حضور انور ﷺ جب بھی سخت حالات اور مشکلات کا سامنا کرتے نماز ادا فرماتے۔ نماز کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے: ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے'' (105)۔

نماز کا قیام قطرے کو قلزم سے ملنے کا موقع فراہم کر دینا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کے خزانوں کی کنجی ہے۔ نماز ایک تھکے ماندے شخص کے لیے خوشگوار احساس بھی ہے، تسکین قلب بھی ہے اور اسے رحمتوں کی روح پرور شبنم بھی کہا جا سکتا ہے اور تپتی دھوپ میں خنک سایہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ نماز کا قیام مزیدار زندگی کا شاہ باب ہے اور یہ اللہ سے ملنے کا زاویۂ التقاء بھی ہے۔

حضرت عصام الدین نے خامہ فرسائی فرمائی (106):

''صابرین اللہ کے ذکر کو کبھی بھولتے نہیں بخلاف ان لوگوں کے جو صبر سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب ذکر اللہ سے غافل ہوتے ہیں اور اللہ ان کے دلوں میں

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَ: اور
لَا: نہ
تَقُوۡلُوۡا: کہوتم
لِمَنۡ: اس سے جو
یُّقۡتَلُ: قتل کردیا جائے
فِیۡ: میں
سَبِیۡلِ: راہ
اللّٰہِ: اللہ
اَمۡوَاتٌ: مردے
بَلۡ: بلکہ
اَحۡیَآءٌ: زندہ، یہاں ''اَحۡیَآءٌ'' سے پہلے ''قولوا'' محذوف ہے یعنی کہو کہ زندہ ہیں
وَّلٰکِنۡ: اور لیکن
لَّا: نہیں
تَشۡعُرُوۡنَ: تم شعور رکھتے یعنی تم سوچتے نہیں ہو

حب دنیا اور حرص ڈال دیتا ہے''۔

حدیث شریف میں ہے کہ بروز قیامت ایک منادی آواز لگائے گا: ''اہل فضیلت کہاں ہیں''؟ یہ سن کر کچھ لوگ دوڑ کر بہشت تک پہنچ جائیں گے، فرشتے ان سے پوچھیں گے لوگو! تم جنت کی طرف دوڑے جا رہے ہو تم ہو کون؟ وہ کہیں گے ہم اہل فضیلت ہیں، پوچھا جائے گا تمہاری فضیلت کا سبب کیا ہے، وہ کہیں گے ہم پر ظلم ہوا تو ہم نے صبر کیا اور ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی تو ہم نے معاف کر دیا۔ فرشتے کہیں گے جنت میں خوشی سے داخل ہو جاؤ۔

اسی طرح ندا لگے گی: ''صابرین کہاں ہیں''؟ تو وہ بھی جنت کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا تم لوگ کون ہو؟ وہ کہیں گے ہم صبر کرنے والے ہیں، فرشتے کہیں گے تم نے کن باتوں پر صبر کیا، وہ کہیں گے ہم نے اطاعت پر صبر کیا اور خود کو اطاعت کا پابند بنا لیا، حکم ہو گا جلدی سے جنت میں داخل ہو جاؤ ایسا ہی معاملہ اہل محبت سے بھی ہو گا (107)۔

واللہ اعلم

وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّ لٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾

''اور نہ کہا کرو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ کہا کرو کہ وہ زندہ ہیں ہاں یہ ہے کہ اُن کی زندگی تمہارے شعور سے بلند ہے''۔

گزشتہ آیت میں کہا گیا تھا کہ میرے دین میں استقلال اور استقامت کے لیے صبر اور نماز کو خدائی مددوں کا ذریعہ بناؤ اور پر عزم رہتے ہوئے اپنی روح اور دل کو اس اعتماد سے بھر دو کہ صبر کرنے والوں کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر تم لوگ فضیلتوں کی یہ خوشبو حاصل کرنے کے لیے اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد کی خاطر اپنے نفوس قربان کر بیٹھے تو یہ خیال نہ کرنا کہ تم ضائع ہو گئے ہو۔ اس پختہ یقین کی راہ ہرگز نہ چھوڑنا کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے وہ مردہ نہیں زندہ ہوتا ہے۔

شہید سراپائے شعور ہوتا ہے وہ ایک عظیم مقصد کو زندگی ہی میں پا لیتا ہے۔ وہ روح کی تلاش کر لیتا ہے اسے زندگی کا سرچشمہ مل جاتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے روح اصل ہے اور جسم فرع ہے۔ شکم مادر میں قلب کو حرکت روح ہی سے ملتی ہے۔ اللہ نے توانائیوں کا راز قلب اور ضمیر میں رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شخص جو شہادت کو سمجھتا نہیں وہ بے شعور ہے۔ ایک بڑے مقصد کی خاطر چھوٹی چیز قربان کر دینا اصل شعور ہے۔ سنگریزے دے کر سونے کی ڈلیاں لے لینا حماقت نہیں، دانائی کا عظیم الشان نشان

ہے۔ مٹی دے کر روغن بہشت پالینا بے وقوفی نہیں دانشمندی کی علامت ہے۔ جیسے لکڑی کا ٹکڑا، پانی کی بوتل اور ہوادار گیند پانی میں ڈوبتی نہیں ایسے ہی روح جلتی نہیں، ڈوبتی نہیں اور مٹتی نہیں۔ شہید وہ عظیم مرتبہ پانے والا رجل عظیم ہوتا ہے جسے اللہ روح واپس لوٹا دیتا ہے، اس لیے وہ مردہ نہیں ہوتا، مردے تو وہ ہوتے ہیں جنہیں روح حیات کی تعریف نہیں آتی۔ شہادت کا بڑا درجہ ہے، عمیق فضیلت ہے۔ یہ تھوڑی بات ہے کہ اللہ خود فرما رہا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جان دے دے اسے مردہ نہ کہو، اگر کہو گے تو سمجھ لو کہ تم بے شعور ہو۔ میرا خیال ہے آیت کا عمود تقابل شعور ہے۔ شہید تو شعور کی تابندگی میں منزل پا گیا ہوتا ہے۔ ماتم تو ان چلنے پھرنے والے انسان نما حیوانوں کا ہے جو مقام شہادت کو سمجھ نہیں پا رہے۔ آیت کی اصل دعوت شعورِ شہیداں تک رسائی ہے۔ شہید کو مردہ کہنا تو دور کی بات ہے قرآن حکیم کہتا ہے کہ اس کے مردہ ہونے کا گمان بھی ذہن میں لانا حرام ہے۔ شہید کے لیے بڑی روزیاں ہیں، آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون، مقصد پا لینے کا اطمینان، حسن المآب کی سیریں، جنت کے الطاف، امام شہیداں کی زیارت، بارگاہ ایزدی کا شہود، ان کی راہ چلنے والوں کے عزائم، نویدیں، خوشخبریاں، بشارتیں، فضل و انعامات کوئی ایک روزی تھوڑی ہی ہے۔ رحمتوں، برکتوں کی دنیائیں ہیں جو شہیدوں کے پاؤں میں رکھ دی جاتی ہیں، مالک کی مرضی پانے کے لیے موت کے سمندر میں شعور کی بیداری میں کود جانا چھوٹی بات تھوڑی ہی ہے۔ یہ تو ستاروں سے پوچھو شب بھر جھلملانے کے بعد انہیں نیلگوں گہرائیوں میں چھلانگ لگا دینے سے ملتا کیا ہے۔ کھلی ہوئی گلاب کی پنکھڑیوں سے سوال کرو کہ حدت آفتاب سے خود کو جلانے کا کیا فائدہ ہے اور پروانے سے فتویٰ پوچھو روشنی کے چہرے پر خود کو فدا کر دینا خودکشی ہے یا شہادت، بات تو شعور اور سمجھ کی ہے۔

مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کے سر پر ضرب شہادت نے ماحول کو خون خون کر دیا لیکن علی کرم اللہ وجہ الکریم کہنے لگے ''فزت برب الکعبه، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا''۔ امام عالی مقام نے جام شہادت نوش کر لیا لیکن سر سے قرآن پڑھنے کی آواز برابر آتی رہی۔ یہ ختم قل کی آواز نہیں تھی شہادتوں کے ترانے تھے اور جذبوں کی قندیلیں منور کر تا تھیں۔ قاسم و علی اکبر بابا کی دعوت پر فدا ہو گئے۔ یہ شعور اہل بیت کی چمک تھی اور یزیدیت کے نارِ جہنم میں ذلت کے ساتھ پٹخ دینے کا اعلان تھا۔ شہادتیں طلحہ کے زخم بھی ہیں، حمزہ کی مظلومانہ تصویریں بھی ہیں، مصعب کے عزائم بھی ہیں، عثمان کی تلاوتیں بھی ہیں، ابن رواحہ کے رجز بھی ہیں اور جعفر کے بدن سے بوند بوند ٹپکنے والے خون کے قطرے بھی ہیں۔ میں کہہ سکتا ہوں وجودِ عمر سے فضیلت مآب مقاصد کے فہم کی شعاعیں بھی ہیں جو خون کے قطروں کی صورت میں ٹپکیں۔ زہر حسن المجتبیٰ کو پلائی گئی لیکن موت زہر پلانے والوں کا نصیبہ ہو گیا اور حیات آفتاب و ماہتاب

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

بن کر حسن نام کے ایک ایک حرف سے جلوہ فگن ہونے لگ گئی۔ بڑی بات ہے جو بڑا اس کا فیصلہ بھی بہت بڑا ہے کہ جو شہید ہوگا اس کی وجہ سے اس کے خاندان کے ستر لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ ایک مرتبہ ایک مجذوب محبت سے ملاقات ہوئی تھی، اس نے کہا تھا کیا بات ہے چار قطروں کی: مومن محب کی آنکھ کا قطرۂ رشک جس سے کردار پیدا ہوتا ہے اور ابر نیساں کا قطرہ جو درِ نایاب تخلیق کر دیتا ہے اور قطرۂ مادۂ تولید جس سے تصویر کائنات میں رنگ آجاتا ہے اور قطرۂ خونِ شہیداں جو زندگی کی حکمتوں کا ملکوتی اور لاہوتی معلم بن جاتا ہے، شعورِ شہیداں بھی بڑی چیز ہے اور اچھی چیزوں کو نہ ماننا سفلہ شعوری کی بدترین قسم ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

''شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں۔ جنت میں جہاں چاہیں وہ لطف اندوز ہولیں اور پھر جب چاہیں عرش کے نیچے لٹکتی قندیلوں پر آکر بیٹھ جائیں

ربّ ان سے دریافت کرتے ہیں اب تمہاری تمنا کیا ہے؟

وہ کہتی ہیں ربّ ہمارے! تو نے ہمیں وہ دکھا دیا ہے جو کسی کو نہیں دکھایا پھر ہمیں اور کیا چاہیے دوبارہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو وہ اپنی تمنا کا اظہار اس طرح کرتی ہیں: ہمیں تو دوبارہ دنیا میں بھیج ہم پھر تیری راہ میں لڑیں، شہادت مکرر سے لطف مند ہو کر تیری بارگاہ میں حاضر ہو جائیں۔ ربّ کریم فرمائیں گے ایسے نہیں ہوسکتا میں نے لکھ دیا ہے کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ نہیں سکتا''(108)۔

اس آیت کے شان نزول میں فخر الدین رازی نے لکھا(109):

یہ آیات مقتولین بدر کے بارے میں اتریں، اس دن مسلمانوں میں سے چودہ افراد شہید ہوئے۔ چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصار تھے۔

شہدا کے اسماء یہ تھے:

1۔ عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب

2۔ حضرت ذوشمالین

3۔ حضرت عمرو بن نفیلہ

4۔ حضرت عمر بن ابی وقاص

5۔ حضرت عامر بن بکر

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

مفردات

6۔ حضرت مجع بن عبداللہ

7۔ حضرت سعید بن خیثمہ

8۔ حضرت قیس بن عبدالمنذر

9۔ حضرت زید بن حارث

10۔ حضرت رافع بن المعلی

11۔ حضرت تمیم بن الھمام

12۔ حضرت حارثہ بن سراقہ

13۔ حضرت معوذ بن عفرا

14۔ حضرت عوف بن عفرا

شہدا کے بارے میں منافقین نے منفی پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ لوگ مر گئے ہیں، قتل ہو گئے ہیں۔ اللہ نے اس آیت میں منع فرما دیا کہ شہدا کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حامل قرآن جب مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اس کے گوشت کو نہ کھانا۔ زمین عرض کرتی ہے ربّ کریم میں اس کا گوشت کیسے کھا سکتی ہوں کہ اس کے دل میں تیرا کلام محفوظ ہے (110)۔

علامہ اویسی نے علامہ فناری کے حوالہ سے جو کچھ لکھا تعجب ناک ہے کہ حیات شہدا محض خیالی ہے۔ ہمارے لیے مناسب یہی ہے کہ ہم قرآن کے ساتھ چلیں۔ یہ رویہ افسوسناک ہے کہ ہم شعروں، خیالوں اور رویوں سے قرآنی احکام کو منسوخ کر دیں۔ حیات شہدا حقیقی ہے قرآن یہی کہتا ہے اور ہمیں قرآن ہی کی بات ماننی چاہیے (111)۔

بعض شیعہ مفسرین نے بھی کارناموں کو حیات سے تعبیر کر دیا ہے یہ بھی پہلی بات کی طرح تعجب ناک ہے (112)۔

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ‌ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ۙ﴿۱۵۵﴾

"اور ہم ضرور نکھاریں گے تمہیں کچھ خوف وخطر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان میں مبتلا کر کے اور خوشخبری سنائیے اُن صبر والوں کو"۔

قرآن مجید کی اس آیت سے ایک آیت پہلے ربّ العالمین نے ارشاد فرمایا: یہ بات پکی سمجھو کہ

وَ: اور
لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ: ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے
بِشَىۡءٍ: ساتھ ایک چیز کے
مِّنَ: سے
الۡخَـوۡفِ: خوف
وَالۡجُـوۡعِ: اور بھوک
وَنَقۡصٍ: اور نقصان
مِّنَ: سے
الۡاَمۡوَالِ: اموال مال کی جمع ہے
وَالۡاَنۡفُسِ: اور جانوں، "الانفس، نفس" کی جمع ہے
وَالثَّمَرٰتِ: اور پھلوں "ثمرات، ثمر" کی جمع ہے
وَبَشِّرِ: اور خوشخبری دیجیے
الصّٰبِرِيۡنَ: صبر کرنے والوں

جہاں صبر ہوگا وہاں تمہارا مالک، معبود اور محبوب ضرور موجود ہوگا لیکن یہ قسمت اس شخص کی ہوگی جس کا معبود اور محبوب لطیف ہوگا۔ صبر لفظ ہو یا معنیٰ جوں ہی یہ دل اور نطق کو چھوتے ہیں سماں بدل جاتا ہے۔ یہ آیت منظر کو ایک نئی جہت کا حسن دیتی ہے اور معبود کا یہ کلام ہدیہ کرتی ہے کہ تم دلبری یا ناموری جس فضیلت کی آرزو کو عمل کا روپ دینا چاہو گے ''ابتلا'' سے تمہیں ضرور گزرنا ہوگا۔ دلبری کے امتحانات بھی بڑے کڑے ہوتے ہیں اور ناموری کی راہ بھی آزمائش کی بھٹیاں ہوتی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے آزمائش خود چہرے پر نقاب ڈال کر زندگی کے صحن میں اترتی ہے پھر بندے کو ہلاتی ہے، گدگداتی ہے، خود مسکراتی ہے اور بندے کو رلاتی ہے۔ اسی موقع پر آدمی کبھی ''رجل منصور'' ہو جاتا ہے اور کبھی ''هبا منثور'' ہو جاتا ہے۔ ابتلا مصیبت ہو تو اس کے پیٹ سے ایک اور مصیبت جنم لیتی ہے اور یہ خوشی کے روپ میں جلوہ گری کرے تو شبنم کا قطرہ اور آنکھ کا آنسو بن سکتی ہے اور کبھی خارِ مغیلاں کی چبھن بھی ہو جاتی ہے لیکن قرآن مجید کی یہ آیت کہتی ہے کہ معبود کی بھیجی ہوئی آزمائش پنجتنی ہے: خوف بن کر سینہ تان لیتی ہے، بھوک بن کر آنتوں میں چٹکیاں کاٹتی ہے، آفت کا روپ دھار کر اموال چاٹ لیتی ہے۔ موت بن کر چلتے پھرتے متحرک وجودوں کو پیوند خاک بنا دیتی ہے اور بجلیوں کا شعلہ اور نامرادیوں کی آتش بن کر ثمرات اور آرزوؤں کے تازہ چمنستانوں کو اجاڑ دیتی ہے اور زبان فطرت ہو کر پوچھتی ہے سناؤ کیا حال ہے؟ پریشان تو نہیں ہو، طبیعت پر بوجھ تو نہیں آیا، اس عالم میں کیا سکت ہے؟ کہ ترانہ حمد تمہاری زباں سے نکل جائے۔ تکبیر و تہلیل تمہاری نطق کے بوسے لے اور خالق کی محبت نعرہ بن کر روح میں گونجے اور ذکر بن کر دل کی دھڑکن ہو جائے۔ کیفیات کے اس رنگ کے پھول جب مصیبتوں آفتوں، نقصانات اور ایثارات کے جہاں میں مسکرانے لگ جائیں تو پھر بشارات کا نزول ہوتا ہے، خوشیاں اترتی ہیں، براتیں روح کی دنیا میں روشنی سلگاتی ہیں، نعرے گونجتے ہیں اور یوں کائنات کی پاکیزہ ترین زباں سے یہ لفظ صادر کروائے جاتے ہیں صابرین کو بشارت دے دو۔ بقول کسے (113):

تاروں پہ ڈالنے کے لیے جو کمند تھی
دیوار اپنی راہ میں اس سے بلند تھی
وہ شئی جو اس نے اپنے لیے منتخب نہ کی
وہ چیز اس کو میرے لیے کیوں پسند تھی

اس آیت کی تفسیر میں علامہ محمد النووی الجاوی لکھتے ہیں کہ آزمائش ناکام کرنے کے لیے نہیں ہوتی فوز و فلاح کے خزانوں سے نوازنے کے لیے ہوتی ہے۔ بندے کو احوال کے آئینے میں رکھ دیا جاتا ہے

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

کہ دیکھتے ہیں تصویر کیسی ابھرتی ہے؟ نامرادیوں کا ماتم نوحہ کناں ہوتا ہے یا تسکین کی جنتیں مومنوں کے وجود میں نورورنگ بکھیرتی ہیں (114)۔

آیت میں خوف اور جوع سے مراد کیا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے اور بھوک سے مراد قحط ہے (115)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف سے مراد اللہ کا خوف ہے، بھوک سے رمضان کے روزے، مالوں کی کمی سے مراد زکوۃ وصدقات، جانوں کا نقصان بیماریاں اور پھلوں کا نقصان اولاد کا مرنا ہے (116)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (117):

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کسی شخص کا بچہ فوت ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کرلی

فرشتے عرض کرتے ہیں: ''جی ہاں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''کیا تم نے اس کے دل کی ٹھنڈک کو لے لیا

فرشتے عرض کرتے ہیں: ''جی ہاں''۔

اللہ فرماتے ہیں: میرے بندے نے اس موقع پر کیا کہا؟

فرشتے کہتے ہیں:

اس نے کہا ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ'' اور اے اللہ اس نے تیری حمد کی۔

اللہ فرماتا ہے:

''اچھا تم میرے اس بندے کے لیے جنت میں ایک گھر تیار کرو اور اس کا نام 'بیت الحمد' رکھ دو''۔

ابوحیان اندلسی نے ان مصائب کو جہاد کے ساتھ جوڑا ہے اور لکھا ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تکلیفیں اٹھانا آزمائش اور امتحان ہے لیکن جو صبر کرے یعنی ڈٹا رہے اور استقامت سے اللہ کے دین کے کام کو آگے بڑھاتا ہے اس کے لیے بشارتیں ہیں (118)۔ واللہ اعلم

قرآن مجید نے سورۂ بنی اسرائیل میں ''خوف'' اور ''رجا'' کو روبرو بیان کیا ہے (119):

وَيَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَيَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ

''اور اُس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں''۔

اس اعتبار سے درپیش خطرہ کا اندیشہ ''خوف'' کہلاتا ہے اور مطلوبہ فائدہ کی توقع کو 'رجا'' کہتے ہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے (120):

> ''رسول رحمت کی سیرت میں ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں
> دنیا کے عیوب اور قبائح سے آگاہ کرتی ہیں۔ آپ اس دنیا
> میں اپنے مقربین سمیت بھوک سے رہا کرتے تھے اور
> دنیا سے آپ جوع کی کیفیت ہی میں رخصت ہوئے اور
> آخرت میں آپ سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے''۔

آزمائش کا تیسرا مرحلہ اموال کا نقصان ہے۔ قرآن مجید نے کہا کہ تمہارے اموال اور اولادیں آزمائش ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خواہشات کا سرچشمہ مال ہے (121)۔

آیت ہمیں کیا سکھاتی ہے

1۔ زندگی ابتلا اور آزمائش ہے اسے احتیاط سے برتنا چاہیے۔

2۔ آزمائش اضافی امر نہیں ضروری ہے اس طرف اشارہ ''لَنَبْلُوَنَّكُمْ'' میں نون ثقیلہ کر رہا ہے۔

3۔ مصیبتوں کا ہجوم ایک ہی دفعہ نہیں ہو جاتا ہے دھیرے دھیرے ہوتا ہے یہ بات ''بِشَيْءٍ'' میں تنوین سے سمجھ آتی ہے۔

4۔ دشمن دین حق سے روکنے کے لیے عام طور پر یہی طریقے استعمال کرتے ہیں:

ا۔ خوف دلاتے ہیں

ب۔ اقتصادی نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا

ج۔ مالوں میں نقصان پہنچاتے ہیں

د۔ جانیں لینے کے لیے حملے کرتے ہیں

ح۔ فوائد والی چیزوں اور اولادوں سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں

5۔ بشارتیں ساری صابرین کے لیے ہوتی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے قرآن کی آواز سن لی۔

6۔ آزمائش کا مقصد دبانا اور کچلنا نہیں صلاحیتوں کو نکھارنا ہوتا ہے۔

7۔ زندگی کا ہر مرحلہ رضا و رغبت سے طے کرنا چاہیے۔

8۔ صبر کے تینوں معانی ذہن میں ہر وقت تازہ رہنے چاہییں:

ا۔ گناہوں سے رکنا

ب۔ مصیبت میں واویلا نہ مچانا

ج۔ حق پر ڈٹ جانا

9۔ قرآن کتاب تربیت ہے، اس لیے ان نصائح اور تنبیہات کو تربیتی اسباق ہی سمجھنا چاہیے۔

10۔ بشارت کا صحیح معنوں میں مزا وہی شخص اٹھاتا ہے جو صابرین کی جماعت کی اہمیت سمجھتا ہو۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁۱۵۶

''کہ جب بھی انہیں مصیبت پڑے گی وہ پکار اُٹھیں گے ہم تو ہیں ہی اللہ کے لیے اور ہم نے یقیناً اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت صابرین کا نظریۂ حیات بیان کرتی ہے کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو ان کا عرفان حق اس جملے کی صورت میں ان کی زبانوں سے ''ہویدا'' ہونے لگ جاتا ہے کہ ''ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

نظریۂ حیات کے لحاظ سے ادیان فقط دو قسم کے ہیں: ایک وہ جن میں اثبات حیات پایا جاتا ہے اور دوسرے وہ ہیں جن میں نفیِ حیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک وہ ہیں جو زندگی سے گریز کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو زندگی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے بعض فناء پر زور دیتے ہیں اور بعض بقاء پر زور دیتے ہیں۔ اسلام کے سوا ہر جگہ رہبانیت کی تعلیم ہے اور دنیا کو سنوارنا مطمع نظر نہیں، ترکِ دنیا مقصود ہوتا ہے۔ یہودیت میں اگرچہ ترک دنیا کی تعلیم نہیں لیکن شرکیہ عقائد کی وہاں بھی بھرمار ہے۔ اسلام نے انسان کے فکر و عمل میں بہت سے انقلابات پیدا کیے ہیں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ انسان حالت سفر میں رہتا ہے اس کی منزل ربّ ہے۔ لیٰ ربک المنتھی ''موت ایک مرحلہ کے سوا کچھ نہیں''۔

ابن عربی ''المنتھی'' کو بھی منزل نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کا معنیٰ اللہ کی شان جامعیت سے اقرب ہونا مراد لیتے ہیں۔

مولانا روم بھی منزل تو ربّ ہی کو سمجھتے ہیں لیکن وہ ارتقاء کو لامتناہی تصور کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ: وہ جو
اِذَآ: جب
اَصَابَتْهُمْ: پہنچتی ہے انہیں
مُّصِيْبَةٌ: مصیبت
قَالُوْٓا: کہتے ہیں
اِنَّا: بے شک ہم
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے ہیں
وَاِنَّآ: اور بے شک ہم
اِلَيْهِ: اسی کی طرف
رٰجِعُوْنَ: لوٹ کر جانے والے

مولانا کے معروف اشعار ہیں:

من غلام آں کہ او در ہر رباط
خویش را واصل نہ داند بر سماط
بس رباطے کہ بباید ترک کرد
تا بمکن در رود یک روز مرد

''میں اس کا غلام ہوں جو ہر مقام سکونت کو اپنی منزل وصل تصور نہیں کرتا بلکہ اس کی بے تابی ہر مقام کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے پھر ایک وقت آ ہی جاتا ہے کہ عالم منتہیٰ میں اسے مسکن میسر آ جاتا ہے''۔

اس بحث کو شیخ اکبر کے اس جملہ پر مختتم کروں گا:

الرب رب وان تنزل
والعبد عبد وان ترقی

''اللہ اپنی شان کے مطابق طبقات حیات میں نزول بھی فرمائے تب بھی وہ ربّ ہی رہتا ہے اور بندہ کتنا ہی عروج کرلے وہ عبد معظم ہی رہتا ہے خدا نہیں ہوتا''۔

اِنَّا لِلّٰهِ اور اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ میں عقیدہ بھی ہے، عزم بھی ہے اور ارتقائی عمل کی تصویر بھی ہے۔ مراجعت اور موت دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے (122):

''جو مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کا تدارک فرما دیتا ہے۔ اس کا انجام بہتر بنا دیتا ہے اور اسے پسندیدہ اور نیک نعم البدل عطا فرما دیتا ہے''۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اللہ کی طرف اسے پھیر دے اور یہ پڑھ لے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ

اللهم عندک احتسبت مصیبتی فاجرنی فیها وعوضنی خیرا منها الا اجره الله

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

علیھا و عوضه خیر امنھا

''اے اللہ! تیرے علم میں ہے میری مصیبت تو اس میں مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس کا عوض بہتر عطا فرما تو اللہ اس پر اس کو اجر اور عوض عطا فرما دیتا ہے''۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو میں نے یہ دعا پڑھی تھی تو اللہ نے مجھے ان کا بدل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں بہت ہی بہتر عطا فرما دیا (123)۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چراغ بجھایا اور پڑھا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ آپ سے عرض کیا گیا یا سیدی یا رسول اللہ کیا یہ مصیبت ہے؟ فرمایا ہاں مسلمان کو جو شئی بھی تکلیف دے وہی اس کے لیے مصیبت ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسمہ ٹوٹنے اور انگوٹھے میں کانٹا چبھنے پر بھی اِنَّا لِلّٰهِ پڑھا تھا (124)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مومن جب معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے تین چیزیں لکھ دیتا ہے (125):

- اللہ کی طرف سے صلوٰۃ
- اللہ کی طرف سے رحمت
- اور سیدھے راستے کی ہدایت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آسمان سے گرنا میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں اللہ کے کسی فیصلے پر کہوں کاش! یہ نہ ہوتا (126)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار عادتیں جس میں جمع ہو جائیں اس کے لیے جنت میں گھر بنتا ہے (127):

1۔ سب کاموں میں اللہ سے التجا کرے

2۔ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ پڑھے

3۔ نعمت ملنے پر اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ کہے

4۔ اور جب کوئی گناہ ہو جائے تو استغفر اللہ کہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٞۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ
ٱلۡمُهۡتَدُونَ ١٥٧
إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلۡمَرۡوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِۖ فَمَنۡ حَجَّ ٱلۡبَيۡتَ أَوِ ٱعۡتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَاۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيۡرٗا فَإِنَّ ٱللَّهَ
شَاكِرٌ عَلِيمٌ ١٥٨
إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكۡتُمُونَ مَآ أَنزَلۡنَا مِنَ ٱلۡبَيِّنَٰتِ وَٱلۡهُدَىٰ مِنۢ بَعۡدِ مَا
بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي ٱلۡكِتَٰبِ أُولَٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلۡعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ١٥٩

(157) یہی تو وہ لوگ ہیں جن کی اُن کے ربّ کی طرف سے بار بار تعریف ہوتی ہے اور انہیں رحمت ملتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو راست رو ہیں

(158) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جس نے حج کیا بیت اللہ کا یا عمرہ کیا اُس کے لیے کوئی گناہ والی بات نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان چکر کاٹے اور جس نے خوشی سے نیکی کی تو بے شک اللہ اجر دینے والا اور خوب جاننے والا ہے

(159) یقین رکھیے کہ وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ روشن دلیلوں اور واضح ہدایات کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے انہیں خوب وضاحت سے کتاب میں بیان کر دیا ہے، ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت برستی رہتی ہے اور جو بھی لعنت کرنے والے ہیں وہ ان پر لعنت ہی کرتے رہتے ہیں

مفردات

اُولٰٓئِکَ : یہ ہیں کہ
عَلَیۡہِمۡ: ان پر
صَلَوٰتٌ: صلوٰۃ کی جمع ہے، تعریفیں، قبولیتیں، اعزازات، تکریمات اور درود
مِّنۡ: سے
رَّبِّہِمۡ: ان کے ربّ
وَرَحۡمَۃٌ: اور رحمت
وَاُولٰٓئِکَ: اور یہی لوگ
ھُمُ: وہ ہیں
الۡمُہۡتَدُوۡنَ: ہدایت یافتہ

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

''یہی تو وہ لوگ ہیں جن کی اُن کے ربّ کی طرف سے بار بار تعریف ہوتی ہے اور انہیں رحمت ملتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو راست رو ہیں''۔

قرآن مجید کا یہ خطبہ اللہ کے ایک فرمان سے شروع ہوا تھا کہ میں نے تم پر اپنی نعمت مکمل کرنے کی خاطر اور تمہیں ہدایت سے نوازنے کی خاطر تحریک اسلام کا مرکز بدل دیا اور کعبہ کو تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک اور روحوں کا سکون بنا دیا لیکن تمہیں رسول معظم سے آیتیں یکسوئی سے سنی ہوں گی اور ان سے تعلیم علم وحکمت لینی ہوگی۔ ہمہ دم ذکر میں محو رہنا ہوگا اور نعمتوں پر شکر کی روش اختیار کرنی ہوگی۔ زندگی کے حقیقی سرچشموں سے فیض یاب ہونے کے لیے نماز اور صبر سے استعانت کرنی ہوگی۔ خوف، جوع، مشکلات، نقصانات، مالوں اور جانوں کی قربانی کی راہ سے گزرنا ہوگا اور زندگی کا مقصد اور دستور یہی رکھنا ہوگا کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اگر اس طرح کے صبر واستقامت کی زندگی تم نے بنالی تو پھر تم یقین رکھو عنایات، تکریمات، اعزازات، مدح وستائش کے انعامات تم پر اتریں گے اور یوں میری ہدایت تم پر مکمل ہوجائے گی اور رحمتوں کا ایک وسیع جہاں تمہیں سکون واطمینان کے تحفوں سے نوازتا رہے گا۔

کیا کہنا ان لوگوں کا؟ جو اللہ کی رضا کے پیچھے پیچھے چلتے چلتے پاؤں توڑ بیٹھے لیکن زبان اور دل کو سرشار رکھا کہ میں ''نوکر کسدی'' اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ مسرتیں انہوں نے اپنے اوپر حرام رکھیں، زندگی کی لطافتوں سے منہ موڑے رکھا، بچے اور بیٹے اللہ کی راہ میں قربان کردیے۔ اللہ نے بھی انہیں صلوات وبرکات اور مدح وآفریں اور اعزازات ورحمت سے نوازا۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی وفات پر انہیں تعزیت نامہ لکھا اور فرمایا کہ تو نے اگر صبر کیا تو سن اللہ نے تیرے بیٹے کو کثیر رحمتوں، برکتوں اور ہدایت کے عوض لے لیا ہے (128)۔

سید قطب نے فی ظلال القرآن میں خوب لکھا (129):

> ''اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات اور تکلیفوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جب کہ دوسری طرف صرف ایک بات رکھی کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے برکات اور رحمت کے مستحق ہیں اور یہ اعلان کہ یہی لوگ

ہیں جو ہدایت والے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ صابرین کے
لیے کسی ظفر مندی، کسی مال غنیمت اور کسی خصوصی مدد کا
اعلان نہیں کرتے صرف اللہ کی رحمت وعنایت کا وعدہ
ہوتا ہے اور یہ شہادت دی جاتی ہے کہ وہ حق اور سچ کی راہ
پر ہیں''۔

عارف باللہ ابو محمد روز بہان شیرازی مصری نے عرائس البیان فی حقائق القرآن میں لکھا(130):

''اللہ تعالیٰ صابرین کو ایسی روحانی ہدایت سے نوازتا ہے
کہ وہ مشاہدۂ حق کی برکات اور روحانی انوار کے جلووں
سے متلذذ ہونے لگ جاتے ہیں اور رحمت سے مراد ہے
کہ اللہ پھر ان سے ہر قسم کی مؤنت، سختی اور امتحان دور فرما
دیتا ہے اور ہدایت سے مراد نور القدس میں ڈوب جانا
ہوتا ہے اور آلودگیوں سے مبرا ہونے کی منزل کامل جانا
ہوتا ہے''۔ واللہ اعلم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

روشنی کی تازہ کرن

آیۂ کریمہ کی تفسیر لکھنے کے بعد صبح کی نماز کے لیے کافی دیر تک جاگنا پڑا۔ ذیابیطس کی بیماری کی شدت نے ٹانگوں اور جوڑوں میں درد کے ایسے جھٹکے مارے کہ نماز کی ادائیگی کے بعد قبلہ رو ہو کر استغفار میں مشغول ہو گیا۔ امبر شاہ نے صوفیانہ کلام سنانا شروع کیا، نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ عالم برزخ میں ایک ہال نما جگہ پر دیکھا کہ مرحوم احمد میرا درس قرآن سننے کے لیے تشریف فرما ہیں، ساتھ ہی حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ گولڑوی، بابا بلھے شاہ اور غلام فرید کوٹ مٹھن شریف جلوہ افروز ہیں۔ حضرت اعلیٰ کو دیکھ کر میں نے عرض کی: حضور آپ سب تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں میری خوش قسمتی کہ قدم رنجہ فرمایا۔ میرا خیال ہوتا ہے کہ آپ زندہ کیسے نظر آ رہے ہیں؟ فرمایا: تمہارے درس قرآن کی شہرت سن کر آئے ہیں۔ میں نے عرض کی آپ کے غلاموں کا کیا بنا؟ آپ فرمانے لگے: قبر میں اترنے کے بعد ہی بیعت والوں کو الگ کر دیا جاتا ہے۔ ان کے امتحان کڑے نہیں ہوتے آسان ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے جب انہیں مشاہدۂ حق، صلوات اور رحمتیں میسر آتی ہیں تو انہیں ایک نورانی وجود مل جاتا ہے، وہ ترابی نہیں رہتے نوری ہو جاتے ہیں۔ تفصیل غلام فرید سے پوچھو۔ آپ پہلے

مفردات

اِنَّ: بے شک
الصَّفَا: مکہ کی ایک پہاڑی کا نام جہاں سے حجاج اور معتمرین سعی شروع کرتے ہیں
وَالۡمَرۡوَةَ: اور مروہ پہاڑی جہاں سعی ختم ہوتی ہے
مِنۡ: سے
شَعَآئِرِ: ''شعیرہ'' کی جمع ہے، نشانات
اللّٰهِ: اللہ
فَمَنۡ: پس جو
حَجَّ: حج کرے یا حج کیا
الۡبَيۡتَ: خانہ کعبہ
اَوِ: یا
اعۡتَمَرَ: عمرہ کیا
فَلَا: تو نہ
جُنَاحَ: گناہ
عَلَيۡهِ: اس پر
اَنۡ: یہ کہ
يَّطَّوَّفَ: طواف کرے یا چکر کاٹے
بِهِمَا: ان دونوں کا
وَمَنۡ: اور جس نے
تَطَوَّعَ: خوشی سے مزید عبادت کو بڑھا دینا
خَيۡرًا: نیکی
فَاِنَّ: پس بے شک
اللّٰهَ: اللہ
شَاكِرٌ: قدرداں
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ علم رکھنے والا

چھوٹے ہوتے ہیں پھر بڑے ہوتے ہیں پھر اپنے نوری وجود کے ساتھ آسمان تک لمبے اور طویل دکھائی دیتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ شاہ جی قرآن کہتا ہے تمہیں اس زندگی کا شعور نہیں، قبر کی زندگی کے بارے میں غم نہ کرو۔ ذکر اور قرآن سے تعلق مضبوط رکھو۔ میں صوفی احمد سے پوچھتا ہوں تم اس قافلے میں کیسے پہنچے؟ وہ کہتے ہیں: تین کاموں سے پہنچا ہوں، ایک اس عقیدہ پر جما رہا جو آپ نے سکھایا۔ دوسرا اس عمل پر مستقیم رہا جو آپ نے تلقین کیا۔ تیسرا انسان دوستی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا: ''جب تمہاری اس حصہ کی تفسیر مکمل ہوگی ہم پھر آئیں گے، درس تیار کرنا ہم سنیں گے۔ میں کہتا ہوں انشاءاللہ اور آنکھ کھل جاتی ہے''۔

اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنۡ حَجَّ الۡبَيۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۵۸﴾

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جس نے حج کیا بیت اللہ کا یا عمرہ کیا اُس کے لیے کوئی گناہ والی بات نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان چکر کاٹے اور جس نے خوشی سے نیکی کی تو بے شک اللہ اجر دینے والا اور خوب جاننے والا ہے''۔

آیت کے استفہام میں دس نکات پر بحث کی جاتی ہے:

1۔ آیت کا شانِ نزول
2۔ صفا کا معنیٰ اور تاریخ
3۔ مروہ کا مفہوم اور تاریخ
4۔ شعائر اللہ سے مراد کیا ہے؟
5۔ حج کا معنیٰ و مفہوم
6۔ عمرہ اور اس کی ادائیگی
7۔ سعی اور اس کی شرعی حیثیت
8۔ نیکی میں وسعت برتنا
9۔ اللہ تعالیٰ کا قدرداں اور جاننے والا ہونا
10۔ آیت کے اسباق

آیت کا شانِ نزول

زمانۂ جاہلیت میں لوگ مناسک حج ادا کرنے کے لیے مکہ آتے تھے۔ ابراہیمی شعائر اور مشاعر

اگرچہ موجود تھے لیکن مشرکین نے کچھ فالتو چیزیں اور آلودگیاں بھی ان شعائر میں داخل کردی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد احکام و مراسم میں کھوٹا کھرا الگ الگ کردیا گیا، صفا و مروہ پر چونکہ جہالت کے دور میں دو بت نصب تھے: ایک کا نام اساف تھا اور دوسرے کا نام نائلہ تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی طبیعت میں توحید کا فیضان راسخ تھا وہ مشرکانہ استھانوں کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے صفا و مروہ پر چڑھنے میں کراہت محسوس کی تو یہ بات سمجھائی گئی کہ صفا اور مروہ شعائر اسلام سے ہیں جن چیزوں کی طرف خیر و شر دونوں کی نسبت ہو خیر کو دیکھا جاتا ہے شر کو نہیں دیکھا جاتا یہ بات سمجھنے کی ہے (131)۔

صفا اور مروہ کی تاریخ

صفا اور مروہ مکہ شہر کی دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے نام ہیں۔ بغوی نے لکھا (132) کہ ''صفا 'صفاۃ'' کی جمع ہے یہ سخت اور چکنے پتھر کو کہتے ہیں۔ اس قسم کے پتھروں کو ''حصاۃ'' اور ''نواۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔ ''المروہ'' کا مطلب ایسی پہاڑی ہے جس میں قدرے نرم پتھر استعمال ہوا ہو۔ مروہ کی جمع ''مروات'' ہے۔ اردو کا لفظ مروت بھی اس مادہ سے ماخوذ ہے۔ کمال انسانیت سے بھی اس لفظ کو سمجھا گیا ہے۔ صاحب مروت وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی شہرت، حقیقت، عفت کو میلا نہیں ہونے دیتا۔ حافظ نے لکھا کہ نیکی کا وہ جذبہ انسان کو خلوت میں بھی وہ کام نہیں کرنے دیتا جو جلوت میں کرنے سے بندہ جھجک محسوس کرتا ہو (133)۔

صفا اور مروہ دونوں پہاڑیاں ایک دوسرے سے تقریباً چار سو اور ستائیس میٹر کے فاصلے پر ہیں۔ موجودہ صورت میں صفا پہاڑی تقریباً پندرہ میٹر اور مروہ آٹھ میٹر اونچی چھوڑ دی گئی ہے۔ شیعہ مفسرین نے ''صفا'' سے نرمی کا معنیٰ لیا ہے اور ''مروہ'' سے سختی اور مضبوطی کا معنیٰ لیا ہے (134)۔ معنوی کشائش، وسعت اور پھیلاؤ دراصل عربی زبان کی وسعت کی وجہ سے ہے اسے تضاد سے تعبیر نہیں کرنا چاہیے بلکہ فصاحت اور بلاغت سے معبّر سمجھنا چاہیے۔ ازرقی نے تاریخ مکہ میں ان پہاڑیوں کی طرح پہاڑیوں کے ناموں کو بھی قدیم الاصل جانا ہے (135)۔

واللہ اعلم

شعائر کی بحث

''شعائر، شعیرۃ'' کی جمع ہے اور اس کی اصل ''شعر'' ہے، یہ لفظ باب کرم اور نصر دونوں سے استعمال ہوتا ہے۔ زیادہ تر معانی نصر سے آتے ہیں۔ زبیدی حنفی اور راغب اصفہانی نے اس کے پندرہ

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

مصدری معانی کا ذکر کیا ہے۔ ابن منظور نے لکھا کہ حجم میں کسی چھوٹی چیز کو ''شعاریر'' کہا جاتا ہے۔ لکڑی اگر چھوٹی ہو تو اسے ''شعورہ'' کہہ دیتے ہیں۔ صفا اور مروہ کو ممکن ہے شعائر میں شامل کرنے کی مناسبت یہ ہو کہ وہ مکہ کے باقی پہاڑوں کی نسبت حجم میں چھوٹے ہیں۔ ''شعار'' ان پودوں کو بھی کہتے ہیں جنہیں کاٹ کر ان کا تیل نکالا جاتا ہے، کاٹنا اور پسنا بھی ''شعر'' کہلاتا ہے۔ بالوں کو ''شعر'' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کاٹ دیے جاتے ہیں، ممکن ہے کہ ''شعر'' اور ''شعور'' دونوں کے متقارب ہونے کی وجہ سے موزوں کلام اور لطیف کلام کو ''شعر'' کہہ دیا جاتا ہے۔ صحرا میں وہ ٹیلے جن پر ریت کی کثرت ہو وہ بھی ''شعائر'' کہلاتے ہیں۔ ''شعر'' کو ''شعر'' اس لیے بھی کہتے ہیں کہ کلام سے فالتو حروف کاٹ دیے جاتے ہیں۔ گھنا جنگل جہاں درختوں کی کثرت زمین کو ڈھانپ لے وہ ''شعائر'' کہلاتی ہے۔ بالوں کی کثرت کے لیے بھی ''شعر'' کا مادہ استعمال ہوتا ہے۔ جن ائمہ لغت نے بغل اور زیر ناف بالوں کے لیے یہ مادہ نقل کیا وہ اس لیے کیا کہ بال کثیر ہوتے ہیں اور ان کے گندہ ہونے کی وجہ سے انہیں کاٹ دیا جاتا ہے۔ چھری کو عربی زبان میں ''شعیرہ'' کہہ دیتے ہیں ممکن ہے ''جو'' کے دانے کو بھی ''شعیرہ'' اس لیے کہا جاتا ہو کہ انہیں کوٹ کر صاف کیا جاتا ہے۔ جنگی علم کو ''شعیرہ'' کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ وہ ثبات کی علامت ہوتی ہے۔ زبیدی حنفی نے ''شعیرہ'' اس نشان کو کہا ہے جسے دیکھ کر کسی کی اطاعت کرنا یاد آجائے۔ وہ لکھتے ہیں کوٹ یا لباس کا نچلا کپڑا جو بدن کے ساتھ چمٹا ہوتا ہے ''شعار'' کہلاتا ہے۔ اونٹوں کے بدنوں پر نشان لگانا بھی ''الشعیر'' کہلاتا ہے۔ زعفران اور اس کی جملہ اقسام کو ''شعار'' کہتے ہیں اس لیے کہ وہ ماحول کو پہلی حالت سے کاٹ کر خوشبودار بنا دیتی ہیں اور زعفران کی پتیاں بالوں کی طرح چھوٹی اور لطیف ہوتی ہیں۔ ابوحنیفہ نے اس کا معنیٰ چھا جانا اور ڈھانپ لینا کیا ہے۔ صاغانی نے لکھا کہ صحرا کی وہ بوٹی ''شعر'' ہوتی ہے جسے اونٹ کھانے کی شدید حرص رکھتے ہیں۔ ابن منظور نے لکھا کہ درختوں کی چوٹیاں ''مشاعر'' کہلاتی ہیں۔ لطیف اور گداز ہونا بھی ''شعر'' کے مفہوم میں سمجھا گیا ہے۔ وہ جگہ جہاں قربانیوں کے جانور ذبح کیے جائیں۔ ناخن کے نیچے کا گوشت ''اشعر'' کہلاتا ہے۔ ''شعیر'' اس شخص کو بھی کہہ دیتے ہیں جو دانا اور ذہین ہو۔ ائمہ لغت نے ''شعور'' کا معنیٰ لکھا کہ یہ عقل کی وہ قسم ہے جو انسان کے دل میں عمل کی تحریک پیدا کرے۔ ''شعر'' میں معنوی ارتقاء ہوتا ہے استدبار نہیں ہوتا۔ ''شعیر'' کا معنیٰ منظم انداز میں پھینکنا بھی ہوتا ہے۔ زلفیں دراز رکھنے والا شخص بھی ''شعیر'' کہلاتا ہے۔ یہ مقالہ تیار کرنے میں ان کتب سے استفادہ کیا گیا ہے (136)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لغت کی تمام کتب سے استفادہ کرتے ہوئے شعائر اور شعر، شعور اور شعرور یا مشاعر کے مندرجہ ذیل معانی متعین کیے جا سکتے ہیں:

1۔ نشان یا نشانی
2۔ عقل اور سوچ کو تیز کرنے والی چیز
3۔ محسوسات میں اتر جانے والا وسیلہ
4۔ جنگی نشان جو بہادری کی داستان بیان کرے
5۔ موزوں کلام جس میں شعور کی بالا دستی ہو اور وہ کلام موزوں بھی ہو
6۔ جو کے دانے
7۔ گھنے درخت
8۔ تیز خوشبوئیں
9۔ کاٹنا اور قطع کرنا
10۔ باطن اور روح کے ساتھ متعلق ہونا
11۔ حیرت اور استعجاب
12۔ وہ سوچ جو عمل کی تحریک پیدا کرے
13۔ ڈھانپ لینا
14۔ مقام کی رفعت اور کسی بھی چیز کا چوٹی کا ہونا
15۔ اقدار عالیہ کی حفاظت
16۔ کسی عظیم مقصد یا زمانی لحاظ سے تاریخیت کی علامت
17۔ گہرے جذبوں کی رسائی
18۔ لطیف خیالات کے لطیف اظہارات
19۔ اشاروں میں دینی وسعت کو سمو دینا
20۔ ذہین ہونا یا فطین ہونے کی علامت
21۔ ایسی چیز جس کے پیچھے قوت، شعور اور تاریخ ہو
22۔ ایسی علامت جس سے زندگی کا قبلہ درست کرلیا جائے
23۔ اطاعت اجاگر کرنے والا نشان

24۔ دقیق معانی تک رسائی

25۔ وہ چیزیں جو بڑی، خوبصورت، ضرورتیں پوری کرنے والی شخصیات سے وابستہ کر دیں

26۔ وہ جن کے بغیر افکار بے معنیٰ رہیں

27۔ انسانی منفعت

28۔ ظاہر سے زیادہ باطن میں کسی معنی کا بلیغ ہونا

29۔ موزونیت اور حسن کی علامت

30۔ افکار عالیہ کی پہچان

31۔ گندی اور اچھی چیز کا سامنے آنا اور پھر اچھی چیز کی طرف رجحان کا مؤثر ہو جانا

32۔ جو کے دانے کی طرح امراض میں شفا کا ذریعہ بن جانا

33۔ با حوالہ ہونا

34۔ ایسا نشان جس کا احترام کیا جائے

35۔ بغاوت کو روکنے والے ذرائع اور سرچشمے

36۔ اللہ کی پہچان کا سرچشمہ ہونا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

سعی کی شرعی حیثیت

آیہ کریمہ نے بتایا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ ''جُنَاحَ'' کا معنیٰ گناہ ہوتا ہے۔ اسلوب آیت کا اگرچہ تاریخی اور تفسیری وضاحت ہے کہ طبیعتوں میں شرک سے نکارت کی بنا پر صفا اور مروہ ہی کو چھوڑ دینا کوئی فضیلت والی بات نہیں۔ آیت سے ضمنی طور پر سعی کا فقہی حکم بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک سعی واجب ہے جبکہ باقی ائمہ فقہ کے نزدیک سعی فرض کا درجہ رکھتی ہے۔

فکری تازگی کا ایک جھونکا

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے والوں کو یہ مقامات خود زبان حال سے پیغام دیتے ہیں کہ ہم پہاڑیاں ہیں لیکن حق رکھتی ہیں کہ خود کو قابل رشک جانیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوات کی پہلی منزل ہیں۔ ہم شعائر اس لیے ہیں کہ علم سے جیسے عِلم ملتا ہے ہم سے شعور ملتا ہے۔ ہمارا طواف کرنے والو! تمہارے دل اور شعور میں ہمہ دم یہ چیز رہنی چاہیے کہ ایک وقت ہمارے اوپر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہمیں اپنا منبر ہونے کا اعزاز بخشا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دعوت کے ہفت رنگ یہیں سے آغوش انسانیت کا سرمایہ بنائے۔ ''لا الہ الا اللہ'' کی آواز سب سے پہلے ہماری فضاؤں ہی نے اپنے وجود میں

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِیۡنَ: جولوگ
یَکۡتُمُوۡنَ: چھپاتے ہیں
مَآ: جو
اَنۡزَلۡنَا: اتارا ہے،ہم نے
مِنَ: سے
الۡبَیِّنٰتِ: دلائل
وَالۡھُدٰی: اور ہدایت
مِنۡۢ بَعۡدِ: بعد سے
مَابَیَّنّٰہُ: جو بیان کیا ہم نے اسے
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
فِی: بیچ
الۡکِتٰبِ: کتاب
اُولٰٓئِکَ: یہی ہیں وہ
یَلۡعَنُھُمُ: ان پر لعنت کرتا ہے یعنی رحمت سے دور کرتا ہے
اللّٰہُ: اللہ
وَیَلۡعَنُھُمُ: اور ان پر لعنت کرتے ہیں
اللّٰعِنُوۡنَ: سب لعنت کرنے والے

جذب کی۔ حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہماری زیارت کریں اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ورد کریں تاکہ توحید کی پہلی مکانی اور زمانی شہادتیں تازہ ہوجائیں۔

تطوع کا مفہوم

تطوع کا تفسیری اور لغوی مفہوم یہ ہے کہ کسی کی اطاعت قبول کر لی جائے اور احکام تسلیم کر لیے جائیں۔ تطوع میں تین باتیں شامل ہوتی ہیں: حکم اور نہی کا تصور منصوص ہو۔ دوسرا یہ کہ تعمیل اور اطاعت کامل ہو اور تیسری یہ کہ خوشی اور مرضی بھی شامل ہو۔ یہاں حج اور عمروں کا فقہی وظیفہ پورا کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی لحاظ سے خوشی، مسرت، حسن نیت اور کثرت کے مفہومات شامل ہیں۔

شاکر اور علیم ہونے کی صفات

''شاکر'' کا معنیٰ قدردان ہونا اور ''علیم'' کا مفہوم بہت زیادہ اور لطیف علم رکھنا۔ یہاں جمیع طاعات کے جاننے اور ان کے قدردان ہونے کا معنیٰ سمجھا یا جارہا ہے (137)۔ علامہ رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اسی کو اوفق الحقیقت قرار دیا ہے (138)۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡھُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلۡعَنُھُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ۙ

''یقین رکھیے کہ وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ روشن دلیلوں اور واضح ہدایات کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے انہیں خوب وضاحت سے کتاب میں بیان کر دیا ہے، ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت برستی رہتی ہے اور جو بھی لعنت کرنے والے ہیں وہ ان پر لعنت ہی کرتے رہتے ہیں''۔

آیت کا شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں چند لوگ جن میں حضرت معاذ بن جبل، سعد بن معاذ اور خارجہ بن زید رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ علمائے یہود سے تورات کی چند باتوں سے متعلق استفسار کیا۔ سوال کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا۔ یہود نے حقیقت پر پردہ ڈال دیا اور وضاحت سے گریزاں ہوئے۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا (139)۔

آیت کا مفہوم ہے

یہود کو بخوبی معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت برحق ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ جن احکام کی تبلیغ کرتے ہیں وہ بھی برحق ہیں لیکن جاہلی تعصب سے وہ احکامات کو بھی چھپاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نعتیں اور صفتیں بھی بیان کرنے سے گریز کرتے ۔ وہ سوچ نہیں پار ہے تھے کہ اللہ کی منزل کتاب اور نور کا صحیفہ قرآن حکیم سورج کی روشنی کی طرح سب کچھ بے نقاب کر دینے والا ہے(140)۔قرآن مجید مریض ذہنوں کی نشاندہی کر رہا ہے اور ان کی مذمت کر رہا ہے جو حقائق کو چھپاتے ہیں۔آیت کا تفسیری عمود قرآنی حقائق ،احکامات اور نبوی مدائح کے کتمان کو بیان کرنا ہے کہ یہ جرم عظیم ہے۔

لعنت کیا ہے؟

آیت میں کتمان حق کرنے والوں پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے۔سوال یہ ہے کہ لعنت کیا ہے؟لعنت پر صاحب تاج نے لکھا کہ''لعن''   کا مادہ رحمت و برکت اور زندگی کی شادابیوں سے دور کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔''اللعین'' سے مراد وہ لکڑیاں ہوتی ہیں جنہیں انسانی لباس پہنا کر کھیتوں میں اس لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے تا کہ فصل کو نقصان پہنچانے والے پرندے اور درندے انہیں دیکھ کر دور رہیں(141)۔

وہ شخص جو اسلامی قوانین، دینی اقدار اور مذہبی شعائر سے خود کو محروم کر کے ظلم، سنگدلی اور تحریکات کفر کا ہمنوا بن جاتا ہے وہ لعنت کا مستحق ہوجاتا ہے۔زیر تفسیر آیت بھی ان لوگوں کو لعنتی کہہ کر بے نقاب کر دیتی ہے جو ایمان سوز حرکتوں سے خود کو زندگی کی خوشگواریوں سے محروم کر لیتے ہیں۔

فعل مضارع کا تکرار

آیت میں ''یلعن'' کا کلمہ دو مرتبہ لایا گیا ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ فعل مضارع استمرار کے لیے آتا ہے۔اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ کتمان حق، کتمان صدق اور کتمان نعت کرنے والوں کے پیچھے لعنت ہمیشہ کے لیے پڑ جاتی ہے۔لوگ ہمیشہ اُن کو باعث نفرین اور لعنت سمجھتے ہیں اور اللہ انہیں ہمیشہ کے لیے دھتکار دیتا ہے(142)۔

آیت میں تین چراغوں کی روشنی

قرآن مجید کی اس بابرکت آیت میں کتمان کی نسبت چار چیزوں کی طرف کی گئی ہے(143):

1۔ ہر وہ چیز جو اللہ نے نازل کی
2۔ ''البینات''اس سے مراد واضح دلائل ہیں اور حضور ﷺ کی نعتیں بھی بینات ہیں
3۔ کتاب سے مراد تورات، انجیل ہیں۔قرآن حکیم بھی مراد ہوسکتا ہے
4۔ ''ھدیٰ'' سے مراد توحید، رسالت اور احکام کی آیات ہیں

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾
وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾

(160) ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح میں لگے رہے اور وضوح حق کرتے رہے یہ ایسے لوگ ہوں گے کہ مجھے ان کی توبہ قبول ہوگی اور میں ہوں ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان

(161) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے، وہ لوگ ہیں کہ اُن پر اللہ کی پھٹکار اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے

(162) ہمیشہ اسی میں رہیں گے، نہیں تخفیف کی جائے گی اُن کے عذاب میں اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی

(163) اور معبود تمہارا معبود ایک ہی ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی مہربانیوں والا بے حد رحم فرمانے والا

مفردات

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

"ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح میں لگے رہے اور وضوح حق کرتے رہے یہ ایسے لوگ ہوں گے کہ مجھے ان کی توبہ قبول ہوگی اور میں ہوں ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان"۔

قرآنی تعلیمات میں اگر امعانِ نظر سے غور وفکر کیا جائے تو ماحول کو روحانی بنانے کے لیے کسی بھی مجرم کے لیے توبہ کے دروازے بند کرنے کی سفارش نہیں کرتیں۔ وہ لوگ جو توبہ کی روش اختیار کرتے ہیں اور عملاً خلوص نیت سے اپنے گناہوں کی تلافی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے لیے راہ نجات کو واضح کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ اسلام بحیثیت دین کسی کو جلانے کا شوق نہیں رکھتا، بچانے کے ضابطے عطا کرتا ہے۔ یہ لوگ خود ہیں جنہیں خود کو آتش سوزاں میں پھینکنے کا شوق ہوتا ہے۔ دین مبین نے تو تین کاموں کو رحمت سے قریب ہونے کے مترادف قرار دیا ہے:

- پہلا کام ہے توبہ کرنا
- دوسرا کام ہے اصلاح کرنا
- اور تیسرا کام ہے احکام الٰہیہ اور محامد محمدیہ کو خوب کھول کر بیان کرنا

آیت میں دو جملے: ایک تو یہ کہ یہ لوگ اگر اپنی روش سے پلٹ آئیں تو میں بھی پلٹ آؤں گا یعنی انہیں معاف کر دوں گا اور دوسرا جملہ یہ کہ میں توّاب اور رحیم ہوں، اللہ تعالیٰ کی انتہائی محبت اور کمال شفقت پر دلالت کرتے ہیں۔

ایک شیعہ مفسر نے بات سمجھانے کے لیے اچھے لفظوں کا انتخاب کیا ہے(144):

"اَنَا" واحد متکلم کی ضمیر ہے جس کا معنیٰ ہے میں خود۔ یہ ایسے مقامات پر آتا ہے جہاں کہنے والا براہ راست سننے والے سے ربط رکھتا ہو، خصوصاً کوئی بزرگ ہستی اگر یوں کہے کہ میں خود یہ کام تمہارے لیے کروں گا، بجائے اس کے کہ وہ کہے "ہم یہ کام اس طرح کریں گے" دونوں لہجوں میں فرق ہے پہلے انداز کا لطف وکرم حد بیان سے بہت بلند ہے۔

"اَتُوْبُ" کے بعد اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن حکیم نے توّاب اور رحیم کی صفات بیان کی ہیں۔

"توّاب" میں مبالغہ ہے۔ یہ انداز انسانوں کی روحوں میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔

تفسیر سمرقندی کی یہ بات بڑی پسند آئی کہ اللہ اور فرشتوں کی لعنت کو کوئی چیز روک نہیں سکتی ہاں ایک

اِلَّا: سوائے
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کے
تَابُوْا: توبہ کی انہوں نے
وَاَصْلَحُوْا: اور اصلاح کی
وَبَيَّنُوْا: اور بیان کیا
فَاُولٰٓئِكَ: پس وہی ہیں
اَتُوْبُ: میں ان کی طرف توجہ دیتا ہوں
عَلَيْهِمْ: ان پر
وَاَنَا: اور میں
التَّوَّابُ: بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا
الرَّحِيْمُ: بڑا مہربان اور رحمت نواز

توبہ ہے جو بندے کو دھو دیتی ہے(145)۔

آیت کا یہ تقاضا بھی ہے کہ انسان کو مصلحت کوشیوں کے فتنوں سے بچنا چاہیے اور اصلاح کے اس دروازے سے داخل ہونا چاہیے جو حضور ﷺ کی محبت اور خوبیوں کی خوشبو سے معطر ہو اور حضور ﷺ کی خوبیوں کے بیان میں بخل نہیں برتنا چاہیے یہ ملکوتی عزتوں اور فضیلتوں کا منور راستہ ہے۔

واللہ اعلم

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے، وہ لوگ ہیں کہ اُن پر اللہ کی پھٹکار اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے، ہمیشہ اسی میں رہیں گے، نہیں تخفیف کی جائے گی اُن کے عذاب میں اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی''۔

قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں کفر کا وبال اور ذلت بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اپنی ہٹ دھرمی، ضد، تعصب اور عناد کی ظلمت سے باہر نکلنے کی سعی نہیں کرتے اور کفر اور گستاخی پر جمے رہتے ہیں اور اسی حالت میں ان کی موت ان کو آ گھیرتی ہے ایسے لوگوں پر اللہ، فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں لعنت کے سوا کسی دوسرے عذاب کا ذکر نہیں کیا، ہاں یہ ضرور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں فرمائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ آیت کے اسلوب سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ لعنت اتنی بری چیز ہے کہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے بھی یہ سخت ہے۔ آیتوں کے اندر حضور ﷺ کی نعت کا کتمان کرنے والے کافروں کے لیے یہ سخت اور شدید سزا سنائی گئی۔ علامہ واحدی نے یہی لکھا کہ سزا کی سنگینی یہ ہوگی کہ نہ معذرت قبول ہوگی، نہ توبہ قبول ہوگی اور نہ ہی واپس پلٹا جا سکے گا(146)۔

لعنت کرنے میں احتیاط

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں، اس طرح لعنت زمین کی طرف مراجعت کر لیتی ہے لیکن زمین کے دروازے بھی بند کر لیے جاتے ہیں، پھر وہ دائیں بائیں اپنا راستہ تلاش کرتی ہے، جب وہ کوئی جگہ نہیں پاتی تو اس پر لوٹ جاتی ہے جس پر لعنت بھیجی ہے۔ اگر وہ اس کا اہل ہو تو اس پر پڑ جاتی ہے اور اگر وہ اس کا اہل نہیں تو اس

اِنَّ: بے شک
الَّذِيۡنَ: وہ جنہوں نے
كَفَرُوۡا: کفر کیا
وَمَاتُوۡا: اور مر گئے
وَ: در آں حالے کہ
هُمۡ: وہ
كُفَّارٌ: منکر ہی رہے
اُولٰٓـئِكَ: یہی وہ لوگ ہیں
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
لَعۡنَةُ اللّٰهِ: اللہ کی لعنت ہے
وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ: اور فرشتوں
وَالنَّاسِ: اور لوگ
اَجۡمَعِيۡنَ: سب کے سب
خٰلِدِيۡنَ: ہمیشہ رہنے والے
فِيۡهَا: اس میں
لَا يُخَفَّفُ: نہ ہلکا کیا جائے گا
عَنۡهُمُ: ان سے
الۡعَذَابُ: عذاب
وَلَا هُمۡ: اور نہ وہ
يُنۡظَرُوۡنَ:: وہ ڈھیل دیے جائیں گے

مفردات

وَ اِلٰهُكُمۡ: اور معبود تمہارا
اِلٰهٌ: معبود
وَّاحِدٌ: ایک ہی ہے
لَاۤ اِلٰهَ: کوئی معبود نہیں
اِلَّا: سوائے
هُوَ: وہ، اس
الرَّحۡمٰنُ: بہت زیادہ مہربان
الرَّحِيۡمُ: رحم کرنے والا

پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کے الفاظ زبان سے نکالے ہیں (147)۔

وَ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۳﴾

''اور معبود تمہارا معبود ایک ہی ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی مہربانیوں والا بے حد رحم فرمانے والا''۔

عقیدۂ توحید روحانی اسباق میں سے مرکزی سبق ہے۔ کائنات کا ہر رنگ، ہر جلوہ اور روشنی کی ہر کرن اسی مرکز سے منور ہوتی ہے۔ بعض اعتقادی خرابیاں اس عقیدہ کے ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس آیت سے پہلی آیات میں یہودیوں اور بعض دوسرے لوگوں کے جرائم بیان ہوئے۔ اب قرآن مجید قاریٔ قرآن کے سامنے یہ تجزیہ عدالت کے ساتھ رکھ دیتا ہے کہ وہ لوگ بنیادی طور پر اللہ پر ایمان کے معاملے میں ڈنڈی مارنے لگ گئے تھے، اگر ان کا ایمانِ توحید درست ہوتا تو ایمانِ رسالت بھی درست ہوسکتا تھا لیکن وہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں خائن ہو گئے اس لیے ان میں ہر قسم کی خرابی آ گئی۔ اس آیۂ کریمہ میں ''ایمانِ توحید'' کو محکم اور مضبوط کیا جا رہا ہے اور سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ کوئی علوی یا سفلی، ارضی یا سماوی، نوری یا ناری اور خاکی اور بادی معبود نہیں ہوسکتا۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان ہوئی ہیں: ایک اس کا رحمان ہونا اور دوسرا اس کا رحیم ہونا۔ یہ دونوں توحید پر دلیلیں بھی ہیں اور تربیت کے دو سرچشموں کی نشان دہی بھی ہیں۔ رحمٰن تو وہ ہے جس نے دنیا میں انسان کو مادی اور روحانی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے اور رحیم وہ ہے جو آخرت میں خاص لوگوں کے لیے اپنے کرم اور رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ ایسی صفات رکھنے والا مالک ہی انسانوں کا معبود ہوسکتا ہے۔

❀❀❀❀❀

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ
تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

(164) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف اور اُن جہازوں میں جو سمندر میں وہ وہ چیزیں لے کر چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں اور اُس پانی میں جسے اللہ نے آسمانوں سے اُتارا اور اُس سے زمین کو مردنی کے بعد تازگی دے کر زندہ کر دیا اور اس میں ہر قسم کے جانور بسا دیے اور ہواؤں کے چلنے میں اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان معلّق ہیں ایک ایسی قوم کے لیے جو عقل استعمال کرتی رہتی ہے ایمان آفرین نشانیاں ہیں

(165) اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اُس کا ہمسر بناتے رہتے ہیں اور اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے وہ اللہ سے محبت کر رہے ہوں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوتے ہیں وہ حد سے بڑھ بڑھ کر اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، کاش اندھیر مچانے والے دیکھ ہی لیتے جب وہ عذاب دیکھ کر مان جائیں گے کہ قوّت ساری تو اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے

مفردات

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

’’بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف اور اُن جہازوں میں جو سمندر میں وہ وہ چیزیں لے کر چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں اور اُس پانی میں جسے اللہ نے آسمانوں سے اُتارا اور اُس سے زمین کو مردنی کے بعد تازگی دے کر زندہ کر دیا اور اس میں ہر قسم کے جانور بسا دیے اور ہواؤں کے چلنے میں اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان معلّق ہیں ایک ایسی قوم کے لیے جو عقل استعمال کرتی رہتی ہے ایمان آفرین نشانیاں ہیں‘‘۔

قرآن مجید کی اس آیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان مقاصد تک رسائی حاصل کی جائے جو نزول آیات کے ساتھ مربوط اور متعلق ہیں:

- قرآن مجید چاہتا ہے کہ انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہو اور اس کا یقین اتم ہو جائے کہ ہر شئی اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر کوئی محیط اور حاوی نہیں۔
- قرآن مجید چاہتا ہے کہ انسان حقائق کا کھوج وحی کے ذریعے لگائے اور وہ حق ہی کے ساتھ چلے۔ وہم پروری، وسوسہ اندازی اور خیال پرستی اس کی زندگی میں اہمیت کے حامل نہ ہوں۔
- قرآن مجید انسان میں عملی تحریکات کا نگہبان ہے وہ لوگوں کو جنگلوں، بیابانوں اور صحراؤں میں رلنے نہیں دیتا بلکہ اپنے بیان و دعوت سے ان کی زندگی کو کارآمد بناتا ہے۔
- قرآن مجید انسانوں کے احساس و شعور اور عقل و منطق کو بھرپور، زندہ اور اتم بنانے کے لیے ’’مظاہر فطرت‘‘ کے پاکیزہ ماحول میں اتارتا ہے اور ان نوامیس کو سیر روحانی، سیر فکری اور سیر عملی کے بعد اللہ کی پہچان کا عاشق اور گرویدہ بنا دیتا ہے۔
- قرآن مجید دواعیات محبت کو ختم نہیں کرتا بلکہ ایسا حسین و جمیل ماحول دیتا ہے جہاں محبت کے

اِنَّ: بے شک
فِیۡ: میں
خَلۡقِ: پیدائش، تخلیق
السَّمٰوٰتِ: ’’سما‘‘ کی جمع ہے معنی ہے آسمان
وَالۡاَرۡضِ: اور زمین
وَاخۡتِلَافِ: اور اختلاف
الَّیۡلِ: رات
وَالنَّهَارِ: اور دن
وَالۡفُلۡكِ: اور کشتی، آبی جہاز
الَّتِیۡ: وہ جو
تَجۡرِیۡ: رواں دواں ہوتی ہے
فِی الۡبَحۡرِ: دریا یا سمندر میں
بِمَا: بسبب جس کے
یَنۡفَعُ: فائدہ دیتا ہے
النَّاسَ: لوگوں کو
وَمَاۤ: اور وہ جو
اَنۡزَلَ: نازل کیا
اللّٰهُ: اللہ
مِنَ السَّمَآءِ: آسمان سے
مِنۡ مَّآءٍ: پانی سے
فَاَحۡیَا: تو زندہ کر دیا
بِهِ: اس کے ساتھ
الۡاَرۡضَ: زمین کو
بَعۡدَ مَوۡتِهَا: اس کی موت کے بعد
وَبَثَّ: اور پھیلایا
فِیۡهَا: اس میں
مِنۡ كُلِّ: ہر ایک قسم کا

مفردات

دَآبَّةٍ: جانور، زمین پر چلنے یا رینگنے والا ذی حیات
وَّتَصْرِيْفِ: اور چلانے میں
الرِّيٰحِ: ہوائیں
وَالسَّحَابِ: اور بادل
الْمُسَخَّرِ: آویزاں
بَيْنَ: درمیان
السَّمَآءِ: آسمان
وَالْاَرْضِ: اور زمین
لَاٰيٰتٍ: نشانیاں ہیں
لِّقَوْمٍ: قوم کے لیے
يَّعْقِلُوْنَ: وہ جو عقل رکھتے ہیں اور سوچتے ہیں

سرچشمے فیض بار ہو سکتے ہیں۔

❁ قرآن مجید اچھے کردار ابھارتا ہے اور ان خوبصورت خاکوں کے لیے روشنائی مظاہر فطرت سے جمع کر کے اپنے قاری کے حوالے کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کا دعوتی انداز جمالیاتی ہے۔ وہ بندوں میں صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ وہ ہواؤں کے گھونٹ بھریں، فضاؤں میں تیریں، نامعلوم جہانوں کی تسخیر کریں، بادلوں سے پانی نچوڑیں، زمینی خزانوں سے دامانِ طلب بھریں، آسمانوں پر کمند تسخیر ڈالیں، سمندروں کی موجوں سے کھیلیں، راتوں اور دنوں کے ٹکرانے سے سبق حاصل کریں، ستاروں کی آتش بازی سے لطف مند ہوں لیکن ان کی اڑانیں، پروازیں، اٹکلیلیں اور اٹکھیلیاں توحید فہمی اور رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مرشد وابستگی کے روحانی اور مقناطیسی مرکز سے دور نہ ہٹیں۔

اب آیئے اور زیر تفسیر آیت میں جو فہم وذکا کی گل افروشیاں، انجم آرائیاں اور ضوفشانیاں ہیں ان کی حقیقتوں کے آسمانوں میں اترتے ہیں، زمینوں میں کھوج ماری کرتے ہیں۔ بادلوں کی وادیوں میں پرواز لیتے ہیں۔ راتوں اور دنوں کی آنکھ مچولی سے مسحور ہوتے ہیں۔ روحوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ سمندروں کی موجوں سے ٹکرائیں اور دلوں کو ملکوتی چشموں سے نہلاتے ہیں اور انسانی زندگی کی سرگرمیاں کسی منفعت یا کسی باوقار مقصد کی طرف سفر کر رہی ہیں یا ریت کے گھروندے ہیں جنہیں بنایا اجاڑا جا رہا ہے۔

قرآن مجید سب سے پہلے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کو موضوع بناتا ہے۔ یہ سب کچھ مٹی کا ڈھیلا تو نہیں جسے آپ ایک آن میں اٹھا کر گرہ بند کر لیں، یہ ایک وسیع جہاں ہے، اس کی اپنی گہرائیاں ہیں، وسعتیں ہیں، اسرارِ سربستہ ہیں، شوخیاں ہیں، رنگ ہیں، جلوے ہیں، علوم ہیں، نظم وضبط کے سلسلے ہیں، جمالیاتی اظہارات ہیں اور عقلیں اور دانشیں تیز کرنے کے ساماں ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں کے ایک ایک گوشہ میں ایک معلم بیٹھا ہے جو اللہ کی توحید سکھا رہا ہے۔ اس جہاں کے ایک ایک ستارے پر فطری کارکنوں کی جنتیں بھی ہیں اور جلا کر رکھ دینے والی دوزخیں بھی ہیں۔ فطرت نے محتسب، قاضی اور دارو گیر کرنے والے فوجی بٹھا رکھے ہیں۔ اس جہاں کی اپنی تعزیریں ہیں اور عنایات وانعامات کا اپنا انداز ہے۔ بندہ بندہ بن کر سوچے تو سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے اور خالق ارض وسما تک پہنچ کر ''اللہ واحد'' تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا۔ ہماری جدید دنیا سائنس کے گھوڑے پر بیٹھ کر چاند تک پہنچی ہے لیکن ابھی تک چند من مٹی کے سوا کوئی اور چیز انہیں ملی نہیں۔ کیا اس میں سبق نہیں کہ دنیا ساری کو تسخیر کے لیے کھپا

لگا دیا جائے تو بھی خدا کے جہاں کا ایک گوشہ بھی مسخر نہیں کیا جا سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ اس کائنات کے دل تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یقیناً قلب کائنات حضور ﷺ ہیں اور اس دل کی ہر دھڑکن سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے۔

مقصد قرآن تو اسی فہم کا مضبوط کرنا ہے:

لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ ﷺ

یہ آیت بتاتی ہے کہ توحید کے آفاقی دلائل ایک ایسی قوم ہی سمجھ سکتی ہے جس کے پاس عقل اور سوچ کا سرمایہ ہو۔ عقل نہایت ہی خوش فکر واعظ ہے۔ ایک باوفا رہبر ہے اور ایک دانشور وکیل ہے۔ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں عقل کی روشن قندیل رکھنے والوں کے سامنے رات اور دن کا اختلاف رکھا گیا ہے لیکن مقاصد فطرت کے خاکوں میں اس اختلاف نے خوب رنگ بھر رکھا ہے۔ دن کے جلوے اپنے ہیں اور رات کے راز اپنے ہیں۔ دن کو دھوپ سے جو جلتے ہیں رات ان کو سکون کی مرہم عطا کر دیتی ہے اور رات کو جو سو سو کے تھک جاتے ہیں دن کی روشنی انہیں حرکت اور زندگی کا تحفہ دے دیتی ہے۔ بظاہر رات اور دن دونوں میں آنے جانے کا ٹکراؤ ہے لیکن امعانِ نظر سے دیکھو تو دونوں مل کر انسان کی محرومیاں ختم کرنے کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ظلمت اور روشنی کا یہ راز و نیاز اللہ کی توحید کی دلیل بن جاتا ہے لیکن سمجھ کے موتی عقلمند ہی کے حصے میں آسکتے ہیں۔

سوچنے والے ذہن دورِ جدید میں بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ سمندر دو طرح کے ہیں: ایک سمندر وہ ہیں جو فضاؤں میں ہواؤں اور برقی لہروں کی صورت میں موجود ہیں اور دوسرے سمندر وہ ہیں جو زمین پر آبی ریلوں اور موجوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ دونوں میں منفعتِ انسانی کے لیے بار برداری ہو رہی ہے۔ شمّہ برابر عقل بھی اس نظام کے مطالعہ سے اس قابل ہو سکتی ہے کہ سمندروں کے خالق کی معرفت حاصل کر لی جائے۔ دیکھنے والے سمجھتے ہیں اور سمجھنے والے دیکھ کر بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ سطح سمندر پر کچھ ہوائیں وہ ہیں جو زمین کے قطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی سے خط استوا کی طرف اور خطِ استوا سے قطبین کی طرف چلتی ہیں انہیں آلیزہ اور کاؤنٹر آلیزہ کہتے ہیں (148)۔

دوسرا یہ کہ پیدا کرنے والے نے کچھ خوشگوار اور فرحت بخش ہوائیں رکھی ہیں جن کی مدد سے تنفس سے لے کر کشتیوں کے چلنے میں سہولت تک ایک نظام رکھا ہے۔ یہ بھی تحقیق کی گئی ہے کہ زمین کے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

دونوں قطبوں پر ایسی غیر مبدل مقناطیسی خاصیت ہے جس کے مخصوص حساب سے قطبین کی سوئیاں حرکت کرتی ہیں، پانی میں آمد ورفت انہی کی مدد سے ممکن ہوتی ہے۔قرآن مجید سمجھاتا ہے کہ جہازوں پرنخروں اور شوخیوں سے سواری کرنے والوں کو اللہ کا یہ نظام بھی سمجھنا چاہیے اور اپنے اندر تسلیم، تعمیل اور شکر کی خو پیدا کرنی چاہیے۔

وہ پانی جو اللہ بارش کی صورت میں آسمان سے اتارتا ہے سوچنے والوں کے لیے اس میں بھی اللہ کی توحید پر ان گنت دلائل موجود ہیں۔

آیت میں نصاب فکر جب بیان ہوا تو ہواؤں کے منظم طریقے سے چلنے میں آیات کے جلوے روشن کیے گئے۔

جلال الدین سیوطی درمنثور میں لکھتے ہیں (149):

"ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں چار رحمت ہیں اور چار عذاب کا عکس ہیں"۔

مبشرات، منشرات، مرسلات اور رخا رحمت ہیں اور خشکیوں میں عقیم اور صرصر اور دریاؤں میں عاصف اور قاصف عذاب ہیں۔اسی طرح آپ نے لکھا کہ مشرق سے چلنے والی ہوائیں صبا، مغرب سے چلنے والی دبور، جنوب نامی ہوائیں قبلہ کے بائیں طرف سے، شمال نامی ہوائیں قبلہ کے راست سے، نکبا جنوب اور صبا کے درمیان سے، خروق شمال اور دبور کے درمیان سے اور قائم وہ ہوائیں ہیں جو ذی تنفس مخلوق کے سانس لینے سے پیدا ہوتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (150):

"جنوب" جنت کی لطیف ہوا ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ پانی اور ہوا اللہ کے لشکر ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کی ایک اور نشانی بیان کی گئی کہ وہ بادل جو زمین اور آسمان کے درمیان معلق و مسخر ہیں، اربوں ٹن پانی اٹھائے ہوئے ہیں، جب تک اللہ نہ چاہے زمین کا قانون کشش ثقل بھی ان کے سامنے عاجز ہے۔ یہ اللہ ہی ہے جو ان بادلوں کے پانی سے سمندروں اور دریاؤں کا پیٹ بھرتا ہے اور انسانی ضرورتوں کی تکمیل بھی فرماتا ہے اور آیت ہمیں سبق دیتی ہے کہ اس عقل کے سرمایہ کو حصول ہدایت کے لیے خرچ کرو اور تباہی کے گڑھوں سے خود کو بچاؤ۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ وَلَوۡ یَرَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اِذۡ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ۙ اَنَّ الۡقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

''اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اُس کا ہمسر بناتے رہتے ہیں اور اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے وہ اللہ سے محبت کر رہے ہوں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوتے ہیں وہ حد سے بڑھ بڑھ کر اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، کاش اندھیر مچانے والے دیکھ ہی لیتے جب وہ عذاب دیکھ کر مان جائیں گے کہ قوت ساری تو اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت سے پہلے تخلیق کے جلوے قاریٔ قرآن کی نظر کے سامنے پھیلا دیے گئے۔ حسن و جمال کی عروس بہار سجا دی گئی۔ زمین سے آسمان تک حق وحقیقت کے نغموں کی موسیقیت روح نواز بنا دی گئی۔ ستاروں کے دیوں اور دھنک کے رنگوں میں روشنی ہی روشنی پھیلا دی گئی۔ فطرت کی مسکراہٹوں اور زماں و مکاں کی دلکشیوں میں خطرہ ہوا کہ آدم کا بیٹا کہیں دل نہ لگا بیٹھے اور اس کی محبت دیوانی ہو کر معبود کے سوا کوئی اور معبود نہ تلاش کرنے بیٹھ جائے، اس آیت میں قوت کا اصل سرچشمہ بتا دیا گیا اور شرک اور بت پرستی کا گند آشکار کر دیا گیا اس لیے کہ ابن آدم گندگیوں سے بچ کر رہے اور وہ اپنی جبیں شرک سے آلودہ نہ کرے اور قلب سلیم میں صنم نہ ڈالے، معبود کی راہ اکثر مظاہر فطرت کو دلیل اور برہان سمجھنے کی بجائے مقصود عبادت سمجھنے سے گم ہوتی ہے۔

زیر تفسیر آیت اس فطری سبق سے شروع ہوتی ہے کہ مخلوق اور خالق کبھی برابر نہیں ہو سکتے اس لیے اللہ کے ساتھ کسی کو ''ند'' قرار نہیں دیا جا سکتا ہے، نہ اس کے کوئی برابر ہے اور نہ اس کے کوئی مشابہ ہے اور نہ اس سے کسی کو بڑا مانا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی کو چھوٹا قرار دے کر اس کی مانند قرار دیا جا سکتا ہے۔ شرک غلاظت ہے، شرک گندگی ہے اور شرک ظلمت ہے اور ان آلائشوں سے بچنا ہی تکوینی اور تشریعی حق ہے۔

یہ آیت محسن اور شفیق استاد کی طرح ہر انسان کو شرک کی غلاظتوں سے بچاتی ہے۔ انسان اکثر بگڑتا دو ہی اسباب سے ہے: ایک بے جا خوف سے اور دوسرا بے جا محبت سے۔ خوف میں عرفان صحیح ہو تو تعمیر ہی تعمیر ہوتی ہے اور طاقت کا سرچشمہ صحیح نہ مانا جائے تو تخریب ہی تخریب ہوتی ہے۔ یہی حال محبت کا ہے یہ کشش کا طوفان سفینے کو ڈبوتا بھی ہے اور ساحل آشنا بھی کروا دیتا ہے۔

وَ: اور
مِنَ: سے
النَّاسِ: لوگوں
مَنۡ: جو
یَّتَّخِذُ: بناتا ہے
مِنۡ: سے
دُوۡنِ اللّٰہِ: اللہ کے سوا
اَنۡدَادًا: بہت سے شریک، یہ ''ند'' کی جمع ہے ہمسر اور برابر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے
یُّحِبُّوۡنَہُمۡ: محبت کرتا ہے ان سے
کَحُبِّ: جیسے کہ محب
اللّٰہِ: اللہ
وَالَّذِیۡنَ: اور وہ لوگ
اٰمَنُوۡۤا: جو ایمان لائے
اَشَدُّ: بہت زیادہ شدید
حُبًّا: محبت کرتے ہیں
لِّلّٰہِ: اللہ کے لیے
وَلَوۡ: اور کاش
یَرَی: دیکھتے
الَّذِیۡنَ: وہ جو
ظَلَمُوۡۤا: ظلم کیا انہوں نے
اِذۡ: جب
یَرَوۡنَ: دیکھیں گے
الۡعَذَابَ: عذاب
اَنَّ: بے شک
الۡقُوَّۃَ لِلّٰہِ: قوت اللہ کے لیے ہے

مفردات

جَمِیۡعًا: ساری کی ساری
وَّ: اور
اَنَّ: بے شک
اللّٰہَ: اللہ
شَدِیۡدُ: سخت
الۡعَذَابِ: عذاب

قاریٔ قرآن محسوس کرسکتا ہے کہ یہ آیت معبود اور محبوب میں فرق بتاتی ہے اور کمال برجستگی کے ساتھ ''ظلم'' کی نفسیات سے آگاہ کردیتی ہے کہ یہ پیدا کہاں سے ہوتا ہے اور دل کی بستیوں کو اجاڑتا کیسے ہے اور سوچ اور عمل کی یہ بدتمیزی سنگ وخشت کے خوبصورت جہانوں کو ویرانے میں کس طرح تبدیل کردیتی ہے؟

قرآن مجید کی اس آیت میں مشرکین اور مومنین میں فرق بتایا جاتا ہے، یہ کہ اصحاب ایمان فکر ونظر اور علم ودانش کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی وابستگیاں اسی معبود سے مربوط رکھتے ہیں جو تمام کمالات اور صفات کمالیہ کا منبع ومخزن ہے۔ وہ اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ کی محبت اور لگاؤ کے مقابلہ میں ہر چیز بے قیمت، ناچیز اور حقیر ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ایک دعا میں اللہ سے قریب ہوکر گریہ کناں ہوتے ہیں۔ مشکلات کا ہر لمحہ تمام تر ایذیتوں کے باوجود ہمیں صبر سے جدا نہیں کرسکتا لیکن اللہ کی محبت سے جدائی اور فراق ہمارے لیے ناقابل برداشت ایذیت ہے۔

قرآن مجید ہمیں سمجھاتا ہے کہ ہم دل، دماغ اور روح وجسم سب کچھ اللہ کے لیے وقف کردیں۔ تفویض سیکھ لیں، تسلیم شعار بنالیں، تعمیل کو عادت بنالیں، اللہ کی عظمت جیسی عظمت اور اللہ کی محبت ایسی محبت کسی اور کو نہ دیں۔ اللہ کے علاوہ کسی اور سے محبت جرم نہیں بلکہ جرم یہ ہے کہ اللہ پر کسی غیر کی محبت کو فائق کردیا جائے۔

اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرنے والا ہمیشہ اس گلی کا دیوانہ بن جاتا ہے جہاں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روحانی قافلے سے اسے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن کا یہ سبق لازوال ہے، قطعی ہے، اٹل ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ عبادت اور چیز ہے اور تعظیم اور چیز ہے۔ عبادت صرف اللہ کی ہے اور تعظیم اللہ کے لیے ہے وہ شعائر اسلام کی بھی ہوسکتی ہے، رسولوں کی بھی ہوسکتی ہے، اہل اللہ کی بھی ہوسکتی ہے، بڑوں کی بھی ہوسکتی ہے لیکن عبادت اللہ کے سوا کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔ عبادت نہ روح کی ہے نہ ہندسوں کی ہے، نہ حرفوں کی ہے، نہ شخصیات کی ہے، نہ تصورات کی ہے، نہ جمادات کی ہے، نہ نباتات کی ہے، نہ اقدار کی ہے اور نہ فرضی افکار کی ہے۔ عبادت صرف اور صرف محض اور محض اللہ کی ہے۔ یہی قرآنی سبق ہے اور یہی رسولی تعلیم ہے۔ **لا الہ الا اللہ** ہاں سید قطب کی یہ بات پسندیدہ ہے (151):

''بندے اور خدا کے درمیان محبت کی تعبیر خوبصورت تعبیر
ہے۔ اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق قلبی محبت، روحانی
کشش، تقرب، ولایت اور پرخلوص نورانی جذبوں کا

تعلق ہے۔اسے ہمہ دم بڑھتے رہنا چاہیے''۔

قرآن مجید کی اس آیت کا آخری حصہ لرزہ طاری کردینے والا ہے، ہلا دینے والا ہے اور حسرتوں کی وادیوں میں دھکیل دینے والا ہے۔

مفسرین کے نزدیک'' وَلَوْ يَرَى ''میں'' لَوْ'' تمنائی بھی ہوسکتا ہے اور شرطیہ بھی ہوسکتا ہے (152) یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے ساتھ ہمسر گھڑے ہوئے ہیں انہوں نے سچائی کے ساتھ ظلم کیا ہے۔خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے کاش! وہ آنکھیں کھول کر دیکھ لیتے۔اس منظر کا تصور روح میں اتار لیتے جب وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔کاش! وہ اس عذاب کو دیکھ لیتے جو منکروں اور مشرکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

شرک سے بچنا مومنین اور متقین کا شعار ہے، وہ نہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں اور نہ غیر اللہ کی رضا کے مطابق حلال وحرام میں دخل دے کر اللہ کی کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ترک کرتے ہیں اور یہ کہ نذریں بھی غیر اللہ کے نام پر نہیں مانتے۔آیت کا ہر سبق روشنی کا مینار ہے اور طبیعتوں، ذہنوں، دلوں اور روحوں کا تزکیہ کر دینے والا ہے۔اللہ ہمیں اپنی بندگی کا نور عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ
بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾
وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّاؕ
كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ
مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾
یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾

(166) ذرا ذہن میں لاؤ وہ کیفیت جب بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی اُن سے جواُن کی غلامی کیا کرتے تھے عذاب تو وہ دیکھیں گے ہی لیکن اُن کی حسرتوں کا حال کہ سارے اسباب بھی منقطع ہوجائیں گے

(167) اور جب تابعداری کرنے والے کہیں گے کاش! ہمیں دوبارہ موقع ملتا تو ہم بھی اُن سے بیزار ہو جاتے جیسے ہم سے یہ روٹھے روٹھے پھرتے ہیں یونہی اللہ انہیں ان کے اعمال باعث حسرت بنا کر دکھائے گا اور نہیں ہوں گے وہ کہ نکلنے والے ہوں آگ سے

(168) اے لوگو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے وہ جو حلال اور پاکیزہ ہو اور نہ چلو شیطان کے قدموں پر قدم رکھتے ہوئے بے شک وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے

مفردات

اِذۡ: جب
تَبَرَّاَ: بیزار ہوں گے
الَّذِیۡنَ: وہ جن کی
اتُّبِعُوۡا: پیروی کی گئی
مِنَ: سے
الَّذِیۡنَ: ان سے جنہوں نے
اتَّبَعُوۡا: پیروی کی
وَرَاَوُا: اور دیکھ لیں گے
الۡعَذَابَ: عذاب
وَتَقَطَّعَتۡ: اور منقطع ہو جائیں گے
بِهِمُ: ان سے
الۡاَسۡبَابُ: اسباب، تعلقات اور روابط

اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا وَرَاَوُا الۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ الۡاَسۡبَابُ ﴿۱۶۶﴾

''ذرا ذہن میں لاؤ وہ کیفیت جب بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی اُن سے جو اُن کی غلامی کیا کرتے تھے عذاب تو وہ دیکھیں گے ہی لیکن اُن کی حسرتوں کا حال کہ سارے اسباب بھی منقطع ہو جائیں گے''۔

قرآن مجید کی اس آیت کو سمجھنے کے لیے انسان کو خود شناسی کے مرحلے سے پہلے گزرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں میں سچائی کی تلاش اور سچائی تک پہنچنے اور سچائی پر قائم رہنے کے لیے چند لطائف رکھے ہیں:

- پہلا ہدایت کا سرچشمہ عقل ہے
- دوسرا نفس نفیس ہے
- تیسرا محبت کرنے والا قلب سلیم ہے
- اور چوتھا نفخت کی پھونک کا اثر ہے

انبیاء علیہم السلام خدائی مقرر کردہ قائدین اور سادات ہیں۔ ایسا انسان جس کا نصیبہ اس کا ساتھ دے وہ ان لطائف سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے اور آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں تک رسائی پا لیتا ہے۔ ان سچائیوں سے محروم انسان سمجھیں کہ ظلمات اور اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ وہ ناقص عقل، غلیظ نفس، ظلیم قلب اور شیطان کی شرارتوں کے نتیجے میں باطل اور طاغوت کو اپنا لیڈر بنا لیتا ہے۔ محشر کے میدان میں ان تاریک و دبیز کرداروں کی بے بسی قرآن حکیم بیان فرما رہا ہے۔ ان کی حسرتوں اور پشیمانیوں کی تصویر کشی کی جا رہی ہے۔ یہ لوگ مرشدین حق کی رہبری سے محروم ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کی قرآنی تصویر ملاحظہ ہو کہ انہیں اپنی غلطیوں اور اشتباہ کا اندازہ ہو جائے گا۔ یہ سہارا تلاش کرنے کے لیے اپنے جھوٹے معبودوں اور رہبروں کا دامن تھامنے کے لیے لپکیں گے مگر اس وقت ان کے باطل اور گمراہ رہبران کو پیچھے دھکیل دیں گے اور اپنی تباہی اور ویل کا اعلان خود اپنی زبان سے کریں گے۔ اس طرح کئی ایک حسرتوں کے ساتھ ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔

وہ کتنا بدقسمت انسان ہوتا ہے جس کا انجام دریا کی شوریدہ لہروں کی طرح بے کنار ہو جائے۔ اب

مفردات

وَ: اور
قَالَ: کہا
الَّذِيۡنَ: ان لوگوں نے
اتَّبَعُوۡا: پیروی کی انہوں نے
لَوۡ: کاش
اَنَّ: تحقیق
لَنَا: ہمارے لیے
كَرَّةً: لوٹنا
فَنَتَبَرَّاَ: تو ہم بھی ہو جاتے بیزار
مِنۡهُمۡ: ان سے
كَمَا: جیسا کہ
تَبَرَّءُوۡا: وہ بیزار ہو گئے
مِنَّا: ہم سے
كَذٰلِكَ: یونہی
يُرِيۡهِمُ: انہیں دکھلائے گا
اللّٰهُ: اللہ
اَعۡمَالَهُمۡ: ان کے اعمال
حَسَرٰتٍ: پشیمانی کا باعث
عَلَيۡهِمۡ: ان پر یا ان کے لیے
وَمَا: اور نہیں
هُمۡ: وہ لوگ
بِخٰرِجِيۡنَ: نکلنے والے
مِنَ: سے
النَّارِ: آتش جہنم

پچھتاووں کا کیا فائدہ، زندگی میں تو یہ بھٹکے انسان شیطانوں کے ہم نوا بنے رہے، پاکیزہ نفس قیادتوں سے منہ موڑے رکھا۔ اپنے وجود کو ابلیس کے چرنوں میں قربان کرتے رہے، اللہ کے دوستوں سے بے وفائی کی، پتھروں اور بتوں کو پوجتے رہے۔ مشرکین کے ساتھی بن کر مومنین کا مذاق اڑاتے رہے۔ اب چیخنے کا کیا فائدہ؟ واویلا مچانے سے کیا حاصل، بیج بونے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ آج موقع ہے، آج وقت ہے، آج اذان سننے کے لمحات میسر ہیں، آج پہچان کے لیے آنکھیں اور کان سلامت ہیں، آج ہی فیصلے کا موقع ہے کہ دنیا کی پر فریب دلکشیوں کو سراب آسا سمجھا جائے اور یہاں کی ناقص اور عیاشیوں بھری زندگی کو اس طرح ناپائیدار جانا جائے جیسے کنول کی پتی پر شبنم کا ایک قطرہ لرزاں ہوتا ہے۔ شیطان کے خلاف جنگ کا طبل بج چکا ہے۔ پڑھو:

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اور دشمن کو دشمن سمجھ اور دوست کو دوست

اللہ اکبر

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ كَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيۡهِمُ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ حَسَرٰتٍ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنَ النَّارِ ۝١٦٧

''اور جب تابعداری کرنے والے کہیں گے کاش! ہمیں دوبارہ موقع ملتا تو ہم بھی اُن سے بیزار ہو جاتے جیسے ہم سے یہ روٹھے روٹھے پھرتے ہیں یونہی اللہ انہیں ان کے اعمال باعث حسرت بنا کر دکھائے گا اور نہیں ہوں گے وہ کہ نکلنے والے ہوں آگ سے''۔

قرآن مجید کا یہ اسلوب فہمائش، انتباہ اور بیداری کے لیے سریع الاثر ہے۔ نظام حق کے باغی سرِ محشر جس نفسیاتی اور ہیجانی صورت حال سے دوچار ہوں گے، چونکا دینے والا ہے۔ باطل اور طاغوتی مشن کے علمبردار اپنے قائدین سے مایوس ہو کر واپس پلٹیں گے، جسم نوچیں گے، مایوسی سے ابل پڑیں گے اور ان کے اندر کی حسرتوں کا واویلا لفظوں کا روپ دھار لے گا کاش! ہم دنیا میں پلٹ کر جائیں تو ہم بھی ان جھوٹے اور غلیظ معبودوں اور ظلم کی راہ چلانے والوں سے بیزار ہو جائیں جیسے آج وہ بیزار ہو گئے ہیں لیکن بے وقت کے واویلے کا کیا فائدہ دنیا کی طرف پلٹنا تو ممکن ہی نہ ہو گا۔

قرآن مجید اپنے قارئین کے سامنے ان کی حسرتوں کی تصویر لاتا ہے اور خوب کھول کر یہ بیان کر دیتا ہے کہ وہ آگ سے ہرگز چھٹکارا پانے والے نہیں ہوں گے۔ دعوت کا قرآنی اسلوب کتنا خوبصورت ہے کہ آج دنیا ہی میں ان محروم لوگوں کی تصویر ضمیروں، روحوں، دلوں اور دیکھنے والے انسانوں کے

مفردات

سامنے رکھ دی جاتی ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ یہ تصویر کیا بولتی ہے؟ کہیں یہ تصویر تمہاری تو نہیں یا تمہارے کسی اپنے کی تو نہیں۔ کل کی حسرتوں اور پشیمانیوں سے بہتر ہے کہ آج توبہ کرلو اور قرآن تمہیں جس راہ چلانا چاہتا ہے اسی راہ چلنے لگ جاؤ۔

قرآن مجید نے اس آیت اور پہلی آیات میں جن حسرتوں اور مایوسیوں کا ذکر کیا ہے مفسرین نے کیسے انہیں سمجھا ہے ملاحظہ ہو(153):

> ''کافروں کو جنت دکھائی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اگر وہ اطاعت کی روش اختیار کر لیتے تو جنت کے عالی مکان انہیں دے دیے جاتے لیکن وہ الٹی راہ چلتے رہے سو وہ اب ان مقامات سے محروم کر کے دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے''۔

ربیع اور ابن زید کا قول ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ ان کے بُرے اعمال دکھلائے گا پھر انہیں حسرت اور پشیمانی ہوگی کہ انہوں نے بُرے عمل کیوں کیے؟ اور اچھے عمل کیوں نہ بجالائے تاکہ وہ عذاب سے چھٹکارا پالیتے (154)۔

ابن جریر کے نزدیک دوسری تعبیر زیادہ مناسب ہے(155)۔

واللہ اعلم

يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوۡا مِمَّا فِى الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۶۸﴾

''اے لوگو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے وہ جو حلال اور پاکیزہ ہو اور نہ چلو شیطان کے قدموں پر قدم رکھتے ہوئے بے شک وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

آیت کا شانِ نزول

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنوثقیف، خزاعہ، مدلج اور قبیلہ ابن صعصعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب یہ لوگ زرعی اجناس اور جانوروں کو بغیر کسی دلیل کے اپنے اوپر حرام قرار دے دیتے تھے(156)۔ ان لوگوں کو اس قبیح فعل سے روکا گیا۔

قرآن مجید نے ان کے اس ناروا عمل کو ایک دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان کیا اور ان کی دھاندلی کی تقسیم سے موسوم جانوروں کے نام بھی لکھے بحیرہ، سائبہ، حام اور وصیلہ وغیرہ ان سب میں

يَاۤ اَيُّهَا: اے
النَّاسُ: لوگو
كُلُوۡا: کھاؤ
مِمَّا: اس میں سے
فِى: میں، اندر
الۡاَرۡضِ: زمین
حَلٰلًا: حلال
طَيِّبًا: پاک اور ستھرا
وَّلَا: اور نہ
تَتَّبِعُوۡا: پیروی کرو
خُطُوٰتِ: ''خطوط'' کی جمع ہے بمعنیٰ اقدام
الشَّيۡطٰنِ: شیطان کے
اِنَّهٗ: بے شک وہ
لَكُمۡ: تمہارے لیے
عَدُوٌّ: دشمن ہے
مُّبِيۡنٌ: کھلا

فکری اعتبار سے شرک کی آمیزش تھی۔

کھاؤ لیکن حلال اور پاکیزہ

پہلے سمجھیے کہ ''اکل'' کیا ہوتا ہے؟ وہ چیز جسے چبا کر کھایا جائے وہ ''ماکول'' ہوتی ہے۔ پی جانے والی شئ اور چبائے بغیر نگل لی جانے والی شئ ''ماکول'' نہیں ہوتی۔ قرآن مجید نے ''عصف ماکول'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کھایا ہوا بھس یا چارہ ''عصف ماکول'' ہوتا ہے۔ مجازاً ''اُلاُکل'' بادشاہ کو بھی کہہ دیتے ہیں اس اعتبار سے رعیت ''الماکول'' ہوتی ہے (157)۔ درختوں اور پودوں کا کھایا جانے والا حصہ ''الاُکل'' ہوتا ہے۔ سود کے ساتھ کھانے کی نسبت اشارہ کرتی ہے کہ اس لفظ کا ایک معنیٰ لینا بھی ہوتا ہے۔ ''الاکل'' کے لفظ کے اس وسیع معنوی جہاں سے یہ سمجھ آتی ہے حلال اور پاکیزہ کھانے کا مطلب یہ ہے کہ استعمال میں جو چیز جیسے بھی آئے وہ حلال اور پاکیزہ ہی ہونی چاہیے۔ انسان جن اسباب، عطیات، اعزازات، ماکولات، مشروبات اور ملبوسات سے بہرہ مند ہوتا ہے ان سب کو حلال اور طیب ہی ہونا چاہیے۔ یہ آیت بڑا واضح سا اشارہ کر رہی ہے کہ قرآن کے تربیت یافتہ انسان کو اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کو قانون ساز بھی تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وہ خطرناک شیطانی قدم ہیں جن کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔

مفسرین کی یہ تعریف بھی پسند آئی کہ حلال وہ ہے جس سے روکا نہ گیا ہو، حرام وہ ہے جس سے منع کر دیا گیا ہو۔ طیب وہ چیزیں ہیں جو پاک ہوں اور طبع سلیم کے مطابق ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ طیب وہ ہیں جو حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہوں۔

سہل بن عبداللہ کا قول ہے کہ نجات تین چیزوں میں ہے: حلال کھانا، فرائض کو ادا کرنا اور حضور ﷺ کی اقتدا کرنا ہے۔

سہل ہی فرماتے ہیں (158):

''حلال مال وہ ہے جس میں سود، حرام، رشوت، خیانت،
کراہیت اور شبہ نہ ہو''۔

شیطانی قدموں کی پیروی نہ کرو

شیطان انسانوں کو بگاڑنے کا کام مرحلہ در مرحلہ کرتا ہے۔ ذہنوں، دلوں اور عقلوں میں انحراف پیدا کرنے کا اس کا اپنا ایک جال ہے، وسوسے اس کے نیزے ہیں، توہم اس کی تلوار ہے، صحبت سوزی اس کا دام ہے، غفلت آفرینی اس کی راہ ہے، حرام کاموں میں دلچسپی پیدا کرنا اس کی سواری ہے،

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

نجاست اس کا بچھونا ہے، خباثت اس کا دھندا ہے، فحاشی اس کا منشور ہے، فساد اس کا عشق ہے، وہ اپنی تباہ کاریاں آہستہ آہستہ انسانوں میں نافذ کر دیتا ہے۔ فساد و تخریب کا ہر کچوکا اس کا قدم ہے، قرآنی فکر یہ ہے کہ انسانوں کو شیطانی خطوات اور اقدام سے بچایا جائے اور ایک ہی جھٹکے سے شیطانی جالوں کی تاریں توڑ کر نبوی اطاعت کی فضا میں قدم رکھ لیا جائے۔

المیزان میں طباطبائی نے یہ بات ذکر کی ہے(159) کہ حضرت امام جعفر صادق پاک رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ وہ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا چاہتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

''یہ شیطانی قدموں کی پیروی ہے''۔

یہ بات ذہن میں راسخ کرلو

قرآن مجید انسان کو اصلاح کی راہ چلاتا ہے۔ وہ ہر منفی طاقت سے صلح جوئی کا درس نہیں دیتا۔ شر کی فطرت شرارت ہے، آتش سوز اس کی طبیعت جلانا ہے، زہر کی عادت مار دینا اور ہلاکت ہے۔ شیطان کی تخلیق ہی میں شطنت اور شیطانی ہے، وہ انسانوں کا کھلا دشمن ہے۔ انسانوں کی قرآنی تربیت یہ ہے کہ وہ شیطانوں سے دوستی نہ لگائیں انہیں اپنا دشمن جانیں، شیطان کی راہ قتل و غارت، دہشت و فساد اور تخریب کی ہے۔ بھولے انسانوں کو سمجھنا چاہیے کہ شیطان ان کا کھلا دشمن ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ
اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً
وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

(169) وہ حکم دیتا ہے تمہیں ہر برائی اور ہر بے حیائی کا اور یہ کہ تم گھڑتے جوڑتے رہو اللہ پر وہ باتیں جن کا تمہیں علم ہی نہ ہو

(170) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تابعداری کرو اس کی جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اُس کی تابعداری کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو ہم نے پایا ہے، کیوں نہ ایسے ہو کہ اُن کے باپ دادے ذرا بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ ہوں

(171) مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا مثال اُس شخص کی سی ہے جیسے وہ چلّا رہا ہو اور سوائے چیخ و پکار کے کوئی کچھ بھی نہ سُن سکے بہرے، گونگے، اندھے بے عقل نہ سمجھیں نہ سمجھائے جائیں

(172) اے ایمان والو! کھاؤ ان سے جو ہم تمہیں دیں پاکیزہ چیزیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم محض اُسی کی عبادت کرتے ہو

مفردات

اِنَّمَا: نہیں ہے سوا اس کے
يَاۡمُرُكُمۡ: وہ حکم دیتا ہے تمہیں
بِالسُّوۡٓءِ: بدی اور برائی کا
وَالۡفَحۡشَآءِ: اور فحاشی کا
وَ: اور
اَنۡ: یہ کہ
تَقُوۡلُوۡا: تم کہو
عَلَى: پر
اللّٰهِ: اللہ
مَا: جو
لَا: نہیں
تَعۡلَمُوۡنَ: تم جانتے

اِنَّمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَالۡفَحۡشَآءِ وَاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

''وہ حکم دیتا ہے تمہیں ہر برائی اور ہر بے حیائی کا اور یہ کہ تم گھڑتے جوڑتے رہو اللہ پر وہ باتیں جن کا تمہیں علم ہی نہ ہو''۔

یہ آیت شیطانی تحریک، دعوت اور کوشش کے تین ہدف ظاہر کرتی ہے۔ انتباہ اس لیے کیا جارہا ہے کہ ابن آدم گندگیوں اور ابلیسی نجاستوں سے محفوظ رہ سکے۔ آیت کی تعبیر میں خصوصی توجہ کے لائق جو چیز ہے وہ ہے شیطانی اثر جس سے انسان حق اور صدق پر قائم نہیں رہ سکتا۔ قرآن مجید کا یہ کہنا کہ شیطان تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم بدیوں برائیوں کی طرف لپکو اور شہوات اور فحاشی سے خود کو جلالو، ظاہر کرتا ہے کہ شیطان وسوسوں کے لشکر کے ساتھ انسانی قافلوں پر حملہ زن ہوتا ہے۔ کتاب منیر ان ابلیسی کرتوتوں کو مخفی نہیں رہنے دیتی، اپنے قاری کو ہوشیار کرنے کے لیے اسے آگاہ کرتی ہے کہ برائی اور فحاشی تمہارے ازلی دشمن شیطان کا منشور ہے اس لیے ان گندگیوں سے تم نے بچ کر رہنا ہے۔ وہ لوگ جو اس دنیا میں ایمان، کردار اور افکار کے ساتھ موئثر ہوئے ہیں یا جن لوگوں نے اپنی خودی کا احترام کیا ہے وہ قدسی صفت لوگ ہمیشہ برائی اور فحاشی سے بچ کر رہے ہیں۔ ان کی طہارت نفسی ہی ان کی رفعت وعظمت کی بنیاد بنی ہے۔

آیت میں ''اِنَّمَا'' کا کلمہ قاریٔ قرآن کے ذہن میں ایک اعتماد اور یقین پیدا کرتا ہے کہ کہی جانے والی بات سرسری نہیں کہ اسے نظرانداز کردیا جائے یا اس کی طرف کم توجہ دی جائے۔ اصل سوال زندگی کا ہے اس کو سنبھالا دینے کے لیے ضروری ہے کہ سمجھا جائے شیطان آرام سے نہیں بیٹھتا، وہ آدم کی اولاد کو تباہ وبرباد کرنے کے لیے دوڑ دھوپ جاری رکھتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ سُو اور فحاشی کیا چیز ہے؟

قاضی ثناءاللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں (160) کہ ''سو'' کا معنیٰ ہر برائی جو طبیعت کو مکدر کردے، دل میں رنج پیدا کرے، ذہن کو پراگندہ کرے اور شخصیت کو بگاڑ دے اور فحاشی کا معنیٰ بے حیائی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کام سے شریعت نے منع کیا ہے وہ ''سو'' ہے اور ''فحشا'' ہے۔ قرآن مجید میں ''فحشاء'' کا اطلاق زیادہ تر زنا اور بدکاری پر کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر بخل کو بھی فحاشی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس جرم پر حد نہ ہو وہ ''سو'' ہے اور جس کام پر حد یعنی شرعی سزا موجود ہو وہ ''فحشا'' ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر لشکر کو لوگوں کے بہکانے اور بھٹکانے کے لیے بھیجتا ہے پھر اس کے چھوٹے چھوٹے شطونچے دنیا میں فتنے پھیلاتے ہیں پھر وہ اپنے کرتوتوں کی برآری کے بعد اپنی کارگزاری ابلیس کو سناتے ہیں۔ایک ایک جب اپنی گندگیری کی داستاں سناتا ہے تو ابلیس کہتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا، تم نے کچھ خاص شرارت نہیں کی، اس پر ایک شطونچہ بولتا ہے میں نے بڑا کام کیا بیوی اور خاوند میں جدائی ڈال دی۔اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا(161)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اندر شیطان کا بھی اثر ہے اور فرشتہ کا بھی اثر ہے۔شیطان کا اثر تو یہ ہے کہ وہ شر کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تکذیب کرواتا ہے اور فرشتہ کا اثر یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ دلواتا ہے اور حق کی تصدیق کراتا ہے، تو جو شخص اپنے دل میں ملکوتی خیال پائے وہ اسے اللہ کی طرف سے سمجھے اور اللہ کی حمد کرے اور اگر دل میں برائی کا وسوسہ آئے تو شیطان کے مکر سے اللہ کی پناہ مانگے(162)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

آیۂ کریمہ میں شیطانی اہداف میں تیسرا یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ لایعنی اور دور از حق اور بعید از علم باتیں اللہ کی طرف منسوب کرواتا ہے۔ایک مفکر نے کہا تھا کہ کسی دور کے مسعود ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس میں ادب ستھرا ہوتا ہے، سخن کی بزمیں پاکیزہ ہوتی ہیں، تحریریں بامقصد ہوتی ہیں اور خطابت سچائی کا آمیزہ لیے ہوتی ہیں۔وہ دور جس میں لفظوں کو دھنا جاتا ہو، مطالب کو پیسا جاتا ہو، افکار عالیہ کو کوٹا جاتا ہو اور اظہارات کو دولت مندوں کی دولت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہو سمجھ لو کہ وہ دور نامسعود ہے۔

قرآن مجید کی تفسیرات

اور

کتاب منیر کی تعبیرات کے گلستان میں رہنے والے ایک چھوٹے آدمی سے زندگی کا ہدیہ قبول فرمالیں:

ناحق باتوں کے اندھیرے ایٹمی لہروں کی طرح ہڈیوں تک کو خاکستر بنا دیتے ہیں کوشش کرو کہ جھوٹ دلوں اور زبانوں کو چھونے نہ پائے۔

خطبوں میں اور قالوں مقالوں میں اللہ کی طرف ناحق باتیں منسوب کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ محبت بھری کوئی قوالی سن لو لیکن قوالی بھی فائدہ انہی کو دیتی ہے جن کے دل، کان اور ذہن صاف ہوتے ہیں۔چلو اس کو مناظرہ نہیں بناتے ایک عہد نبھا لیتے ہیں:

''حق'' حق ہی سے لینا ہے
اور حق کے ساتھ رہ کر ہی
حق کی باتیں سنتے سناتے رہنا ہے۔

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تابعداری کرو اس کی جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اُس کی تابعداری کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو ہم نے پایا ہے، کیوں نہ ایسے ہو کہ اُن کے باپ دادے ذرا بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ ہوں''۔

علامہ ماوردی نے النکت والعیون میں لکھا کہ مشرکین سے جب کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے بجیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ جانوروں کو حرام نہیں کیا اس لیے ان کا کھانا جائز ہے۔ حلال جانوروں کو تم ذبح کر کے کھاؤ اور ان سے نفع اٹھاؤ تو وہ لوگ اندھا دھند اپنے باپ دادے کی تقلید کی طرف بڑھتے اور اپنی ضد پر جم جاتے اور کہتے ہم ہر حالت میں باپ دادے ہی کی پیروی کریں گے کیوں نہ وہ بے علم اور بے ہدایت ہوں (163)۔

قرآن مجید نے کوری تقلید کے جال کو یکسر بکھیر دیا اور قومیت اور مذہبیت میں داخل تعصّبات کو رد کرتے ہوئے سوچ کا ایک منطقی اور روحانی انداز قائم کر دیا۔ وہ شخص جو جہالت کو اپنی منزل اور جنت تصور کرتا ہو وہ آگ کے شعلے نگلنے کا اپنے لیے خود بندوبست کرتا ہے۔ پیروی کو قرآن جرم قرار نہیں دیتا۔ انعام یافتہ لوگوں کو تو یہ صحیفہ صراطِ مستقیم کا روشن نشان قرار دیتا ہے۔ انعام یافتہ شخص قبیلے سے باہر کا ہو تو وہ بھی قابل تقلید ہوتا ہے۔ جب اسی نشان کا حامل باپ دادوں میں سے ہو تو پھر وہ تو نور علیٰ نور ہوتا ہے۔ ردّ قرآن حکیم بیہودہ اور خرافاتی منطق کو کرتا ہے جو اُجالوں کو چھوڑ کر اندھیروں پر جم جانے کے لیے گھڑ لی جاتی ہے۔ قرآن مجید کے اس جملے میں کتنی طاقت ہے کتنی تازگی ہے اور کتنی ہدایت ہے۔

''کیوں نہ وہ بے علم اور بے ہدایت ہوں''

قرآن حکیم الگ الگ مقامات پر ایمان، علم، عقل اور ہدایت کو نعمت قرار دیتا ہے اور یہاں بھی علم اور ہدایت کو خصوصیت دی جا سکتی ہے کہ پیروی تو اس نشانی کے لوگوں کی کی جاتی ہے جبکہ مشرکین ان نعمتوں سے محروم لوگ ہیں۔ یہاں کلہاڑا لے کر مسلمان آباء واجداد جو علم مند ہوں اور ہدایت پر ہوں ان کی تقلید کے شجر پر چوٹیں مارنی شروع کر دینا بدذوقی ہے۔

مفردات

وَ: اور
اِذَا: جب
قِيۡلَ: کہا جاتا ہے، ماضی مجہول کا معنی حال سے قاعدہ ''اِذَا'' کی وجہ سے ہے
لَهُمُ: ان کے لیے
اتَّبِعُوۡا: پیروی کرو
مَآ: اس کی جو
اَنۡزَلَ: اتارا
اللّٰهُ: اللہ نے
قَالُوۡا: کہتے ہیں وہ
بَلۡ: بلکہ
نَتَّبِعُ: ہم پیروی کرتے ہیں
مَآ: جو
اَلۡفَيۡنَا: پایا ہم نے، جملہ کی رعایت کرتے ہوئے معنی ہوگا پاتے ہیں ہم
عَلَيۡهِ: اس پر
اٰبَآءَنَا: اپنے آبا اور بزرگوں کو
اَوَلَوۡ: کیوں
كَانَ: ہوں
اٰبَآؤُهُمۡ: ان کے باپ دادے
لَا: نہ
يَعۡقِلُوۡنَ: عقل رکھتے
شَيۡـًٔـا: ذرا بھی
وَّلَا: اور نہ
يَهۡتَدُوۡنَ: وہ ہدایت رکھتے

مفردات

وَمَثَلُ: اور مثال
الَّذِيۡنَ: وہ لوگ
كَفَرُوۡا: جو کافر ہوئے
كَمَثَلِ: جیسے مثال ہو
الَّذِىۡ: اس شخص کی
يَنۡعِقُ: جو آواز لگاتا ہے
بِمَا: جس کو
لَا: نہیں
يَسۡمَعُ: سنتا وہ
اِلَّا: سوا
دُعَآءً: پکارنا
وَّنِدَآءً: صدا اور آواز
صُمٌّۢ: بہرے
بُكۡمٌ: گونگے
عُمۡىٌ: اندھے
فَهُمۡ: پس وہ
لَا: نہیں
يَعۡقِلُوۡنَ: عقل پکڑتے یعنی سوچتے

وَمَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا كَمَثَلِ الَّذِىۡ يَنۡعِقُ بِمَا لَا يَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾

''مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا مثال اُس شخص کی سی ہے جیسے وہ چلّا رہا ہو اور سوائے چیخ و پکار کے کوئی کچھ بھی نہ سُن سکے بہرے، گونگے، اندھے بے عقل نہ سمجھیں نہ سمجھائے جائیں''۔

قرآن مجید اس آیت سے ان لوگوں کی مثال دے رہا ہے جن کی بے علمیوں، کم عقلیوں اور کم بختیوں نے ان کی روحوں کو زخمی کر دیا ہے۔ کفر اور شرک کے جور و ستم نے ان کی خودی کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے۔ وہ جہل اور حماقت کی ظلمت میں محصور ہیں۔ شکلیں ان کی انسانوں کی سی ہیں لیکن زندگیاں ان کی وحشیوں کی سی ہیں۔ یہ اپنے غرور کی ایک زنداں سے رہائی بھی پا لیں تو بھی ایک دوسری زنداں نے ان کے لیے دروازہ کھولا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ ڈھیٹ کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جیسے کوئی بھیڑ، بکریاں چرانے والا ہو اور وہ اپنے ریوڑ کو کنٹرول کرنے کے لیے مخصوص آوازیں چیخ چیخ کر نکالے۔ بکریوں کو کیا معلوم انہیں چھی چھی اور چھچھ چھچھ کی آوازوں سے کیا کہا جا رہا ہے؟ ان کے لیے تو یہ محض آوازیں، چیخیں اور بوریاں ہی ہیں۔

کافر قوم کی حالت بھی عجیب ہوتی ہے وہ گونگے، بہرے اور اندھے ہوتے ہیں۔ عقل نام کی کوئی چیز ان کے دماغوں میں بالکل بھی نہیں ہوتی، جیسے بکریاں منطقی ہوتی ہیں نہ فلسفی، وہ اپنے چرواہے کی آواز کو بھی سمجھ نہیں پاتیں حالانکہ وہ ان کے لیے اخلاص رکھتا ہے۔ کافر لوگ بھی اپنے جاہل، بے علم اور بے عقل باپ دادوں کی غلط رسموں اور خرافاتی طریقوں سے چمٹے ہوتے ہیں۔ ڈوروں اور چاڑوں کی یہ بدطینت قوم حق کی تعریف سے بالکل نابلد ہوتی ہے۔

''نعق'' کوے کی اس آواز کو کہتے ہیں جس میں شور نہ ہو اور اگر آواز میں شور و غل ہو تو پھر اسے ''نغق'' کہتے ہیں۔ اب ''نعق'' ہر اس آواز کو کہہ دیتے ہیں جو جانوروں کو ہانکنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

ان فرقہ پرستوں کی حالت عجیب ہے جو کافروں اور بتوں کی باتوں کو اولیاء اور صالحین پر چسپاں کرتے رہتے ہیں (164)۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ لوگو
اٰمَنُوۡا: جو ایمان لائے ہو
كُلُوۡا: کھاؤ
مِنۡ: سے
طَيِّبٰتِ: پاکیزہ چیزوں سے
مَا: جو
رَزَقۡنٰكُمۡ: ہم نے تمہیں روزی میں دی ہیں
وَاشۡكُرُوۡا: اور شکر ادا کرو
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
اِنۡ: اگر
كُنۡتُمۡ: تم ہو
اِيَّاهُ: محض اسی کی
تَعۡبُدُوۡنَ: تم عبادت کرتے ہو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾

''اے ایمان والو! کھاؤ ان سے جو ہم تمہیں دیں پاکیزہ چیزیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم محض اُسی کی عبادت کرتے ہو''۔

قرآن مجید اپنے رازوں تک مؤمنین کو رسائی دیتا ہے۔ صلاحیتیں اور اہلیتیں موتیوں کی طرح ہوتی ہیں انہیں حاصل کرنے کے لیے ایمان کا شجر طوبیٰ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ ایسا درخت جس کی شاخوں میں ہوائیں ترانے اگلتی ہیں، جن ترانوں کا ہر حرف نیکی ہوتی ہے، صلاحیت ہوتی ہے اور اہلیت ہوتی ہے۔ ایمان کے درخت پر اُگنے والے پتوں پر روشنیاں رقص کرتی ہیں۔ اس آیت سے پہلے ربّ کریم نے ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'' کہہ کر آواز دی تھی اور حلال اور حرام کا شعور دیا تھا اور فحاشی اور بدیوں کے زندگی پر بُرے اثرات بتائے تھے۔ اب ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا'' کہا جا رہا ہے کہ ایمان والو! جو جو روزی ہم نے تمہیں دی ہے اس میں سے کھانے کے لیے پاکیزہ چیزوں کا انتخاب کرو، تم لوگ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد خاص لوگ ہو گئے ہو، تم طیب اور پاکیزہ رزق استعمال کرو گے تو فضیلتیں، برکتیں اور خوبیاں تمہارے وجود کے خمیر میں گوندھ دی جائیں گے۔ حرام کاری، حرام خوری اور حرام خواہی تباہی اور بربادی کا زہر قاتل ہے۔

دوسری اہم چیز جو اس آیت میں بیان ہوئی وہ یہ ہے کہ اہل ایمان اگر تم اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو تو اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو حقیقت میں معبود وہی جانتا ہے جو اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ عبادت اور شکر کو یہاں جوڑ کر بیان کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کا شکر ادا کرنا عبادت کا مغز اور روح ہے۔ سپاس گزاری ہی عبادت کو لذت سے ہم کنار کر دیتی ہے۔ ترتیب معمولات کی ندرت ملاحظہ ہو:

''ایمان، طیبات اور پاکیزہ روزیوں سے ہم کناری، شکر
اور عبادت ایسا نسخۂ شفاء ہے جو زندگی کے ہر گوشہ کو شفاء
کی مٹھاس سے لبریز کر دیتا ہے''۔

ایک اہم نکتہ

قرآن مجید یہاں اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ جو چیزیں ہم نے تمہیں روزی میں دی ہیں ان میں سے پاکیزہ غذائیں تم کھاؤ اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لوگو! ہم نے جو زمین میں

پیدا کیا ہے اس میں سے کھاؤ۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' کہا اور دوسرے میں ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ'' کہا۔ دونوں کو جوڑ کر پڑھنے سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پاکیزہ نعمتیں اللہ نے ایمان والوں کے لیے ہی پیدا کی ہیں اور ان کے صدقے میں اللہ عام لوگوں کو بھی کھانے کے لیے غذا دے دیتا ہے۔ جیسے باغبان اپنے باغ میں پانی تو پھلوں اور پھولوں کو دیتا ہے لیکن کانٹے، عام گھاس اور باغ میں چلنے پھرنے والے کیڑے بھی اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

ایک حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(165):

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اللہ پاک چیز کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا ہے اس نے ان سے کہا تھا:

اے رسولو!

''پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں''۔

اور پھر اس نے مسلمانوں سے فرمایا:

''اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ''۔

پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال غبار آلود ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے:

''یاربّ یاربّ! لیکن اس کا کھانا حرام کا ہو، اس کا پینا حرام کا ہو اور اس کا لباس حرام کا ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟''

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ
لِغَيۡرِ اللّٰهِ‌ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۷۳﴾
اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَشۡتَرُوۡنَ بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيۡلًا ۙ اُولٰٓـئِكَ مَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوۡمَ
الۡقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ ۖۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۴﴾

(173) بے شک اُس نے حرام کر دیا ہے تم پر مرُ دار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو البتہ ایسا شخص جو مجبور ہو گیا ہو نہ بغاوت پر مائل اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں کہ بقدر ضرورت کھا لے بے شک اللہ بہت ہی معاف کرنے والا بے حد مہربان ہے

(174) اور وہ لوگ جو چھپائیں اُسے جو اللہ نے نازِل کیا کتاب سے اور اُسے لین دین کا ذریعہ بنا لیں حقیر و قلیل قیمت کے بدلے، وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور اللہ اُن سے قیامت والے دن بات تک نہ کرے گا اور نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا

مفردات

اِنَّمَا: نہیں ہے سوا اس کے
حَرَّمَ: اس نے حرام ٹھہرایا
عَلَیْکُمُ: تم پر
الْمَیْتَۃَ: مردار
وَالدَّمَ: اور خون
وَلَحْمَ: اور گوشت
الْخِنْزِیْرِ: خنزیر، سؤر
وَ: اور
مَآ: جو یا جس
اُهِلَّ: بلند کیا گیا
بِهٖ: ساتھ اس کے
لِغَیْرِ اللّٰهِ: اللہ کے سوا
فَمَنِ: پس جو
اضْطُرَّ: مجبور ہو
غَیْرَ بَاغٍ: بغاوت کرنے والا نہ ہو
وَّلَا: اور نہ
عَادٍ: زیادتی کرنے والا
فَلَآ: تو نہ ہو
اِثْمَ: گناہ
عَلَیْهِ: اس پر
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَفُوْرٌ: معاف کردینے والا، بخش دینے والا
رَّحِیْمٌ: مہربان

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

''بے شک اُس نے حرام کردیا ہے تم پر مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو البتہ ایسا شخص جو مجبور ہو گیا ہو نہ بغاوت پر مائل اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں کہ بقدر ضرورت کھالے بے شک اللہ بہت ہی معاف کرنے والا بے حد مہربان ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت کلمہ حصر ''اِنَّمَا'' سے شروع ہو رہی ہے۔فنون کے مطابق یہ حصر اضافی ہے۔''حصر'' کلام میں خود یہ معنیٰ پیدا کررہا ہے کہ یہاں محرمات کی تمام اقسام بیان نہیں ہورہیں بلکہ چار اقسام بیان ہورہی ہیں، ایسی اقسام جن میں مشرکین نے اپنے نفسانی فسوں، تاریخی اضلالات اور رسمی مختر عات شامل کردیے ہیں۔یہ لوگ طبیعتوں کے مالک بنے ہوئے تھے، چاہتے تو حلال غذاؤں کو حرام کرلیتے اور چاہتے تو حرام کو حلال بنالیتے۔قرآن مجید نے مسلم معاشرے میں سلیقے سے جینے والوں کی شعوری اور عملی مدد کی کہ غذاؤں کی کمی کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ تم لوگ خون، مردار، سؤر کا گوشت اور بتوں کے نام پر ذبح شدہ جانور کھانے لگ جاؤ۔فطرت سلیمہ ان چیزوں کے کھانے میں کراہت محسوس کرتی ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ خون اور مردار میں کئی قسم کے مضر صحت جراثیم اور اجزا جمع ہوجاتے ہیں جن کا کھانا اپنے آپ کو ہلاک کردینا ہے۔

سید قطب کے یہ الفاظ ایمان افروز ہیں (166) کہ طب جدید پر یقین کیا جاسکتا ہے لیکن ایمان نہیں بنایا جاسکتا۔طب نے کچھ نجاستیں اور گندگیاں معلوم کیں کہ وہ مردار، خون اور سؤر کے گوشت میں موجود ہوتی ہیں۔ہمیں سوچنا یہ ہے کہ سائنس کا علم قطعی اور آخری نہیں ہوسکتا ہے۔کچھ ایسے مخفی اسباب اب بھی ان چیزوں میں موجود ہوسکتے ہیں جو صرف شریعت کو معلوم ہیں۔''حق الیقین'' تو مذہبی صحیفوں ہی کی روشن سطروں میں ہے۔خنزیر کے گوشت کے گندہ ہونے کے باوجود کچھ لوگوں کو تجسس اور کچھ کو شوق رہتا ہے کہ اس کی ایک آدھ بوٹی کھالینے میں ہرج بھی کیا ہے۔یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ شرائع سماویہ نے ہمیشہ اسے حرام ہی قرار دیا ہے۔اب تو محققین وثوق سے سمجھانے لگ گئے ہیں کہ سؤر کے گوشت، خون اور انتڑیوں میں ایک خطرناک کیڑا موجود ہوتا ہے۔یہ کیڑا ایک لمبے دھاگے (Tape Worm) کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔اس کے انڈے ملفوف ہوتے ہیں۔بعض خنزیر خوروں کا البتہ یہ کہنا ہے کہ دورِ جدید میں یہ چیزیں کھائی جاسکتی ہیں اور خطرات کا ازالہ بھی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔سوچنے والی بات یہ ہے کہ طب جدید نے

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِیۡنَ: وہ لوگ جو
یَکۡتُمُوۡنَ: چھپاتے ہیں
مَآ: جو
اَنۡزَلَ: اتارا ہے
اللّٰہُ: اللہ
مِنَ: سے
الۡکِتٰبِ: کتاب
وَیَشۡتَرُوۡنَ: اور خریدتے ہیں
بِہٖ: ساتھ اس کے
ثَمَنًا: پونجی
قَلِیۡلًا: تھوڑی
اُولٰٓئِکَ: یہی تو ہیں
مَا: نہیں
یَاۡکُلُوۡنَ: کھاتے ہیں
فِیۡ: میں
بُطُوۡنِہِمۡ: اپنے پیٹوں
اِلَّا: مگر
النَّارَ: آگ
وَلَا: اور نہ
یُکَلِّمُہُمُ: بات کرے گا ان سے
اللّٰہُ: اللہ
یَوۡمَ: دن
الۡقِیٰمَۃِ: قیامت
وَلَا: اور نہ
یُزَکِّیۡہِمۡ: صاف کرے گا انہیں
وَلَہُمۡ: اور ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب، سزا
اَلِیۡمٌ: دردناک

ہزاروں سالوں کا سفر طے کر کے خنزیر کے گوشت میں ایک خطرناک کیڑا دیکھ ہی لیا ہے۔ انشاء اللہ یہ ممکن ہو گا کہ سفر تھوڑا اور قطع کریں گے تو سؤر کے گوشت میں کچھ اور مضر چیزیں نظر آجائیں گی۔ اگر قرآن حکیم اپنی لطیف نظروں سے دیکھ کر تمہیں پہلے ہی آگاہ کر رہا ہے تو چاہیے کہ شک کو یقین اور اعتماد سے بدل کر سؤر خوری ترک کر دینی چاہیے ایمان کا تقاضا تو یہی ہے۔ یہ کہہ لینے میں بھی قباحت نہیں کہ اسلام گندی خصلتوں اور گندی عادات کو حیوانوں میں بھی پسند نہیں کرتا اگر کوئی سؤر بے غیرت ہو جائے تو اسلام ایسا شائستہ مذہب کیسے اجازت دے دے کہ بہیمیت انسانوں میں بھی پیدا ہو جائے، دین تو یہی کہے گا کہ گندی چیزیں مت کھاؤ۔

رہ گیا معاملہ ''وَمَآ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ'' کا تو آیت خود آئینہ ہے۔ اس میں معانی کی جھلک اور جلوہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ محتاط مفسرین نے اسے یوں سمجھا ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا جانور کو حرام کر دیتا ہے (167) مجاہد نے تو صاف کہہ دیا: ''ما ذبح لغیر اللہ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ربیع بن انس کا قول نقل کیا۔ ''ما ذکر عند ذبحہ اسم غیر اللہ'' وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا جائے (168)۔ علامہ جصاص رازی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے لیا جائے (169)۔

ایک خاص بات

قرآن مجید میں ان چار چیزوں کی حرمت چار مقامات پر بیان فرمائی گئی۔ آیات کا نزول دو مرتبہ مکی زندگی میں ہوا اور دو مرتبہ مدنی زندگی میں ہوا۔ پہلا نزول اوائل بعثت کے زمانے میں ہوا۔ دوسرا نزول مکی زندگی کے آخر میں ہوا۔ تیسرا نزول مدنی زندگی کے اوائل میں ہوا اور آخری نزول مدنی زندگی کے بھی آخری دور میں ہوا۔ آیات انعام، نحل، بقرہ اور مائدہ میں ہیں۔

استثنا کی صورت

ان آیات میں چار چیزوں کا حرام ہونا بیان ہوا لیکن مجبور ہونے کی صورت میں استثنا سامنے آئی۔ اس میں بھی قرآن حکیم نے کہا کہ استثنا سے بہانہ سازیوں کا دروازہ نہیں کھولا جا رہا لیکن تربیت یہ دی جا رہی ہے کہ بندے میں بغاوت اور زیادتی نہیں آنی چاہیے۔ باغی اور عادی ہونا جرم عظیم ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾

''اور وہ لوگ جو چھپائیں اُسے جو اللہ نے نازل کیا کتاب سے اور اُسے لین دین کا ذریعہ بنالیں

حقیر وقلیل قیمت کے بدلے، وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور اللہ اُن سے قیامت والے دن بات تک نہ کرے گا اور نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا''۔

وہ لوگ جو کتمانِ حق کرتے ہیں۔ اوصاف رسالت پر پردہ ڈالتے ہیں اور کتابوں میں اختلافات کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ یہ کون لوگ تھے جن کا خوفناک انجام قرآن حکیم بیان کر رہا ہے، ان کو مشخص کر رہا ہے، ان کی نشانیاں بیان کر رہا ہے، ان کے سیاہ چہروں کی نحوست اپنے قاری کے سامنے بے حجاب کر رہا ہے۔ بلاشبہ یہ اہل کتاب تھے جو کالا دھندا کرتے تھے۔ چھوٹوں کو نعت بتا کر ان سے پیسے بٹورتے تھے اور بادشاہوں سے چھپا کر ''تھوڑی پونجی'' کماتے تھے۔ انہوں نے اپنے ضمیروں کی سیل لگا رکھی تھی۔ قرآن مجید کا زور اس پر نہیں کہ ''کاتمین'' کا گروہ اپنے نام اور تاریخ کے ساتھ ظاہر کیا جائے، زور اس پر ہے کہ کتمان حق کے جرم کی شدت بیان کر دی جائے تاکہ قیامت تک آنے والے لوگ اس جرم کی نحوست سے بچ سکیں۔ آیت میں مذمت بھی ہے لیکن مذمت سے زیادہ اصلاح کے مرکز سے لوگوں کو قریب کرنا ہے۔ ایسے کالے لوگ زماں مکاں کی تخصیص کے بغیر ہر دور میں موجود رہتے ہیں جو مفاہیم کتب کو بڑھاتے اور کم کرتے رہتے ہیں۔ افراط تفریط ان کی ٹریڈ کمپنی ہوتی ہے۔ وہ رزق حلال کے لیے محنت نہیں کر سکتے ہیں، وہ مقدس کتابوں کی دیوار حروف میں نقب لگاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے پیسہ نکالنا ہوتا ہے جدھر سے نکالیں۔ انہوں نے نقب لگانی ہوتی ہے، خواہ محرابوں میں لگالیں۔ بہت خطرناک گروہ ہوتا ہے جو ''ثمن قلیل'' سے حرام کی بینکاری کو فروغ دیتا ہے۔

قرآن مجید کا یہ جملہ فکرِ صحیح کا پیکر بن کر اعلان کرتا ہے، ایسے لوگ بظاہر تمہیں کچھ کھاتے پیتے نظر آرہے ہیں لیکن غور سے دیکھو یہ ''دھنداباز'' اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، گویا ان کا کھانا آگ بنا دیا گیا ہے۔ ان کے اعمال کی شامت بروز محشر اللہ کی ناراضگی کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ اللہ نہ ان سے بات کرے گا اور نہ انہیں ستھرا کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

وہ لوگ جو احساس سے محروم ہو گئے کہ اللہ کی کتاب اور رسول رحمت کے اوصاف چھپانے والا علم نہیں ظاہر کی جانے والی دولت ہے، وہ لوگ جو ضمیر کے مجرم ہو گئے اور مفادات عاجلہ کے لیے سب کچھ سمندر برد کر دیا، ان کی خوشیاں ان سے چھین لی جائیں گی اور قیامت کے دن ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایسے لوگوں کی دنیا بھی اچھی نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں پر بار الم آگ بن کر برستا رہتا ہے اور ان کی ناتواں روح بے چینی کی دوزخ میں واویلا مچائے رکھتی ہے۔

❀❀❀❀❀

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ
اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى
الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾

(175) یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی اور مغفرت دے کر عذاب خرید لیا ہے، کس درجہ ذلیل ہے ان کا وہ رویہ کہ آگ پر ہی اڑ گئے

(176) یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی اور وہ لوگ جنہوں نے کتاب میں اختلاف ڈالے وہ درحقیقت ضد اور فساد میں بہت دور نکل گئے ہیں

مفردات

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى وَالۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَةِ‌ ۚ فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِى الۡكِتٰبِ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۱۷۶﴾

''یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی اور مغفرت دے کر عذاب خرید لیا ہے، کس درجہ ذلیل ہے ان کا وہ رویہ کہ آگ پر ہی اڑ گئے، یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی اور وہ لوگ جنہوں نے کتاب میں اختلاف ڈالے وہ درحقیقت ضد اور فساد میں بہت دور نکل گئے ہیں''۔

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پہلی آیت میں بیان کردہ صورت حال کو مزید نکھار کر بیان کرتی ہیں۔ یوں بات پوری طرح کھل جاتی ہے کہ یہ بدقسمت لوگ جو کتمان حق کے جرم میں پڑتے ہیں، یہ نشے کے عادی مجرموں کی طرح خود ہی اپنے آپ کو نقصانات اور خسارے کی دلدل میں پھنساتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہدایت دے کر گمراہی لینے والے سوداگر ہیں۔ یہ لوگ دوطرفہ خسارے کے حاملین ہوتے ہیں: ایک طرف ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کا انتخاب انہیں زیاں کار بنا دیتا ہے اور دوسری طرف ان کی الٹی منطق اور احمقانہ فلسفہ کہ وہ رحمت و بخشش کو ہاتھ سے دے کر اس کی جگہ دردناک عذاب لے لیتے ہیں۔

آیت کا اگلا حصہ انتباہ کے لیے خوبصورت اسلوب کا زرپارہ ہے۔ ''تو کس چیز نے انہیں دوزخ کی آگ پر صبر دلا دیا''؟ جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کی دعوت کے ساتھ قرآن مجید نصاب فلاح کو پھر آنکھوں کے سامنے پھیرتا ہے کہ اللہ نے صحیفۂ نور کو حق کے ساتھ اتارا ہے اس کے باوجود لوگ چاہتے نہیں کہ اپنے مادی فوائد کی خاطر کتمان حق ایسے برے جرم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔

''شِقَاقٍ'' کا معنیٰ پھٹ پڑنا ہوتا ہے۔ ضد، ہٹ دھرمی، اختلافات اور تفرقہ کے لیے یہ استعارہ ہے۔ لفظ خود اس طرف اشارہ کرنے والا ہے کہ کتاب پر ایمان اور یقین وحدت کو مضبوط کرتا ہے جب کہ ضد، اختلاف اور تفرقہ معاشرے کو پارہ پارہ کر دینے والا آتش فشاں ہے جو ہر قدر، شعار اور دین کے نشان ہی کو نہیں بلکہ معاشرہ کو بھی اڑا دیتا ہے۔

❀❀❀❀❀

اُولٰٓئِكَ: یہ لوگ ہیں
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اشۡتَرَوُا: خریدا اُنہوں نے
الضَّلٰلَةَ: گمراہی کو
بِالۡهُدٰى: ہدایت کے بدلے
وَالۡعَذَابَ: اور عذاب
بِالۡمَغۡفِرَةِ: مغفرت کے بدلے
فَمَآ: تو کس چیز نے
اَصۡبَرَهُمۡ: انہیں صبر دلایا
عَلَى: پر
النَّارِ: آگ
ذٰلِكَ: وہ
بِاَنَّ: تحقیق
اللّٰهَ: اللہ
نَزَّلَ: اتارا تدریجاً
الۡكِتٰبَ: کتاب کو
بِالۡحَقِّ: حق کے ساتھ
وَاِنَّ: اور بے شک
الَّذِيۡنَ: وہ لوگ جو
اخۡتَلَفُوۡا: اختلاف ڈالا انہوں نے
فِى: میں
الۡكِتٰبِ: کتاب
لَفِىۡ: میں
شِقَاقٍ: ضد، لڑائی جھگڑا
بَعِيۡدٍ: دور کا یعنی بہت زیادہ

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

(177) یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف موڑ لو بلکہ نیکی تو اُس کی ہے جو اللہ پر ایمان لایا اور یومِ آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں کو اُس نے مانا اور دیتا رہا مال محبت میں رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرتا رہا اور نماز قائم کی اور زکوۃ دی اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے کیے ہوئے عہد پورے کیے اور صبر کرنے والے تنگی اور مصیبت میں اور لڑائی کے وقت، یہ ہیں وہ لوگ جو سچے رہے اور ایسے ہی لوگ درحقیقت تقویٰ دار ہیں

مفردات

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ اِذَا عٰہَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

’’یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف موڑ لو بلکہ نیکی تو اُس کی ہے جو اللہ پر ایمان لایا اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں کو اُس نے مانا اور دیتا رہا مال محبت میں رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرتا رہا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے کیے ہوئے عہد پورے کیے اور صبر کرنے والے تنگی اور مصیبت میں اور لڑائی کے وقت، یہ ہیں وہ لوگ جو سچے رہے اور ایسے ہی لوگ درحقیقت تقویٰ دار ہیں‘‘۔

نیکی کیا ہے؟

قرآن مجید نے اس آیت میں تمام نیکیوں کی اساس بیان فرمائی ہے اور جس لفظ کے آئینے میں نیکیوں کے حسن اور جمال کو اتارا ہے وہ ’’الۡبِرَّ‘‘ ہے۔ اس لفظ کا اساسی معنیٰ وسعت ہوتا ہے۔ بحر کے مقابلہ میں ’’بر‘‘ خشکی کو کہہ دیتے ہیں چونکہ اس میں طویل وعریض کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لیے بے آب وگیاہ چٹیل میدان کو ’’بر‘‘ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کثیر اولاد رکھتا ہو تو عرب کہہ دیتے ہیں ’’ابر الرجل‘‘ یعنی آدمی کثیر الاولاد ہو گیا۔ اگر اس لفظ کا مادہ ’’اثم‘‘ کے مقابلہ میں ہو تو پھر اس کا تلفظ ’’بِرّ‘‘ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے نیکی وہ ہوتی ہے جس میں قوت ہو، کثرت ہو اور وسعت ہو۔ وہ تمام کام ’’بِرّ‘‘ ہی ہوں گے جن سے کشادگی کی راہ کھلتی ہو۔ ’’بر‘‘ کا مفہوم قرآن حکیم نے وسعت نگاہی کے لیے بھی استعمال کیا ہے اور وفا کا معنیٰ بھی اس لفظ میں سمو دیا گیا ہے (170)۔

آیت کا شان نزول

ابن عاشور نے لکھا (171) کہ قبلہ کی تبدیلی سے یہود ونصاریٰ کی فکری زندگی میں بھونچال بپا ہو گیا۔ وہ طرح طرح کی باتیں کرنے لگ گئے۔ طنز وطعنہ ان کا قومی شعار بن گیا۔ وہ پروپیگنڈہ کرتے

لَیۡسَ: نہیں
الۡبِرَّ: نیکی
اَنۡ: یہ کہ
تُوَلُّوۡا: تم پھیرو
وُجُوۡہَکُمۡ: اپنے چہرے
قِبَلَ: طرف، کی جانب
الۡمَشۡرِقِ: مشرق
وَالۡمَغۡرِبِ: اور مغرب
وَلٰکِنَّ: اور لیکن
الۡبِرَّ: نیکی
مَنۡ: جو
اٰمَنَ: ایمان لایا
بِاللّٰہِ: اللہ پر
وَالۡیَوۡمِ: اور دن
الۡاٰخِرِ: بعد میں آنے والا
وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ: اور فرشتوں
وَالۡکِتٰبِ: اور کتابوں
وَالنَّبِیّٖنَ: اور انبیاء
وَاٰتَی: اور دیا اس نے
الۡمَالَ: مال
عَلٰی: پر
حُبِّہٖ: اس کی محبت
ذَوِی الۡقُرۡبٰی: رشتہ دار، قرابت والے
وَالۡیَتٰمٰی: اور یتیموں
وَالۡمَسٰکِیۡنَ: اور مسکینوں
وَابۡنَ السَّبِیۡلِ: اور مسافروں
وَالسَّآئِلِیۡنَ: اور گداگروں، سوال کرنے والوں

مفردات

وَ فِیۡ: اور میں
الرِّقَابِ: گردنوں
وَ: اور
اَقَامَ: قائم کی
الصَّلٰوةَ: نماز
وَاٰتَی: اور دی، ادا کی
الزَّكٰوةَ: زکوٰۃ
وَالۡمُوۡفُوۡنَ: اور پورا کرنے والے
بِعَهۡدِهِمۡ: اپنے عہد و وعدہ کو
اِذَا: جب
عٰهَدُوۡا: وہ عہد کرتے ہیں
وَالصّٰبِرِيۡنَ: اور صبر کرنے والے
فِیۡ: میں
الۡبَاۡسَآءِ: مصیبت اور دکھ میں
وَالضَّرَّآءِ: اور سخت اور شدت والے حالات میں، محرومیاں بیماریاں وغیرہ
وَحِيۡنَ: اور وہ وقت
الۡبَاۡسِ: جنگ، لڑائی
اُولٰٓئِكَ: یہی لوگ
الَّذِيۡنَ: وہ جو
صَدَقُوۡا: سچے رہے اور صدق کو سپورٹ کیا
وَاُولٰٓئِكَ: اور یہی
هُمُ: وہی
الۡمُتَّقُوۡنَ: تقویٰ اختیار کرنے والے

کہ مسلمانوں کو قدس چھوڑ کر کعبہ کی طرف منہ کرنے سے کچھ نہیں ملے گا۔ ان کی نیکیاں اور حسنات ختم ہو گئیں۔ قرآن مجید نے انہیں سمجھایا کہ پہلے نیکی کی تعریف تو سمجھو کہ "بر" کہتے کس کو ہیں پھر کچھ کہو جب ان کے قول وفکر کو وادیٔ حیرت میں پٹکا دے کر اوندھا کر دیا گیا تو قرآن حکیم نے خود وہ امور بتا دیے جن سے حسنات اور نیکیوں کا ایک جامع نظام متشکل ہو گیا اور قرآن پڑھنے والوں کو نیکیوں کی اساس مہیا ہو گئی۔

لفظ کی مصدریت

آیت میں "الۡبِرَّ" مصدر لایا گیا اس سے مبالغے اور تاکید کی انتہا تعبیر میں سمو دی گئی، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص "نور" ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ انتہا درجے پر روشنیوں سے ملتا جلتا انسان ہے۔ جس آدمی کو کسی نے سراپائے عدل کہنا ہوا سے "عدل" ہی کہہ دیا جاتا ہے۔ آیہ کریمہ میں نیکی کے لیے "الۡبِرَّ" مصدر لایا گیا تا کہ لوگوں کو سمجھ آ جائے کہ وہ کون سے امور ہیں جو عظمتوں اور فضیلتوں کے آسمان کو چھو لینے والے ہیں۔

آیت میں ایمانیات کا درس

انسان مصور کائنات کی ادھوری تصویر نہیں اسے بنانے والے نے "احسن تقویم" کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کامل بنانے کے لیے ذہن وفکر، قلب ونظر اور علم و ہنر کی خوبیاں عطا کی ہیں۔ اسے منفیت اور ضلالت سے بچانے کے لیے ایمان کی راہ چلنے کی ہدایت کی ہے۔ انسانی عظمتوں اور فضیلتوں کے پروان چڑھانے والے نے انسان کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھے۔ مبدا و معاد پر اس کا یقین ہو، فرشتوں اور تمام آسمانی کتابوں کو وہ تسلیم کرتا ہو۔ انبیاء و مرسلین کی دعوتوں کو اپنی تعمیر و تعلیم کے لیے ضروری سمجھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں خود کو ان سے مربوط کر لے یہی وہ ایمان کے سرچشمے ہیں جن کے ذریعے تزکیۂ نفس ممکن ہے اور ان اصولوں پر ایمان لانے سے انسانی وجود روشن اور منور ہو جاتا ہے۔

نفس گزاری نہ کہ نفس شماری

قرآن مجید کی یہ آیت ایمانیات کے بعد ایثار اور بخشش کو روحانی ترقی کے لیے ضروری قرار دیتی ہے۔ دعوتی اور اصلاحی حکمتوں کا یہ خوبصورت فلاح نامہ تحریکوں کے لیے روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام کا درس خوبصورت درس ہے۔ وہ زبانی جمع خرچ کے رویوں کا معلم نہیں، عملی ایثار اور انفاق سے ایمانی زندگی کا عملی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ مسلمان کی روزی اکیلی اس کے لیے نہیں ہوتی، یتیم، مسکین،

مسافر، سائلین اور قیدی اس کی روزی میں حصہ مند ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنے کو دین کی اساسی تعلیم سمجھتا ہے۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا (172)۔

ایک خوبصورت نکتہ

آیت میں حاجت مندوں کے پانچ طبقات بیان کیے گئے ہیں: پہلے درجے میں وابستگان اور آبرو مند رشتہ دار ہیں، دوسرے طبقہ میں یتیم اور مسکین ہیں، تیسرے طبقے میں وہ ہیں جن کی ضرورتیں وقتی ہوتی ہیں مثلاً مسافرین ہیں، چوتھے طبقے میں سائلین ہیں، پانچویں وہ لوگ ہیں جن کی گردنیں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں، ضروری نہیں کہ وہ غلام ہی ہوں۔ قیدی اور مظلوم طبقہ جب حالات کی رسیوں میں جکڑ دیا جائے ان کی آزادی کے لیے کوشاں ہونا بھی قرآنی اخلاق ہے۔ جس کا معلم خود صحیفۂ نور ہے۔ یہ سارے کام صرف تلاوت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے عملی تحریک اور عملی اظہار ہی ان احکام کا حق ادا کر سکتا ہے (173)۔

نیکیوں کا تیسرا دروازہ

قرآن مجید نماز کو کتنی اہمیت دیتا ہے اس کا اندازہ اس آیت کی اس تیسری سکیم سے لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم کی یہ آیت نماز کو مومنین کے لیے روحانی غذا قرار دیتی ہے جس کی توانائی سے کراماتی نتائج کا ظہور ممکن ہو سکتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے نماز کا قیام انسان کے باطن کو پر جوش اور محبت مست بنا دیتا ہے، ذہن کو نشو و نما دینے کے لیے نماز مؤثر ذریعہ ہے۔ انسان کے اندر فلاحی توانائیاں مضمر ہیں انہیں تیز، متحرک اور مؤثر بنانے کے لیے نماز ضروری وسیلہ ہے۔

نیکیوں کا چوتھا پروگرام

قرآن مجید کی یہ آیت مومنین کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ یاد کرواتی ہے۔ مال خرچ کرنا ایک خوبصورت عادت ہے لیکن زکوٰۃ ادا کرنا کسی پر احسان نہیں یہ مسلمان کی مسلمانی نکھارنے کا ذریعہ ہے اور اس سے مال اور نفس دونوں صاف ہو سکتے ہیں۔

قرآن کا نیک شخص

قرآن حکیم کی یہ آیت نیکی کے خاکے میں رنگ بھر کے ایک مسلمان کی تصویر کو مکمل کر دیتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ اسلامی معاشرے کی تشکیل اور اجتماعی زندگی کے حسن کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسے کردار ابھارے جائیں جن میں یہ صفات بھر پور طریقے سے موجود ہوں:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

1۔ وہ عہد و وعدہ کو پورا کرنے والے ہوں

2۔ وہ امانتوں کو ادا کرنے والے ہوں

3۔ اور گھر سے لے کر ریاست تک ہر جگہ ایفائے عہد کی روح تابندہ رہے

قرآن مجید کی یہ آیت کردار کے گل سر سبد کو اور نکھار بخشتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ لوگ محرومی، فقر و فاقہ، مرض، رنج، مصیبت اور جنگ ہر حال میں صبر کرنے والے ہوتے ہیں ان کے جینے میں تقویٰ اور صدق کا حسن ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔

زندگی اللہ کا عطیہ ہے۔ ہم قرآن مجید کی تلاوت کردہ آیت کی روشنی میں اللہ کے اس عطیے کو نکھار دے سکتے ہیں۔ اسے بہتر استعمال کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات میں مخفی خزینے تلاش کر سکتے ہیں اور انسان کی انسانیت کو سربلند، توانا، پرخلوص اور منفعت خیز بنا سکتے ہیں۔ ضرورت ایمان، کوشش، عمل اور تحریک کی ہے کم از کم مسلمانی کا تقاضا تو یہی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى ؕ اَلۡحُرُّ
بِالۡحُرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى بِالۡاُنۡثٰى ؕ فَمَنۡ عُفِىَ لَهٗ مِنۡ اَخِيۡهِ
شَىۡءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ
مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۸﴾
وَلَكُمۡ فِى الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

(178) اے ایمان والو! تم پر فرض کر دیا گیا کہ قصاص قائم کرو قتل ہو جانے والوں کے معاملہ میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ہاں اگر معافی ہو جائے اُس کے لیے اُس کے بھائی کی طرف سے تھوڑی بہت تو قبول کرو دستور کے مطابق اور جو کچھ ادا کرنا ہو اُسے نیکی سمجھتے ہوئے کرے، یہ تخفیف ہے تمہارے ربّ کی طرف سے اور رحمت ہے اس کے بعد بھی اگر کسی نے زیادتی کی تو اُس کے لیے دردناک عذاب ہے

(179) اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل رکھنے والو اور اس سے تم تقویٰ کا نظام بھی قائم رکھ سکتے ہو

مفردات

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ لوگو جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہو
كُتِبَ: لکھ دیا گیا یعنی فرض کیا گیا
عَلَيۡكُمُ: تم پر
الۡقِصَاصُ: بدلہ
فِى: میں
الۡقَتۡلٰى: مقتولین
اَلۡحُرُّ: آزاد
بِالۡحُرِّ: بدلے آزاد کے
وَالۡعَبۡدُ: اور غلام
بِالۡعَبۡدِ: بدلے غلام کے
وَالۡاُنۡثٰى: اور مؤنث
بِالۡاُنۡثٰى: بدلے عورت کے
فَمَنۡ: تو جو
عُفِىَ: معاف ہو جائے
لَهٗ: اس کے لیے
مِنۡ: سے
اَخِيۡهِ: اپنے بھائی کی طرف سے
شَىۡءٌ: کچھ
فَاتِّبَاعٌ: تو پیروی ہے
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: دستور کی
وَاَدَآءٌ: اور ادائیگی ہے
اِلَيۡهِ: اس کی طرف
بِاِحۡسَانٍ: اچھے طریقے سے
ذٰلِكَ: وہ
تَخۡفِيۡفٌ: کمی کر دینا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى ؕ اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَ الۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى بِالۡاُنۡثٰى ؕ فَمَنۡ عُفِىَ لَهٗ مِنۡ اَخِيۡهِ شَىۡءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۸﴾

”اے ایمان والو! تم پر فرض کر دیا گیا کہ قصاص قائم کرو قتل ہو جانے والوں کے معاملہ میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ہاں اگر معافی ہو جائے اُس کے لیے اُس کے بھائی کی طرف سے تھوڑی بہت تو قبول کرو دستور کے مطابق اور جو کچھ ادا کرنا ہو اُسے نیکی سمجھتے ہوئے کرے، یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے اس کے بعد بھی اگر کسی نے زیادتی کی تو اُس کے لیے دردناک عذاب ہے“۔

قرآن مجید اللہ کا دیا ہوا نظام ہے جو قتل کو انتہائی بھیانک، خوفناک اور انسانیت سوز تصور کرتا ہے۔ اسلامی نظام میں یہ بہیمیت کی علامت ہے۔ قرآن مجید اللہ کی طرف سے ”قصاص“ یعنی بدلے کا قانون متعارف کرواتا ہے اور الفاظ میں احساسِ مسئولیت اور احتساب کو اجاگر کرتا ہے اس طرح کہ ایمان والو! یہ تمہارے لیے خدا کا مشورہ نہیں ہے اس کا حکم ہے کہ تم پر مقتولین کے معاملے میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل بھی بیان کی گئی کہ آزاد کا بدلہ آزاد ہوگا اور غلام کا بدلہ غلام ہوگا اور عورت اگر مقتولہ ہے تو اس کا بدلہ عورت ہی سے ہوگا۔

قرآنی آیت قانونی مراحل کی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں کرتی بلکہ بے دھڑک نرمی اور معافی کی صورت بھی واضح کر دیتی ہے کہ مجرم کو قصاص میں قتل کرنے کے عوض مقتول کے ورثاء دیت قبول کرنے پر راضی ہو جائیں اس صورت میں انہیں چاہیے ہوگا کہ وہ باہم رضامندی اور معروف اصولوں کے مطابق دیت کی رقم طے کریں۔ قاتل اور اس کے رشتہ داروں کو چاہیے کہ وہ انتقام کی آگ تیز کرنے کی بجائے راستی اور حسن و خوبی کے ساتھ دیت ادا کریں تا کہ کسی حد تک دلوں کی کدورتوں کا ازالہ ہو سکے اور معاشرہ میں استواری پیدا ہو۔

اسلام کے قانون قصاص میں زمانۂ جاہلیت کی فاسد روشِ حیات کو غلط قرار دیا گیا۔ وہ لوگ بدلے میں کسی قسم کی برابری کے قائل نہیں تھے۔ وہاں آج کی ماڈرن جاہلیت کی طرح ایک شخص

مفردات

مِنۡ: سے
رَّبِّکُمۡ: تمہارا ربّ
وَرَحۡمَۃٌ: اور رحمت
فَمَنِ: تو جو
اعۡتَدٰی: زیادتی کرے
بَعۡدَ ذٰلِکَ: اس کے بعد
فَلَہٗ: تو اس کے لیے
عَذَابٌ: سزا ہے
اَلِیۡمٌ: دردناک

کے بدلے سینکڑوں لوگوں کو خون میں تڑپا دیا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے قصاص کا قانون بیان کرتے ہوئے معافی کے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ عفو و درگزر کا راستہ خود کھولا بلکہ قانون بیان کرتے ہوئے ''اَخِیۡہِ'' کا لفظ عواطف ہمدردی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا۔ قرآن مجید نے معاملہ کو ادھر ہی نہیں چھوڑا بلکہ سختی سے طرفین کو یہ بات سمجھائی کہ زیادتی اور تجاوز کی راہ کوئی فریق نہ اپنائے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ احکام معاشرتی افراط و تفریط کے رویوں کو اعتدال پر لانے کے لیے صادر کیے گئے۔

سید قطب نے خوبصورت لکھا (174):

> ''قصاص اور دیت کے قانون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کس قدر وسیع نقطۂ نظر کا حامل ہے اور قانون سازی کے وقت نفس انسانی کے محرکات پر اس کی پوری نظر ہے۔ خدائے برتر نے انسان کی فطرت میں جو رجحانات ودیعت کیے ہیں ان کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ خون دیکھ کر فطرتاً خون کھول اٹھتا ہے۔ اسلام نے اس کا تقاضا قانونِ قصاص کے ذریعہ پورا کیا۔ دلوں کے اندر جو انتقام کے لیے گھٹن ہوتی ہے اسے دور کر دیا۔ اسلام ان تدابیر کے باوجود معاف کرنے کو پسند کرتا ہے اس کے لیے بھی دروازہ کھول دیا لیکن گرہ مقتولین کے ورثاء کے ہاتھ میں دے دی''۔

قتل کے معاملہ میں اگر صورت حال یہ ہو کہ مقتول ایک ہو اور قاتل زیادہ ہوں تو سب پر قانونِ قصاص جاری ہوگا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک لڑکے کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر اس قتل میں تمام صنعا والے شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا (175)۔

ایسے ہی اگر ایک مرد عورت کو قتل کر ڈالے تو قصاص میں اس مرد کو قتل کیا جائے گا (176)۔

آیت قصاص کا مقصد یہ ہے کہ معاشرتی استواری کے لیے ایک تو قصاص کو نظر انداز نہ کیا جائے، دوسرا زیادتیوں کے دروازے بند کیے جائیں اور زندگی کو منظم کیا جا سکے۔

مفردات

وَ: اور
لَكُمۡ: تمہارے لیے
فِي: میں
الۡقِصَاصِ: بدلہ
حَيٰوةٌ: زندگی
يّٰٓاُولِي الۡاَلۡبَابِ: اے اصحاب عقل
لَعَلَّكُمۡ: تا کہ تم
تَتَّقُوۡنَ: تقویٰ کی راہ چلو یا قتل اور ترک قصاص سے بچتے رہو

وَلَكُمۡ فِي الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

''اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل رکھنے والو اور اس سے تم تقویٰ کا نظام بھی قائم رکھ سکتے ہو''۔

قرآن حکیم کہتا ہے اے عقل والو! تمہارے لیے ''قصاص'' میں زندگی ہے اور ایسے راستے کی نشاندہی جس پر تم چل کر بچ سکتے ہو۔ سمجھنے والی بات تو یہ ہے کہ ''لبّ'' اور عقل کیا چیزیں ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ اس قانون کو کوئی لبیب شخص ہی سمجھ سکتا ہے اور قرآن آواز ''اُولِي الۡاَلۡبَابِ'' ہی کو مار رہا ہے۔

لفظ کا اساسی معنیٰ کسی بات پر جما رہنا ہوتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے کام کاج میں لگا رہے وہ ''رجل لَبّ'' ہوتا ہے۔ ''اللب'' وہ ہوتا ہے جو کسی امر پر قائم رہے۔ ابن فارس نے اس لفظ کے تین اساسی معانی لکھے ہیں:

1۔ جمع رہنا اور ساتھ لگا رہنا
2۔ مصروف اور مگن رہنا
3۔ خالص اور عمدہ ہونا

''لبیک'' میں بھی ''لبّ'' ہے یعنی کسی کی غلامی، خدمت اور بندگی کو اپنے اوپر لازم کر لینا۔ ''لب'' عقل ہوتی ہے۔ صاحب محیط نے لکھا کہ یہ لفظ سریانی یا عبرانی کا ہے۔ ''لِبو'' یا ''لِب'' اس کی اصل ہے۔ یہ ڈھکا ہوا ہونا، اس لیے دل کو بھی ''اللّب'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ ''لبیب'' وہ ہوتا ہے جو آمیزش سے پاک ہو۔ لفظ مفاہیم اور مطالب کا گلدستہ یہ کیفیت اختیار کر لیتا ہے (177):

1۔ جمع ہو جانا
2۔ لاگو کر دینا
3۔ مشغول اور مگن ہونا
4۔ استقامت اختیار کر لینا
5۔ خالص اور عمدہ ہونا
6۔ دل والا ہونا
7۔ دل والا بنا دینا
8۔ محفوظ ہونا اور ڈھکا ہوا ہونا

9۔ آمیزش سے پاک ہونا

10۔ پیروی کرنا اور معتدل ہونا

11۔ غلامی کا خالص جذبہ

12۔ اور عقلمند ہونا

13۔ احساسات کا عروج

14۔ جذبات کی معقولیت

15۔ کسی کے قدموں میں بیٹھ جانا

16۔ وہ شخص جو حقیقت تک رسائی حاصل کر لے

دوسری چیز جو سمجھنے والی ہے وہ زندگی اور حیات ہے۔ قرآن حکیم جو کہتا ہے کہ عقل وعشق والو! حیات ''قصاص'' کے قائم کرنے میں ہے۔ ایک مقتول ہو تو قصاص قائم کرنا باعث حیات ہوتا ہے۔ جب قومیں مقتول ہوں، صداقت مآب تہذیب قتل گاہوں میں اوندھی پڑی ہو، ضمیروں کو تہ تیغ کر دیا گیا ہو، اقدار کو نذر آتش کر دیا گیا ہو، شعار کو سمندر برد کرنے کی کوشش ہو، صحیفوں میں آمیزش کے لیے تنظیمیں بن رہی ہوں، اس میں بھی تو قصاص واجب ہوگا۔ ہمیں ماضی سے شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کو جولانگاہ موت وحیات میں قصاص کی فکر کرنی چاہیے۔ علوم کی وہ محفلیں جو عقل سے روشن تھیں جہل کے ہاتھوں تاریک ہوگئی ہیں۔ عشق حقیقی کے رقص کدے بے ہوشی کا شکار ہیں، غفلتیں دندناتی پھر رہی ہیں۔ خوابوں کے محل جنہیں راتوں نے سجایا تھا بیداری نے ویران کر دیے ہیں۔ قانون کی قدرگاہیں مقتول پڑی ہیں۔ دہشت گردی رقص کناں ہے۔ اعمال کے مدارس نیند کی آغوش میں مستاں خراٹے بھر رہے ہیں۔ عزائم کی مسجدوں سے چیخیں ابھر رہی ہیں اور اللہ اللہ کروانے والوں کی خانقاہوں کو کلوروفارم سونگھا دی گئی ہے، آؤ! دشمن تلاش کرتے ہیں اور ان ظالم خون خوار دشمنوں سے قصاص کی فکر اپناتے ہیں۔ یہ ایسے قتل ہیں جو سو اونٹوں کے بدلے معاف نہیں کیے جاسکتے اور نہ ہی چھتیس سیر اور چھتیس تولے چاندی اور آٹھ ماشے خون بہا بن سکتا ہے یقیناً ہزار دینار بھی اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ جیسے آزاد کا بدلہ آزاد ہے اور غلام کا بدلہ غلام ہے، قوم کا بدلہ قوم ہو سکتی ہے اور مسلمانوں کا بدلہ کافروں سے لیا جا سکتا ہے۔ معافی کی صورت ایک ہی ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

تیسرا مسئلہ ہے کہ آیت کی فقہی تعبیر یہی ہے کہ دس الفاظ پر مشتمل انتہائی فصیح اور بلیغ آیت بڑی عمدگی اور حسن سے نشاندہی کرتی ہے کہ اسلامی قصاص میں کسی قسم کا انتقامی پہلو نہیں بلکہ یہ حیات اور زندگی کی طرف کھلنے والا ایک دریچہ ہے۔ وہ ممالک جہاں قصاص کا قانون نہیں وہاں قتل کی وارداتیں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ سنگ دلوں، ظالموں اور قاتلوں سے رورعایت موت ہے اور معاشرے کو ایسے یزیدوں سے بچانا سراسر حیات اور زندگی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۭ ﴿١٨٠﴾
فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۭ ﴿١٨١﴾
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ ع

(180) تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کسی ایک پر موت آئے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو تو وصیت کر دے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق یہ ضروری ہے اُن لوگوں کے لیے جن میں تقویٰ ہو

(181) ہاں تو جس نے وصیت کو سننے کے بعد اُسے تبدیل کر دیا تو اُس کا گناہ اُن سب پر ہوگا جو تبدیل کرنے کے عمل میں شریک ہوں گے بے شک اللہ سننے والا خوب جاننے والا ہے

(182) جو خوف محسوس کرے وصیت کرنے والے کے بارے میں طرفداری یا بددیانتی کا تو سب میں معاملہ کو سدھار دے ایسی پیش بندی میں کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے

مفردات

كُتِبَ: لکھ دیا گیا
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
اِذَا: جب
حَضَرَ: آئے
اَحَدَكُمُ: تم میں سے کسی ایک کے پاس
الۡمَوۡتُ: موت
اِنۡ: اگر
تَرَكَ: چھوڑا اُس نے
خَيۡرًا: مال
الۡوَصِيَّةُ: وصیت کرنا ہے
لِلۡوَالِدَيۡنِ: والدین کے لیے
وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ: اور رشتہ داروں کے لیے
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: دستور کے مطابق، اچھے طریقے سے
حَقًّا: حق ہے
عَلَى: پر
الۡمُتَّقِيۡنَ: ڈرنے والوں

كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرًا ۖۚ الۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ؁۱۸۰

''تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کسی ایک پر موت آئے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو تو وصیت کر دے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق یہ ضروری ہے اُن لوگوں کے لیے جن میں تقویٰ ہو''۔

''كُتِبَ'' کا لفظ فرض کیے جانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ''عَلَيۡكُمۡ'' میں خطاب ایمان والوں ہی سے ہے۔ وصیت عربی زبان میں ہر اُس ہدایت اور نصیحت کے لیے استعمال ہونے والا کلمہ ہے جو بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کے لیے ہو، ضروری نہیں کہ یہ ہدایت موت کے وقت ہو، عام حالات میں بھی دی جانے والی ہدایت وصیّت ہو سکتی ہے۔ علامہ محمد العثیمین اپنی تفسیر الکنز العثیمین میں لکھتے ہیں کہ آیت میں وصیت مصدری معنوں میں استعمال ہوا ہے اور کلام میں اپنے فعل سے فاصلہ پر ہے اس وجہ سے مؤنث اور مذکر ہونے کا لحاظ نہ تو فعل میں ضروری ہوا اور نہ ہی بعد کی ضمیروں میں ضروری سمجھا گیا (178)۔

امین اصلاحی کا تجزیہ مناسب ہے کہ آیت میں دو شرطیں لگائی گئیں: ایک یہ کہ آدمی وصیّت اُس وقت کرے جب موت اُسے قریب نظر آئے اور دوسری یہ کہ وہ کچھ مال پیچھے چھوڑ رہا ہو۔ پہلی شرط کا ذکر ''اِذَا'' کے ساتھ ہوا اور دوسری شرط کا ذکر ''اِنۡ'' کے ساتھ ہوا۔ دونوں پہلوؤں کی رعایت یہ حکمت رکھتی ہے کہ جو چلتی پھرتی زندگی میں وصیّت کر دیتے ہیں بسا اوقات الجھنیں انہیں گھیر لیتی ہیں اور جو لوگ مال رکھتے ہوئے وصیّت سے گریز کرتے ہیں، ایسے بھی ہوتا ہے کہ وہ پیچھے جھگڑے چھوڑ جاتے ہیں (179)۔

روح البیان کی خوبصورت حکایت

موت کے وقت ایک شخص نے اپنی اولاد کے لیے وصیّت کی۔ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو آپ نے اُس شخص سے پوچھا تمہارے پاس کس قدر مال ہے؟ اُس نے عرض کی صرف تین ہزار، آپ نے استفسار کیا اولاد کتنی ہے؟ وہ عرض کرنے لگا چار افراد، اُم المومنین نے فرمایا کہ خیر مال کثیر کو کہتے ہیں جب کہ تمہارا مال کم ہے اس لیے اسے ورثاء کے لیے چھوڑ دو (180)۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ خیر اُس مال کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں (181):

(1) طبیعت اُس کی طرف رغبت کرے (2) اس کا نفع مسلّمہ ہو

(3) اس میں کوئی شر کا پہلو نہ ہو

مفردات

فَمَنۡ: تو جو شخص
بَدَّلَهٗ: تبدیل کرے اُسے
بَعۡدَ: بعد
مَا: جو
سَمِعَهٗ: سنا اُسے
فَاِنَّمَآ: تو نہیں سوائے اس کے
اِثۡمُهٗ: گناہ اُس کا
عَلَى: پر
الَّذِيۡنَ: ان لوگوں
يُبَدِّلُوۡنَهٗ: اُسے تبدیل کرتے ہیں
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
سَمِيۡعٌ: بہت سننے والا
عَلِيۡمٌ: جاننے والا

خیر کا اطلاق صرف مال پر نہیں ہوتا یہ افعال حسنہ کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ یوں ہی اچھی سوچیں بھی خیر ہو سکتی ہیں۔ آیت میں ''حَقًّا'' مفعول مطلق ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ یہ وصیّت ان ڈرنے والوں پر لازم ہے جو مال کو ضائع کرنے اور قریبی رشتہ داروں کو محروم کرنے سے بچتے ہیں۔ آیت میں ''معروف'' کا لفظ دستور کے لیے مستعمل ہے جو بذات خود تلقین ہے کہ کوئی وصیت آئین و شریعت کے منافی نہیں ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ﴿۱۸۱﴾

''ہاں تو جس نے وصیت کو سننے کے بعد اُسے تبدیل کر دیا تو اُس کا گناہ اُن سب پر ہوگا جو تبدیل کرنے کے عمل میں شریک ہوں گے بے شک اللہ سننے والا خوب جاننے والا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں وصیّت کو نافذ کرنے کی راہ میں جو رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں ان کا ازالہ کیا گیا ہے۔ آیت میں مضمون کی نوعیت روحانی اور نفسیاتی ہے۔ کسی آدمی کے دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد وصیّت کو نافذ کرنے کے لیے روحانی اور اخلاقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کہ وصیّت کرنے والا دُنیا سے جا چکا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص مفادات اور اغراض فاسدہ کا شکار ہو جائے تو وہ وصیّت میں تبدیلی لا سکتا ہے اس لیے قرآن حکیم نے تبدیلیاں لانے والے کو مجرم قرار دیا ہے اور دوسری طرف جو دنیا سے وصیّت کر کے چلا گیا اُسے تبدیلی کی صورت میں بری قرار دے دیا گیا (182)۔

آیت یہ بھی بتلاتی ہے کہ وصیتوں میں ہر قسم کا تغیر اور تبدل بد امانتی ہوتی ہے البتہ ہر قانون میں کچھ استثنائی پہلو ضرور ہوتے ہیں مثلاً قانونِ وراثت کے مطابق وصیت میں اصلاح کر دینا اور وصیت کو صرف تہائی مال میں نافذ کرنا یا پھر موصی کا وصیت کسی ایسی چیز میں کر دینا جو جائز نہ ہو مثلاً شراب، خنزیر اور کسی گناہ کی وصیت کر دینا ایسی صورت میں اصلاح اور تبدیلی جائز ہوگی (183)۔

ایک اہم بات

قرآن مجید میں وصیّت کی آیات یہ حکمت بھی بیان کرتی ہیں کہ قانون اسلام کی جامعیت معاشرے کو زیر و زبر ہونے سے بچاتی ہے اور ایک حد تک دنیا سے جانے والے کی آرزوؤں کو ادھورا نہیں چھوڑتی۔ ایک طرف اُس کی خواہشات کا بھی احترام کرتی ہے اور دوسری طرف اس قانون کو بھی درہم برہم نہیں ہونے دیتی جو اللہ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے عطا فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے مال کے تیسرے حصّے کے متعلق کوئی پروگرام چھوڑ سکتے ہیں اگر جذبہ یہی ہو تو معاملات کو مجہول چھوڑنے کی بجائے وصیّت سے مستحکم کرنا زیادہ بہتر ہو سکتا ہے۔

مفردات

آیت کے آخر میں اللہ تعالی کی دوصفات لائی گئی ہیں:

- ایک اس کا سمیع ہونا اور دوسرا اس کا علیم ہونا۔ دونوں کا تعلق وصیّت کے ساتھ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس کا کوئی فعل اللہ کے علم میں نہیں۔ جب ہر چیز اُس کے علم میں ہے اور وہ ہر ایک کی سننے والا بھی ہے تو آج وصیتوں کو محفوظ رکھا جائے ان میں تبدیلی نہ لائی جائے۔ انہیں اپنی روح کے ساتھ نافذ کیا جائے تاکہ اللہ کی نظر اور حمایت حاصل ہو اور ظلم سے بچا جاسکے۔
- دوسرا یہ کہ آیت کے آخر میں اللہ کا ذکر تلقین کر دیا گیا تاکہ اُس کے ذکر کی برکت سے آیات اور احکام پر عمل آسان ہوجائے۔ واللہ اعلم

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۸۲﴾

''جوخوف محسوس کرے وصیت کرنے والے کے بارے میں طرف داری یا بددیانتی کا تو سب میں معاملہ کو سدھار دے ایسی پیش بندی میں کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں وصیّت کے قانون کو معاشرتی اعتبار سے جو چیزیں غیر مؤثر بنادیتی ہیں ان کا حوالہ قائم کر کے قاریٔ قرآن کو قیام عدل کی تحریص دلائی گئی ہے۔ عدل وانصاف سے انحراف وصیّت کی معنویت اور روحانیت دونوں کو برباد کر دیتا ہے۔ ''اِثۡمَ'' ایسے گناہ کو کہتے ہیں جو بربادی کو ایٹمی آگ کی طرح روح تک جا پہنچا تا ہے اور جنبہ داری دراصل نفس کی رذالت اور کمینگی کا دوسرا نام ہے۔ ''جَنَفًا'' یہ ہوتا ہے کہ ترکہ ورثاء میں سے بعض کو حاتم طائی بن کر نواز دینا اور بعض حق داروں کو محروم کر دینا اور ''اِثۡمَ'' کی بہت ساری صورتیں ہیں۔ مال کو حرام اور گندگی کی باتوں میں کھپانے کی وصیّت کرنا جس سے شیطانی رجحانات کو تقویت ملے اور اسلام کی روحانی تعلیمات کو نقصان پہنچے۔

قرآن مجید میں ''فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ'' کے الفاظ اسلام کے اصلاحی مزاج کا پرچم بلند کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ اصطلاح مالی امور میں کئی ایک بے اعتدالیوں کا دروازہ بند کر دینے کی تحریص دلاتی ہے۔ آیات وصیت میں تین اصطلاحیں معنیٰ خیز ہیں جو معاشرے کو ترقی کا مستحکم منہاج عطا کرتی ہیں: (1) معروف (2) وصیت اور تیسری اصلاح معروف خیر اور خوبی کی ہر جہت کا احاطہ کرتی ہے۔

وصیت دوسروں کے لیے سوچ اور فکر کو گہرا اور منفعت خیز بناتی ہے اور اصلاح فساد اور بربادی کی ہر راہ کو بند کر کے معاشرتی استحکام اور تعمیر کی فضا بنانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

فَمَنۡ: تو جس شخص نے
خَافَ: خوف محسوس کیا
مِنۡ: سے
مُّوۡصٍ: وصیّت کرنے والے
جَنَفًا: جانب داری کا
اَوۡ: یا
اِثۡمًا: گناہ یا زیادتی
فَاَصۡلَحَ: تو اُس نے اصلاح کی
بَيۡنَهُمۡ: اُن کے درمیان
فَلَاۤ: تو نہ ہوگا
اِثۡمَ: گناہ
عَلَيۡهِ: اس پر
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
غَفُوۡرٌ: بخش دینے والا
رَّحِيۡمٌ: مہربان

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ
اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ
فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

(183) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیے گئے ہیں جیسے کہ فرض کیے گئے تم سے پہلے لوگوں پر اُن کی فرضیت تمہیں پرہیزگار بنانے کے لیے ہے

(184) یہ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں البتہ تم میں سے ایسا شخص جو بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو وہ دوسرے ایام میں سے روزے پُورے کرلے اور وہ لوگ جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیں، جو نیکی میں اس سے بھی زیادہ آگے بڑھے تو اُس کے لیے بہتر ہے یہ اور تمہارے لیے روزے رکھنے ہی بہتر ہیں اگر سوجھ بوجھ رکھتے ہو

مفردات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ ﴿۱۸۳﴾

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جیسے کہ فرض کیے گئے تم سے پہلے لوگوں پر اُن کی فرضیت تمھیں پرہیز گار بنانے کے لیے ہے''۔

اہل ایمان کو خطاب

اہل ایمان کو مخاطب کرنے میں چند معارف ہیں:

- قرآن مجید میں اللہ اور رسول کے بعد عزتوں اور تکریمات کا مرجع ایمان والوں کو قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کرکے انہیں عزت سے نوازا ہے۔
- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید کہتا ہے کہ جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرنے والے ہیں، انہیں ''ایمان والو!'' کہہ کر خطاب کرنا ان کی محبتوں کا اعتراف ہے، معنیٰ یہ ہوا کہ کہا گیا اے محبت کرنے والو! جس راہ تم چلے ہو تمہاری عظمتوں اور فضیلتوں کی آبیاری کے لیے تمہیں روزے کا حکم دیا جا رہا ہے اس لیے تمہارے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، راہ محبوب میں خارا شگافی کی تم خوگر قوم ہو، وہ قوم جو محبوب کے لیے شہادتوں کی خون رنگ قبائیں پہن سکتی ہے اس کے لیے صبح سے شام تک بھوک سے رہنا کون سا دشوار کام ہے۔
- تیسرا نکتہ نسبت کا اعتراف ہے اس لیے کہ نسبت نہ ہو تو ہر شئ ذرۂ حقیر کی حیثیت رکھتی ہے اور نسبت فضیلت مآب ہو تو ذرۂ ناچیز بھی رشک قمر ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے نسبت ایمانی سے مسلمانوں کو مخاطب کرنا انہیں احساس دلانا ہے کہ تم معمولی لوگ نہیں تمہاری آنکھوں میں نجف اور مدینہ کی خاک کا سرمہ ہے، تمہیں اپنی تاریخی نسبتوں کو یاد رکھنا ہے۔ یادوں کا یہ ادراک ہی تمہارے لیے بندگی کو آسان کر دے گا۔
- چوتھا نکتہ روحانی شعور کو بلند کرنے کا ہے کہ کسی شخص کو آواز دینا اس کی بیداری کا سبب بنتا ہے، غفلت کے پردے چاک ہوتے ہیں اور روحانی طور پر بندہ مستعد ہو جاتا ہے اور تشویقات اور احساسات کی بیداری عمل کے جذبے کو سریع کر دیتی ہے۔
- پانچواں نکتہ یہ ہے کہ محبوب کی آواز چاہتوں کی راہ میں پہنچنے والی ہر مصیبت کو خوشگوار کیفیات سے تبدیل کر دیتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول کتنا خوبصورت ہے کہ اللہ

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ لوگو
اٰمَنُوۡا: جو ایمان لائے
كُتِبَ: فرض کر دیے گئے
عَلَيۡكُمُ: تم پر
الصِّيَامُ: روزے
كَمَا: جیسا کہ
كُتِبَ: فرض ہوئے، لکھ دیے گئے
عَلَى: پر
الَّذِيۡنَ: ان لوگوں
مِنۡ: سے
قَبۡلِكُمۡ: تم سے پہلے
لَعَلَّكُمۡ: تا کہ تم
تَتَّقُوۡنَ: متقین بن جاؤ

کی طرف سے ’’اے ایمان والو!‘‘ کا خطاب عبادت کی تھکان، سختی اور مشقت کو ختم کر دینے والا ہے(184)۔

- چھٹا نکتہ یہ ہے کہ حرف ندا وضعاً بُعد کے لیے ہے اور مجازاً قرب کے معنوں میں استعمال ہوجاتا ہے۔ روزہ کا حکم دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حرف ندا ایمان والوں کو آواز دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان والو اگر تم محبت میں بُعد ختم کر کے میرے نزدیک ہونا چاہتے ہو تو روزے رکھو تمہیں تقرب سے نواز دیا جائے گا۔
- ساتواں نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ’’یا‘‘ حرف ندا حکماً یا مجازاً قرب کے لیے مستعمل ہے تو دریں صورت تعبیر یہ ہوگی ایمان کے وسیلہ سے میرے قریب ہونے والو! تم روزے رکھ کر وصل کی یہ لذتیں پائیدار اور دائمی بنا سکتے ہو۔
- آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ آیت کا روحانی انعام تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ’’اے ایمان والو‘‘ کہہ کر دعوت دی ہے کہ تم تقویٰ کے صحیح معنوں میں خواستگار ہو تو صائم ہو جاؤ اللہ تمہیں کردار کی دولت عطا فرمادے گا۔
- نواں نکتہ یہ ہے کہ ’’ایمان والو!‘‘ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امن کے انعام کی طرف راغب کیا ہے کہ یہ امن کی گھڑیاں جو تمہیں میسر ہیں تمہیں عبادت صوم کر کے شکر گزار رہنا چاہیے۔
- دسواں نکتہ یہ ہے کہ پہلی آیتوں میں مالی احکام اور اوامر سے نوازا گیا ہے اس آیت میں ’’ایمان والو‘‘ کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے کہ معاشی منزل ایمان اور عبادت کے بغیر ممکن نہیں اس لیے تمہاری تربیت کا تقاضہ یہ ہے کہ روزہ دار بن جاؤ۔

صوم کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

’’صیام، صوم‘‘ کی جمع ہے اس کا لغوی معنیٰ روکنا ہوتا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ’’صیام، صامٗ‘‘ کا مصدر ہے۔ یہ قیام کی طرح ہے۔ لغت میں اس لفظ کا معنیٰ کسی چیز کو چھوڑ دینا ہوتا ہے، اسی لیے خاموش رہنے اور سکوت اختیار کرنے کو ’’صوم‘‘ کہتے ہیں۔ ہوا جب رک جائے تو کہتے ہیں کہ ’’صامت الریح‘‘ ہوا رک گئی ہے(185)۔ ’’صام الفرس‘‘ کا معنیٰ ہوتا ہے گھوڑا کھڑا ہوگیا۔ ’’مصام الشمس‘‘ اُس وقت کو کہتے ہیں جب سورج نصف النہار پر پہنچ جائے(186)۔

شریعت کی اصطلاح میں ’’صوم‘‘ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع وغیرہ

سے اس حال میں رک جانا ہوتا ہے کہ صائم کو روزے کا علم ہو اور اُس نے نیت بھی کر لی ہو (187)۔

تم سے پہلے لوگوں پر روزہ کی فرضیت

اس آیۂ کریمہ میں ایمان والوں پر روزہ فرض کیا گیا تو ساتھ یہ حوالہ دیا گیا کہ تم پر روزے فرض ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے، اس میں تین حکمتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی حکمت

روزے کی فرضیت انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے ہر آسمانی مذہب کی حامل ملت پر روزے فرض رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مختلف مذاہب میں تقاضوں اور ادوار کے بدلنے سے شریعتیں بدلتی رہیں لیکن وہ احکام نہیں بدلے جو انسانی فطرت کے تقاضے تھے۔ روزے کا وجوب تو فطری تقاضا ہے لیکن پہلی قوموں کا حوالہ مسلمانوں کو تاریخ سے مربوط کر دینا ہے۔

دوسری حکمت

مسلمانوں کی دل جوئی کی گئی کہ روزہ کی فرضیت ان پر بار گراں ثابت نہ ہو، کہا گیا کہ یہ صرف تم پر فرض نہ کیا گیا بلکہ سابقہ اُمتوں پر بھی فرض رہا (188)۔

تیسری حکمت

اگر کوئی کام کسی کے سامنے پہلے کر کے دکھا دیا جائے تو بعد میں وہ کام کرنے والوں کے لیے سہولت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ آسانی کے ساتھ وہ کام کر لیتے ہیں۔

روزہ تقویٰ کا سرچشمہ

قرآن مجید کی یہ آیت روزہ رکھنے کے روحانی اثرات اور کردار کی تشکیل میں اس کا مؤثر ہونا بیان کرتی ہے۔ روزہ انسان کے مزاج اور طبیعت سے کثافت کو دور کرتا ہے اور روح انسانی کو لطیف بناتا ہے۔ مفاسد اعمال میں تباہ کر دینے والی چیزیں بدعقیدگی، شہوات اکل وشرب میں بداعتدالی اور جنسیت میں ہیجان اور آوارگی ہے۔ روزہ ان سب مفسدات کو کنٹرول میں لے لیتا ہے اور بدن میں روحانیت کی پیاس بڑھا دیتا ہے اور انسانوں کی روح اور جان کو مشقتوں کا خوگر بنا دیتا ہے۔ چند روزے ہی رکھنے کے بعد روزہ دار خود کو تجربوں کی جولا نگاہ میں محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ نور وضیاء کا ماحول جنت بن کر اُسے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ روزہ کے اسی کردار کو حضور ﷺ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''الصوم جنه'' روزہ ڈھال ہے (189)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

آگ کی تپش، بدعملی کی حرارت، جنسیت کی لو اور بے اعتدالی کی دوزخ سب کے سامنے روزہ ڈھال بن جاتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ سے حدیثِ قدسی مروی ہے کہ ربّ فرماتا ہے(190): الصوم لی وانا اجزی به ''روزہ میرے لیے رکھا جاتا ہے اور میں خود اپنے ہاتھوں سے اس کی جزا دیتا ہوں یا میں خود ہی اس کی جزا بن جاتا ہوں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روزے کے اثرات اور اعجاز پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے تھے(191):

''اللہ نے روزے کو شریعت میں اس لیے داخل فرمایا تاکہ
لوگوں میں اخلاص کی روح پرورش پانے لگ جائے''۔

شیطان کا منہ کالا کر دینے والی اس عبادت سے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے(192):

''بہشت کا ایک دروازہ ریّان ہے اس میں سے روزہ دار
ہی جنت میں داخل ہوسکیں گے''۔

نوجوانوں کے نام حضور ﷺ کا ایک خطبہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا(193):

یامعشر الشباب!

من استطاع منکم البآءة

فلیتزوج

فانه اَغَضُّ للبصر

واحصن للفرج

ومن لم یستطع فعلیه الصوم

فان الصوم له وجآءٌ

''اے نوجوانو!
تم میں سے جس کی طاقت ہو گھر بسانے کی
وہ شادی کرکے ضرور گھر آباد کرے
اس لیے کہ شادی آنکھوں کو گناہ سے بچا لیتی ہے
اور شرم گاہ کو زنا سے محفوظ کر لیتی ہے
اور جو شادی کرکے گھر بسانے کی طاقت نہ رکھتا ہو

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے اس لیے کہ روزے کا مقصد ہی یہ خوبیاں پیدا کرنا ہے"۔

روح البیان کے نسخے

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں شہوت کو توڑ دینے والی ہیں (194):

(1) دن کو روزہ رکھنا

(2) رات کو عبادت کے لیے قیام

(3) شہوات بھری چیزوں کا ترک کرنا

(4) جنسی تصورات کو متروک کر دینا

(5) نفس امارہ کو باطل خیالات سے بچانے کے لیے ذکر اللہ کی طرف مائل کر دینا۔

علامہ اسماعیل حقی ہی پانچ اہتمامات شہوات کو کنٹرول کرنے کے لیے تلقین فرماتے ہیں:

(1) نفس کو مشقت اور غم کے مواقع میں مشغول رکھنا

(2) موت کو کثرت سے یاد کرنا

(3) نفس کو فنائے دنیا کا احساس دلاتے رہنا

(4) دھیرے دھیرے نفس کی روحانی تربیت میں لگے رہنا

(5) کثرت کے ساتھ عبادت میں مشغول رہنا

پیرومرشد کا ارشاد

میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے دل کے سکون اور میرے مشفق، ناصح اور محسن حضرت لالہ جی جمشید علیہ الرحمہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگ جو اللہ کی رضا کی خاطر صوم داؤدی کا اہتمام فرماتے ہیں یا کم از کم رمضان ہی کے روزے اہتمام اور آداب سے رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ کی نعمت سے نوازتا ہے اور معرفت تامہ کی دولت عطا فرماتا ہے۔

طبیبوں کا تجربہ

روزہ انسان کو ان بیماریوں سے نجات عطا کرتا ہے (195):

(1) تپ دق (.T.B)

(2) خون کی کمی

(3) آنتوں میں سوزش کا ہونا اور پھر ان کا سوج جانا

(4) خارجی و داخلی قدیم پھوڑے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

اَيَّامًا: معلوم دن
مَّعۡدُوۡدٰتٍ: گنے چنے
فَمَنۡ: تو جو
كَانَ: ہو
مِنۡكُمۡ: تم میں سے
مَّرِيۡضًا: بیمار
اَوۡ: یا
عَلٰى: پر
سَفَرٍ: سفر
فَعِدَّةٌ: تو گنتی کرنا ہے
مِّنۡ: سے
اَيَّامٍ: دنوں
اُخَرَ: دوسرے
وَعَلَى: اور پر
الَّذِيۡنَ: ان لوگوں
يُطِيۡقُوۡنَهٗ: جو اس کی طاقت رکھتے ہیں
فِدۡيَةٌ: فدیہ اور بدلہ
طَعَامُ: کھانا
مِسۡكِيۡنٍ: ایک مسکین
فَمَنۡ: تو جو
تَطَوَّعَ: خوشی سے مزید بڑھا دے
خَيۡرًا: بھلائی
فَهُوَ: تو وہ
خَيۡرٌ: بہتر ہے
لَّهٗ: اس کے لیے
وَاَنۡ: اور اگر
تَصُوۡمُوۡا: تم روزہ رکھو
خَيۡرٌ لَّكُمۡ: تمہارے لیے بہتر ہے
اِنۡ كُنۡتُمۡ: اگر ہو تم
تَعۡلَمُوۡنَ: تم جانتے ہو

(5) عِرق النساء

(6) نقرس، اسے حکماء اور طبیب گنٹھیا کہتے ہیں

(7) استسقاء

(8) جوڑوں کا درد

(9) خراز، جلد کا گرنا

(10) امراض چشم

(11) گردوں کی بیماریاں

(12) امراض جلد

(13) امراض جگر وغیرہ

لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ

قرآن مجید کا دو لفظی اصلاح نامہ نفوس کے اندر سے میل کچیل دور کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور ان تمام مواقع سے بچنے کی تلقین کرتا ہے جو اسلامی کردار کے منافی ہیں اور روزہ کے عالمگیر روحانی اور معاشرتی اثرات کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ کسے انکار ہو سکتا ہے کہ روزہ فرض ہی اس لیے ہوا ہے کہ فقیر اور غنی کے درمیان مساوات قائم کرنے کے دواعیات اور تحریکات کو قوت ملے، اس لیے کہ غنی جب روزہ رکھے گا تو اُسے فقیر کی بھوک کا احساس پیدا ہو گا اور فقیر جب روزے رکھے گا تو سب سے بڑے غنی کے ساتھ اُس کا ربط ہو گا جو اپنے کرم سے اُس کے دنوں کو پھیر دے گا۔

واللہ اعلم

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝١٨٤

”یہ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں البتہ تم میں سے ایسا شخص جو بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو وہ دوسرے ایام میں سے روزے پُورے کر لے اور وہ لوگ جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیں، جو نیکی میں اس سے بھی زیادہ آگے بڑھے تو اُس کے لیے بہتر ہے یہ اور تمہارے لیے روزے رکھنے ہی بہتر ہیں اگر سوجھ بوجھ رکھتے ہو“۔

''اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ'' کی تفسیر

قرآن مجید کے ان الفاظ کی تشریح اور تعبیر میں چند مسائل ہیں:

- پہلا مسئلہ ''اَيَّامًا'' کے اعراب کا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے اس میں چار وجوہ نقل کی ہیں (196):
  - پہلی وجہ اس کا مفعول فیہ ہونا ہے
  - دوسری وجہ شیخ فراء نے نقل کی ہے کہ یہ نائب فاعل کی خبر ہے
  - تیسری وجہ اس کا بطور تفسیر منصوب ہونا ہے
  - چوتھی وجہ یہاں ''اَيَّامًا'' سے پہلے ''صوموا'' مقدر ہے
- دوسرا مسئلہ ''اَيَّامًا'' سے کون سے دن مراد ہونے کا ہے۔ اس میں تین اقوال ہیں (197):
  - پہلا قول یہ ہے کہ ہر ماہ رمضان کے علاوہ تین روزے رکھنا ہے یہ عطا بن ابی رباح کا مختار ہے۔
  - دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عاشورہ کا روزہ رکھنا ہے۔ اسے قتادہ نے اختیار کیا ہے۔
  - اور تیسرا یہ ہے کہ یہاں ''اَيَّامًا'' سے مراد رمضان المبارک کے روزے رکھنا ہے۔ قوی تفسیر یہی ہے۔ قرآن کا متن اور سیاق وسباق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اس معاملہ میں ابن جریر طبری کی تفسیر خوبصورت ہے (198)۔
- تیسرا مسئلہ معدودات کی تعبیر ہے اس میں دو قول ہیں (199):
  - پہلا قول عدد معلوم کا ہے یعنی یہ گنتی کے چند دن ہیں
  - اور دوسرا قول دن کا قلیل ہونا ہے۔

اسلوب کی حکمتیں

قرآن مجید کے یہ خوبصورت الفاظ تزکیہ نفوس اور روحانی تربیت کے لیے ایک ورکشاپ اور چلہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ روزوں کا مسلمانوں پر فرض ہونا ہمیشہ کی مدت کے لیے نہیں ہے کہ پورا پورا سال روزے رکھتے رہیں، یہ چند گنے چنے دن ہیں جن میں مستعدی کے ساتھ روزے سے رہنا پورے سال کے لیے مسلمانوں کو خیر کا عملی مبلغ بنا دیتا ہے اور روح میں وہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ راہ حق میں ہر قربانی دینے کے قابل ہو جاتی ہے اور شخصیتوں میں توازن اور تعادل پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے اس سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہو کہ عرب جیسے اوقات احکام میں حسبِ ضرورت تبدیلیاں پیدا کر لیتے تھے

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

جیسے حج کے مہینوں میں تقدم تاخر کر لینا۔ یہاں قاریٔ قرآن کو سمجھایا گیا ہو کہ اس روحانی ورکشاپ کے دن معدود ہیں، وہ اللہ نے گن کر متعین کر دیے ہیں، اب کوئی شخص ان کا اوقات نامہ اتھل پتھل نہیں کر سکتا اور ممکن ہے کہ تسہیل کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہو کہ لوگ روزے رکھتے ہوئے پست ہمت نہ ہوں۔ یہ چند دن ہی تو ہیں جو گزرتے ہوئے شعاعوں کی طرح گزر جائیں گے۔ وہ لوگ جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ یہ طویل مدت نہیں قلیل سا وقت ہے گویا قرآن حکیم کا یہ اسلوب صائمین کی تالیف قلوب کے لیے ہے اور انہیں روزہ رکھنے کے لیے خوشی اور ہمت کا ماحول فراہم کرنے کے لیے ہے۔

عذرداروں کے لیے اعلانِ رحمت

اعلان کیا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جو بیمار ہوں یا وہ لوگ جو حالت سفر میں ہوں اُن کے لیے رخصت ہے کہ وہ ان حالتوں میں روزہ نہ رکھیں لیکن بعد ازاں جب سفر کی حالت حضر میں اور بیماری شفاء میں بدل جائے تو دوسرے ایام میں سے گنتی کر کے جتنے روزے رہ گئے ہوں ان کی قضا کر لی جائے۔ اسلوب کی نفاست اور شہامت ملاحظہ ہو کہ معذور لوگوں کا عذر بیان کر دیا لیکن لفظوں کی صراحت میں یہ نہ کہا کہ یہ عذردار روزہ چھوڑ دیں اور دوسرے ایام سے روزوں کی صورت میں گنتی پوری کر لیں بلکہ دھیمے لفظوں میں اشارہ کر دیا کہ روزہ چھوڑی جانے والی چیز تو نہیں لیکن تم معذور لوگ ہو چلو چھوڑ دو لیکن دوسرے ایام میں روزہ رکھو ضرور، گویا زور چھوڑنے پر نہیں دوسرے ایام میں روزے رکھنے پر ہے۔ ایک روحانی نسخہ تمہیں ترقی اور اللہ کے قرب کے لیے دیا جا رہا ہے، کوشش کرو کہ ہر صورت میں شفا کا یہ دارُو استعمال ضرور کرو، باقی رہ گئی رخصت تو وہ تو ہے ہی ہے جن لوگوں کے لیے کوئی صورت روزہ رکھنے کی بن ہی نہیں پاتی تو ظاہر ہے وہ روزہ کیسے رکھ سکتے ہیں انہیں اجازت ہے کہ وہ سہولت اور شریعت کی رحمت قبول کر لیں۔

ذو معنیٰ ترکیب کی معنوی برجستگی

آیت میں ''وَعَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ'' پر مفسرین نے بحث کی ہے۔ ائمہ لغت کی رائے میں غور و فکر کر لیا جائے تو معنوی حسن تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ ''یُطِیۡقُوۡنَہٗ'' اصل میں ''طوق'' سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ وہ بڑا ہار یا حلقہ ہوتا ہے جسے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ وہ رنگ دار حلقہ جو پرندوں کے گلے میں نظر آتا ہے اُسے بھی ''طوق'' کہتے ہیں (200)۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ ہر وہ چیز جو دوسری چیز کو گھیرے میں لے لے ''طوق'' کہلاتی ہے۔ ''الطاقت'' اس قوت کا نام ہے جس سے کوئی کام بہ مشقت کیا جا سکے یعنی مشکل سے کوئی کام ہونا،

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا

آیت کا مفہوم یہ ہوگا وہ لوگ جو روزہ رکھیں تو اُنہیں مشقت اور تکلیف نہ رکھنے دے تو وہ مسکین کو کھانا کھلا دیں لیکن تندرست ہونے پر انہیں روزہ کی قضا کرنی ہوگی (201)۔

علامہ فخر الدین رازی وغیرہ نے یہ بھی کہا کہ ''يُطِيْقُوْنَهٗ'' میں سلب معنی کا مفہوم لیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو روزہ نہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں وہ فدیہ ادا کرلیں۔ ہمارے پُرانے مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ اوائل اوائل مال دار لوگوں کو فدیہ دینے کی اجازت دی گئی جو بعد ازاں منسوخ ہوگئی۔ آیت میں لفظوں کی برجستگی اس مفہوم کی تائید نہیں کرتی۔

واللہ اعلم

فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا

وہ شخص جو مسکینوں کو معینہ حد سے زیادہ کھانا کھلانا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ تحصیر کرلے۔ نیکی میں کوئی تحدید نہیں جہاں نفلی روزے رکھنے میں ثواب ہے وہاں ایک سے زیادہ مسکینوں کو کھانا بھی کھلایا جاسکتا ہے۔

آیت کا عمود

قرآن مجید کے اس خطبے کا زور اس پر تھا کہ روزہ مشقت نہیں تشکیل کردار، تقویٰ اور تزکیۂ نفس کا سرچشمہ ہے اگرچہ بعض صورتیں بیان ہوئی ہیں کہ بیمار اور مسافر روزہ چھوڑ سکتے ہیں لیکن آیت کے آخر میں پھر زوردار طریقے سے عمود آیت کو کھڑا کیا گیا ہے کہ تمہارا روزہ رکھنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ کتنی خوبصورت اور شفاء بخش تجویز قاریٔ قرآن کے سامنے رکھی گئی ہے کہ روزہ چھوڑنے کے دروازے تلاش کرنے کی بجائے روزہ رکھنے کی کوشش کرلینا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کوئی سمجھ بوجھ رکھتے ہو۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ
الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ
مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ
لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ٘ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا
هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا
دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

(185) وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے گناہوں کو ختم کر دینے والا ہے اہل محبت کے لیے منزل رسا ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں جگمگا رہی ہیں اور یہ فرقان بھی ہے تو جو پائے تم میں سے اس عظیم مہینہ کو تو اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی روزے دوسرے دنوں میں سے رکھ لے، اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے اور وہ یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ تمہیں دشواری میں ڈال دے اور یہ بھی کہ تم روزوں کی گنتی پوری کرلو اور تم اللہ کی کبریائی عملاً مانتے رہو کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تمہارے شکر گزار ہونے کا یقینی طریقہ یہی ہے

(186) اور اے محبوب! جب آپ سے سوال کریں میرے بندے میرے بارے میں تو یقین رکھیے میں اتنا قریب ہوتا ہوں کہ دُعا مانگنے والا جونہی دُعا مانگتا ہے میں اُس کی دُعا قبول کرلیتا ہوں تو انہیں بھی چاہیے کہ میرا حکم مانتے رہیں اور مجھ پر ایمان مضبوط رکھیں تا کہ وہ کامیاب رہیں

مفردات

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی
وَالۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ ؕ وَ مَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی
سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫ وَ
لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾

''وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے گناہوں کوختم کر دینے والا ہے اہل محبت کے لیے منزل رسا ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں جگمگا رہی ہیں اور یہ فرقان بھی ہے تو جو پائے تم میں سے اس عظیم مہینہ کو تو اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی روزے دوسرے دنوں میں سے رکھ لے، اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے اور وہ یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ تمہیں دشواری میں ڈال دے اور یہ بھی کہ تم روزوں کی گنتی پوری کرلو اور تم اللہ کی کبریائی عملاً مانتے رہو کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تمہارے شکر گزار ہونے کا یقینی طریقہ یہی ہے''۔

ماہ رمضان اور اس کی برکتیں

قرآن مجید کی یہ آیت ماہِ منور، ماہِ تاباں اور ماہِ برکت رمضان المبارک کی فضیلتوں کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ ایک روایت میں رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے، اس اعتبار سے شہر رمضان کا معنیٰ اللہ کا مہینہ ہوگا لیکن جمہور نے اسے اسم مشتق مانا ہے اور اس کی فضیلتیں لفظ رمضان کی روشنی میں بیان کی ہیں۔

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری اپنی خوبصورت کتاب جمالِ فاقہ مستی کے اندر لفظ رمضان پر بحث کرتے ہوئے خامہ فرسائی فرماتے ہیں (202):

> ''رَمَضَانَ'' لفظ ''رمض'' سے نکلا ہے اور ''رمض'' اُس جھلتے پتھر کو کہتے ہیں جو تمازت آفتاب سے گرم ہو جاتا ہے اور ''رمض'' جلانے کو بھی کہتے ہیں۔ شاید عربوں نے جب مہینوں کے نام رکھے رمضان اُس موسم میں آیا ہو، گویا آگ جیسے جلاتی ہے، رمضان بھی گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ پتھر جس طرح سورج کی حدّت سے متاثر ہوتے ہیں اس مہینے میں دل بھی وعظ و نصیحت اور

شَهۡرُ: مہینہ
رَمَضَانَ: رمضان
الَّذِیۡۤ: وہ جو
اُنۡزِلَ: اتارا گیا
فِیۡهِ: اس میں
الۡقُرۡاٰنُ: قرآن
هُدًی: ہدایت
لِّلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَ: اور
بَیِّنٰتٍ: روشن نشانیاں
مِّنَ: سے
الۡهُدٰی: سراسر ہدایت
وَالۡفُرۡقَانِ: معجزات سے بھرپور اور لبریز
فَمَنۡ: تو جو
شَهِدَ: پائے
مِنۡکُمُ: تم میں سے
الشَّهۡرَ: مہینہ کو
فَلۡیَصُمۡهُ: تو روزے رکھے اس کے
وَمَنۡ: اور جو
کَانَ مَرِیۡضًا: بیمار ہو
اَوۡ عَلٰی: یا ہو اس پر
سَفَرٍ: سفر
فَعِدَّۃٌ: تو گنتی ہے
مِّنۡ اَیَّامٍ: دنوں سے
اُخَرَ: دوسرے
یُرِیۡدُ اللّٰهُ: اللہ ارادہ کرتا ہے
بِکُمُ الۡیُسۡرَ: تمہارے لیے آسانی کا

مفردات

وَلَا يُرِيْدُ: اور ارادہ نہیں کرتا
بِكُمُ الْعُسْرَ: تمہارے بارے میں تنگی کا
وَلِتُكْمِلُوْا: اور تا کہ تم پوری کرو
الْعِدَّةَ: گنتی
وَلِتُكَبِّرُوا: اور تا کہ تم بڑائی کرو
اللّٰهَ: اللہ
عَلٰى: اس پر
مَا هَدٰىكُمْ: جو تمہیں ہدایت دی
وَلَعَلَّكُمْ: اور تا کہ تم
تَشْكُرُوْنَ: شکر ادا کرو

تذکیر و دعوت سے پگھلنے لگ جاتے ہیں۔ ''رمض'' کا دوسرا معنیٰ برسات کی تیز بارش سے بھی کیا جاتا ہے گویا رمضان المبارک روحانی بارشوں کا مہینہ ہے۔

سیدی وسندی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ رقم طراز ہوتے ہیں (203):

''رمضان کے پانچ حروف ہیں، اس کی ''ر'' ریاضت ''م'' محبت، ''ض'' ضمانت، ''ا'' اطاعت اور ''ن'' نجات کی علامت ہے''۔

رمضان قرآن کی زبان میں

رمضان فعلان کے وزن پر ہے اور فعلان کے وزن پر جتنے الفاظ آئیں عربی زبان میں ان کی معنویت میں حد درجہ زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے یہ وزن لا کر رمضان کی برکتوں، افادیت، اثرات، روحانیت اور فضیلتوں میں مبالغہ کی انتہا کردی اور جو دلیل قائم کی وہ یہ ہے کہ یہ رہبری کی کتاب قرآن اس مہینہ میں نازل ہوا۔ علامہ اسماعیل حقی نے اگرچہ یہ بھی لکھا کہ تورات چھ رمضان، زبور اٹھارہ، انجیل تیرہ اور قرآن مجید شب قدر کو نازل ہوا (204) لیکن قرآن حکیم صراحت کے ساتھ قرآن ہی کے نزول کو رمضان المبارک سے جوڑتا ہے۔ قرآن مجید کا اپنا یہ خطبہ بیان فضیلت میں عرش معلّٰی کی طرح ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ آسمانی کتاب کے نزول اور تعلیم و تربیت کا مہینہ ہے۔ آیت کے اپنے تربیتی انکشافات آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔ قرآنی انکشافات سے اُمت مسلمہ کو خاص کر کے مستفید ہونا چاہیے۔

قرآن جب نازل ہوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ماہ رمضان کی جب پہلی رات ہوتی ہے تو رضوانِ جنت سے اللہ فرماتا ہے کہ اُمت محمدیہ کے لیے جنت سجادو اور اس کے دروازے بند نہ کرو جب تک یہ مہینہ ختم نہ ہو جائے، پھر وہ داروغہ جہنم کو آواز دیتا ہے اُمت محمدیہ کے روزہ داروں کے لیے دوزخ کے دروازے بند کردو اور جب تک یہ مہینہ ختم نہ ہو دوزخ کے دروازے کھلنے نہ پائیں''۔

سبحان اللہ!

جب قرآن نازل ہوا وقت ایسا تھا کہ ایک ایک دقیقہ رحمتوں اور برکتوں سے منور تھا اور جو کلام نازل ہوا اس کا حرف حرف روشنیوں اور اُجالوں میں ڈوبا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا(205):

''جب تک میری اُمت رمضان کی حرمت باقی رکھے گی رسوانہیں ہوگی''۔

صفات قرآنی کا خوبصوت گلدستہ

قرآن مجید نے خود اپنی جو صفات بیان کیں ان میں غور وفکر کیجیے۔قرآن مجید خود کو قرآن کہتا ہے یعنی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب، اس میں ذرا برابر بھی شک نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن حکیم ہے۔

''قرآن، قرء'' سے ہے اس کا لغوی معنیٰ جوڑنا اور ملانا ہوتا ہے۔اس کتاب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے قافلۂ انسانیت کو اللہ سے ملایا جاسکتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کتاب ملانے والی کتاب ہے۔اس کا مزاج فساد اور تفرقہ نہیں بلکہ اتحاد اور اُلفت ہے۔

قرآن مجید نے خود''منزل من اللہ'' کہا اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ کتاب ذہنی تراشیدہ عجالہ یا رسالہ نہیں یہ اللہ کی طرف سے دی گئی کتاب ہے۔

قرآن مجید یہ اعلان کرتا ہے کہ رمضان ہو یا قرآن کا تربیتی نصاب ہو اس میں انسانوں کے لیے ہدایت کے روشن اور تابندہ نقوش ہیں۔ ہدایت ڈاکیے کا صرف خط پہنچا دینا نہیں، ہدایت سے مراد ظاہری، باطنی، سمعی، بصری، ذہنی، عقلی اور روحی ہر قسم کی ہدایت ہے۔

ہدایت کا نصاب صرف سجدے گزار دینا نہیں، ہدایت میں کنویں سے تاج شاہی، جنت سے حیات ارضی، حیات ارضی سے حیات اخروی، مکان وزماں کے سربستہ راز، ملکہ بلقیس کے تخت کو پل جھپکنے میں نگاہوں کے سامنے لے آنا اور موسیٰ وخضر کے معرکے ہدایت ہی کے دریچے ہیں۔قرآن ہدایات کا سرچشمہ ہے۔بات ذوق طلب اور ذوق عمل کی ہے اور اس فیصلہ کی ہے کہ کیا آپ مرشد کائنات کا دامن پکڑنے والے ہیں یا محض بحث کیے اور جھگڑالو ہیں۔

قرآن مجید ایک بات نظری اعتبار سے محسوس کرتا ہے کہ انسان کی تکمیل کے لیے جس طرح پانی اور دانہ دنکا ضروری ہے اسے کامل بنانے کے لیے''اَلۡھُدٰی'' اور''اَلۡفُرۡقَانِ'' کی بھی ضرورت ہے، اس

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لیے قرآن نے کہاان دونوں کی بینات اور روشن دلیلیں قرآن میں ہیں۔طلب کا دامن دراز کرنے کی ضرورت ہے،گلستان کتاب میں پھول تورنگارنگ کے موجود ہیں۔

تیسویں شعبان کوحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاایک خطبہ

رمضان کے فضائل اورروشن ترماحول کوحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لفظوں میں بیان فرمایا۔

علامہ بغوی نے اس حدیث کونقل کیا۔اردوقالب میں مختلف مفسرین کی روایات کویکجابیان کیاجارہا ہے(206):

''اے لوگو!خدا کی برکت،بخشش اوررحمت کامہینہ تمہاری جانب آرہاہے۔یہ مہینہ تمام مہینوں سے بہتر ہے۔اس کے دن دوسرے مہینوں کے دنوں اوراس کی راتیں دوسرے مہینوں کی راتوں سے افضل ہیں۔اس ماہ منور کے لحظے اوردقیقے دوسرے مہینوں کے لحظوں اوردقیقوں سے بہتر ہیں۔لوگو!رمضان کامہینہ بڑی برکت والاہےاس مہینے میں ''لیلۃ القدر'' ہے جوہزار مہینے سے بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس میں روزوں کوفرض فرمایاہےاوررات میں قیام کرنے کو باعث خیر قراردیاہے۔اس مہینہ میں جوکوئی نیکی کا کام کرتاہےتواس کاثواب دوسرے مہینوں کے فرضوں کی طرح ہوتاہےاورجواس مہینہ میں فرض پڑھتاہےگویاوہ ستر(70)فرض اداکرتا ہے۔یہ مہینہ صبرکاہےاورصبرکاثواب جنت ہے۔یہ مہینہ مواسات کاہے۔اس ماہ میں کوئی کسی کوروزہ افطارکروائےتواس کے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہےاورایک گردن آزادکرنے کا ثواب مزیدملتاہےاوراس کوروزہ رکھنےوالےکی مثل ثواب ملتاہے''۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی:

حضور ہرآدمی کی مقدرت میں نہیں کہ روزہ افطارکروائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جوکوئی دودھ کاایک گھونٹ یاایک کھجوریاپانی کاایک گھونٹ کسی کوپیش کردےگااللہ اس کوبھی پہلے ثواب کی طرح عطافرمادےگااوروہ شخص جوروزہ دارکوشکم سیرکھاناکھلائےگااللہ تعالیٰ اس کومیرےحوض کوثرسےایساگھونٹ پلائیں گےکہ جنت میں داخل ہونےتک وہ پیاسانہ ہوگا۔اس مہینے کے شروع میں رحمت،درمیان میں مغفرت اورآخرمیں آگ سےخلاصی ہےاس لیےتم کواس ماہ میں چارخصلتوں کی پابندی کرنی چاہیے:دوخصلتیں توایسی ہیں کہ تم ان سے اپنےرب کوراضی کرواوردوسےتم بےنیازنہیں ہوسکتےہو۔پہلی خصلت یہ ہےکہ تم گواہی دوکہ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہوسکتا اور دوسری یہ ہے کہ اللہ سے مغفرت چاہو اور دو خصلتیں جس سے تم کو لا پرواہی نہیں ہوسکتی ایک یہ کہ جنت کا سوال کرتے رہو اور دوسری یہ کہ دوزخ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہو''۔

احکام میں سہولت کا فلسفہ

اسلامی نظریۂ حیات کا یہ اصل الاصول ہے کہ معاملات میں نرمی اور سہولت ہو۔ اسلام تنفّر کا قائل نہیں تألف کا مدعی ہے اس لیے وہ عبادات اور اخلاق میں نرمی اور رافت سے تربیت کو ابھارتا ہے۔ اس راہ صحیح ذوق ذہن اور روح کی آبیاری کرتے ہیں جب کہ تشدد کے ماحول میں ذوق اور شعور دونوں کا قتل عام ہوجاتا ہے اور زندگی سادگی کے منہاج سے دور ہٹ جاتی ہے۔ اچھی زندگی وہی ہوتی ہے جس میں تکلف نہ ہو، پیچیدگی نہ ہو، فلسفہ نہ ہو اور شدت نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ، رمضان اور قرآن کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے وہ سختی کرنا نہیں چاہتا''۔

دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرو

شاخ گل اس لیے اگائی جاتی ہے کہ اس پر پھول اتریں، کپڑا اس لیے پہنا جاتا ہے کہ سردی گرمی سے بچا جائے، شمعیں اس لیے روشن کی جاتی ہیں کہ روشنی ملے۔ اللہ نے روزوں کا حکم اس لیے دیا کہ وجود اور ضمیر دونوں میں روشنی اترے اور زندگی کی شاخوں پر کردار اور تقویٰ کے پھول اتریں۔ ایک شخص جب سفر اور بیماری کے عذر کی بنا پر روزوں کی خوش گوار مشقت سے محروم ہوگیا تو اسے چاہیے کہ چلو دوسرے ایام ہی سے قضا شدہ روزوں کی تعداد میں گنتی پوری کرلے اور روزہ رکھے تاکہ اجر و ثواب اور تعلیم و تربیت کے اثرات سے محرومی نہ ہونے پائے۔ قرآن حکیم نے ''وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ'' کے لفظوں سے اسی معنوی اور روحی خوشبو کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وظیفۂ انسانیت کا عرفان

رمضان کا مقصد کیا ہے؟ روزے رکھنے کی غرض کیا ہوسکتی ہے؟ قرآن کی تلاوتیں کیا درس دیتی ہیں؟ جس کی خاطر انسان بھوک سے رہتا ہے اُس کے لیے ٹھنڈے مشروبات سے منہ موڑتا ہے۔ قرآن مجید کے دو لفظ انسان کے شعور کو جھنجوڑ کر رکھ دیتے ہیں کہ تم اللہ کی عظمت بیان کرو اس کے ذکر اور کبریائی کے ترانے الاپو، اُس کے نام کی مالا جپو، تلاوتوں کے زمزمے ارزاں کرو، تمہیں رمضان

إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذۡكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا

کا ماحول دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ زندگی اور آماجگاہِ حیات سب کو اللہ کی عظمت کے ذکر سے بھر دو۔ ''وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ'' با قاعدہ ایک کھلا اور عظیم منشور ہے جو کردار ساز ہے اور عقیدہ آفریں۔ ایسی جڑ جس سے پھوٹنے والے درخت پر شکر گزاری کا پھل لگتا ہے اسی لیے یہ آیت ختم ہی ''لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'' پر ہوتی ہے۔

واللہ اعلم

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶

''اور اے محبوب! جب آپ سے سوال کریں میرے بندے میرے بارے میں تو یقین رکھیے میں اتنا قریب ہوتا ہوں کہ دُعا مانگنے والا جونہی دُعا مانگتا ہے میں اُس کی دُعا قبول کر لیتا ہوں تو انہیں بھی چاہیے کہ میرا حکم مانتے رہیں اور مجھ پر ایمان مضبوط رکھیں تا کہ وہ کامیاب رہیں''۔

شانِ نزول

ایک اعرابی نے رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا سیدی یا رسول اللہ! کیا ہمارا ربّ قریب ہے۔ اگر وہ قریب ہے تو ہم اس سے سرگوشیاں کریں اور اگر وہ ہم سے دور ہے تو ہم اُسے زور زور سے پکاریں۔ اس پر حضور انور ﷺ خاموش ہو گئے اس پر یہ آیت اتری (207)۔

ابن جریر طبری کی روایت

ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں کہ صحابہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی ہمارا ربّ کہاں ہے؟ اس پر یہ آیت اتری اور معرفت کا فیض ارزاں کر دیا گیا (208)۔

مسند امام احمد کی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (209):

> ''بندہ میرے ساتھ جو عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اُس سے ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اُس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں''۔

بغوی کی روایت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ

وَ: اور
اِذَا: جب
سَاَلَكَ: آپ سے پوچھیں
عِبَادِيْ: میرے بندے
عَنِّيْ: میرے بارے میں
فَاِنِّيْ: تو میں
قَرِيْبٌ: قریب ہوں
اُجِيْبُ: قبول کرتا ہوں، سنتا ہوں، جواب دیتا ہوں
دَعْوَةَ: دعا، پکار اور مناجات
الدَّاعِ: پکارنے والے
اِذَا: جب
دَعَانِ: وہ مجھے پکارتا ہے
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا: چاہیے کہ وہ بات مانیں، اطاعت کریں
لِيْ: میری
وَلْيُؤْمِنُوْا: اور ایمان لائیں
بِيْ: مجھ پر
لَعَلَّهُمْ: تا کہ وہ
يَرْشُدُوْنَ: سیدھے راہ کی پختگی سے ہدایت پائیں

ایک وادی میں اوپر چڑھے تو کہا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ آوازیں بلند ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھہرو! تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ اُسے پکار رہے ہو جو بہت زیادہ سننے والا بھی ہے اور قریب بھی ہے اور وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہے (210)۔

عارف باللہ ابونصر بقلی کی باتیں

عرائس البیان میں بقلی لکھتے ہیں (211) کہ آیت میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: محبوب! جب آپ سے خاص محبت اور توحید والے میرے بارے میں سوال کریں تو ان کی روحانی طمانیت کے لیے اُن سے فرما دیں میں دور نہیں قریب ہوں، ان کے دلوں میں جو اسرار محبت بھڑک رہے ہیں میں ان سے آگاہ ہوں ان کے نفوس میں محبت کی گرمی خاص میری وجہ ہی سے شعلہ بنی ہے۔ محبوب میرا راز ان پر کھول دیں میں اپنے بندوں سے ''بلا عین'' اور ''بلا بین'' قریب ہوں یعنی جدا بھی نہیں اور مشخص بھی نہیں۔

علامہ بقلی ہی نے لکھا کہ محبوب جب خواص اُمت میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں قریب ہونے کا مژدہ سنایئے اور جب مشتاق اور عاشق میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں ہر قریب سے اقرب ہونے کی خوشخبری دیں۔ قاضی رویم کہا کرتے تھے کہ ہر شک، ارتیاد، اعتراض اور غبار کا اٹھ جانا قُرب ہے اور عاشقوں ہی کو حاصل ہے۔ حضرت جنید بغدادی اس کی تشریح یوں کیا کرتے تھے کہ اللہ اجتماع کے بغیر قریب ہے اور افتراق کے بغیر بعید ہے۔ جس وقت طبائع میں حیا رچ بس جائے سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا قرب فیض بار ہوا ہے (212)۔

ابن کثیر کی محبت بھری باتیں

ابن کثیر لکھتے ہیں (213) کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ارشاد اللہ کا ہے: وہ فرماتا ہے اے ابن آدم! ایک چیز تیری ہے ایک میری ہے اور ایک تجھ میں اور مجھ میں بین بین ہے، خالص میری یہ ہے کہ تو میری عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور تیری یہ ہے کہ میں تیرے ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ضرور دوں اور تیری کوئی نیکی ضائع نہ ہونے دوں اور درمیان کی چیز یہ ہے کہ تو دُعا کر اور میں قبول کروں، دعا کرنا تیرا کام اور قبول کرنا میرا کام (بزار)۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دُعا کی اس آیت کو اللہ نے روزوں کے احکام کے درمیان وارد فرمایا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز وہ افطار کے وقت بکثرت دعائیں کریں۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ روزہ دار بوقت افطار جو دعا کرتا ہے اللہ اُسے قبول فرماتا ہے(214)۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما افطار کے وقت اپنے گھر والوں اور بچوں کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے۔(ابوداؤ، طیالسی، ابن ماجہ)

الکنز العثیمین کے پندرہ فوائد

علامہ محمد بن صالح العثیمین نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر الکنز العثیمین میں آیت کے پندرہ فوائد لکھے ہیں۔ چار متفرق اور گیارہ یکجا قلم بند کیے ہیں(215):

پہلا فائدہ

آیت میں ''فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' سے پہلے ''قُلْ'' مقدر ہے۔ مفہوم تفسیر یہ ہے کہ ربّ کریم کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہے لیکن خطاب حضور ﷺ سے ہے یعنی اے محبوب! کوئی شخص تیرے در کا سوالی بن کر آئے تو پھر وہ مجھے دور نہیں پائے گا میں اُس سے قریب ہی ہوں گا تیرا سوالی بن جانا شرط ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

دوسرا فائدہ

آیت میں محبوب کے لیے ایک بار کہا جو تیرا سوالی ہو پھر اپنے لیے سات بار واحد متکلم کا انداز اختیار فرمایا، حسن اسلوب کی نکہتیں ملاحظہ ہوں:

اور جب کوئی تجھ سے سوال کرے

(1) ''عَنِّیْ'' میرے بارے میں

(2) ''فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' تو پھر میں قریب ہوں

(3) ''عِبَادِیْ'' میرے بندے

(4) ''اُجِیْبُ'' میں قبول کرتا ہوں، جواب اِستجابت دیتا ہوں

(5) ''اِذَا دَعَانِ'' جب مجھے کوئی پکارتا ہے

(6) ''فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ'' تو چاہیے کہ میرے احکام مانیں

(7) ''وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ'' اور مجھ پر ایمان رکھیں

''لَعَلَّهُمْ'' میں ''وہ'' کو آیت نے رحمتوں کی لپیٹ میں لے کر رشد و ہدایت کا انعام ان کے نام کر دیا۔ آیت میں تو۔۔میں۔۔میں۔۔مرا۔۔میری۔۔مجھ پر۔۔مجھ سے اور مجھے اور آخر میں ''وہ'' کتنا

مزے کا اسلوب ہے خوش بختی کا، جیسے سمندر موجزن ہو، دل کی دھڑکنیں ''تو میں''، ''تو میں''، ''تو میں''
عجب کیف پیدا کر رہی ہیں، یہ سب معانی علامہ عثیمین کے لفظ ''قُل'' مقدر ماننے سے مستفاد ہوئے ہیں۔

تیسرا فائدہ

روزوں کی آیت کے بعد آیت دعا بتاتی ہے کہ روزہ دعاؤں کے قبول ہونے کا مؤثر سرچشمہ ہے۔

چوتھا فائدہ

آیت میں بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رافت اور رحمت کے دریا بہا دیے گئے ہیں۔

پانچواں فائدہ

آیت اس خاص تعلق کو ظاہر کر دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور محمد ﷺ کو حاصل ہے۔

چھٹا فائدہ

خاص خاص لوگوں کی دعائیں عام لوگوں کی نسبت زیادہ سنی جاتی ہے۔

ساتواں فائدہ

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا ممکن ہے، اس لیے یہ آیت پوری طرح اعلان کر رہی ہے کہ یہ ہے سیدھا راستہ جس پر چل کر اللہ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آٹھواں فائدہ

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت سمع ثابت کرتی ہے۔ ایسے نہیں کہ کوئی دعا مانگتا رہے اور اُسے سنا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے۔

نواں فائدہ

اس آیت سے اللہ کے لیے قدرت بھی ثابت ہوتی ہے کہ صرف اللہ دعاؤں کو سنتا ہی نہیں وہ دعاؤں کو معنیٰ وفا دینے پر بھی قادر ہے۔

دسواں فائدہ

آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے کرم بھی ثابت ہے کہ اُس کی صفت ہے کہ اُسے جب بھی کوئی پکارے وہ ضرور دعاؤں کو پورا کرتا ہے اگر اُن دعاؤں کے پورا کرنے سے داع کو فائدہ پہنچتا ہو۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

گیارہواں فائدہ

آیت میں یہ راز بھی کھول دیا گیا ہے کہ دعا مانگنے والا مخلص اور صادق بھی ہونا چاہیے اور اسے ادراک ہونا چاہیے کہ میں جسے پکار رہا ہوں وہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔

بارہواں فائدہ

اللہ کو پکارنے اور اُس سے مانگنے کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں جب بھی کوئی چاہے اُسے آواز دے اور اُس سے مانگے۔ ''اِذَا دَعَانِ'' کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔

تیرہواں فائدہ

آیت بتاتی ہے کہ اللہ پالتا ہر ایک کو ہے لیکن دعاؤں کی استجابت ایک مقام قرب ہے جو ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے۔

چودھواں فائدہ

یہ آیت اس نکتہ کو بھی مشرح کر دیتی ہے کہ رشد اور ارشاد ایک خاص مقام ہے جو انابت اور قائم علی الاطاعت کی منزل پانے سے اللہ عطا فرماتا ہے۔

پندرہواں فائدہ

پندرہواں فائدہ علامہ محمد بن صالح نے لکھا کہ دنیا میں رہتے ہوئے اسباب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دعا عبادت کا مغز ہے لیکن منعم سے انعام پانے کے لیے دُعا ایک سبب کی حیثیت رکھتی ہے۔

واللہ اعلم

عہد نامۂ جدید کے خوبصورت الفاظ

مانگو! تو تمہیں دیا جائے گا

تلاش کرو! تو تم پاؤ گے

دروازہ کھٹکھٹاؤ

تو تمہارے لیے کھولا جائے گا

اس لیے

جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا ہے

اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے (216)۔

سقراط کا دعا پر یقین

یونان میں حق گوئی اور رسوخ عقیدہ کی طرف قدم بڑھانے کے جرم میں جب از دحام جہلا نے سقراط کے لیے سزائے موت تجویز کی اور عدالت نے اس پر مہر ثبت کردی اور زہر کا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ مؤرخین لکھتے ہیں کہ نکھرتا جا رہا تھا۔ زہر کا پیالہ پینے سے پہلے اُس نے دعا کی افادیت پر کہا تھا (217):

''مجھے ضرور بالضرور اللہ سے دعا مانگنی چاہیے تا کہ اگلے
جہاں کی طرف میرا سفر کامیاب رہے میری آبرومندی
دعا میں ہے اور دعا ہی میری منزل کا سکون ہے''۔

جابر بن حیان کی سحر انگیزی اور دعاؤں کی گرمی

اسلامی دنیا کا ایک بڑا نام جابر بن حیان ہے۔ وہ کیمیادان تھا لیکن اس کی تحقیقات کا راز شب خیزیاں تھیں۔ وہ حج کے لیے گیا تو مدینہ شریف بے تاب حاضری دی اور بغیر کسی توقف کے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے قدموں میں حاضر ہوا۔ وہیں پر اُس سے کسی شخص نے پوچھا تم ساری ساری رات جعفر پاک کی محفل میں حاضر رہ کر کرتے کیا ہو؟ اُس بوڑھے صوفی کیمیادان نے کہا کہ میری کیمیادانی جعفر پاک کے مرہون منت ہے، وہ میرے پیر ہیں، ان کی دعائیں اور مناجاتیں میری کامیابیوں کا اصل راز ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''دعا قوت کا سرچشمہ ہے'' (218)۔

مشکلات کے ہجوم میں

مشکلات، مصائب اور مایوسیوں کے گھپ اندھیرے میں جو آواز اور فریاد دل کی دھڑکنوں میں گونجتی ہے وہ دعا ہوتی ہے اور اُسی فریاد کی حقیقت کو مذاہب اپنے اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اسلام سچائیوں کا دین ہے وہ ایسی آوازیں جو روحوں میں گونج پیدا کریں انہیں دباتا نہیں بلکہ صراط مستقیم پر اُنہیں منزل کا واقعی تصور دیتا ہے۔ اسی لطیف لمحے میں انسان حق کی پہچان پیدا کر لیتا ہے۔ دعا فریادی کرتے ہیں اور انہیں قبول قادر وقدیر ہی کر سکتا ہے۔ برٹرینڈ رسل کے الفاظ معنویت کی خوشبو سے لبریز ہیں۔ انسان کی مصیبت جتنی بڑی ہوتی ہے اسے دلاسا بھی اتنا ہی بڑا درکار ہوتا ہے یقیناً وہ ربّ ہی ہوسکتا ہے جو فریادوں کو یقین اور اطمینان سے بدل دیتا ہے۔ ہرن کتوں کے نرغے میں جب پھنس جاتا ہے تو مدد کے لیے اُس کی گونجنے والی آواز کو غزل کہتے ہیں اور بندے جب مدد کے لیے اپنے ربّ کو آواز دیں اُسے دُعا کہتے ہیں۔ دعا پر یقین رکھنے والا شخص کبھی

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مایوس نہیں ہوتا۔

دُعاؤں کا ثمر پنج تنی ہے

دعاؤں سے لذت کام رہنے والے شخص کو اللہ پانچ انعامات عطا فرماتا ہے:

- پہلا انعام یہ ہوتا ہے کہ انسان دعاؤں کی موجودگی میں پریشان اور مضطرب نہیں رہ سکتا ہے۔ دعائیں خود توقع سے زیادہ مدد کرنے والی ہوتی ہیں۔
- دوسرا بڑا انعام دعا یہ دیتی ہے کہ بندے سے احساسِ تنہائی ختم کرتی ہے۔ دُعا بوجھ بانٹنے کا احساس دلاتی رہتی ہے۔ دُعا مانگنے والے شخص کو قرآن تربیت دیتا ہے کہ وہ تنہا نہیں کوئی ''اِنِّیۡ قَرِیۡبٌ'' کہنے والا بھی اُس کے ساتھ ساتھ موجود ہے۔
- تیسرا انعام دُعا کا یہ ہوتا ہے کہ انسان میں عملی رویوں کی نشوونما ہونے لگ جاتی ہے۔ کثرت سے دُعا مانگنے والا شخص انتہا درجے کا عملی انسان ہوتا ہے اور یہ دنیا اور آخرت میٹھی اور حسنہ اُسی شخص کے لیے ہوسکتی ہے جو ایمانی اور عملی انسان ہو۔
- چوتھا انعام دُعا کی برکت سے یہ ملتا ہے کہ نفسیاتی اعتبار سے بندہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قوی مومن ضعیف مومن سے بہتر ہوتا ہے''۔
- دُعا کا پانچواں انعام مسرت اور خوشی کا ہے۔ زندگی میں ہر شخص نے اس تجربے کا ثمر کھایا ہوگا کہ کوئی صالح شخص اُسے دعا دے تو اس کے ساتھ ہی طبیعت میں ایک گہری اور روحانی خوشی کا احساس پیدا ہوجاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب آپ گلیوں میں گشت کرتے تو چھوٹے چھوٹے بچے دوڑ دوڑ کر آپ کے دامن کو تھام لیتے اور کہتے اے ہمارے پیارے سردار ہمیں دعا دیجیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور انہیں دُعائیں دیتے۔ دُعا بندہ خود کرے یا کوئی دعا دے مسرتوں کی جنت مناجات کرنے والے اور دعا کا ثمر پانے والے شخص کے قدموں سے لپٹ جاتی ہے۔

دعا ایک نفسیاتی سہارا

روح کی طرح نفس انسانی کی بھی ان گنت اقلیمیں ہیں۔ کہیں شعور کی بالا دستیاں ہیں اور کہیں ''لاشعور'' کی معجز نمائیاں ہیں۔ ہمارے ذہن ہی کا ایک حصہ تحت الشعور کہلاتا ہے۔ اگر زندگی میں تحت الشعور پر قابو پانا ممکن ہوجائے تو انسان بڑی ظلمتوں سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ یہ تحت الشعور ہی

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ہے کہ رات کو آپ اُسے یہ کہہ کر سوجائیں کہ مجھے تہجد کے وقت جگانا تو تحت الشعور آپ کو تہجد کے وقت جگا دے گا۔ یہ تحت الشعور ہی ہے جس کی مدد سے ہم بھولی ہوئی باتیں یاد کر لیتے ہیں اور کھوئی ہوئی چیزیں پا لیتے ہیں۔ بدن انسانی میں یہ خاموش مددگار خود دعاؤں کا محتاج رہتا ہے۔ بہت سارے نفسانی گند ایسے ہیں جنہیں ہم دعاؤں کی مدد سے دور کر سکتے ہیں۔ نفسیاتی طریقہ علاج دراصل دعاؤں کا ثمر بن سکتا ہے۔ ایک ماہر نفسیات اے اے برل کا قول ہے: ''جو شخص صحیح معنوں میں مذہبی ہوتا ہے وہ کبھی اعصابی اور ذہنی امراض کا شکار نہیں ہوتا''۔ ایک دوسرے ماہر نفسیات ڈی کا زسگی کا خیال ہے کہ ''مضبوط مذہبی عقیدہ پریشانیوں، تشویشوں اور اعصابی کشمکشوں کو دُور کرنے میں مدد دیتا ہے''۔ اس طرح دُعا چند لفظ ہوتے ہیں لیکن زندگیوں میں بڑا کام کر جاتے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیم کتنی زبردست ہے کہ ملاقات کے وقت تبادلہ سلام کرو، سلامتی کی یہ مذہبی دعا معاشرہ کو مضبوط کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر یقین اور ایمان کو روحوں میں اتار دیتی ہے۔ صحت مند معاشرہ دراصل نفسیاتی لحاظ سے مضبوط لوگوں سے تخلیق پاتا ہے اور اس کے لیے بہر حال دُعاؤں کا اسلحہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یہ مقالہ لکھنے میں فلسفۂ دُعا سے استفادہ کیا گیا ہے (219)۔

واصف علی واصف کی باتیں

دُعا کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ جہاں دُعا مانگنے والا ہوتا ہے وہیں دعا منظور کرنے والا بھی موجود ہوتا ہے۔ اگر آپ دعا بآواز بلند مانگیں تو وہ دور سے سنتا ہے اور اگر آپ دل میں دعا مانگیں تو وہ وہیں موجود ہوتا ہے۔ دعا کا انداز، تقرب کے اظہار کا اعلان ہوتا ہے۔ دعا میں الفاظ کبھی ضروری ہوتے ہیں اور دعا الفاظ سے بے نیاز بھی ہوتی ہے۔ دعا منظور کرنے والا خود ہی انداز عطا فرماتا ہے۔ ہاتھ اُٹھانا بھی دُعا ہے اور نگاہ اُٹھانا بھی دُعا ہے۔ ہم اللہ سے وہ چیز مانگتے ہیں جو حاصل نہیں کر پاتے مثلاً ہم کبھی یہ نہیں مانگتے کہ خدایا ہمیں پرندوں جیسے پر عطا کر، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں ہم کو عشق کے پر لگا کر اڑنا دے دے۔ دُعا پر اعتماد ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ نصیب کی بات ہوتی ہے کہ انسان دعا کا سہارا ہاتھ سے جانے نہ دے۔ جب کسی قوم یا فرد کا دُعا سے اعتماد اُٹھ جائے تو آنے والا وقت مصیبت کا ہوسکتا ہے۔ گناہ اور ظلم انسان سے دُعا کا حق چھین لیتے ہیں (220)۔

المستدرک کی خوبصورت روایت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''اپنی حاجات اللہ کی بارگاہ لے جاؤ اور حوادث کی صورت
میں اللہ کی پناہ میں جاؤ۔ اسی کی طرف گریہ زاری کرو اور

اسی کو پکارو کیونکہ دعا عبادت کی روح ہے''۔

آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے کہ ''تم اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کرو''(221)۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور فلسفۂ دعا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ **الدعاترس المومن** ' دعا مومن کی ڈھال ہے''۔ تم دیر تک دعا کے ساتھ دروازے پر دستک دیتے رہو گے تو ایک وقت دروازہ کھل جائے گا۔

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ محمد ﷺ اور آلِ محمد پر دُرود بھیجنے تک دُعا اور آسمان کے درمیان پردہ حائل رہتا ہے(222)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا(223):

''اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تم ایک چیز مانگتے ہو اور وہ حاصل نہیں ہوتی مگر دنیا یا آخرت میں سے بہتر چیز تمہیں مل جاتی ہے یا تمہارے کسی بہتر مفاد کی خاطر تمہیں اس سے محروم کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ تم کبھی ایسی چیزیں بھی مانگتے ہو کہ اگر تمہیں دے دی جائیں تو تمہارا دین تباہ ہو جائے''۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ارشادات

آپ ارشاد فرماتے ہوتے تھے(224):

''دُعا قبولیت کا خزانہ ہے جس طرح بادل بارش کا خزانہ ہے''۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے(225):

'' چالیس مومنوں کے اجتماع میں دعا اس کی قبولیت کی علامت ہے''۔

آپ کا ایک مبارک قول ہے(226):

''کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں بھی اگر دعا کرنے کو جی چاہے تو سمجھ لو کہ یہ مصیبت تھوڑی دیر کے لیے ہے''۔

حضرت سہل کا خوبصورت قول

حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں(227):

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ مجھ سے راز داری سے باتیں کریں، اگر تم یہ نہ کر سکو تو مجھے دیکھتے رہنا، یہ بھی اگر نہ ہو سکے تو میری بات سنتے رہنا، یہ ممکن نہ ہو تو میرے دروازے پر آ جانا اور اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو میرے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے رہنا''۔

آپ ہی کا ارشاد ہے:

''سب سے جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو صاحبِ حال کیا کرتا ہے اور صاحبِ حال کا مطلب یہ ہے کہ وہ مانگے وہی جو اس کے لیے ضروری ہو''۔

رسالہ قشیریہ کی ایک حکایت

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے آدمی کے قریب سے گزرے جو دعا کر رہا تھا اور گریہ زاری کیے جا رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا(228):

''الٰہی! اگر اس شخص کی ضرورت میرے اختیار میں ہوتی تو میں پوری کر دیتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰ! میں تم سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں لیکن دیکھو وہ دُعا تو کر رہا ہے لیکن اس کی توجہ اس کی بکریوں میں لگی ہوئی ہے میں ایسے شخص کی دُعا قبول نہیں کرتا جو دُعا تو کرے لیکن اس کا دل میرے بغیر کسی اور کی طرف متوجہ ہو''۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا ارشاد

آپ فرمایا کرتے تھے(229):

''الٰہی میں کیونکر تجھ سے دُعا کروں میں تو گناہ گار ہوں اور میں تجھ سے دُعا کیوں نہ کروں جب کہ تو بڑا کرم فرمانے والا ہے''۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ
لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
وَعَفَا عَنْكُمْ ج فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص وَكُلُوْا وَ
اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ص ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ج وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ
عٰكِفُوْنَ لا فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

(187) تمہارے لیے حلال ہوا روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے جماع وغیرہ، وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کررہے تھے تو اُس نے تم پر رحمت فرمائی اور جو کچھ ہو چکا تھا اُسے معاف کر دیا سو اب تم اُن سے مباشرت کرلیا کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تم پر ظاہر ہو جائے سپیدۂ صُبح کی دھاری رات کی سیاہ دھاری سے پھر پورا کرو روزوں کو رات تک اور اس حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو جبکہ تم مساجد میں اعتکاف کرنے والے ہو، یہ اللہ کی حدیں ہیں اُن کے قریب بھی نہ جاؤ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں

اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ ؕ ہُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ
لَّہُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ وَ عَفَا عَنۡکُمۡ ۚ
فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡہُنَّ وَ ابۡتَغُوۡا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ ۪ وَ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ
لَکُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی
الَّیۡلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوۡہُنَّ وَ اَنۡتُمۡ عٰکِفُوۡنَ ۙ فِی الۡمَسٰجِدِ ؕ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا
تَقۡرَبُوۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

''تمہارے لیے حلال ہوا روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے جماع وغیرہ، وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کررہے تھے تو اُس نے تم پر رحمت فرمائی اور جو کچھ ہو چکا تھا اُسے معاف کردیا سو اب تم اُن سے مباشرت کر لیا کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تم پر ظاہر ہو جائے سپیدۂ صُبح کی دھاری رات کی سیاہ دھاری سے پھر پورا کرو روزوں کو رات تک اور اس حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو جبکہ تم مساجد میں اعتکاف کرنے والے ہو، یہ اللہ کی حدیں ہیں اُن کے قریب بھی نہ جاؤ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں''۔

اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ

آیت کے اس جملے میں رمضان کی راتوں میں مسلمانوں کے لیے عورتوں سے ''الرَّفَثُ'' کو حلال کردیا گیا۔ ''الرَّفَثُ'' کا مطلب ہوتا ہے جنسیت سے متعلق گفتگو کرنا۔ اسی مناسبت سے یہ لفظ خود جنسی تعلق کے لیے استعمال ہونے لگ گیا۔ الفاظ یہ اعلان بھی کررہے ہیں کہ صبح سے لے کر غروب آفتاب تک کھانا، پینا اور جماع اور مباشرت ترک کردینا روزہ ہے۔ رات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بیویوں کے ساتھ جنسی میل جول حلال کردیا۔

قرآن مجید کی یہ آیت مسلمانوں کے لیے جہاں احکام میں وسعت پیدا کررہی ہے وہاں عائلی مسائل کو مستحکم بنیاد فراہم کررہی ہے۔ بنیادی طور پر آیت کا عمود تفسیر تو روزہ کے مسائل تھے لیکن ایک اہم معاشرتی مسئلہ قرآن حکیم نے بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کردیا کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان ربط باہمی عمل اور نتیجہ عمل کے لحاظ سے اتنی فضیلت رکھتا ہے کہ معاشرہ پرسکون، عفت نواز اور جنت نظیر

مفردات

اُحِلَّ: حلال کردیا گیا
لَکُمۡ: تمہارے لیے
لَیۡلَۃَ: رات
الصِّیَامِ: روزوں کی
الرَّفَثُ: جماع وغیرہ کی باتیں
اِلٰی: اپنی، کی طرف
نِسَآئِکُمۡ: اپنی عورتوں سے
ہُنَّ: وہ عورتیں
لِبَاسٌ: لباس
لَّکُمۡ: تمہارے لیے
وَ اَنۡتُمۡ: اور تم مرد
لِبَاسٌ: لباس ہو
لَّہُنَّ: اُن عورتوں کا
عَلِمَ اللّٰہُ: اللہ کے پکے علم میں ہے یہ بات
اَنَّکُمۡ: بے شک تم
کُنۡتُمۡ: تھے تم
تَخۡتَانُوۡنَ: خیانت کرتے تھے تم
اَنۡفُسَکُمۡ: اپنے نفسوں سے
فَتَابَ: تو اُس نے توجہ دی
عَلَیۡکُمۡ: تم پر
وَ عَفَا: اور درگزر کیا
عَنۡکُمۡ: تم سے
فَالۡـٰٔنَ: تو اب
بَاشِرُوۡہُنَّ: ان سے مباشرت کرو
وَ ابۡتَغُوۡا: اور تلاش کرو
مَا کَتَبَ: جو لکھا ہے
اللّٰہُ: اللہ نے
لَکُمۡ: تمہارے لیے

بن سکتا ہے۔قرآن حکیم کہتا ہے کہ عورتیں مردوں کے لیے لباس کی حیثیت رکھتی ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہوتے ہیں۔قرآن مجید کے اس مجاز میں کتنا حسن ہے اور بیان میں کتنی ندرت ہے۔جنسی مسائل وروابط کے لیے بھی یہ استعاراتی انداز کشش کا حامل ہے۔معنویت اور مقصدیت کے آسمان کو چھونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم لباس کی خصوصیات دیکھ لیں۔اس طرح قرآنی تعبیر کی فضیلت و برکت جاننا مزید آسان ہو سکے گا۔

تشبیہ کی پنج جہاتی حکمتیں ایمان افروز ہیں

- لباس سے تشبیہ کی پہلی حکمت یہ ہے کہ لباس جسم کے لیے زیب وزینت کا باعث ہوتا ہے۔یہ بات تو سب کو سمجھ آتی ہے کہ وجودِ زن سے تصویر کائنات میں رنگ ہے لیکن بہت کم لوگ سمجھتے ہیں کہ وجودِ شوہر بھی عورتوں کے لیے زیب وزینت کا باعث ہوتا ہے۔
- دوسری حکمت یہ ہے کہ لباس انسان کے لیے ستر ہوتا ہے۔بدن کے جو حصے ملبوس ہونے چاہییں لباس ڈھانپ کر رکھتا ہے۔مرد اور عورت بھی ایک دوسرے کے رازوں کے امین ہوتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کے لیے پردہ اور حجاب کا کام دینا چاہیے۔اسلامی ازواج میں یہ پردہ داری جتنی گہری ہو گی شادی کی کامیابی کے امکانات اتنے ہی محکم اور مؤثر ہوں گے۔
- تیسری حکمت یہ ہوتی ہے کہ لباس گرمی اور سردی سے بدن کو بچاتا ہے۔لباس کی وجہ سے ابدان محفوظ ہوتے ہیں۔عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی سیکورٹی ہوتے ہیں۔وہ ایک دوسرے کو سرکشیوں اور فسادات سے محفوظ رکھتے ہیں۔لباس کی یہ خوبی جس جوڑے میں زیادہ ہوگی اُس خاندان میں اولاد کی تربیت کا نظام مضبوط، محکم اور اقدار ساز ہوگا۔
- چوتھی حکمت ربط کی ہوتی ہے کہ لباس بدن کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے۔لباس کی اسی خوبی کی بنا پر قرآن مجید نے عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔بیوی اور خاوند جتنے ایک دوسرے سے ربط میں قرب رکھیں گے، افزائش نسل میں ان کا کردار اتنا ہی گہرا، مؤثر اور انقلابی ہوگا۔
- پانچویں حکمت اطمینان اور سکون کی ہے کہ لباس انسان کے لیے زندگی کو پُرسکون بنا دیتا ہے، اسی طرح ایک اچھا، معیاری اور اسلامی جوڑا وہی ہوگا جو ایک دوسرے کو سکون

مفردات

وَكُلُوْا: اور کھاؤ
وَاشْرَبُوْا: اور پیو
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يَتَبَيَّنَ: کھل کے ظاہر ہو جائے
لَكُمُ: تمہارے لیے
الْخَيْطُ: دھاگہ
الْاَبْيَضُ: سفید
مِنَ: سے
الْخَيْطِ: دھاگہ
الْاَسْوَدِ: سیاہ
مِنَ: سے
الْفَجْرِ: فجر
ثُمَّ: پھر
اَتِمُّوا: پورا کرو
الصِّيَامَ: روزوں کو
اِلَى: تک
الَّيْلِ: رات
وَلَا: اور نہ
تُبَاشِرُوْهُنَّ: اُن سے مباشرت کرو
وَاَنْتُمْ: اور تم کو
عٰكِفُوْنَ: اعتکاف کرنے والے
فِي الْمَسٰجِدِ: مساجد میں
تِلْكَ: وہ یا یہ
حُدُوْدُ: حدیں ہیں
اللّٰهِ: اللہ کی
فَلَا: پس نہ
تَقْرَبُوْهَا: ان سے قریب جاؤ
كَذٰلِكَ: یونہی

مفردات

یُبَیِّنُ اللّٰہُ: بیان کرتا ہے اللہ
اٰیٰتِہٖ: اپنی آیتیں
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
لَعَلَّھُمۡ: تا کہ وہ
یَتَّقُوۡنَ: متقی رہیں

اور اطمینان پہنچائیں گے۔ تعلقات کی یہ پنج گانہ جہات عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کے لیے امن ورافت اور اعتماد ویقین کا مجسمہ بنا دیتی ہیں۔ قرآن مجید اپنے معجز پیغام کے ساتھ الفاظ وترکیب کا ایسا اعجاز رکھتا ہے کہ کوئی کلامِ بشر اس کلام کی معنویت کو چھو بھی نہیں سکتا۔

عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ

''کوئی ایسی چیز نہیں جس کا علم اللہ کو نہ ہو'' یہ جملہ ماضی کے صیغے سے محکم علم کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ تم لوگ اللہ سے مخفی نہیں تھے، یہ بات تمہاری نفسی خیانت اور عملی بداحتیاطی کی صورت میں اللہ کے سامنے آگئی کہ تم چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے یعنی تمہارے اندر کی خواہشات تقاضا کر رہی تھیں کہ تم اللہ کے حکم کو توڑ دو اور اپنی بیویوں سے جماع کر لو۔ بعض روایات تاریخ علم وادب میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ عملاً ایسا ہوا بھی لیکن قرآن حکیم کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں کہ اللہ نے ان پر توجہ کی اور انہیں معاف فرما دیا۔ ''وَعَفَا عَنۡکُمۡ'' کے کلمات ''تَخۡتَانُوۡنَ'' سے زیادہ طاقتور ہیں۔ جس چیز کو اللہ معاف فرما دے اس پر بحث کی ضرورت نہیں بچتی لیکن یہ ضرور ہے کہ خیانت نفسی کی موجودگی میں دعوت وتحریک کا کام مؤثر نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ گندی بوٹی صرف توبہ سے نابود کی جا سکتی ہے اور عفو توبہ قبول کرنے کا بڑا درجہ ہے اس لیے کہ یہ گناہوں کو جڑ سے اکھیڑ کر ختم کر دینے والا وسیلہ اور سرچشمہ ہے۔

فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡھُنَّ

لو اب حکم جدید کی سہولت یہ ٹھہری کہ رمضان کی راتوں میں تم اپنی بیویوں سے مباشرت کر سکتے ہو۔ یہاں صیغہ اگرچہ امر ہی کا ہے لیکن یہاں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اجازت اور اباحت کے لیے منفذ ہے۔ اصول فقہ میں کسی چیز کی ممانعت میں جس وقت امرِ شرعی کے یسر کو ختم کر رہی ہوں تو امر کا صیغہ مشروعیت میں بشارت اور خوشی کی عظمت وفضیلت ثابت کرنے کے لیے ایجاد کیا جاتا ہے یہاں یہی قاعدہ نافذ کیا جا رہا ہے۔

وَابۡتَغُوۡا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ

یہاں قرآن مجید کے اس حکم میں جماع کرنا جو بظاہر نفسانی تسکین کا ذریعہ محسوس ہوتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے محل میں اتار کر بیان کرنا ہے یعنی رمضان کی راتوں میں جماع کا جواز اللہ کی رضا کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔ جماع کی ظاہری صورت دفع شہوت ہی کا ذریعہ ہوتی ہے لیکن اس فعل کے ذریعے نیک اولاد تلاش کی جاتی ہے۔ ''وَابۡتَغُوۡا'' ایک سادہ سا کلمہ ہے لیکن اس میں اللہ کی رضا کے لیے حسن

نیت، جماع میں اتباع سنت، اولاد کی خواہش، ردشہوت، احکام شریعت پر عمل کے لیے نفسیاتی تیاری اور اللہ تعالیٰ کی توحید فعلی پر ایمان اور یقین ایسے متعدد معانی مضمر دکھائی دیتے ہیں۔

مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

آیت کا یہ حصہ تقدیر پر یقین کا معنیٰ قاریٔ قرآن کے سینہ میں اتارتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

آیت کا اگلا حصہ یہ ہے کہ تم رمضان کی راتوں میں کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے تمہارے لیے نمایاں ہو جائے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آیت میں ''**الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ**'' کا بیان ہوا لیکن ''**الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ**'' کا بیان نہ کیا گیا، جواب یہ ہوگا کہ ضمناً ''**الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ**'' کا بیان آیت میں موجود ہے لیکن صراحت نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ آیت میں تین کام بیان ہوئے: (1) مباشرت (2) کھانا اور (3) شرب کی غایت۔ آیت میں ان تین کاموں کی فروعات کی طرف مکمل اشارہ ہو گیا۔ مباشرت صبح صادق سے تھوڑا پہلے تک جائز ہوگی تاکہ غسل میں تاخیر نہ ہو دوسرا یہ کہ جو جنابت کی حالت میں صبح کر دے وہ بعد میں غسل کر سکتا ہے (230)۔

آیت میں تیسرا حکم یہ ہے کہ روزہ کو رات تک مکمل کرو۔ اسلوب آیت واضح اور اکمل ہے کہ روزہ کا آغاز اور انجام دونوں کی حدود متعین کر دی گئی ہیں یہ کہ روزہ طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور رات کے آنے پر ختم ہو جاتا ہے۔

آیت میں چوتھا اور آخری حکم یہ ہے کہ اعتکاف کے دوران تم اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔ علامہ اسماعیل حقی نے اعتکاف کے دس فضائل اور فوائد لکھے ہیں (231):

- **پہلا فائدہ**

جو شخص ایک دن اعتکاف کرتا ہے اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل کر دی جائیں گی۔ ہر خندق کا دوسری خندق تک فاصلہ اتنا ہوگا جیسے مشرق اور مغرب کا درمیانی فاصلہ ہوتا ہے۔

- **دوسرا فائدہ**

تنہائی اور خلوت میں مکمل یکسوئی نصیب ہوتی ہے اور طبیعت روحانی لحاظ سے غلط کاریوں سے بچنے کی طرف مائل ہوتی ہے۔

- **تیسرا فائدہ**

نفس کشی اور نفسانی تہذیب کا موقع نصیب ہوتا ہے۔

چوتھا فائدہ

دنیا سے اعراض کا سبق ملتا ہے۔

پانچواں اور چھٹا فائدہ

اعتکاف صدق اور خلوص کا پہلا باب ہے اس سے اللہ کا تقرب نصیب ہوتا ہے۔

ساتواں فائدہ

توکل، اعتماد اور محبوب کی دہلیز پر جم کر بیٹھنا ملتا ہے۔

آٹھواں فائدہ

قناعت کی دولت ملتی ہے۔

نواں اور دسواں فائدہ

جھگڑوں اور فسادات دنیوی سے کنارہ کشی ملتی ہے اور کبائر سے بچنا نصیب ہوتا ہے۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا

مفسرین کا ایک طبقہ یہ خیال رکھتا ہے کہ حدود اللہ سے مراد جائز اور ناجائز حلال اور حرام کے وہ احکام ہیں جو اللہ نے قرآن حکیم میں بیان فرمائے ہیں جبکہ دوسرا طبقہ مفسرین کا یہ نظریہ رکھتا ہے کہ آیت متلو میں جو چار احکام بیان کیے گئے ہیں انہیں حدود اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سیاق کلام سے دوسرا نظریہ ہی معتبر معلوم ہوتا ہے(232)۔

آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ ان حدود کو عبور نہیں کرنا بلکہ یہ کہا گیا کہ ان سے قریب بھی نہیں پھٹکنا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی حد سے قریب ہونے کی وجہ سے شہوت کی زیادتی کی وجہ سے یا شک میں مبتلا ہونے کی بنا پر گناہ سرزد ہوجائے اس لیے "فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا" تم ان سرحدوں سے قریب تک نہ جاؤ تاکہ تقویٰ کی حدود کی رعایت برتی جاسکے۔

> "تفسیر صافی نے لکھا کہ محرمات الٰہی اس کی چار دیواریاں ہیں اگر کوئی شخص ان حدود خانہ کے گرد اپنی بھیڑ بکریاں لے جائے تو اس کا ڈر ہے کہ وہ ممنوعہ علاقے میں چلی جائیں"(233)۔

"حدود، حد" کی جمع ہے دو چیزوں کے درمیان آڑ کو حد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنے احکام مشروع فرمائے ہیں تاکہ وہ حق اور باطل کے درمیان آڑ بنیں اور اس نے اپنے

بندوں کو حکم دیا کہ وہ احتیاط کریں تا کہ احکام کی مخالفت اور حدود سے تجاوز کرنے سے بچا جا سکے۔ حدیث شریف میں ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔اللہ کی حد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے روکے ہوئے امور سے قریب نہ جایا جائے اس لیے کہ جو قریب جاتا ہے وہ لا محالہ اس کے اندر چلا جاتا ہے (234)۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

یہاں کاف محل نصب میں ہے اس اعتبار سے کہ مصدر محذوف کی صفت واضع ہوئی ہے۔قرآن مجید کے نزول اور آیات باری کے ابلاغ کا مقصد متعین کیا گیا ہے کہ خدا خوفی، تقویٰ اور پرہیز گاری لوگوں کے اندر سرایت کر جائے۔ یہی وہ قیمتی اور عظیم مقصد ہے جس کی اہمیت اور قدر و قیمت صرف ان لوگوں کو معلوم ہے جن کی روحیں ایمان سے ہر وقت سرشار رہتی ہیں ''**لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ**'' چند لفظ ہیں لیکن روزہ سے متعلق احکام کی روحانیت کا ثمر عمل کرنے والے لوگوں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔روزوں کا بیان ''تشکیل تقویٰ'' کی ثمر بیانی سے شروع ہوا تھا اور ختم بھی تقویٰ ہی کے موضوع پر ہو رہا ہے۔ روزوں کی ابتدا اور انتہا تقوی ہی تقوی ہے۔

آیت کا اسلوب سہل ممتنع کی خوبصورت مثال

اس مسئلہ پر خامہ فرسائی سے پہلے امام مالک کا ایک نایاب قول نقل کرنا چاہوں گا، آپ فرماتے ہوتے تھے(235):

> ''اگر میرے پاس کوئی ایسا آدمی لایا جائے جو عربی زبان
> کی نزاکتوں اور اسلوب قرآن کی اہمیت کو نہیں جانتا اور وہ
> قرآن کی تفسیر کرتا ہے تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ
> دنیا کے لیے نمونہ اور لوگوں کے لیے عبرت بن جائے گا''۔

ہمارے اسلاف کے نزدیک قرآن فہمی میں عربی ادب اور جاہلی ادب سے واقفیت انتہائی ضروری تھی۔اس راہ پر پڑے بغیر قرآن مجید سمجھنا ازبس دشوار رہتا ہے۔

اب آیئے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت میں اسلوب کس طرح ابلاغ اور بلاغت کے عرش کو چھو رہا ہے:

❁ **پہلا قرینہ**

آیت نہ بہت طویل ہے اور نہ اس میں تقصیر ہے۔اعتدال بیان اسلوب کو دلچسپ بنائے ہوئے ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

دوسرا قرینہ

لفظوں کا انتخاب شہامت رکھتا ہے جو شہد کے چھتے کی طرح مٹھاس سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہر لفظ کی جاذبیت اور کشش معنویت کا راز محسوس ہو رہا ہے۔

تیسرا قرینہ

آیت میں لفظوں کی تعداد تقریباً ستر ہے لیکن جو مسائل اس آیت کی روشنی میں مستفاد کیے گئے ہیں وہ ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔

چوتھا قرینہ

قرآن مجید حجاز کی مستند زبان عربی میں نازل ہوا ہے لیکن اس نے اپنی معنویت کو نکھارنے کے لیے دوسرے قبائل کی زبانیں بھی استعمال کی ہیں۔ زیرِ تعبیر آیت ہاشمیوں کی بولی سے منتخب کی گئی لیکن اس کا اسلوب ہر دل اور ہر روح میں اترنے والا ہے۔ یہ آیت پڑھ کر محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔

پانچواں قرینہ

عبدالملک اصمعی طویل عرصہ تک عرب کے ریگستانوں میں پھرتے رہے۔ غرض یہ تھی کہ قرآن مجید کے معانی اور مطالب سے متعلق نظائر جمع کریں۔ ان سے جب کوئی شخص کسی آیت کا معنیٰ پوچھتا وہ کہتے تھے لفظوں کا معنیٰ تو معلوم نہیں لیکن عرب اس کو اس مفہوم کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی آپ محسوس کریں گے کہ آیت کا عمود لفظوں سے بالا ''عربیت'' میں پنہاں ہے۔ اس قسم کے معجزے آپ کو قرآن مجید کے کئی اور مقامات میں بھی دیکھنے میں آئیں گے۔

چھٹا قرینہ

کھانے نہ کھانے، پینے نہ پینے اور جماع کرنے نہ کرنے کی باتیں آیت کا موضوع اور عنوان ہے۔ زبانوں کے عالمی ادب اس قسم کی باتوں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن قرآن مجید کا بیان اتنا ستھرا، بلند، روحانی اور ندرت بھرا ہے کہ دل آیت کی تلاوت سے مسحور ہو جاتا ہے۔ سوقیانہ ذہنیت لمحہ بھر کے لیے بھی طبیعت پر مستولی نہیں ہوتی، یہی اندازِ تلاوت آیت کی تلاوت کو عبادت بنا دیتا ہے۔ عبدالملک اصمعی کے الفاظ خوبصورت ہیں کہ قرآن کا اعجاز سراسر اس کی سادگی، برجستگی اور بشری ذہنیت سے ماورایت میں ہے۔

ساتواں قرینہ

کلام کی عظمت اس کے مجازات اور ان کے فہم سے وابستہ ہوتی ہے۔ جس کلام میں استعاراتی قرائن نظم کی شربتیت کو قائم رکھیں اور بات کو پوری طرح واضح کر دیں وہ کلام بہت بالا کلام ہوتا ہے۔ یہاں ستر لفظوں کی اس آیت میں پندرہ استعارے اور مجاز استعمال کیے گئے اور یہ ندرت کی اعلیٰ مثال ہے۔

(1) پہلا مجاز راتوں کا حلال ہونا ہے۔ کسی فعل کے حلال ہونے کے لیے راتوں کا حلال ہونا مجاز کی خوبصورت قسم ہے۔

(2) دوسرا مجاز کھانے پینے سے رکنے کے لیے ''صوم'' لفظ کی جمع ''صیام'' ہے۔ اب اصطلاح حقیقی معنوں سے زیادہ مجازی معنوں میں قابل صد فہم ہوگئی ہے۔

(3) تیسرا مجاز جماع اور جنسیت کی باتوں کے لیے ''الرَّفَثُ'' کا استعمال ہے جماع کی باتوں کو یہاں جماع کے قائم مقام قرار دے دیا گیا ہے۔

(4) چوتھا مجاز عورتوں کا مردوں کا لباس ہونا ہے۔

(5) پانچواں مجاز مردوں کا عورتوں کا لباس ہونا ہے۔

(6) چھٹا مجاز راتوں کو جماع کرنے کے لیے نفسوں کی خیانت سے تعبیر ہے۔

(7) ساتواں مجاز ''فَتَابَ'' کا لفظ ہے اس میں جیسے پہلے ناراض ہونے کا مفہوم ہے اور پھر اُس کیفیت کو ختم کر کے رجوع رحمت کا معنیٰ پیدا کرنا ہے۔ اسلوب میں حیرت انگیزی ہے۔

(8) آٹھواں مجاز معاف کرنے کے لیے ''عَفَا'' درگزر کرنے کی اصطلاح استعمال کرنا ہے۔ یہاں خیانت نفسی کے آثار کو مٹا دینے کے لیے ''عَفَا'' مجازاً استعمال ہوا ہے۔

(9) نواں مجاز جماع کے لیے مباشرت لفظ کا استعمال ہے۔ لغوی معنیٰ تو جِلد کا جلد سے مل جانا مُراد ہوتا ہے لیکن یہاں مباشرت لفظ مکمل جماع کے لیے لانا مجازاً ہے۔

(10) دسواں مجاز اولاد تلاش کرنے کے لیے ''وَابۡتَغُوۡا مَا كَتَبَ'' کا استعمال ہے۔ یہ بھی مجاز ہے۔ لفظ حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوئے ہیں۔

(11) گیارہواں مجاز ''مَا كَتَبَ'' کا ہے یعنی بیٹا ہوگا یا بیٹی اس صراحت کی ''مَا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

کَتَبَ'' لکھ کر تقدیر مراد لے لی گئی ہے۔

(12) بارہواں مجاز کالا دھاگہ اور سفید دھاگہ صبح صادق اور صبح کاذب کے لیے بطور استعارہ لائے گئے ہیں یہ استناد بھی مجازی ہے۔

(13) تیرہواں مجاز لفظ فجر ہے۔ یہ بھی پھاڑنے کے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ ایسے ہے جیسے رات کا کلیجہ چیر کر فجر طلوع ہوئی ہے۔ یہ بھی مجاز ہے۔

(14) چودہواں مجاز اعتکاف لفظ کا استعمال محبوب کی دہلیز پر خیمہ لگا لینے کے معنوں میں استعمال ہے۔

(15) اور پندرہواں مجاز حلال اور حرام میں سرحد قائم کرنے کے معنوں کو حدود سے تعبیر کرنا ہے اور یہ اسلوب بھی مجازی ہے۔

واللہ اعلم

❁ آٹھواں قرینہ

قرآن مجید کی اس آیت میں پندرہ مجازات استعمال کیے گئے لیکن آخر میں قرآن مجید نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یوں ہی لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے۔ بیان کرنا تو کسی چیز کو کھول دینا ہوتا ہے۔ اسلوب کی نیرنگی تو ہے کہ پردوں میں چھپاتے بھی ہیں اور ہر بات اشاروں سے بتاتے بھی ہیں۔

فیھا سبحٰن اللہ

❁ نواں قرینہ

بلاغت کا نواں قرینہ آیت کی معنویت ہے۔ دیکھنے میں یہ آسان سا بیان لگتا ہے لیکن قلم لے کر اگر کوئی لکھنا چاہے تو امتناع کا تازیانہ قلم کو شکستہ کر دیتا ہے۔

❁ دسواں قرینہ

آیت کا دروبست توحید کے ساتھ ہر حکم کو مربوط رکھتا ہے۔ اس طرح کہ آیت میں کوئی چیز نفس سازی یا تخیلات کا کرشمہ نہیں بلکہ سب کچھ من جانب اللہ ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ
لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ ع
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط وَلَيْسَ
الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ج وَاْتُوا
الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾
وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾

(188) اورتم اپنے مالوں کو آپس میں بے جا نہ کھایا کرو اور نہ ہی اس کے لیے حکام تک رسائی بنایا کروتا کہ تم ہڑپ کرلو لوگوں کے مال میں سے کچھ حصّہ گناہ کرتے ہوئے جبکہ تم اس کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہو

(189) وہ آپ سے نئے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمایئے یہ اس کا گھٹنا بڑھنا لوگوں کے نظام الاوقات کے لیے ہے اور حج کا وقت بھی اس سے وابستہ ہے اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہو، نیکی تو دراصل تقویٰ ہے سو گھروں میں سیدھے دروازوں کی طرف سے آؤ اور ڈرو اللہ سے تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو

(190) اور لڑو تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

مفردات

وَ: اور

لَا: نہ

تَاۡكُلُوۡٓا: کھاؤ

اَمۡوَالَكُمۡ: اپنے مالوں کو

بَيۡنَكُمۡ: آپس میں تم لوگ

بِالۡبَاطِلِ: باطل طریقے سے

وَتُدۡلُوۡا: یہاں "تُدۡلُوۡ" سے پہلے "لا" مقدر ہے معنی یہ ہے اور نہ رسائی بناؤ

بِهَآ: اس کے ذریعے

اِلَى: کی طرف

الۡحُكَّامِ: حکمران

لِتَاۡكُلُوۡا: تا کہ تم کھاؤ

فَرِيۡقًا: ایک حصہ

مِّنۡ: سے

اَمۡوَالِ: اموال

النَّاسِ: لوگوں

بِالۡاِثۡمِ: گناہ کے ساتھ

وَ: درآں حالے کہ

اَنۡتُمۡ: تم لوگ

تَعۡلَمُوۡنَ: جانتے ہو

وَلَا تَاۡكُلُوۡٓا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِهَآ اِلَى الۡحُكَّامِ لِتَاۡكُلُوۡا فَرِيۡقًا
مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾

''اور تم اپنے مالوں کو آپس میں بے جا نہ کھایا کرو اور نہ ہی اس کے لیے حکام تک رسائی بنایا کرو تا کہ تم ہڑپ کر لو لوگوں کے مال میں سے کچھ حصّہ گناہ کرتے ہوئے جبکہ تم اس کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہو''۔

شانِ نزول

یہ آیت امراؤ القیس بن عابس کندی کے حق میں نازل ہوئی جس پر ربیعہ بن عبدان حضرمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں دعویٰ کر دیا تھا کہ امراؤ القیس نے اس کی زمین غصب کر لی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہیاں موجود ہیں؟ اُس نے عرض کی میرے پاس کوئی گواہ موجود نہیں پھر آپ نے فرمایا: تمہیں قسم اُٹھانی پڑے گی۔ وہ قسم کے لیے جب چل پڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا خبردار اگر اُس نے ساتھی کا مال ہڑپ کرنے کے لیے قسم کھائی تو وہ ظلم کی وجہ سے مال کھائے گا اور اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اُس سے اعراض فرما رہا ہو گا (236)۔

نورِ احادیث کے جلوے

ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر یہ آیت اُس شخص کے بارے میں ہے کہ اس پر دوسرے کا قرضہ ہو اور اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو اور وہ انکار کر دے اور مقدمہ حکام کے پاس جائے۔ وہ جانتا ہو کہ اس پر حق لازم ہے اور اُسے علم ہو کہ وہ گناہ گار اور حرام خور ہے (237)۔

زید بن اسلم کی روایت کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہیں معلوم ہو کہ تم ظلم کر رہے ہو تو ہرگز مقدمہ دائر نہ کرو (238)۔

چند لفظوں کی وضاحت

''مال'' کا مادہ ''میل'' ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ کسی چیز کی طرف قلبی رجحان اور رغبت کا ہونا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے جس چیز کی طرف طبیعت کی رغبت بن سکے وہ مال ہوتا ہے، خیال ہے کہ معاشی مفاد جس چیز سے وابستہ ہو وہ مال کہلاتا ہے۔

دوسرا لفظ آیت میں ''باطل'' استعمال ہوا ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ قرآن

مجید میں اکثر مقامات پر یہ حق کے مقابلہ میں آیا ہے۔ ہر وہ چیز جو حق نہیں ہے وہ باطل ہو گی مثلاً حق کا ایک مفہوم ٹھوس تعمیری نتائج کا ہے اس اعتبار سے ہر تخریبی اور منفی کوشش باطل کہلائے گی ایسی کوشش جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ ''بطل الشئ'' کا معنیٰ ہو گا کسی چیز کا ضائع ہو جانا(239)۔

زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اُس پر پوری نہ اُترے تو اسے باطل کہہ دیتے ہیں۔ ''ابطال'' کا مفہوم ہوتا ہے کسی چیز کو خراب کر دینا(240)۔

صاحب محیط کہتے ہیں وہ چیزیں جنہیں مخصوص مفادات اور افادات کے لیے بنایا جائے لیکن وہ نابود ہو جائیں تو وہ اشیاء باطل کہلائیں گی (241)۔

لسان العرب نے لکھا کہ جو چیز اٹل نہ ہو وہ باطل ہو گی۔ بہت بہادر آدمی کو ''بطال یا بطل'' کہہ دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی قیمت کو کچھ نہیں سمجھتا۔ ''بطل حریت'' وہ ہو گا جو آزادی کے عوض ہر چیز کو بے وقعت سمجھے(242)۔

''تُدۡلُوۡا، دلو'' سے ہے ''ادلاء'' کنویں میں پانی لینے کے لیے ڈول ڈالنا ہوتا ہے۔ مجاز میں یہ حکام سے کام نکلوانے کے لیے مال روانہ کرنا ہے۔ رشوت وغیرہ کی جتنی اقسام ہیں وہ ''ادلاء'' ہیں وہ معاشرے کو برباد کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

زیر تعبیر آیت میں اقتصادیات کی ٹھوس بنیاد بتائی گئی ہے۔ انسانی معاشرے میں لوگ مال کو جائز طریقے سے گھومنے دیں۔ باطل طریقے سے اقتصاد کی تدویر ریاستی نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ وہ لوگ جو حکام کو مال سے رسائی کی رسیوں میں جکڑ لیتے ہیں وہ سرطان کا وائرس اپنے ملک میں پالتے ہیں۔ اقتصاد جب تباہ ہو جاتا ہے تو عبادات اور روحانیت کسی صورت میں استحکام پیدا نہیں کر سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی وجہ ہے کہ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔

وہ اموال جن سے ابتری پیدا کی جاتی ہے قرآن مجید کی یہ آیت اُسے ''فَرِيۡقًا'' سے تعبیر کرتی ہے۔ اشارہ اس طرف ہو رہا ہے جیسے تفرقہ معاشرت کو برباد کرتا ہے اسی طرح مال مفرّقہ معاشیات کو تباہ کر دیتا ہے۔

ریاستی تاریخ میں پانچ چیزیں اہم ہوتی ہیں:

(1) حسن انتظام

(2) امانت نفسی

(3) حسن قانون واخلاق

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

(4) روحانی حسن معاشرت اور

(5) حسنِ اقتصاد

اموال کا ادلاء اور ارشاء ان پانچوں چیزوں کو برباد کرتا ہے اس لیے قرآن حکیم نے سختی سے اس کی مذمت کی۔

واللہ اعلم

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ ؕ قُلۡ هِىَ مَوَاقِيۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ ؕ وَلَيۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِهَا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۸۹﴾

''وہ آپ سے نئے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمایئے یہ اس کا گھٹنا بڑھنا لوگوں کے نظام الاوقات کے لیے ہے اور حج کا وقت بھی اس سے وابستہ ہے اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہو، نیکی تو دراصل تقویٰ ہے سو گھروں میں سیدھے دروازوں کی طرف سے آؤ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو''۔

سورۂ بقرہ کی آیت رقم 189 کا عمود فلاحی معاشرہ کا قیام ہے۔ یاد رہے کہ وہ انسانی معاشرت جس میں کامیابی کی ضمانت دی جاتی ہو وہ دورِ جاہلیت کا بوجھ اُٹھانے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ یہ بات درست ہے کہ بات کا آغاز چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے متعلق ایک سوال سے ہوا ہے لیکن آیت کا اصل ہدف روحانیت کی تکمیل ہے جو اصلاح رسوم اور قیام عبادت کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتی۔ آیت میں اُبھرنے والا تہذیبی نکتہ یہی ہے کہ نیکی تقویٰ ہی کے بیج سے اُگ سکتی ہے۔

اسلوب آیت کی نیرنگی اور شفافیت ملاحظہ ہو کہ نیکی کا ذکر، بیوت میں داخلے کا بیان، تقویٰ کی تعبیر اور بذات خود گھروں کے دروازوں کا ذکر دو دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ مضامین کے انتخاب اور وضع اسلوب میں صبغیت آیت کی مقناطیسیت کو بڑھا دیتی ہے۔

شان نزول

مفسرین نے لکھا کہ یہ آیت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ بن غنم انصاری کے حق میں نازل ہوئی۔ دونوں نے عرض کی یا سیدنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وجہ ہے کہ چاند ابتدا میں باریک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نور سے بھر جاتا ہے، اس کے بعد پھر وہ باریک ہو جاتا ہے اور پھر پتلا ہو کر بحر ظلمت میں اتر جاتا ہے۔ یہ ایک ہی حالت میں نہیں رہتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ: آپ سے پوچھتے ہیں
عَنِ: سے
الۡاَهِلَّةِ: چاند کے اہلال سے متعلق
اہلال کا مطلب ہوگا چاند کا گھٹنا اور بڑھنا
قُلۡ: فرما دو
هِىَ: وہ
مَوَاقِيۡتُ: اوقات کے تعین کا وسیلہ
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَالۡحَجِّ: اور حج
وَلَيۡسَ: اور نہیں
الۡبِرُّ: نیکی
بِاَنۡ: یہ کہ
تَاۡتُوا: آؤ تم
الۡبُيُوۡتَ: گھروں میں
مِنۡ: سے
ظُهُوۡرِهَا: پشتوں کی طرف سے
وَلٰكِنَّ: اور لیکن
الۡبِرَّ: نیکی
مَنِ: جو
اتَّقٰى: ڈرا
وَاۡتُوا: اور آؤ
الۡبُيُوۡتَ: گھروں میں
مِنۡ اَبۡوَابِهَا: دروازں کی طرف سے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور ڈرو اللہ سے
لَعَلَّكُمۡ: تا کہ تم
تُفۡلِحُوۡنَ: فلاح پاؤ

بعض روایات میں اسماء کے تعین میں اختلاف ہے لیکن روایت معناً یکسانیت رکھتی ہے (243)۔

تدبر وتفکر

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے یا تو سوال کا مقصد چاند کی تکوینی اور تخلیقی حکمت اور منطق کے سمجھنے کے ساتھ متعلق تھا اور دوسری صورت یہ تھی کہ وہ باب نبوت میں جھانک کر جاننا چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم واقعتہً ایسا ہے کہ ان پر اعتماد کر کے انہیں نبی مان لیا جائے، ممکن ہے وہ خلوص سے چاند کی فلکیاتی خصوصیات سمجھنا چاہتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی فطری سادگی کو قائم رکھتے ہوئے فرمادیا:

''یہ اوقات کے تعین کا ایک ذریعہ ہے''۔

چاند کا گھٹنا بڑھنا ایسی قدرتی تقویم ہے جسے ہر شخص باآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اللہ نے اس جنتری کو آسمان پر آویزاں کر دیا ہے، اسے اُمی اور پڑھے لکھے سب برابر دیکھ سکتے ہیں، شہری اور دیہاتی سب اس سے یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔ یہ پکی بات ہے کہ شمسی جنتری ہر شخص کے لیے قابل فہم نہیں ہو سکتی لیکن مصری، سومری، یونانی اور عربی سب قومیں قمری جنتری پر ہی عمل پیرا رہی ہیں۔ یہ آسان، سہل اور فطرت سے قریب راہ ہے جس پر چلنا قوموں کے لیے ہمیشہ آسان محسوس ہوتا رہا۔

''اَهِلَّةِ'' کی تشریح

علامہ قرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ ''اَهِلَّةِ، ہلال'' کی جمع ہے (244)۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''ھلال'' ایک ہے لیکن ''اَهِلَّةِ'' جمع نقل کیا گیا ہے۔ جواب قرطبی نے یہ دیا ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک ہوتا ہے اور دوسرے مہینے کا دوسرا اور یوں ہی تیسرے مہینے کا تیسرا چاند ہوتا ہے، اس عرفی اعتبار سے ''اھلہ'' جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ متعدد کہکشاؤں کے اپنے اپنے چاند ہوں اور ان کا طلوع وغروب زمینی چاند سے متعلق ہو۔

واللہ اعلم

المحرر الوجیز اور افکار کا تنوع

چاند کو ''شھر'' بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ہاتھ کے اشارے سے اسے شہرت دی جاتی ہے اور خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے (245)۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ مہینہ کی آخری دو راتوں اور آغاز کی دو راتوں کو بھی ''ھلال'' کہہ دیتے ہیں (246)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

بعض مفسرین نے لکھا کہ مہینے کی پہلی تین راتیں ''ھلال'' کہلاتی ہیں (247)۔

اصمعی نے کہا ''ھلال'' وہ ہوتا ہے جو باریک دھاگے کی طرح گول ہوتا ہے۔

قرطبی نے ایک قول یہ نقل کیا کہ ''ھلال'' وہ ہوتا ہے جو اپنی روشنی کے ساتھ آسمان کو روشن کرتا ہے اور یہ ساتویں کی رات میں ہوتا ہے (248)۔

ابو العباس نے کہا کہ چاند کو ''ھلال'' اس لیے کہتے ہیں کہ لوگ اس کے متعلق خبر دیتے ہیں اور ساتھ آواز کو بلند کرتے ہیں۔

تاج نے لکھا کہ ''ھلال'' بچے کی اُس آواز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اس کی زندگی ظاہر ہوتی ہے (249)۔

امام قشیری نے کہا کہ ''ھلال'' کا لغوی معنیٰ پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنا ہوتا ہے (250)۔

حاکم کی روایت

حضور ﷺ سے پہلے قریش کو حمس کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ احرام کی حالت میں دروازوں ہی سے داخل ہوتے لیکن ان کے علاوہ انصار اور دوسرے عرب حالت احرام میں گھروں میں جانا ہوتا تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے کہ آپ دروازے سے باہر تشریف لائے جب کہ آپ کے ساتھ قطبہ بن عامر انصاری تھا۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ قطبہ فاجر آدمی ہے وہ بھی آپ کے ساتھ دروازے سے باہر نکلا ہے۔ حضور ﷺ نے اُس سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اُس نے عرض کی میں نے آپ کو جیسا کرتے دیکھا اتباع کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں احمسی ہوں۔ اس نے عرض کی میرا دین بھی وہی ہے جو آپ کا ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی اور دورِ جاہلیت کا اثر دورِ نور سے ختم کر دیا (251)۔

ابن جریر طبری نے روایت نقل کی لیکن قطبہ کی جگہ نام رفاعہ بن تابوت کا نقل کیا (252)۔

سیوطی نے اس نوعیت کا ایک واقعہ صلح حُدیبیہ کی تاریخ سے مربوط نقل کیا ہے (253)۔

آیت میں ایک خاص جملہ

محبوب فرما دو! چاند کا گھٹنا بڑھنا اوقات اور میقات کا درس دیتا ہے اور حج کے اوقات، تاریخ اور وقت پر اس کے عالمی اثرات سے آگاہ کرتا ہے۔

تعبیر قرآن میں میرے روحانی ہم سفرو!

آؤ چاند پر سواری کریں

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

حقیقتاً نہ سہی

تصور ہی میں چاند کو مرکب بنالیں

دیکھتے دیکھتے فاصلے ریاستوں کے ریاستوں سے ختم ہوجائیں گے

اور ساری انسانی کائنات گلے مل لے گی

لیکن

افسوس تو اسی کا ہے ایسا ممکن نہیں

آیئے!

اس بوڑھے معلم سے فاصلے مٹانے کی تعلیم تو لے لیں۔ چاند منور ہے، چاند روشن ہے، اس کے آنے جانے سے انسانوں کی راتیں منور ہوتی ہیں، چاند راتوں کا گہرا سکوت محبوب ازلی کی حضوری نصیب کرتا ہے۔

خزاں کا چاند غفلت مآب لمحوں کو دفنانے کا سبق دیتا ہے اور بہاروں کا چاند صدیوں کی تاریخ کے پیٹ سے مقصدیت کی تصویریں تلاش کر لیتا ہے۔

شیخ سعدی نے ایک معمولی پرندے کی آواز سے ایک سبق حاصل کر لیا تھا کہ پرندوں کا چہچہانا حمدیہ گیت ہیں اور غفلت کی زندگی ننگِ آدمیت ہے۔ یہ بوڑھا، روشن، تابندہ اور ہر وقت گریبان چاک کیے عاشق ہمیں بہت کچھ سکھا تا ہے کہ رویت ہلال سے تم بے مقصد زندگی کی ظلمتوں سے روشنی کشید سکتے ہو لیکن شرط یہ ہے کہ رویت ہلال کمیٹی کا کوئی رکن اندھا اور نابینا نہ ہو، چاند سے تعلیم کوئی دیکھنے والا ہی لے سکتا ہے۔

قارئین!

گھٹنا بڑھنا ایک ادا ہے

چاند کی یہ ادائیں ہی اس کی جاذبیت اور مقناطیسیت کا راز ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ یہی وجہ ہے کہ چاند راتوں میں کبھی قمر دیکھتے اور کبھی ''چہرۂ والضحیٰ'' کی زیارت کرتے، ادائیں اور روشنی دیکھ کر ہی ان کا فیصلہ ہوتا:

فلهو احسن عندی من القمر

''قسم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ حسین تھے''۔

چاند کی تعلیم یہی ہے

زندگی کی مقصدیت پالو!
اپنے تاریک جہاں کو روشن کرنے کی کوئی ادا اپنالو
کبھی چھوٹا ہو کر

اور
کبھی بڑا مکمل ہو کر
محبوب ازلی کے لیے رقصاں وفرحاں ہونے کی تربیت ہی پالو
چاند کی تاریخ واہ واہ ہے
یہ مدنی محبوب کا کھلونا بھی ہے
اور یہ محبتوں کا آئینہ بھی ہے
جاحظ نے کہا تھا:

''یہ مہینے کی آخری تین راتوں میں روتا ہے اور پھر محبوب
کی نظر سے زندگی پالیتا ہے
اس میں یہ تعلیم بھی ہے جس کے ساتھ تم ہنسے ہو اُسے بھول
سکتے ہو
لیکن جس کے ساتھ تم روئے ہو اُسے تم کبھی بھول نہیں
سکتے ہو''۔

آیت کا لب لباب

آیت کا تعبیری اور تفسیری سبق یہ ہے کہ وقت کے معاملے میں کبھی غیر محتاط اور غافل نہ بنو۔ وقت میں چھاننے کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے۔ اس کی تحفیظ بھی ہونی چاہیے اور اس کی تنویر کا بھی کوئی اہتمام ہونا چاہیے۔ وقت کے دھارے سے پھوٹتے سمندروں اور قلزموں کے راز بھی پانے چاہییں اور وقت کی خاموشیوں اور سکوت سے فطری تنبیہات کے الارم اور اذانیں بھی سماعت کرنی چاہییں۔

آیت ''رسم ورواج'' کی برف کو پگھلا دیتی ہے اور حضور ﷺ کی سنت کے خزانوں کو دامن میں ڈال کر چاند کو حکم دیتی ہے اعلان کردو اصل خزانہ تقویٰ بھری زندگی میں مضمر فلاح ہے، فلاح ہے اور فلاح ہے۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

چاندرات صرف شبنم کا قطرہ ہی نہیں عطا کرتی یہ آنسوؤں کے قطرات بھی موتی بنا کر تاریخ کے چہرے پر نچھاور کرتی ہے لیکن یہ راز صرف اُسی کو ملتے ہیں جو رحمت عالمیاں ﷺ کے درِ دولت کا سوالی بنتا ہے۔

وَ قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۱۹۰﴾

''اور لڑو تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اسلام کا مزاج لڑائی اور جنگ نہیں۔ ایمان کا معنی ہی امن ہے اور اسلام کا مفہوم ہی سلامتی ہے۔ قرآن سب سے پہلے اللہ کی صفت رحمت سے قاریٔ قرآن کو روشناس کراتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی والدہ کا نام آمنہ تھا اس اسم کا مطلب بھی امن دینے والی ہوتا ہے۔ روایات کے مطابق مسلمانوں کو پہلی مرتبہ یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ راہ دین میں مسلح مزاحمت کرتے ہیں ان کے خلاف مسلح جہاد کرو۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ''قَاتِلُوۡا'' اور ''يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ'' باب مفاعلہ سے ہیں جب کہ اس باب کی خاصیت ہی کسی کام کے دو طرفوں اور جہتوں سے ہونا ہوتی ہے۔ ''قَاتِلُوۡا'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، قتال کرتے ہیں اور مسلح لڑائی کے لیے تیار رہتے ہیں، ان کے خلاف تلوار اُٹھانے میں کوئی قباحت نہیں البتہ زیادتی کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا۔

آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی جب حضور ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے۔ جب حدیبیہ کے مقام پر آپ پہنچے تو مشرکین مکہ نے روک ڈال دی۔ حضور ﷺ کا مشرکین سے معاہدہ ہو گیا کہ اس سال مسلمان واپس مدینہ چلے جائیں گے اور آئندہ سال عمرہ کے لیے مسلمان آسکیں گے اور عمرہ کے دوران تین دنوں کے لیے مشرکین مکہ خالی کر دیں گے۔ آئندہ سال جب مسلمان عمرہ کے لیے آئے تو انہیں خوف ہوا کہ مشرکین حملہ نہ کر دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور زیادتی کی صورت میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت دے دی گئی۔

❁❁❁❁❁

وَ: اور
قَاتِلُوۡا: قتال کرو
فِىۡ: میں
سَبِيۡلِ: راستہ
اللّٰهِ: اللہ
الَّذِيۡنَ: وہ جو
يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ: تم سے مقاتلہ کرتے ہیں
وَلَا: اور نہ
تَعۡتَدُوۡا: زیادتی کرو
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا
الۡمُعۡتَدِيۡنَ: زیادتی کرنے والے

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى
يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾
فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾
وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا
عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

(191) اور انہیں قتل کرو جہاں بھی تمہارا اُن سے مقابلہ ہو اور نکال دو تم انہیں وہاں سے جہاں سے اُنہوں نے تمہیں نکالا اور اُن کا فساد مچانا قتل سے بھی بُری چیز ہے اور اُن سے قتال مسجد حرام کے پاس نہ کرو ہاں جبکہ وہ تم سے خود ہی وہاں قتال کرنے لگ جائیں اور اگر وہ تم سے لڑائی کریں تو پھر اُن کو تم قتل کردو کافروں کی سزا ایسی ہی ہونی چاہیے

(192) تو اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے

(193) اور فتنہ کے نابود ہونے تک اُن سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ نظام اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو زیادتیوں کا خمیازہ صرف ظالموں ہی کو بھگتنا چاہیے

مفردات

وَاقۡتُلُوۡهُمۡ: اور قتل کرو انہیں
حَيۡثُ: جہاں بھی
ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ: پاؤ تم انہیں
وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ: اور نکالو تم ان کو
مِّنۡ: سے
حَيۡثُ: جہاں
اَخۡرَجُوۡكُمۡ: نکالا انہوں نے تم کو
وَالۡفِتۡنَةُ: اور فتنہ
اَشَدُّ: زیادہ سخت ہے
مِنَ الۡقَتۡلِ: قتل سے
وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ: اور ان سے لڑائی نہ کرو
عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ: مسجد حرام کے پاس
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يُقٰتِلُوۡكُمۡ: وہ تم سے لڑائی کریں
فِيۡهِ: اس میں
فَاِنۡ: پس اگر
قٰتَلُوۡكُمۡ: وہ تم سے لڑائی کریں
فَاقۡتُلُوۡهُمۡ: تو تم بھی ان سے لڑائی کرو
كَذٰلِكَ: یوں ہی
جَزَآءُ: جزا
الۡكٰفِرِيۡنَ: کفر کرنے والوں کی

وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ
اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ ۚ
فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹۱﴾

''اور انہیں قتل کرو جہاں بھی تمہارا اُن سے مقابلہ ہو اور نکال دو تم انہیں وہاں سے جہاں سے اُنہوں نے تمہیں نکالا اور اُن کا فساد مچانا قتل سے بھی بُری چیز ہے اور اُن سے قتال مسجد حرام کے پاس نہ کرو ہاں جبکہ وہ تم سے خود ہی وہاں قتال کرنے لگ جائیں اور اگر وہ تم سے لڑائی کریں تو پھر اُن کو تم قتل کر دو کافروں کی سزا ایسی ہی ہونی چاہیے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں عمود تعبیر ''فتنہ'' کا فہم ہے۔ یہ موذی مرض قتل سے بھی زیادہ تباہ کن ہے اس لیے ہم چاہیں گے کہ قدرے تفصیل کے ساتھ فتنہ پر بحث کریں۔

''فتن'' کا لغوی معنیٰ سونے یا چاندی کو آگ میں پگھلانے کے لیے ڈال دینے کے ہوتے ہیں تا کہ اس میں سے کھوٹ نکل جائے۔''ورق فتین'' اُس چاندی کو کہتے ہیں جو جلائی تپائی گئی ہو۔اسی طرح وہ دینار جسے آگ میں تپایا گیا ہو''دینار مفتون'' کہلاتا ہے۔کسوٹی کو''الفتانہ'' کہہ دیتے ہیں(254)۔

''فتنہ'' کا معنیٰ جنگ ،مصیبت اور عذاب ہوتا ہے۔راغب نے اس کا معنیٰ آزمانا اور امتحان لینا بھی لکھا ہے۔کہیں کہیں یہ لفظ فساد انگیزی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔وہ رکاوٹیں جن سے دین کو روکنا مقصود ہو وہ بھی''فتنہ'' ہی ہوتی ہیں۔آیت کے اندر''فتنہ'' سے مراد دین سے روکنا ہے،فساد انگیزی اور شر پروری ہے(255)۔

شرک کے وسیع مفہوم میں بت پرستی اور شرک ایسی گندگی بھی شامل ہوتی ہے اس لحاظ سے فتنہ شرک اور بت پرستی کی صورت میں قتل سے بڑا جرم ہے۔حرم کے تقدس والے ماحول میں اس کی کوئی بھی صورت قابل برداشت نہیں ہوسکتی۔اس کے باوجود مسلمانوں کو حرم میں اور اس کے مقدس ماحول میں لڑائی سے روکا گیا لیکن اگر مشرکین خود پہل کر دیتے ہیں تو مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں رہتا کہ وہ جنگ سے پرہیز کرتے رہیں،فتنہ گروں کی سرکوبی پھر ضروری ہوجاتی ہے۔

واللہ اعلم

مفردات

فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۲﴾

''تو اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے''۔

یہ آیت اسلام کے مزاج کی عکاسی کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات توحید بیان کرتی ہے تاکہ وہ لوگ جو فتنوں، کفر پرستی اور بت پرستی کے ماحول میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے دل میں شعور کی کرن جگہ پکڑے اور وہ گندے کرتوتوں سے باز آ جائیں۔ آیت کا سبق کس قدر واضح ہے کہ کفر اور شرک سے توبہ کر لینے کی صورت میں ان کی توبہ قبول ہو جائے گی اور وہ اللہ کو بخشنے والا پائیں گے اور اللہ کی رحمت ان لوگوں کو اسلامی معاشرت اور دینی اخوت کی نعمت سے مالا مال کر دے گی۔

واللہ اعلم

وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹۳﴾

''اور فتنہ کے نابود ہونے تک اُن سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ نظام اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتیوں کا خمیازہ صرف ظالموں ہی کو بھگتنا چاہیے''۔

اسلام دین امن ہے۔ اس عظیم المرتبت قدر کے فروغ کے لیے اور سلامتی کی ترویج کے لیے قرآنی دین کی مساعی قابل رشک ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل میں روایت موجود ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (256):

''اللہ تعالیٰ امن اور سلامتی کے قیام میں تمہارا اس طرح مددگار ہے کہ گھر کی چار دیواری میں زندگی گزارنے والی ایک عورت ہوگی۔ وہ پردہ نشین تنِ تنہا کسی محافظ اور معاون کے بغیر مدینہ سے الحیرہ کا یا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر لیا کرے گی۔ راستے میں کوئی چور اور کوئی رہزن اُسے خوف زدہ نہ کر سکے گا''۔

قرآن مجید نے سلامتی کے راستوں کی تعریف کی ہے اور سورۂ قریش میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ اُس نے تمہیں خوف سے نجات دے کر امن سے نوازا ہے۔

سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (257):

''اگر دشمن صلح اور سلامتی کا ہاتھ پھیلائے تو تم بھی اپنے

فَاِنۡ: پس اگر
انۡتَهَوۡا: وہ باز آ گئے
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَفُوۡرٌ: بہت زیادہ معاف کرنے والا، بخش دینے والا
رَّحِيۡمٌ: مہربان، رحمت کنندہ

وَقٰتِلُوۡهُمۡ: اور ان سے جنگ کرو
حَتّٰى: یہاں تک کہ
لَا تَكُوۡنَ: نہ رہے
فِتۡنَةٌ: فتنہ، تخریب کاری یا شرک اور بت پرستی
وَّيَكُوۡنَ: اور ہو جائے
الدِّيۡنُ: دین
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
فَاِنِ: پس اگر
انۡتَهَوۡا: وہ باز آ جائیں
فَلَا: تو نہ ہو
عُدۡوَانَ: زیادتی
اِلَّا: مگر
عَلَى: پر
الظّٰلِمِيۡنَ: ظلم کرنے والوں یا شرک اور بت پرستی کے مرتکبین

ہاتھ آگے کردو اور اللہ پر توکل کرو کہ وہ سمیع وعلیم ہے''۔

زیر تعبیر آیت میں زور لڑائی کرو پر نہیں بلکہ زور اس پر ہے کہ فتنہ نہیں رہنا چاہیے اس لیے کہ شرارت انگیزی، فساد، قتل وغارت اور ڈکیتی ایسے فتنے امن عالم کو تباہ کرتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو بدی کا ہر سوراخ بند کر دینا چاہیے گویا جنگ کا ہدف دفع فتنہ وفساد ہے۔

وہ لوگ جو باطل نظریات کو لوگوں میں رائج کرنے کے لیے کوئی کردار نہ رکھتے ہوں تو ان کے بارے میں اس آیت میں اسلام کے مزاج کو پڑھا جا سکتا ہے۔

سورۂ ممتحنہ میں ہے (258):

لَا یَنۡہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ

''وہ لوگ جنہوں نے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا بھی نہیں ہے، اللہ تمہیں منع نہیں فرماتا کہ ان سے نیکی کرو اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آؤ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں ہی سے پیار کرتا ہے''۔

آیت میں سبق ظالموں سے مروت نہ برتنے کا ہے۔ یہ قول بہت خوبصورت ہے کہ اسلامی ریاست کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ ہرگز قائم نہیں رہ سکتی۔ جہاد اور قتال اس لیے ضروری ہے کہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے اور فتنے اور فساد کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى
عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

(194) حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلے ہے اور تمام تر حرمتوں میں ادلہ کا بدلہ ہے تو جس نے تم پر زیادتی کی تو تم بھی اُس پر اُسی قسم کا سلوک روا رکھ سکتے ہو جیسی زیادتی تم پر اُس نے کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ نہ بھولو کہ اللہ اُنہی کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں

(195) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرتے رہو بے شک اللہ محبت اُن ہی لوگوں سے کرتا ہے جو نیکی کرنے والے ہوتے ہیں

مفردات

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

''حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلے ہے اور تمام ترحرمتوں میں ادلہ کا بدلہ ہے تو جس نے تم پر زیادتی کی تو تم بھی اُس پر اُسی قسم کا سلوک روا رکھ سکتے ہو جیسی زیادتی تم پر اُس نے کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ نہ بھولو کہ اللہ اُنہی کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں''۔

شانِ نزول

صلح حدیبیہ کے مطابق ہجرت کے ساتویں سال حضور نبی کریم ﷺ عمرۃ القضا کے لیے مکہ تشریف لائے۔روح البیان کے مطابق مشرکین نے بعض مقامات پر مسلح مزاحمت کرنا چاہی،صحابہ کرام کو تردد ہوا کہ حرم شریف میں جدال وقتال ممنوع ہے اور حرمت والے مہینے بھی تعرض سے مانع ہیں۔یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو جوابی کاروائی کی اجازت دے دی گئی (259)۔

ایک دل چسپ واقعہ

حضور نبی کریم ﷺ نے عمرۃ القضا ادا فرمایا۔معاہدہ کے مطابق حضور ﷺ نے تین دن مکہ رہنے کے بعد واپس ہو جانا تھا۔اسی سفر میں آپ نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔آپ چاہتے تھے کہ مکہ میں قیام کے دوران ولیمہ ہو جائے اور حضور ﷺ اپنی خوشیاں اور مسرتیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرمائیں لیکن مشرکین برابر دباؤ بڑھا رہے تھے کہ آپ شہر سے نکل جائیں،چنانچہ آپ شہر سے عہد کے مطابق روانہ ہو گئے اور مقام سرف پہنچ کر ولیمہ کا طعام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عطا فرمایا اس مقام پر آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا (260)۔

مشمولاتِ خطبہ

> ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی راہ میں مقاتلہ اور مجاہدہ کا حکم دیا اس لیے کہ وہ مدعی جو اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ ظاہر ہو جائے،اسی طرح اللہ نے ہمیں مال اپنی راہ میں بطور زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم

اَلشَّهْرُ: مہینہ
اَلْحَرَامُ: حرمت والا
بِالشَّهْرِ: بدلے مہینے کے
الْحَرَامِ: حرمت والے
وَالْحُرُمٰتُ: اور حرمتوں
قِصَاصٌ: بدلہ ہے
فَمَنِ: پس جو یا جس
اعْتَدٰى: زیادتی کی
عَلَيْكُمْ: تم پر
فَاعْتَدُوْا: تو تم بھی زیادتی کرو
عَلَيْهِ: اس پر
بِمِثْلِ: برابری کے ساتھ
مَا اعْتَدٰى: جو اُس نے زیادتی کی
عَلَيْكُمْ: تم پر
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ
وَاعْلَمُوْٓا: اور جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
مَعَ: ساتھ
الْمُتَّقِيْنَ: تقویٰ اختیار کرنے والے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

دیا تاکہ مال خرچ کرنے کی آرزو رکھنے والے کا دعویٰ ظاہر ہو جائے۔ انسان جبلّی طور پر زندگی اور مال کی محبت میں مبتلا ہے اس لیے اللہ نے جنگ اور مال خرچ کرنے سے اُس کی محبت کا امتحان لیا ہے''۔

آیت کی تعبیر وقوعی

علامہ بیضاوی، ابن عاشور اور صاحب معارف القرآن نے لکھا کہ اس آیت کے نزول کے دور میں چار مہینوں کی حرمت مسلمہ تھی۔ ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب اسلام نے ان حرمتوں کو قائم رکھا۔ بعض حضرات کے نزدیک اس آیت کا حکم سات ہجری میں منسوخ ہو گیا لیکن احترام ہر صورت میں باقی رہا اس بات پر اجماع ہے کہ ان مہینوں میں دفاعی جنگ لڑنا جائز ہے (261)۔

حرمتوں میں قصاص ہے

جو شخص حرمت والے مہینوں کی حرمت کا خیال نہیں رکھتا اس کا حق نہیں رہتا کہ وہ ان پابندیوں سے فائدہ اٹھائے جو ان مقدس مہینوں میں عائد ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مقامات میں مسجد الحرام کو دارالامن قرار دے دیا اور زمانوں میں چار مہینوں کی حرمت قائم کر دی۔ زمان کی ان گھڑیوں اور مکان کے ان زاویوں میں کسی کا خون نہیں بہایا جا سکتا۔ ہر کسی کے جان و مال محفوظ ہوں گے۔ کسی بھی زندہ چیز کو دکھ نہ دیا جائے گا۔

جو شخص چاہے کہ وہ امن کے اس شاداب چمن سے خود تو فیض یاب ہو اور مسلمانوں کو محروم کر دے اس کا علاج صرف یہ ہے کہ خود اسے بھی اس فیض سے محروم کر دیا جائے۔ جو دوسروں کی آبرو پامال کر دے اس کی آبرو کیسے محفوظ رکھی جا سکے گی۔ حرمتوں کا بھی بدلہ ہے اس لیے کہ اسلام دین عدل ہے، وہ اپنی انصاف پسندی کو ہر صورت میں قائم رکھے گا (262)۔

دست درازی میں غلو نہ کرو

اسلام کا یہ مزاج نہیں کہ زیادتیوں، مظالم اور دست درازیوں کو بیج بنا کر کاشت کیا جانے لگے۔ ہر ظلم پر قصاص کا قانون اسلام نے قائم کیا ہے لیکن اس آیت نے قصاص میں شائستگی اور برابری قائم رکھی غلو کو اس میں شامل نہ ہونے دیا۔ آیت میں اللہ سے ڈرنے کا مفہوم یہی ہے کہ زیادتی پر قصاص قصاص ہی رہنا چاہیے اُسے حدِ اعتدال سے آگے ہرگز نہ بڑھنا چاہیے اور پھر یہ کہ خدا خوفی ہی امن کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

ایک لطیف حکایت

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدلوں کے نظام میں جس نفاست اور عدالت کو قائم رکھا اس کا اندازہ اس حکایت سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس تھے تو دوسری امہات المومنین میں سے کسی نے اپنے خادم کے ہاتھ ایک پیالہ بھیجا جس میں کوئی کھانے کی چیز تھی، فرمایا جس زوجہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اُس نے ہاتھ مارا اور پیالہ توڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ٹکڑے لیے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا اور اس میں کھانے کو جمع کرنا شروع کر دیا اور فرمایا تمہاری ماں نے غیرت کی ہے۔

روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: کھاؤ! پس موجود لوگوں نے وہ کھانا کھایا حتی کہ پیالہ توڑنے والی زوجہ نے اپنے پاس موجود پیالہ ٹوٹے ہوئے پیالے کی جگہ پیش فرما دیا (263)۔

سنن ابی داؤد کی حدیث کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: صفیہ کی طرح ہم میں کوئی اچھا کھانا تیار کرنے والا نہ تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کی خدمت میں بھیجا۔ شدت غیرت کی وجہ سے مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی اس پر میں نے پیالہ توڑ دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا برتن کی مثل برتن اور کھانے کی مثل کھانا (264) اور سیرت کی ایک کتاب میں فعل کی جگہ فعل بھی ہے کہ آپ نے سالن صفیہ کے چہرہ پر مل دیا آپ نے اس پر بھی قصاص جاری کیا۔

حضرت شیخ نجم الدین کا صوفیانہ وعظ

یہاں یہ اشارہ موجود ہے۔ وہ جو تمہارے نفس سے کوتاہی اور اذکار میں سستی ہوئی ہے اس میں نقصان کا ازالہ بندگی اور اطاعت سے کرو۔ مہینہ کی غلطیاں مہینوں سے اور دن کی دن سے، دقیقوں کی دقیقوں سے اور وقت کی وقت سے کمی پوری کرو۔ جو اعمال فوت ہوگئے ہیں ان کی قضا کرو۔ نفسوں کے علاج اضداد سے کرو۔ بخل کی عادت ہو تو اس کا ازالہ سخاوت کی عادت سے کرو۔ غصہ ہو تو حوصلہ سے اس کی مضرّت دور کرو۔ شہوات کا زور مشقت عبادت اور ریاضت سے توڑو، یاد رکھو کہ تقویٰ ہی شرارتوں کو دبانے میں مدد دیتا ہے۔

متقین منظم قوم کا نام ہے

آیت کے آخر میں تقویٰ کا حکم دیا گیا اور کہا گیا کہ اللہ کی معیت تقویٰ والے لوگوں کو میسر رہتی ہے۔

احساس تیز کریں کہ آپ اللہ کے ماننے والے ہیں

مفردات

وَ: اور
اَنۡفِقُوۡا: خرچ کرو تم
فِيۡ: میں
سَبِيۡلِ: راستہ
اللّٰهِ: اللہ
وَلَا: اور نہ
تُلۡقُوۡا: ڈالو
بِاَيۡدِيۡكُمۡ: اپنے ہاتھوں کے ساتھ ''نفوسکم'' یہاں مقدر ہے
اِلَى: کی طرف
التَّهۡلُكَةِ: ہلاکت، بربادی
وَاَحۡسِنُوۡا: اور نیکی کرو، احسان کرو
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
يُحِبُّ: پسند کرتا ہے
الۡمُحۡسِنِيۡنَ: احسان کرنے والے، نیکی کرنے والے

اچھے اوقات اور مقدس لحظات کا خیال رکھنے والے بنیں
مراقبہ برابر جاری رکھیں کہ آپ کے دوست کیا کرتے ہیں اور دشمن کیا چاہ رہے ہیں
دشمنوں کو کبھی خوش نہ کریں یہ تمہارے مقصد زندگی کی پسماندگی ہوگی۔ امور کو ہمیشہ توجہ سے نبھائیں
معلومات کو ٹھوس علم تک پہنچانے کی سعی کرتے رہیں جو کرنا ہے اس میں ٹال مٹول نہ کریں
شرعی قصاص کو معافی میں نہ بدلیں تو اچھا ہے ورنہ فساد بڑھ جائے گا۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۹۵﴾

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرتے رہو بے شک اللہ محبت اُن ہی لوگوں سے کرتا ہے جو نیکی کرنے والے ہوتے ہیں''۔

آیت کے تین مضامین توجہ طلب ہیں:

(1) انفاق فی سبیل اللہ
(2) جہاد فی سبیل اللہ
(3) اور احسان فی سبیل اللہ

تحریک اسلام کے نیک دل کارکنان کو یہ بات اچھی طرح دل میں اتارنی چاہیے کہ انفاق کے بغیر کوئی دعوت منزل یاب نہیں ہوسکتی اور ''جہاد'' ہر اُس کوشش، سعی، تگ ودو، دعوت اور نہضت وحرکت کا نام ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ہو۔ ''سَبِيۡلِ اللّٰهِ'' کی قید خلوص اور اخلاص کی روشنی ہے۔ انفاق ہو یا جہاد اس کی روح اللہ کی رضا ہے۔ نام وری، شہرت، کشور کشائی، سلطنت گیری، مسابقت اور ذوق خسروی کی تسکین کے لیے اُٹھنے والے قدم بے حیثیت رہتے ہیں۔ احسان فی سبیل اللہ نیکیوں کے نظام کو اپنانا ہے۔

عرائس البیان کے مؤلف نے خوبصورت لکھا۔ انفاق فی سبیل اللہ کے تین احوال ہیں (265):

> ''ایک زاہدین کا نفقہ ہے۔ دوسرا محبین کا نفقہ ہے اور تیسرا عارفین کا نفقہ ہے۔ زاہدین کا نفقہ دنیا اور اس کی تمام لذتوں کو اہل دنیا کے لیے ترک کر دینا ہے اور اپنی سانسوں کو اللہ کے لیے وقف کر دینا ہے اور محبین کا انفاق

حق کے پانے کے بعد اُسے اہل حق تک پہنچا دینا ہے۔
جب کہ عارفین کا نفقہ اللہ کی محبت میں ارواح کو مقام عشق میں فنا کر دینا ہے۔صاحب عرائس لکھتے ہیں کہ احسان اہل مشاہدہ کا سب سے اونچا رتبہ ہے اور عشق الٰہیہ میں مشاہدہ کی لذت پا کر آتش حق میں زندگی کو جلا دینا ہے۔مقام احسان محبت اور عشق سے مقرون مرتبہ ہے''۔

آیت کا شانِ نزول

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو غلبہ عطا فرمایا تو ہم لوگ آپس میں بیٹھ کر سوچنے لگ گئے کہ ہم اپنے اہل وعیال مکہ میں چھوڑ آئے اور ہمارے اموال اور اسباب بھی وہاں ہی رہ گئے۔اب اسلام بفضلہٖ تعالیٰ چار سو پھیل گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کی ہے۔ہمیں واپس اپنے اہل وعیال اور اموال کی طرف لوٹ جانا چاہیے اور جو کچھ ضائع ہو چکا ہے اسے بازیاب کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (266)۔

بعد ازاں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی جہاد میں گزری۔آپ نے جب جام وصال نوش فرمایا۔آپ جنگ اور سفر کی حالت میں تھے۔آپ نے غزوۂ قسطنطنیہ میں شہادت پائی اور آپ کو وہیں پر قلعہ کے نیچے دفنا دیا گیا۔یہ غزوہ جب ہوا یزید پلید کے نطفہ ناتمام نے ابھی لباس تراب کی بھی پوری طرح پوشش حاصل نہیں کی تھی۔کعبے پر منجنیق سے پتھر برسانے والے لعین پر اللہ تا ابد آتشیں سنگ باری فرماتا رہے۔اولادِ رسول، اہل مدینہ اور مسلمین حرم کا مقدمہ قیامت تک ان کے خلاف کوچہ کوچہ اور قریہ قریہ گردش کرتا رہے گا۔

ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

آیت میں ''ایدکم'' پر ''با'' داخل ہوا ہے۔''درالمصون'' کے مؤلف نے لکھا (267) کہ یہ ''با'' زائدہ ہے لیکن کنز العثیمین کے مصنف نے لکھا (268) کہ یہ زائدہ نہیں بلکہ ''افضا'' کے معنوں کو متضمن ہے یعنی خود کو ہلاکت کے سپرد اپنے ہاتھوں سے کیوں کرتے ہو۔''التَّهْلُكَةِ'' ہلاک سے ماخوذ ہے۔معنیٰ یہ ہے کہ تمہیں خودکشی کی کیوں حرص پڑ گئی ہے۔ہلاکت حسی اور معنوی دونوں قسم کی تباہی کی طرف اشارہ ہے۔یہ بھی کہا گیا کہ ''التَّهْلُكَةِ'' اور ہلاک میں تھوڑا سا فرق بھی ہوتا ہے۔''التَّهْلُكَةِ'' وہ ہوتا ہے جس سے بچنا ممکن ہوتا ہے جب کہ ہلاکت وہ ہے جس سے محفوظ رہنا ممکن

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

نہیں ہوتا۔ یہ بھی کہا گیا ''التَّهْلُكَةِ'' وہ ہے جس کا نتیجہ خراب ہو اور ہلاکت نفس ہلاکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

آیت کے تعبیری اسباق

(1) انفاق فی سبیل اللہ تباہی سے بچنے کی مستقیم راہ ہے۔

(2) اخلاص فی العمل مضرتوں اور بربادیوں کے سامنے روحانی ڈھال ہے۔ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔

(3) ہلاکت والے اماکن میں خود کو الجھانا حرام ہے۔

(4) انسان میں نفع اور نقصان کا مکمل شعور ہونا چاہیے۔

(5) جو چیزیں ضرر کی طرف لے جائیں ان سے بھی تحرز لازم ہے۔

(6) احسان محبت کا راستہ ہے، مشاہدہ کا راستہ اور نفس کی شہوات کے خلاف جہاد کبیر کا راستہ ہے۔

(7) احسان کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔

(8) آیت بتاتی ہے کہ اللہ کی محبت کا معنی صرف ثواب دینا نہیں فعل محبت سے نوازنا ہے۔

(9) دو چیزیں سامنے آئیں تو دیکھ لو کہ احسان کس میں ہے اُسے اختیار کر لو۔

(10) اعمال کو مکمل کرنے والے تین حسن ہیں:

(ا) حسن نیت (ب) حسن مقصد اور (ج) حسن فعل و عمل

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ
لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ
نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٚ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا
رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۱۹۶ ع

(196) اور حج اور عمرہ کو نیت کر لینے کے بعد پورا کرو پھر اگر تم روک لیے جاؤ تو قربانی بھیج دو جو میسر
آئے اور اپنے سروں کو اُس وقت تک نہ مُنڈاؤ جب تک کہ قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر
نہ پہنچ جائے، ہاں تم میں سے اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اُسے سر میں کسی قسم کی تکلیف ہو تو سر نہ
منڈانے کا فدیہ روزے رکھ کر یا صدقہ دے کر یا قربانی کی صورت میں دے دے پھر اگر
تم امن میں آجاؤ اور کوئی چاہے کہ حج اور عمرہ ملا کر تمتّع کرے تو اُس کے لیے بھی جانور کی
قربانی دینی ہوگی جو بھی میسر ہو، ہاں اگر کوئی قربانی کا جانور نہیں پاتا تو روزے رکھ لے تین
دن کے حج کے دنوں میں اور سات روزے تمہیں واپسی پر رکھنے ہوں گے گویا یہ دس کی
گنتی پوری ہوگی، یہ اُس کے لیے ہے جو مسجدِ حرام کے پاس کا رہنے والا نہ ہو اور ڈرتے
رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا
تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ
اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ
فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ
لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

''اور حج اور عمرہ کو نیت کر لینے کے بعد پورا کرو پھر اگر تم روک لیے جاؤ تو قربانی بھیج دو جو میسر آئے اور اپنے سروں کو اُس وقت تک نہ مُنڈاؤ جب تک کہ قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے، ہاں تم میں سے اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اُسے سر میں کسی قسم کی تکلیف ہو تو سر نہ منڈانے کا فدیہ روزے رکھ کر یا صدقہ دے کر یا قربانی کی صورت میں دے دے پھر اگر تم امن میں آ جاؤ اور کوئی چاہے کہ حج اور عمرہ ملا کر تمتّع کرے تو اُس کے لیے بھی جانور کی قربانی دینی ہو گی جو بھی میسر ہو، ہاں اگر کوئی قربانی کا جانور نہیں پا تا تو روزے رکھ لے تین دن کے حج کے دنوں میں اور سات روزے تمہیں واپسی پر رکھنے ہوں گے گویا یہ دس کی گنتی پوری ہو گی، یہ اُس کے لیے ہے جو مسجدِ حرام کے پاس کا رہنے والا نہ ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے''۔

شانِ نزول

اسماعیل حقی نے لکھا کہ اہل عرب حج اس لیے کرتے تھے کہ اجتماع ہوگا، بازاروں کی رونق ہوگی، نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہوگی، افادہ تجارت کا موقع ملے گا۔ اُن کے ہاں حج کا مقصد یہ نہ تھا کہ اللہ کا قرب حاصل ہو یا اللہ نے ایک چیز فرض کی ہے تو اس راہ بندگی ممکن ہو سکے گی تو یہ لوگ ارکان کے مکمل کرنے سے بھی غرض نہیں رکھتے تھے، جہاں چاہتے بڑھا دیتے اور جہاں چاہتے گھٹا دیتے۔ اس آیت کے نزول سے اللہ کی رضا اور احکام کی مکمل ادائیگی کا درس دیا گیا (269)۔

حج اور عمرہ کے مکمل کرنے کا مفہوم

اس جملہ کے تین مفہوم ہیں:

مفردات

وَاَتِمُّوا: اور مکمل کرو
الْحَجَّ: حج
وَالْعُمْرَةَ: اور عمرہ
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
فَاِنْ: پس اگر
اُحْصِرْتُمْ: تم محصور ہو جاؤ، بند ہو جاؤ یعنی تمہیں روک دیا جائے
فَمَا: تو جو
اسْتَيْسَرَ: آسان ہو سکے
مِنَ الْهَدْيِ: قربانی کے جانور سے
وَلَا: اور نہ
تَحْلِقُوْا: سر مونڈو یا مونڈواؤ
رُءُوْسَكُمْ: اپنے سروں کو
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يَبْلُغَ: پہنچ جائے
الْهَدْيُ: قربانی
مَحِلَّهٗ: اپنی جگہ پر
فَمَنْ: تو جو
كَانَ: ہو
مِنْكُمْ: تم میں سے
مَّرِيْضًا: بیمار
اَوْ: یا
بِهٖٓ: ساتھ اس کے
اَذًى: تکلیف ہو یا زخم ہو وغیرہ
مِّنْ: سے
رَّاْسِهٖ: اس کے سر
فَفِدْيَةٌ: تو فدیہ ہے

مفردات

مِنۡ: سے
صِیَامٍ: روزوں
اَوۡ: یا
صَدَقَۃٍ: صدقہ
اَوۡ: یا
نُسُکٍ: قربانی
فَاِذَاۤ: تو جب
اَمِنۡتُمۡ: تم امن میں آجاؤ
فَمَنۡ: تو جو
تَمَتَّعَ: تمتع کرے
بِالۡعُمۡرَۃِ: عمرہ کے ساتھ
اِلَی: ساتھ
الۡحَجِّ: حج
فَمَا: تو جو
اسۡتَیۡسَرَ: آسانی سے ہو
مِنَ: سے
الۡہَدۡیِ: قربانی
فَمَنۡ: تو جو
لَّمۡ یَجِدۡ: نہ پاسکے
فَصِیَامُ: تو روزے ہیں
ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ: تین دن
فِی الۡحَجِّ: حج میں ہیں
وَسَبۡعَۃٍ: اور سات
اِذَا: جب
رَجَعۡتُمۡ: تم واپس ہو
تِلۡکَ: تو یہ ہو گئے
عَشَرَۃٌ: دس
کَامِلَۃٌ: مکمل

❁ پہلا یہ کہ حج ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے مشروع ہے اس کے مناسک معین ہیں اسے تاریخی اہمیت کے بام عروج سے گرایا نہ جائے اس کی روح کو قائم رکھا جائے۔

حج کے ارکان عملی پانچ ہیں

(1) احرام (2) عرفات میں قیام (3) صفا اور مروہ کی سعی
(4) بیت اللہ کا طواف (5) حلق یا قصر

ان پانچ چیزوں کے علاوہ واجبات اور سنتیں اور مستحبات ہیں۔

عمرہ کے ارکان چار ہیں

(1) احرام (2) طواف
(3) سعی (4) اور حلق یا تقصیر

تمام اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ حج اور عمرہ کی تین صورتیں ہیں:

☆ حج مفرد:
حج کی نیت سے صرف اکیلا حج ادا کر دینا۔

☆ حج قران:
حج اور عمرہ کا ایک ہی مرتبہ احرام باندھنا اور پہلے عمرہ کرنا اور پھر مقرون حج ادا کر دینا۔

☆ حج تمتع:
تیسری صورت حج تمتع ہے۔ عمرہ ادا کر کے قصر یا حلق کروا دینا اور حج کی نیت سے حج ادا کر دینا۔ ہمارے نزدیک قران سب سے افضل حج ہے۔

❁ حج اور عمرہ مکمل کرنے کا معنیٰ یہ کہ ان کی معنویت کو فراموش نہ کر دو۔ قرب خداوندی اور رضا کے پہلو ہر صورت میں تمام معمولات پر غالب رہنے چاہییں۔

❁ اور تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ آیت کے اندر جو احکام نقل ہوئے ہیں ان پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوا جائے۔

حج اور عمرہ کی تکمیلی بنیادیں

❁ پہلا حکم حج اور عمرہ اللہ کا تقرب اور رضا حاصل کرنے کے ذریعے بنائے جائیں۔ پوری توجہ یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر مرکوز ہونی چاہیے۔

مفردات

ذٰلِكَ: وہ اس کے لیے ہے
لِمَنْ: جس کے لیے
لَّمْ يَكُنْ: نہ ہو
اَهْلُهٗ: اُس کے اہل
حَاضِرِي: رہنے والے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: مسجد حرام
وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور ڈرو اللہ سے
وَاعْلَمُوْٓا: اور جان لو
اَنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
شَدِيْدُ: سخت
الْعِقَابِ: سزائے عاقبت

- دوسرا حکم اس صورت حال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ اگر راستے میں کوئی رکاوٹ پیش آ جائے جس کی وجہ سے آگے جانا ممکن نہ ہو تو قربانی دینی چاہیے اور احرام کی پابندیوں سے نکلنا ممکن بنالینا چاہیے۔ یہ بات ''فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ'' سے سمجھ آتی ہے لیکن اس کی بھی ایک وضاحت ہے۔
- تیسرا حکم یہ ہے کہ قربانی جب تک اپنے مقام پر نہ پہنچے قصر یا حلق نہ کیا جائے۔ مقام سے مراد حاجیوں کے لیے منیٰ ہے معتمرین کے لیے مکہ ہے۔ اگر قربانی کا بھیجنا بھی ممکن نہ ہو تو ادھر ہی قربانی دے دینی چاہیے، جیسے حضور ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔
- چوتھے حکم کی صورت یہ ہے کہ کسی بیماری یا سر میں تکلیف کی وجہ سے حاجی کے لیے سر میں تحلیق، تقصیر باعث زحمت ہو تو وہ اتنا انتظار ضرور کرے کہ قربانی حرم پہنچ جائے اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو پھر فدیہ دے، تین دن کے روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا جو قربانی میسر آ جائے۔
- پانچواں حکم اگر وہ قربانی نہ پا سکے تو تین روزے ادھر ہی حج کے ایام میں رکھ لے اور سات دن کے روزے واپسی پر وطن میں رکھ لے۔
- چھٹا حکم یہ کہ تمتع اور قران کی سہولتیں صرف آفاقی لوگوں کے لیے ہیں۔ چھٹا حکم اللہ سے ڈرنے کا ہے۔ تقویٰ جمیع احکام کی روح ہے۔ اسی سے عبادتیں مکمل ہوتی ہیں اور یہی اعتماد دینی کی ٹھوس بنیاد ہے۔
- ساتواں حکم یہ ہے کہ ''وَاعْلَمُوْٓا، جان لو'' اس آیت میں جس علم کی طرف رغبت دلائی گئی ہے وہ لازم ہے۔ یہ علم عواقب اعمال کے طبعی نتائج کا علم ہے۔
- آٹھواں حکم یہ ہے کہ فرسودہ ذہنی اور تراشیدہ چیز دین میں شامل نہیں کرنی چاہیے، احتیاط ہی دین کی جان ہے۔
- نویں اہم بات اس نکتہ کی طرف توجہ دینا ہے کہ اعمال، احکام اور افعال میں آسانیاں رکھنا دین کی اصل فقہ ہے۔
- دسویں قابل توجہ بات آیت کا حسابی نظام ہے۔ کتنی خوبصورتی کے ساتھ کہا گیا: تین جمع سات پورے دس ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو مادی علوم میں تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں ان کے لیے اس قسم کی آیات نمونہ ہیں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا
فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ
وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ
مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا
هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

(197) حج کے مہینے جانے پہچانے ہیں تو جو شخص ان میں حج کی نیت بنا لے تو اس کے بعد وہ خوب لزوم برتے کہ عورتوں کی طرف رغبت بالکل بھی نہ ہو اور نہ کوئی گناہ کی بات کرے اور نہ ہی حج میں لڑائی جھگڑا کرے اور تم جو بھی بھلائی کرو اللہ اُسے جانتا ہوتا ہے اور زادِ راہ اکٹھا کیا کرو بہترین زادِ راہ تو تقوٰی ہے اور اے اربابِ دانش! تمہیں مجھ ہی سے ڈرتے رہنا چاہیے

(198) نہیں ہوگا تم پر کوئی گناہ اگر تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو پھر جب تمہاری واپسی ہو عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا مشعرِ حرام (مزدلفہ میں) کے پاس اور اُس کی یاد ویسی ہی کرو جیسے اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور اس ہدایت سے پہلے یقیناً تم بھی انہی میں سے تھے جو راہِ حق سے بھٹک جانے والے ہوتے ہیں

مفردات

اَلْحَجُّ: حج
اَشْهُرٌ: مہینے
مَّعْلُوْمٰتٌ: معلوم ومقرر
فَمَنْ: تو جس نے
فَرَضَ: نیت کر کے، فرض کر لیا
فِيْهِنَّ: ان میں
الْحَجَّ: حج
فَلَا: تو نہ
رَفَثَ: جماع ہے
وَلَا فُسُوْقَ: اور نہ گناہ کی بات
وَلَا: اور نہ
جِدَالَ: جھگڑا
فِي: میں
الْحَجِّ: حج
وَمَا: اور جو
تَفْعَلُوْا: تم کرو گے
مِنْ: سے
خَيْرٍ: بھلائی سے
يَّعْلَمْهُ: اُسے جانتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
وَتَزَوَّدُوْا: اور توشہ راہ بنا لو
فَاِنَّ: تو بے شک
خَيْرَ: بہترین
الزَّادِ: توشہ راہ
التَّقْوٰى: تقویٰ ہے
وَاتَّقُوْنِ: اور تم مجھ سے ڈرو
يٰٓاُولِي: اے مالکو
الْاَلْبَابِ: عقلوں کے

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا
جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ
التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

''حج کے مہینے جانے پہچانے ہیں تو جو شخص ان میں حج کی نیت بنا لے تو اس کے بعد وہ خوب لزوم برتے کہ عورتوں کی طرف رغبت بالکل بھی نہ ہو اور نہ کوئی گناہ کی بات کرے اور نہ ہی حج میں لڑائی جھگڑا کرے اور تم جو بھی بھلائی کرو اللہ اُسے جانتا ہوتا ہے اور زادِ راہ اکٹھا کیا کرو بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے اور اے اربابِ دانش! تمہیں مجھ ہی سے ڈرتے رہنا چاہیے''۔

قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ مسجد الحرام کی عزت، فضیلت اور برکات جس طرح مسلّمہ ہیں۔ اسی طرح حج کے میقات بھی متعین ہیں اور مناسک حج کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ یوں ہی وہ مہینے بھی تاریخی اہمیت کے ساتھ واضح ہیں جن میں حج کیا جا سکتا ہے اور وہ شوال، ذیقعد اور ذی الحجہ کے ابتدائی دن ہیں۔ حج کی ادائیگی کے لیے میزانیہ یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حج کا احرام انہی مہینوں میں باندھا جا سکتا ہے۔ اگر پہلے باندھ لے گا تو ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔ حنفیوں کے نزدیک حج کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ انہی مہینوں کے اندر احرام باندھا جائے (270)۔

احرام باندھ لینے کا روحانی معنیٰ

قرآن مجید نے احرام باندھ لینے کے بعد سے احرام کھول لینے تک کے عرصہ میں تین کاموں سے سختی سے منع کر دیا، یہ کہ رفث نہ کیا جائے یعنی جماع اور دواعیٔ جماع سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ وہ تمام افعال جو طبیعت میں عورتوں کی طرف کشش پیدا کریں انہیں حرام قرار دیا گیا۔ رفث صرف فعلی شہوت کا نام نہیں بلکہ ذہنوں میں جنسی پراگندگی کا نام بھی ہے۔ حج کا مقصود جب توجہ کو اللہ کی طرف یکسو کرنا ہے اور طبائع میں حنفیت پیدا کرنا ہے تو پھر ان شہوانی امور کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ بات تو ذہن، خیال، نفس اور روح کی تربیت کرنا ہے (271)۔

جدال کیا ہے؟

اس سے مراد ہر وہ چھوٹا یا بڑا اور حقیقی یا حکمی لڑائی جھگڑا ہے جس سے فریق دوم غصہ میں آ جائے اور محسوس کرے کہ اس کی ہتک عزت ہو رہی ہے اور اُسے تحقیر اور رذالت کا شکار بنا کر خود کو اچھا اور غالب ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مفردات

لَیۡسَ: نہیں
عَلَیۡكُمۡ: تم پر
جُنَاحٌ: گناہ، یا تم پر کوئی مضائقہ نہیں
اَنۡ: یہ کہ
تَبۡتَغُوۡا: تم تلاش کرو
فَضۡلًا: فضل یعنی روزی
مِّنۡ: سے
رَّبِّكُمۡ: اپنے ربّ سے
فَاِذَاۤ: پس جب
اَفَضۡتُمۡ: لفظ کا مادہ فا، یا اور ضاد ہے اس کا معنیٰ چلنا، روانہ ہونا اور بہنا ہوتا ہے۔ فیض لفظ کی اصل بھی یہی ہے
مِّنۡ: سے
عَرَفٰتٍ: عرفات، یہ وہ مقام ہے جہاں حاجی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو قیام کرتے ہیں
فَاذۡكُرُوا: تو ذکر کرو
اللّٰهَ: اللہ کا
عِنۡدَ: پاس
الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ: المشعر الحرم کے، ایک چھوٹی سی پہاڑی جس کا دوسرا نام مزدلفہ ہے
وَاذۡكُرُوۡهُ: اسی کا ذکر کرو
كَمَا: جیسا کہ
هَدٰٮكُمۡ: اُس نے تم کو راہنمائی سے نوازا
وَاِنۡ: اور اگر
كُنۡتُمۡ: تم تھے
مِّنۡ قَبۡلِهٖ: اس سے پہلے
لَمِنَ: میں سے
الضَّآلِّيۡنَ: راہ گم کیے ہوئے

اور فسوق سے مراد وہ تمام بدفعلیاں، بداعمالیاں اور سوعملیاں ہیں جو حج اور عبادت کی روح کے منافی ہوں۔ ایسی یاوہ گوئیاں جن سے تحرج، احتیاط، اللہ کی جانب یک سوئی کے منافی ماحول پیدا ہو اور اللہ کے گھر کی شایان شان عزت اور ادب مجروح ہو۔

ہر نیکی اللہ کے علم میں ہے

قرآن مجید نے حج کے دوران ہر شر، ہر بدفعلی، ہر سوعملی اور ہر گناہ سے منع کر دیا۔ اب آیت میں نیکی کے درخت سے ثمرخوری کا حکم دیا جا رہا ہے اور احسن اسلوب میں بتایا جا رہا ہے تم جو بھی نیک کام کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ کتنا جمالیاتی اور روحانیت انگیز بیان ہے کہ تم جو بھی نیکی چھوٹی یا بڑی کرتے ہو تمہارا مالک اُسے دیکھتا رہتا ہے۔ سورج کی آنکھ میں رہنے والے پودے اور درخت کتنی زیادہ نشوونما پاتے ہیں۔ مالک کی نظر میں رہنے والوں کی عظمتوں اور برکتوں کا حال کیا ہوگا۔ آخرت کے قائم ہونے سے پہلے ہی رب کی جمالیاتی عطاؤں کا کیا کہنا۔ ایسا سب کچھ اللہ کے فضل ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔

بہترین زادِراہ تقویٰ ہے

حدیث شریف میں ہے کہ یمانی لوگوں میں سے کچھ لوگ حج کے لیے ایسے حال میں چل پڑے تھے کہ ان کے پاس توشۂ راہ بالکل بھی نہیں تھا (272)۔ یہ سوچ کتنی عجیب تھی کہ ہم جب اللہ کی راہ میں ہیں تو اللہ جسے ہم رب مانتے ہے کیا ہمیں راہ میں روٹی پانی بھی نہ دے گا۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ جو کام بھی کیا جائے بہ مکمل تیاری، توجہ اور اہتمام سے کیا جائے۔ روحانیت یہ نہیں ہے کہ بشری زندگی کی ضرورتوں سے ابا کر دیا جائے، روحانیت یہ ہے کہ کوشش اور اہتمام کی ہر ضرورت کو پورا کر کے توکل اور اعتماد اللہ پر کیا جائے۔ تقویٰ کی کتنی خوبصورت تعریف قرآن مجید نے کی کہ دنیوی اور اخروی تمام تر کوششوں کی یکجائی سے منزل کی طرف بڑھنا بہترین زادِراہ ہے اور یہی تقویٰ ہے۔ آیت کا آخری حصہ کتنا خوبصورت ہے کہ مجھ سے ڈرو اے عقل والو! مطلب یہ ہوا کہ اچھی عقل وہی ہے جو تقویٰ اور خوفِ خداوندی کی راہ ڈالے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ‌ؕ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَـرَامِ‌ ۖ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۱۹۸﴾

''نہیں ہوگا تم پر کوئی گناہ اگر تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو پھر جب تمہاری واپسی ہو عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام (مزدلفہ میں) کے پاس اور اُس کی یاد ویسی ہی کرو جیسے اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور اس ہدایت سے پہلے یقیناً تم بھی انہی میں سے تھے جو راہِ حق

سے بھٹک جانے والے ہوتے ہیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں چار قسم کے مفاہیم ہیں جو توجہ چاہتے ہیں:

- پہلا مفہوم آیت کا شان نزول جاننا ہے
- دوسرا مفہوم مقام عرفات کی وجہ تسمیہ ہے
- تیسرا مفہوم مشعر الحرام کے پاس ذکر سے مراد کیا ہے؟
- اور چوتھا مفہوم آیت سے اخذِ ہدایت ہے

شان نزول میں علمائے تفسیر نے لکھا کہ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو کہتے تھے کہ حج کے ایام میں تجارت وغیرہ کرنا ممنوع اور غیر مشروع ہے۔آیت نے یہ مسئلہ کھول دیا کہ فضل اور روزی کی تلاش مباح ہے لیکن یادالٰہیہ، احکام ومناسک کی ادائیگی اور اذکار وتلاوت کو مؤخر کر دینا اور حج کو میلہ بنادینا درست نہیں۔اس باب میں چار روایات ملاحظہ ہوں:

- پہلی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عکاظ اور ذوالمجاز عربوں کی مشہور تجارتی منڈیاں تھیں جہاں بڑے بڑے میلے لگتے تھے مسلمانوں نے گمان کیا شاید دورِ اسلام میں تجارت کرنا روا نہیں اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ مناسک کی ادائیگی کے ساتھ فضل کی تلاش ممنوع نہیں (273)۔

- دوسری روایت

سنن ابی داؤد کی حدیث ہے کہ مسلمان ایام موسم میں تجارت کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ تو اللہ کو یاد کرنے کے ایام ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی (274)۔

- تیسری روایت

ابوامامہ تیمی کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا ہم بار برداری کا کام کرتے ہیں کیا ہمارا حج ہوجاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کیا تم طواف نہیں کرتے ہو، نیکی کے دوسرے کام نہیں کرتے ہو، جمرے نہیں مارتے اور سر کا حلق اور تقصیر نہیں کرتے، ہم نے ہاں میں جواب دیا، آپ فرمانے لگے: ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور بالکل یہی سوال پوچھا آپ خاموش ہوگئے تا آنکہ جبرائیل یہ آیت لے آئے جس

میں تجارت کی اجازت دے دی گئی (275)۔

- چوتھی روایت

ابن جریر طبری نے ابو صالح جو حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام تھے، ان کی ایک رویت نقل کی: اس نے حضرت امیر المومنین سے پوچھا کیا آپ لوگ حج میں تجارت کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہمارے لوگوں کی معیشت کا تو دارومدار ہی حج پر تھا۔ اس دور کے مسلمانوں کی سوچ کے بارے میں اندازہ لگایئے دورِ جاہلیت سے ان کو کس قدر نفرت ہو گئی تھی (276)۔

عرفات کی وجہ تسمیہ

اسماعیل حقی نے اس کی تین وجوہات لکھی ہیں:

- پہلی وجہ

مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جگہ کی تعریف سنائی تو انہیں اس مقام کو دیکھنے کا شوق لاحق ہوا جب آپ نے اس جگہ کو پہچان لیا تو اس کا نام عرفات پڑ گیا۔

- دوسری وجہ

مناسک بیان کرتے ہوئے جبرائیل علیہ السلام حضرت خلیل علیہ السلام کو کہتے ''عرفت'' تو آپ فرماتے ''عرفت'' بار بار کے تکرار کی وجہ سے اس مقام کا نام عرفات ہو گیا۔

- تیسری وجہ

مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا تو انہیں ہند یا سری لنکا میں اور بی بی حوا کو جدہ میں رکھا گیا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے کی تلاش کی تو اُس میدان میں اُن دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ اس عرفان کی وجہ سے اس جگہ کو عرفات کہہ دیتے ہیں۔

- چوتھی وجہ

ایک چوتھی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مقام پر خواب کی تعبیر مل گئی تھی۔ **واللہ اعلم**

مقام مشعر الحرام

''مشعر الحرام سے قزح'' مراد ہے۔ ''قزح'' ایک پہاڑی کا نام ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے۔

یہاں ''قزح'' پرایک مقام کو''میقدہ'' بھی لکھا گیا ہے جہاں دورِ جاہلیت میں آگ جلائی جاتی تھی۔ اس آگ کی مناسبت ہی سے اسے''میقدہ'' کہتے تھے۔مزدلفہ سارے کا سارا وقوف کے لیے ہے لیکن افضلیت''قزح'' کے قرب میں ہے۔''مشعر'' کا معنیٰ علامت اورنشان کا ہے۔

''مشعر الحرام'' کو''مشعر'' کہنے کی علت مفسرین نے لکھی کہ جن امور سے منع کیا گیا تھا یہاں ان کا ارتکاب کیا گیا اس لیے اس مقام کو''مشعر الحرام'' کہہ دیتے ہیں(277)۔

دل چسپ حکایت

حضرت نیرانی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آگ جلانے والا حمام کو گرم کرنے کے لیے کسی اونٹ کی ہڈیاں لے آیا۔جب اُس نے انہیں آگ میں ڈالا تو وہ جلنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ ہاتف کی صدا آئی کہ یہ ہڈیاں اُس اُونٹ کی ہیں جو مکہ شریف کی طرف بار بار گیا۔روح البیان کے مئولف نے لکھا جس اُونٹ پر سوار ہوکر حج پر جاتے ہیں اس اُونٹ کو چالیس پشتوں تک برکت دی جاتی ہے۔اُونٹ کی حالت یہ ہے تو مکلف حاجی اور زائر کی برکتوں کا عالم کیا ہوگا(278)۔

چوتھا مفہوم آیت سے اخذِ ہدایت کا ہے:

(1) کسی بھی عبادت کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ رزق حلال کی طلب میں سستی کی جائے۔

(2) ہدایت وہی معتبر ہوتی ہے جو قرآن وسنت کے سرچشمہ سے اخذ کی جائے۔

(3) عبادات کا مطلب ذکر الٰہیہ ہے نہ کہ عصبیتوں کو قوت دینا ہے۔یہ وہ ہدایت ہے جس کی قرآن بات کرتا ہے۔

(4) روحانی مقامات کی زیارت اور وہاں پر اذکار وعبادت کی لذت ہی اپنی ہے۔

(5) ذکر الٰہی بھی اسی طریقہ پر کیا جائے جس کا ثبوت قرآن وسنت سے ہو۔

(6) صحیح اور درست رہنمائی اور رہبری اللہ کی نعمتوں میں نعمت ہے۔

(7) عرفات کا قیام حج کا اعظم رکن ہے۔

(8) عرفات اور مزدلفہ کی تاریخ سے آگاہی حاصل کرنا نسبت کو قوت دیتا ہے قرآن اس طرزِ فکر کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

(9) مناسک حج کی ادائیگی پوری توجہ اور یکسوئی سے کرنی چاہیے۔

(10) آیت میں جستجو، ذکر اور ہدایت ان تین چیزوں کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾
فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا ‌ؕ
فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾
وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾
اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ‌ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

(199) پھر اس کے بعد تم اسی جگہ سے واپس لوٹو جہاں سے تمام لوگ واپس لوٹتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

(200) جب تم ارکانِ حج پورے کر لو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا تذکرہ بڑی رغبت سے کرتے ہو بلکہ ذکر تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہونا چاہیے پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں پروردگار ہمارے! دے ہمیں دنیا ہی میں اور نہیں ہوگا اُن کے لیے آخرت میں کچھ حصّہ

(201) اور کوئی ان میں سے یوں کہتا ہے اے ہمارے ربّ! ہمیں دُنیا میں بھی خوب عطا کر اور آخرت میں بھی خوب نواز اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا

(202) ایسے لوگوں کو حصّہ ضرور ملے گا اُس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

مفردات

ثُمَّ: پھر
اَفِيۡضُوۡا: تم واپس پلٹو
مِنۡ حَيۡثُ: جیسا کہ
اَفَاضَ: لوٹے
النَّاسُ: لوگ
وَاسۡتَغۡفِرُوا: اور مغفرت طلب کرو
اللّٰهَ: اللہ
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَفُوۡرٌ: بخشنے والا
رَّحِيۡمٌ: بہت زیادہ مہربان

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾

''پھر اس کے بعد تم اسی جگہ سے واپس لوٹو جہاں سے تمام لوگ واپس لوٹتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے''۔

قریش گمان کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے رشتے سے حرم کے پاسبان اور متولی ہیں اس لیے یہ فضیلتیں اور برکتیں انہیں دوسرے لوگوں سے ممتاز کر دیتی ہیں وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں پہنچ کر قیام کرنا اپنی شان کے خلاف تصور کرتے تھے اس لیے مزدلفہ ہی سے واپس آ جاتے۔

قرآن مجید نے انہیں سمجھایا کہ اللہ سے اپنے تکبر، سُوفکری اور سُوعملی پر معافی طلب کرو اور ممکن ہے وہ یہ سوچتے تھے کہ عرفات حدودِ حرم سے باہر ہے اس لیے وہ مزدلفہ سے واپس آ جاتے۔

قرآن مجید نے تربیتی سبق دیا کہ جاہلی امتیازات کو ختم کیا جائے اور تمام مسلمان ایک ہی انداز میں حج کریں سب کے لیے عرفات جانا ضروری ہے۔ اگر اس قسم کی آزاد فکریوں کی قرآن رخصت دے دیتا تو حج کا درسِ مساوات تو مٹ جاتا، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ لوگ جو دین کے فداکار ہونے کا اعزاز رکھتے تھے ان معصوم اور محفوظ ہستیوں کی جدوجہد اور یادگار مقامات کے احترام کا اسلام درس دیتا ہے۔ ان تکریمات اور شعائر کی عزتیں مٹا دینے سے گریز کرنا چاہیے۔

قرآن مجید نے قبائلی فسادات، رقابتوں، عصبیتوں اور جاہلی افکار کو یکسر ختم کر دیا اور ایک نئی اُمت محض اور محض اسلامی اصولوں کی بنیاد پر تشکیل دی، جن کی سوچوں، عقیدوں اور اعمال کا سرچشمہ تقویٰ اور ایمان تھا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بیان کی گئیں:

- ایک اُس کا غفور ہونا اور دوسرا اُس کا رحیم ہونا۔
- ایک ایسی قوم جس نے زندگی کے زیادہ ایام مظالم اور تفاخر کی ظلمت میں گزارے ہوں تو ان کے لیے توبہ کے دروازے بند نہ کیے گئے بلکہ ان کو یقین دلایا گیا تم صحیح نظامِ اسلام کی طرف پلٹو اللہ کو تم بخشنے والا مہربان پاؤ گے۔

مفردات

فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا ؕ فَمِنَ
النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا وَ مَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

''جب تم ارکانِ حج پورے کرلو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا تذکرہ بڑی رغبت سے کرتے ہو بلکہ ذکر تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہونا چاہیے پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں پروردگار ہمارے! دے ہمیں دنیا ہی میں اور نہیں ہوگا اُن کے لیے آخرت میں کچھ حصّہ''۔

عربوں کی عادت تھی کہ اختتامِ حج پر وہ سوق عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز میں پہنچ جاتے۔ یہ بازار صرف خرید وفروخت کی منڈیاں ہی نہ تھیں بلکہ عصبیتوں، جذبات اور شہوات کو بھڑکانے کے اڈے بھی تھے۔ یہاں جلسے منعقد کیے جاتے، اشعار سنے اور سنائے جاتے، آتشیں تقریروں کا مقابلہ کیا جاتا، شعلہ نوائیاں ہوتیں، جنسی اظہارات جذبوں میں آگ لگاتے، خود پرستیوں کی آگ سُلگائی جاتی، نفرتوں کے زہر گھولے جاتے، نسب سازیاں ہوتیں، تعلّیوں کے رنگ بکھیرے جاتے اور ''اناولاغیری'' کے ڈنکے بجائے جاتے، ان لوگوں کے پاس نہ کوئی انسانی مشن تھا اور نہ ہی کوئی روحانی منشور جس سے انسانوں کی تہذیب نفس ہوتی۔ بے شک فطرت نے ان عربوں کو قوت گویائی، بلاغت اور سخاوت ایسی عادات سے نوازا تھا لیکن وہ ان نوامیس کو عملی اور ایمانی بیداری کے لیے استعمال میں لانے سے عاری تھے۔

قرآن مجید نے انہیں سمجھایا کہ یہ تم باپ دادوں کا ذکر جس سفلی جذبے سے کرتے ہو اور نفرتوں کی آگ بھڑکاتے ہو ان جہالت کی رسوم کو اب ختم کردو اور اُس روحانی مشن کا احیاء کرو جو تمہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے رہیں ہیں۔ اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو، فخر ومباہات کی ظلمتوں میں غوطے کھانے کی بجائے اللہ کی بندگی کے بامِ عروج پر آؤ تمہاری فلاح اور ترقی اس راہ پر چلنے میں ہے۔ آیت کا یہ معنیٰ نہیں کہ تم دونوں کام چلاتے رہو، آباؤ اجداد کی شہرت بیانیاں اور اللہ کے ذکر کی جولانیاں۔ مقصد آیت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی دوسرا دستور نہیں ہوسکتا سو کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو۔

آیت کے آخری حصہ میں ایک کردار قرآن حکیم نے پیش فرمایا جو اللہ سے مانگتا ہے لیکن دنیا ہی دنیا اس کی چاہتوں کا مرکز ہوتا ہے۔ اُسے آخرت سے نہ لگاؤ ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت طلبی اس کے منشور میں شامل ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنی کوتاہ فکری سے اپنا سب کچھ دنیا ہی تک محدود کرلیتا ہے اور ظاہر ہے ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔

فَاِذَا: تو جب
قَضَیۡتُمۡ: تم ادا کر چکو
مَّنَاسِکَکُمۡ: حج کے ارکان
فَاذۡکُرُوا: تو خوب ذکر کرو
اللّٰہَ: اللہ کا
کَذِکۡرِکُمۡ: جیسے تذکرہ کرتے ہو
اٰبَآءَکُمۡ: اپنے باپ دادوں
اَوۡ: یا
اَشَدَّ: اس سے بڑھ کر
ذِکۡرًا: ذکر
فَمِنَ: تو میں سے
النَّاسِ: لوگوں
مَنۡ: جو
یَّقُوۡلُ: کہتا ہے
رَبَّنَاۤ: ہمارے پروردگار
اٰتِنَا: دے ہمیں
فِی الدُّنۡیَا: دنیا میں
وَمَا لَهٗ: اور نہیں اُس کے لیے
فِی الۡاٰخِرَۃِ: آخرت میں
مِنۡ: سے
خَلَاقٍ: حصّہ، نصیب

مفردات

ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں(279):

''حج سے فارغ ہو کر لوگ یہ دعا کرتے تھے اے اللہ ہمیں اُونٹ دے دے اور ہمیں بکریاں دے دے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بیت اللہ کا ننگا ہو کر طواف کرتے اور یہ دُعا کرتے:

''اے اللہ! ہم پر بارش اُتار، اے اللہ ہمیں دشمنوں پر فتح دے''(280)۔

مجاہد سے روایت ہے کہ وہ دنیا میں رزق کی وسعت اور مدد مانگتے اور آخرت کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتے تھے(281)۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝٢٠١ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝٢٠٢

''اور کوئی ان میں سے یوں کہتا ہے اے ہمارے ربّ! ہمیں دُنیا میں بھی خوب عطا کر اور آخرت میں بھی خوب نواز اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا، ایسے لوگوں کو حصّہ ضرور ملے گا اُس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے''۔

قرآن مجید یہاں ذہنیتوں کے اعتبار سے لوگوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیتا ہے:

- ایک وہ لوگ ہیں جو مادی فوائد سے خود کو جوڑ دیتے ہیں انہیں کسی بھی روحانی مقام سے گزرنے کا موقع ملے ان کی سوچ بہر حال دنیا سازی ہوتی ہے وہ اللہ سے بھی مانگتے ہیں تو مادی مثمرات ہی مانگتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔
- دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کوئی ابہام نہیں چھوڑتا بلکہ خود ان کے بارے میں دعویٰ کرتا ہے کہ وہ تکامل اور تحاسن کی بنیادوں سے خوب آگاہ لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں دنیا میں حسنہ کے مقام سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں سعادتوں کی معنویت اور روحانیت سے بھی واقفیت اور عرفان حاصل ہوتا ہے۔

ابن کثیر نے حسنہ کا معنیٰ دنیا میں امورِ آخرت کے اندر اللہ کی مدد لکھا ہے۔ دنیا میں امن و عافیت، وسیع رزق، نافع علم، صالح عمل، خوبصورت سواری اور ثنائے جمیل سب ''فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً'' ہیں اور آخرت میں حسنہ سے مراد جنت کی نعمتیں، دیدارِ الٰہی، حساب میں آسانی، نزعِ اکبر سے امن اور اس کے توابع ہیں(282)۔

حضرت ابوالقاسم حکیم ارشاد فرماتے ہیں(283):

وَ: اور
مِنۡهُمۡ: ان میں سے
مَّنۡ: جو
يَّقُوۡلُ: کہتا ہے
رَبَّنَاۤ: ہمارے پروردگار
اٰتِنَا: دے ہمیں
فِى: میں
الدُّنۡيَا: دنیا
حَسَنَةً: حسنہ
وَّ: اور
فِى: میں
الۡاٰخِرَةِ: آخرت
حَسَنَةً: حسنہ
وَّقِنَا: اور بچا ہمیں
عَذَابَ: عذاب
النَّارِ: آگ
اُولٰٓئِكَ: یہی ہیں وہ
لَهُمۡ: ان کے لیے
نَصِيۡبٌ: حصہ ہے
مِّمَّا: میں سے
كَسَبُوۡا: جو انہوں نے کمایا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
سَرِيۡعُ: جلدی، سرعت والا
الۡحِسَابِ: حساب میں

''حسنہ دنیا سے سعادتِ زندگی اور شہادت کی موت مراد
ہے اور حسنہ آخرت سے مراد قبر کی خوشحالی اور مبشرات
کے ماحول میں اٹھنا اور پل صراط سے آسانی کے ساتھ
گزر جانا ہے''۔

اللہ نے جب ہر ایک کو نوازنا ہوتا ہے تو اپنی خواہشیں محدود نہیں کرنی چاہییں، دنیا اور آخرت دونوں کی نعمتیں اپنی آرزوؤں میں شامل رکھنی چاہییں۔

آیت نمبر 202 میں دل چسپ امر یہ ہے کہ ''مِّمَّا كَسَبُوۡا'' کا اطلاق دُعا پر کیا گیا ہے۔قرآن مجید کے 67 مقامات پر ''کسب'' کا ذکر ہوا ہے تمام آیات کے مطالعہ سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لفظ جسمانی کاموں کے علاوہ روحانی اور قلبی امور کو بھی مشمول رہتا ہے۔

عظمتوں، فضیلتوں اور برکتوں کی راہ چلنے والے مسلمان کی زندگی کا کتنا خوبصورت نقشہ کھینچا گیا ہے۔ وہ اپنی خواہشات اور آرزوؤں کو اپنے الٰہ کے سامنے رکھتا ہے۔وہ دنیا اور آخرت دونوں کے مثمرات سے آگاہ ہوتا ہے، دونوں میں حسنہ کا طلب گار رہتا ہے اور آتش جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگنے میں کنجوس نہیں ہوتا، دُعا کرتا رہتا ہے: ''اے اللہ! ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا''۔

''وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ'' پر علامہ طبرسی کی عبارت اچھی لگی ہے کہ اللہ چشمِ زدن میں سب کا حساب لے لے گا (284)۔اللہ کو محاسبے کے لیے زمانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہمارے اعمال کا اثر موجودات اور زمین و ہوا کی موجوں میں قائم رہتا ہے (285)۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں (286):

''جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے اتنی دیر میں
اللہ مخلوق کا حساب لے لے گا اس لیے کہ اللہ کو حساب
لینے میں غور وفکر کی ضرورت نہیں''۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جلدی حساب لینے سے مراد جلدی جزا دینا ہے اور یہ بھی معنیٰ ہے کہ مراد دُعا قبول کر لینا ہے۔ان آیات کی تفسیر و تعبیر میں علامہ آلوسی نے بعض صوفیاء کو جعلی قرار دے کر ان پر چڑھائی کی ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کی عبادت محض اُس کی رضا کی وجہ سے کرتے ہیں، یہ صوفیاء کی قلبی اور روحانی کیفیات سے عبارت ہے۔اللہ سے مانگنا دنیا ہو یا دین بلاشبہ قرآن و سیرت سے ثابت ہے لیکن خاص اوقات میں خاص کیفیات کا طاری ہو جانا یہ اللہ کی عطا ہے۔

علامہ آلوسی نے خود بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ محض اللہ کی رضا کے لیے عبادت کرنا مخلصین کا مقام ہے(287)۔

غلام رسول سعیدی نے جو رابعہ بصری کی حکایت نقل کی شاید ان کے نزدیک یہ امر متعجب تھا یعنی کسی نے دیکھا کہ رابعہ ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لے جا رہی تھیں۔ کسی نے پوچھا: رابعہ یہ کیا ہے؟ کہا لوگ عبادت جنت کی خواہش میں کرتے ہیں آگ جنت کو جلانے کے لیے ہے اور پانی دوزخ کو بجھانے کے لیے ہے یہ اس لیے کر رہی ہوں کہ لوگوں کی نیتیں اللہ کی رضا کے لیے ہو جائیں(288)۔

صوفیاء کی باتوں پر طعن نہیں کرنا چاہیے ان کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اہل اللہ کے مقابلے میں ہماری حیثیت پر کاہ بھی نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ
عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا
فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾
وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ
النَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

(203) اور ذکر کرتے رہو اللہ کا ان خاص ایّام میں جو معیّن اور مقرر ہیں پھر جس نے جلدی کی دو ہی دنوں میں تو اُس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کر دی تو اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں اس کے لیے جس نے تقویٰ کیا اور تقویٰ بھی اللہ کے لیے کرو اور جان رکھو کہ تم سب اُسی کی طرف اُٹھائے جاؤ گے

(204) اور لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہو گا جس کی گفتگو تجھے دنیوی زندگی میں بڑے تعجب میں ڈال دے گی اور وہ اللہ کو گواہ بناتا رہے گا اُس پر جو اُس کے دل میں ہو گا حالانکہ وہ ڈھیٹ جھگڑالو ہو گا

(205) اور جب وہ اختیار پائے گا سر توڑ کوشش کرے گا کہ زمین میں وہ فساد بپا کر دے اور کھیتوں کو اور نسلِ انسانی کو تباہ کر دے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا

مفردات

وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِىۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

''اور ذکر کرتے رہو اللہ کا ان خاص ایام میں جو معیّن اور مقرر ہیں پھر جس نے جلدی کی دو ہی دنوں میں تو اُس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کردی تو اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں اس کے لیے جس نے تقویٰ کیا اور تقویٰ بھی اللہ کے لیے کرو اور جان رکھو کہ تم سب اُسی کی طرف اُٹھائے جاؤ گے''۔

آیت کا عمود اللہ کا ذکر، اتقاء کی تحفیظ، تقویٰ اور شعورِ روحانی کی حفاظت ہے اور ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔ یہ وہ ایام ہیں جن میں دوران حج منیٰ کے اندر قیام کیا جاتا ہے۔ زور قیام کے دوران اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے میں ہے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ تمام حاجی خلاف عادت دو چادروں میں ملبوس ہوتے ہیں، بلاشبہ ان کا احرام ان میں مذہبی شعور کو غالب کیے ہوتا ہے لیکن پھر بھی فطری بات ہے ان میں جلدی ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے مناسک کی ادائیگی سے فارغ ہوں اور پرسکون زندگی کی عبادتوں میں لگ جائیں۔ دوسری طرف بڑے اجتماعات کی یہ نفسیات ہوتی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہٹو بچو، اِدھر ہو جاؤ، اُدھر ہو جاؤ اور پہلے پیچھے کا ہنگامہ کسی حد تک ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ آیت حاجیوں میں مقصد حج کو اُجاگر کرتی ہے کہ اللہ کا ذکر کرو فضول باتوں میں نہ پڑ جاؤ، طبیعتوں میں ٹھہراؤ پیدا کرو اور منیٰ کے قیام کو بھاری اور گراں نہ سمجھو۔ یہاں سے بھاگنا مقصود نہیں، رک کر تاریخ محبت کے ہمرکاب ہونا مقصود ہے۔ گویا تم لوگوں میں بیزاری اور گھبراہٹ نہیں ہونی چاہیے، عشق، اطاعت اور بندگی ہونی چاہیے۔ ایام معدودات کی اصطلاح روزوں کے لیے قرآن نے استعمال کی یعنی جیسے روزے چند دن ہی تو ہوتے ہیں، صبر وسکون سے عبادت کی اصل پر نظر رہنی چاہیے۔ یہاں بھی منیٰ کا قیام چند دن ہی تو ہے ان میں زور کثرت سے اللہ کا ذکر پر رہنا چاہیے۔ تقویٰ کے تقاضے پورے ہونے چاہییں۔ ''وَاعۡلَمُوۡٓا'' ''جان لو'' کے بعد میدان محشر کی یاد کروائی گئی گویا اشارہ اس طرف کیا گیا کہ یہ اجتماع بھی روزِ محشر کی طرح ہے مجاز میں حقیقت کو متحرک کرنا ایک خوبصورت اسلوب ہے۔

ایام تشریق میں نماز کے بعد تکبیرات پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں (289):

اللہ اکبر اللہ اکبر

وَاذۡكُرُوا: اور ذکر کرو
اللّٰهَ: اللہ
فِىۡٓ: میں
اَيَّامٍ: دنوں
مَّعۡدُوۡدٰتٍ: گنے چنے دن
فَمَنۡ: تو جو یا تو جسے
تَعَجَّلَ: جلدی کرے
فِىۡ: میں
يَوۡمَيۡنِ: دو دن
فَلَاۤ: تو نہیں
اِثۡمَ: گناہ
عَلَيۡهِ: اس پر
وَمَنۡ: اور جو
تَاَخَّرَ: ٹھہرنے میں تاخر برتے
فَلَاۤ: تو نہیں
اِثۡمَ: گناہ
عَلَيۡهِ: اس پر
لِمَنِ: اس کے لیے
اتَّقٰى: جس نے تقویٰ کیا
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ
وَاعۡلَمُوۡٓا: اور جان لو
اَنَّكُمۡ: بے شک تم
اِلَيۡهِ: اُسی کی طرف
تُحۡشَرُوۡنَ: تم جمع کیے جاؤ گے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر

اللہ اکبر و للہ الحمد

ایک بار تکبیر پڑھنا واجب ہے اور اس سے زیادہ پڑھنا مستحب۔ ان اذکار کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت، نمازوں پر پابندی، درود شریف کی کثرت اور دھیان کا اسم ذات کی طرف رہنا۔ ابراہیم خلیل کی سپاس گزاری، اسماعیل علیہ السلام کا جمالیاتی کردار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید اور دعوتِ اسلام اور دینی دعوت کا احیاء یہ سب باتیں اللہ کا ذکر ہی ہیں۔ توجہ ان امور پر رہنی چاہیے۔ ہاں کھانے پینے پر کوئی پابندی نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ منیٰ میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں میں کوئی روزہ نہ رکھے، یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ ایک مرسل روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لیے یہ زائد نیکی ہے(290)۔

انہی ایام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعبِ انصار میں کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ حکم سنایا کہ لوگو! یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کرنے کے دن ہیں(291)۔

امام احمد نے ابونضرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں فرمایا(292):

"سنو تم سب کا ربّ ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی
عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے
پر کوئی برتری نہیں حاصل مگر تقویٰ سے فضیلت ہے"۔

یہاں ایک روحانی لطیفہ نقل کرنا چاہوں گا کہ طبائع کا بغض انسان کو بامِ عروج سے دور کا جا پٹختا ہے۔

تبیان القرآن کے مؤلف نے یہ حدیث نقل کر کے نکاح سید مع غیر سید کا مسئلہ جا لکھا اور فراموش کر گئے کہ اس مسئلہ کا اس آیت کی تفسیر سے کیا تعلق ہے اور یہ بھی ذہن میں نہ رہا کہ روزانہ نماز میں آل محمد پر درود پڑھتے ہیں ایسا کرنا بغیر کسی فضیلت ہی کے ہوگا؟(293)۔

قرآن مجید کی آیت کی تفسیر و تعبیر لکھنا مدینہ شریف میں اللہ نے نصیب کی۔ ظہر کا وقت ہے میں بھی نماز کے لیے اوراق سمیٹ رہا ہوں۔ ہوٹل انوار مدینہ کے کمرہ نمبر 5025 سے روضہ شریف کی زیارت ہو رہی ہے۔

زائرین آیئے سلام عرض کرتے ہیں:

مفردات

الصلوۃ و السلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

الصلوۃ و السلام علیک یا سیدی و یا سندی یا حبیب اللہ

الصلوۃ و السلام علیک یا سیدی و یا سندی و یا مولای

یا حبیب اللہ و علیٰ الک و اصحابک یا رسول اللہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

''اور لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہوگا جس کی گفتگو تجھے دنیوی زندگی میں بڑے تعجب میں ڈال دے گی اور وہ اللہ کو گواہ بناتا رہے گا اُس پر جو اُس کے دل میں ہوگا حالانکہ وہ ڈھیٹ جھگڑالو ہوگا''۔

وہ کون تھا جس کی بات کی گئی

سدی کہتے ہیں (294) کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ شخص بدترین منافق تھا اور اس کی یہ کوشش رہتی کہ وہ تحریک اسلام کو نقصان پہنچاتا رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت خبیب اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں بیان کی تھیں جو رجیع میں شہید کر دیے گئے تھے (295)۔

حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ آیت عام منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن کثیر نے اسی کو صحیح کہا ہے (296)۔

ابن کثیر نے حضرت نوف بکالی کا قول نقل کیا (297):

> ''میں اس اُمت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ مرقوم ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں، ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں۔ یہ لوگ بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں اور دھوکے بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی

وَ: اور
مِنَ: سے
النَّاسِ: لوگ
مَنۡ: جو
يُّعۡجِبُكَ: تعجب میں ڈال دے آپ کو
قَوۡلُهٗ: اس کی بات
فِى: میں
الۡحَيٰوةِ: زندگی
الدُّنۡيَا: دنیا
وَيُشۡهِدُ: اور وہ گواہ بناتا ہے
اللّٰهَ: اللہ
عَلٰى: پر
مَا: جو
فِىۡ: میں
قَلۡبِهٖ: اپنے دل پر
وَ: اور
هُوَ: وہ
اَلَدُّ: دشمنی رکھنے والا، جھگڑالو
الۡخِصَامِ: جھگڑے اور فساد میں

ذات کی قسم میں ان پر فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی
حیران رہ جائیں گے''۔

ایک تفسیری قاعدہ

اصول تفسیر کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ قرآنی تعبیرات کے متعین کرنے کے لیے لفظوں کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے اسباب کے خاص ہونے کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔اس نکتہ نظر سے آیت کا شانِ نزول کچھ بھی ہو ہر وہ شخص اس آیت کے حصار میں آجاتا ہے جس میں یہ نشانات پائے جاتے ہوں:

(1) وہ لوگ جو کردار میں دوغلا پن کا شکار ہوں
(2) وہ گفتار کے غازی ہوں اور کردار کی کمزوریوں کا شکار ہوں
(3) دوسروں کی کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر باتیں غلافوں میں چھپا چھپا کر کرتے ہوں
(4) جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنی حیثیت کو معتبر بنانے کی کوشش کرتے ہوں
(5) پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں رہنے کے باوجود اپنی اعلیٰ مقامی کا تاثر عام کرتے رہتے ہوں
(6) سیاست دانوں کی طرح خود کو دوسروں کا خیر خواہ ظاہر کرتے ہوں لیکن اندر سے کالے گھن کی طرح رہتے ہوں
(7) وہ جو ظاہر کرتے ہوں کہ وہ اسلام کے شیدائی ہیں لیکن حقیقت میں یہود و نصاریٰ کے غلام ہوں
(8) ضدی اور ڈھیٹ ہونا ان کی عمومی نشانی ہو
(9) اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں وہ انگاروں کی طرح سلگتے ہوں
(10) شاعروں کی طرح دعوے محبت، عشق اور مستانے دیوانے ہونے کے کریں لیکن معصیت کے تاج محلوں میں رہنا ان کا عشق ہو

تلک عشرۃ کاملہ۔

واللہ اعلم

اعجاب پر اصفہانی کا قول

اعجاب ہر اُس اچھے اور مستحسن عمل کو کہتے ہیں جس کا ظاہر بہت اچھا سمجھ آئے لیکن اس کی حقیقت یقین واعتماد کو متزلزل کر دے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں: اعجاب اس حیرت کو کہتے ہیں جو انسان کو

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

بوقت جہل کسی سبب سے عارض ہو۔راغب کا کہنا ہے اعجاب کی حقیقت مجھے اس طرح معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے ظہور کا سبب ابھی تک مجھے معلوم نہیں (298)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں

امین اصلاحی لکھتے ہیں(299):

''مدینہ کے منافقین میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا تھا یہ لوگ کھاتے پیتے،سہل پسند،تن آسان اور چرب زبان تھے،شکلیں اچھی ،لباس صاف ستھرے،مجلسی آداب میں مشاق لیکن دل کے بودے اور عمل کے چور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اسلام کی حمایت میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے لیکن جب وہاں سے ہٹتے تو ان کی ساری بھاگ دوڑ اسلام کی مخالفت کی راہ میں ہوتی''۔

دینی دعوت،تحریک اسلام اور عظمت اسلام کی بحالی کے لیے رات دن کام کرنے والے کارکنان کو لوگوں کی پہچان حاصل کرنی چاہیے کہ کون آج کہاں کھڑا ہے۔قرآن کا مقصد تو یہی ہے کہ اسلام کے خادمین یکسو اور جانباز ہو جائیں۔

ابونصر بقلی کا قول

ابونصر بقلی عرائس البیان میں لکھتے ہیں(300):

''زیر تعبیر آیت میں مدعی اور واصل کی طرف اشارہ ہے۔واصل تو وہ شخص ہے جو اللہ کی دست گیری اور مدد سے کسی مقام تک پہنچ گیا۔وہ جو بھی کہتا ہے اپنے علم کے موافق کہتا ہے اور مدعی وہ شخص ہے کہ بے ہودہ دعوے کرتا ہے۔وہ جب اپنے طامات اور خلاف واقع مزخرفات بیان کرتا ہے تجھے اچھا لگتا ہے۔تو سمجھتا ہے کہ یہ شخص بڑا پہنچا ہوا شخص ہے حالانکہ وہ کچھ نہیں ہوتا''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَ: اور
اِذَا: جب
تَوَلّٰى: وہ حاکم بن جاتا ہے، پھیرتا ہے یا مشغول ہوتا ہے یادوستی لگاتا ہے
سَعٰى: کوشش کرتا ہے
فِي: میں
الۡاَرۡضِ: زمین
لِيُفۡسِدَ: تا کہ وہ فساد کرے
فِيۡهَا: اس میں
وَيُهۡلِكَ: اور ہلاک کرتا ہے اور برباد کرتا ہے
الۡحَرۡثَ: کھیتوں
وَالنَّسۡلَ: اورنسلوں کو
وَاللّٰهُ: اوراللہ
لَا يُحِبُّ: پسندنہیں کرتا
الۡفَسَادَ: فسادکو

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الۡاَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَيُهۡلِكَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ ۝٢٠٥

''اور جب وہ اختیار پائے گا سرتوڑ کوشش کرے گا کہ زمین میں وہ فساد بپا کردے اور کھیتوں کو اورنسلِ انسانی کوتباہ کردے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا''۔

علامہ بیضاوی نے ''تَوَلّٰى'' کے دومعانی لکھے ہیں (301): ایک پیٹھ پھیرنا اور دوسرا معنی والی یعنی حاکم بننا۔ حقیقت کو مجاز میں اتار کر مشاغل اور رفاقتوں کا معنیٰ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ فساد کا خوگر، جھگڑالو اور ڈھیٹ اسلام دشمن جب حاکم بن جاتا ہے تو لوٹ کھسوٹ کو اپنا شیوہ بنالیتا ہے اور ہر قسم کے فتنے اور فساد کے دروازے لوگوں کے لیے کھول دیتا ہے۔ نظام پیغمبر کے خلاف پروپیگنڈہ تیز کر دیتا ہے۔ آیت میں ''سَعٰى'' کا لفظ استعمال ہوا ''سَعٰى'' کا لغوی معنیٰ قدموں کے چلنے میں تیزی برتنا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ زمین میں ہر قسم کی گندگی پھیلانے کے لیے عمل اور کسب دونوں کو تیز کر دیتا ہے۔ ''سَعٰى'' کے بعد ''الۡاَرۡضِ'' لانے کی حکمت یہ ہے کہ ایسے منافق، ظاہر بین، جھگڑالو اور ڈھیٹ شخص کا فساد زمین کے کسی ایک حصہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ ساری کی ساری زمین اس کی لپیٹ میں ہوتی ہے۔ یہ جدھر سے گزرتا ہے فساد ہی مچاتا ہے۔ اس سے کسی جگہ بھی تعمیر کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ منافق اخنس ایک مرتبہ مسلمانوں کے کھیتوں سے گزرا تو انہیں آگ لگا دی اور موجود جانوروں کے پاؤں کاٹ دیے (302)۔

عصر حاضر میں جس طرح یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں لگے ہوئے ہیں بظاہر انہوں نے حکمرانوں سے دوستیاں جوڑی ہوئی ہیں لیکن بباطن مسلمانوں کے ملک تباہ کررہے ہیں اور ان کی اولادوں کو تباہ کررہے ہیں۔ انہیں دین سے دور کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کررہے ہیں۔ مسلمان حکمران ان کی غلامی میں جتے ہوئے ہیں۔ کافروں اور منافقوں کی اسلام دشمنی ان جہتوں میں ظاہر ہورہی ہے:

- قرآن مجید کے بارے میں مسلمانوں کے ایمان میں استحکام کو وہ کمزور کرنا چاہتے ہیں اس سے انہیں کئی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں وہ مسلم ذہن کو تشکیک کا شکار بنانا چاہتے ہیں۔ وہ تعدد ازواج سے لے کر جنگوں تک کو موضوع سخن بنارہے ہیں۔
- اسلام کے نظام کو شجر ثمر دار سمجھ کر اُس سے مستفید ہونے کی بجائے اُسے تعصب کے کلہاڑے سے کاٹ دینا چاہتے ہیں۔

- مسلمان ممالک کی تضعیف اور مسلمان بچوں کی علمی، تعلیمی اور اعتقادی سطح پر تباہی کر رہے ہیں۔
- دنیا بھر سے حیا کی اقدار ختم کر کے جنسی زہر کو فروغ دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔
- مسلمان حکمرانوں کو بے غیرت بنانے کے لیے مغربی آماجگاہوں میں جاگیروں سے نوازا جارہا ہے۔
- اسلامیان عالم میں قدیم تفرقہ بازی کے ساتھ ساتھ نئے فرقے جنم دیے جارہے ہیں۔ منظم لڑائیوں اور جھگڑوں کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔
- اسلامی تاریخ کے تضادات کو تشکیک اور فکری اضلال کی بنیاد بنایا جارہا ہے۔
- تکنیکی مباحث سے مسلمانوں کے کارآمد ذہنوں کا رخ تعمیر کی بجائے تخریب اور فساد کی طرف موڑا جارہا ہے۔
- اسلام کے سیاسی نظریات اور روحانی تعاملات کے درمیان خلیج حائل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔
- اسلامی افواج کی سوچوں کو عشق و محبت کی جنت سے بے نیاز کر کے گونگی، اندھی اور بے عمل منطق کی آغوش میں بٹھایا جارہا ہے جب کہ لڑنے والے سپاہی کو منطق سے عشق کی ضرورت ہے۔
- صدق و امانت قوموں کا اصل سرمایہ ہے۔ مسلمانوں میں کرپشن لانے کے لیے مغربی قوتیں حواس باختہ اور مسلمان حکمران حواس فروش محسوس ہو رہے ہیں۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ
وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ
رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾
فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

(206) اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ ''ڈر اللہ سے'' تو عزّت کا گھمنڈ اُسے گناہ میں گرفتار کر لیتا ہے تو ایسے شخص کے لیے جہنّم کافی ہوتی ہے اور رہنے کے لیے وہ بڑا تکلیف دہ مقام ہے

(207) اور اہل محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے

(208) اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ کُھل کر تمہاری دشمنی پر ہے

(209) اور اگر اس کے بعد تم ڈگمگا گئے باوجود یہ کہ تمہارے پاس روشن اور واضح ہدایات آ چکی ہیں تو جان رکھو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے

مفردات

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ۝۲۰۶

''اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ ''ڈر اللہ سے'' تو عزّت کا گھمنڈ اُسے گناہ میں گرفتار کر لیتا ہے تو ایسے شخص کے لیے جہنّم کافی ہوتی ہے اور رہنے کے لیے وہ بڑا تکلیف دہ مقام ہے''۔

وہ سر جوڑ ھٹائی، تکبر، خود پرستی اور فسق و فجور سے بھرا ہوا ہو اُس کو اہمیت دے کر وعظ کرنا مناسب نہیں ہوتا ہے اُس تک داعینِ حق کو حکمت و مصلحت کے ساتھ دعوت پہنچانی چاہیے۔ آیت میں مجہول کا صیغہ مسخروں اور متکبرین کی نفسی رذالتوں پر نظر حقارت ڈالنے کے لیے ہے کہ کم ظرف لوگوں کو جب اللہ سے ڈرنے کا کوئی کلمہ پہنچتا ہے تو وہ دعوت سامع کی بجائے گھمنڈ اور غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں، انہیں دنیوی عار روکتی ہے، وہ خود بھی جاہلیت کے رسوم کی کالک میں غوطہ زن ہو کر معصیت اور آثم کا دھواں عام کرنے لگ جاتے ہیں۔ اُن کا مقام، منصب، عہدہ اور دنیوی مقام انہیں اور بگاڑ دیتا ہے۔ وہ نیک اور صالحین کا مذاق اُڑاتے ہیں اور انہیں حقیر جانتے ہوئے استخفاف سے کہتے ہیں تمہیں جرأت کیسے ہوئی ہے کہ ہمیں چھیڑا ہے۔ یہ نیکوں کو حقیر جاننے والے تمام محامد کا سرچشمہ خود ہی کو سمجھتے ہیں۔ اُن کا اپنے بارے میں وقار اور عزت کا خیال انصاف پر مبنی نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی اس آیت کو آئینہ بنا کر معاشرے میں باہر نکل جائیں بغیر کسی تردد کے آپ بعض لوگوں کو دیکھ کر پکار اُٹھیں گے یہی ہے یہی ہے وہ شخص جس کی تصویر قرآن مجید میں کھینچی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ آیت میں ایسے ڈھیٹ اور فسق و فجور میں غریق شخص کے بارے میں اسلوب میں اتنی حدت پیدا ہو جاتی ہے کہ جہنم کے سارے شعلے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں کہ ایسے بدقماش شخص کے لیے جہنم ہی کافی ہے اور دلوں تک کو جلا دینے والی آگ کوئی سکون کی جگہ نہیں بلکہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ہر چیز کو جلا دینے والا یہ ٹھکانہ اس کو پوری طرح جلا کر نیست و نابود کر دے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ ۢ بِالۡعِبَادِ ۝۲۰۷

''اور اہلِ محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے''۔

میرے عم محترم قدوۃ الاصفیاء والعاشقین سید عبدالمنان شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان جن کی زندگی مجذوبانہ تھی، آپ یہ آیت کثرت کے ساتھ پڑھتے، سنتے اور سناتے، آپ اکثر آیت کی تشریح میں یہ

وَ: اور
اِذَا: جب
قِيۡلَ: کہا جاتا ہے
لَهُ: اُس سے
اتَّقِ: ڈر
اللّٰهَ: اللہ سے
اَخَذَتۡهُ: پکڑ لیتی ہے اُسے
الۡعِزَّةُ: عزت
بِالۡاِثۡمِ: گناہ کے ساتھ
فَحَسۡبُهٗ: تو کافی ہے اُس کے لیے
جَهَنَّمُ: جہنم
وَلَبِئۡسَ: اور پکی بات ہے کہ بہت بُرا ہے
الۡمِهَادُ: ٹھکانا

وَمِنَ النَّاسِ: اور لوگوں سے
مَنۡ: جو
يَّشۡرِىۡ: بیچ دیتا ہے
اس لفظ کا معنیٰ خریدنا اور بیچنا دونوں طرح کیا جاتا ہے، اصل تجارت میں عوض کے ساتھ تبادلہ اشترا ہوتا ہے
نَفۡسَهُ: خود کو، اپنے نفس
ابۡتِغَآءَ: تلاش کرتے ہوئے
مَرۡضَاتِ اللّٰهِ: اللہ کی رضا اور مرضی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
رَءُوۡفٌ: بہت مہربان
بِالۡعِبَادِ: بندوں کے ساتھ

الفاظ ارشاد فرماتے:

''اللہ کی مرضی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی زندگی کو لفظوں میں نہیں اتارا جا سکتا۔ ''یَّشْرِیۡ'' ایک آئینہ ہے جس میں قیامت تک آنے والے مجذوبوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک وسیع لفظ ہے جس میں اللہ کے بندوں کی دیوانگی اُبھرتی ہے، وہ خود کو اللہ کے لیے جلا دیتے ہیں، فروخت کر دیتے ہیں، اپنے نفس کو پروانہ بنا دیتے ہیں، اپنی جان کو حوالے کر دیتے ہیں، سپرد کر دیتے ہیں، وہ اس میں سے اپنے لیے کچھ نہیں چھوڑتے۔ وہ اس سودے میں قیمت صرف اللہ کی رضا وصول کرتے ہیں۔ اللہ کے عاشق یہ گاتے ہوئے ''جان منگیں تاں جان دیواں'' اپنے پاس کچھ نہیں چھوڑتے، بے خطر اور بے دھڑک سب کچھ نثار کر دیتے ہیں''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

''یَّشْرِیۡ'' کا معنی اگر خریدنا ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے عاشق اپنے نفس کو خرید کر پوری طرح آزاد کر دیتے ہیں گویا ان کا جسم اغراض دنیوی کے بدلے بکا ہوا تھا اُنہوں نے اللہ کی رضا پر اُسے خرید کر آزاد کر دیا (303)۔

اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر نے ایمان افروز واقعات بیان کیے ہیں:

ابن کثیر نے لکھا کہ صحابہ کی ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ یہ آیت صہیب بن سنان رومی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ مکہ مکرمہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ہجرت کی تیاری کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا: تم اپنی دولت کے ساتھ نہیں جا سکتے اگر تم فیصلہ کر بیٹھے ہو کہ جانا ہی ہے تو اپنی دولت ادھر ہی چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اُنہوں نے ساری دولت دے کر ہجرت کے لیے جان چھڑا لی اور مدینہ آ پہنچے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا (304):

''صہیب نے اس سودے میں بہت ہی نفع کمایا''۔

امام طبری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی فرمایا (305):

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر والوں نے پکڑ لیا آپ ان سے بھاگ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس پہنچ گئے یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس، انس بن مالک، ابوسعید خدری، امام زین العابدین، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت حسن المجتبیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مرویات کے مطابق یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو امانتوں کی ادائیگی کے لیے مکہ چھوڑ گئے اور فرمایا: میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے متفق ہو گئے۔ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹنا خود کو موت کے منہ میں دینا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کی فکر نہ ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پا کر خدا کی مرضی پا گئے (306)۔

علامہ اسماعیل حقی کا روحانی خطبہ

اللہ کو چاہنے والے پر لازم ہے کہ وہ اوطان بشریت سے نکل کر اپنی خودی سے اجنبی بن جائے بلکہ اپنے اقران سے بے گانہ بن جائے، یہاں تک کہ وہ مجاہد حقیقی اور شہید معنوی بن جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو غریبوں کو کہا کہ تمہیں مبارک ہو۔ اس حدیث میں اللہ کو چاہنے والے وہی غریب مراد ہیں جو اپنے تن، دھن اور من اللہ کی مرضی پانے کے لیے لگا دیتے ہیں (307)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو حدیثیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا (308):

> ''انس! تم سے جہاں تک ہو سکے باوضو رہا کرو اس لیے کہ ملک الموت جب روح قبض کرتے ہیں اگر مقبوض الروح شخص باوضو ہو تو اللہ اُسے شہیدوں میں شمار فرما دیتا ہے یہاں وضو سے مراد ہر نجاست اور ہر غیر اللہ سے خود کو منقطع کر کے متوجہ الی اللہ ہو جانا ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''وضو پر مداومت برتو اس سے رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے''۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جب وضو سے مادی رزق میں اضافہ ہوتا ہے تو روحانی فیوضات کا عالم کیا ہوتا ہوگا (309)۔

و اللہ اعلم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

یٰۤاَیُّھَا: اے
الَّذِیۡنَ: وہ لوگو
اٰمَنُوا: جو ایمان لائے
ادۡخُلُوۡا: داخل ہو جاؤ
فِی: میں
السِّلۡمِ: سلامتی اور اسلام میں
کَآفَّۃً: پورے کے پورے
وَلَا: اور نہ
تَتَّبِعُوۡا: تابع بنو
خُطُوٰتِ: قدموں
الشَّیۡطٰنِ: شیطان
اِنَّہٗ: بے شک وہ
لَکُمۡ: تمہارا
عَدُوٌّ: دشمن
مُّبِیۡنٌ: کھلا

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۰۸﴾

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ کُھل کر تمہاری دشمنی پر ہے''۔

شانِ نزول

روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اُونٹنیوں کے گوشت اور ان کے دودھ کو مکروہ جانتے۔ مسلمانوں نے ان کی یہ روش پسند نہ کی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم دونوں شریعتوں پر عمل پیرا ہونے کی طاقت رکھتے ہیں اس طرح جب اُنہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں درخواست رکھی کہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے آپ ہمیں اس پر عمل کرنے کی اجازت دے دیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ (310)۔

قاضی بیضاوی کی تعبیر

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں ''سِلم'' اور ''سَلم'' دونوں قرائتیں ہیں (311)۔ دونوں کا معنیٰ انقیاد اور اطاعت کرنا ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد اسلام ہے۔ بلاشبہ آیت اعلان کرتی ہے کہ اسلام مستقل ایک نظامِ دین ہے، دستورِ حیات ہے اور طرزِ زندگی ہے، اس کی خوبصورت اور دلآویز عبا پر کسی پیوند کی ضرورت نہیں۔ آیت اہل ایمان کو مخاطب کرتی ہے اور ان میں شعور اُجاگر کرتی ہے کہ تم لوگ ہی ہو جو اس زمین پر صلح اور آشتی کے نظام کے متمنی ہو۔ تمہاری روحوں میں اور دلوں میں فساد نہیں، تخریب نہیں، تردد نہیں، تم پوری طرح ایمان کے لباس میں ملبوس ہو، تمہارا شخصی اور ایمانی شعور خود اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ تم اللہ کو ماننے والا وجود رکھتے ہو۔ یہاں ''ایمان والو!'' کہہ کر خطاب زمین پر مسلمانوں کی طرزِ حیات کو واضح کر دیتا ہے۔

اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ

قرآن مجید مسلمانوں کی تربیت کرتا ہے کہ وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔ وہ اپنے چھوٹے یا بڑے ہر معاملے میں اللہ کے بن جائیں۔ ان کے تصور، ان کے خیال، ان کی وفا، ان کی نیت، ان کے فیصلوں اور ان کی خواہشات کا کوئی حصہ آزاد نہ رہ جائے۔ وہ پورے کے پورے

اسلام میں آ جائیں، وہ اپنی لگام پوری طرح قائدِ اُمت کے ہاتھ میں تھما دیں۔ ایسا نہیں ہو سکے گا آدھا دین مان لیں اور آدھی اپنی مرضی کر لیں۔ مسلمان ہونے کا مفہوم ابوبکر اور علی سے پوچھ لیں۔ بلال و بوذر سے اس دنیا کا تعارف حاصل کر لیں، حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے اس کی تفسیر و تعبیر پوچھ لیں۔ یہاں دل کی دھڑکنوں سے لے کر دماغ کی سوچوں تک کچھ بھی اپنا نہیں رہتا سب کچھ اللہ کے سپرد کرنا پڑتا ہے۔

عالمی امن کی ضمانت

قرآن مجید کی یہ آیت مسلمانوں کے بارے میں ذرا بھر ابہام نہیں چھوڑتی کہ وہ عالمی انسانی برادری میں کس طرح رہنا چاہتے ہیں۔ ایمان کا مطلب ایمان ہے اور اسلام کا مفہوم سلامتی ہے۔ عالمی سطح پر امن اگر قوموں اور ملتوں کی ضرورت ہے تو بلا روک انہیں اسلام اور ایمان قبول کر لینا چاہیے، امن اور سلامتی کا فارمولا صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ مادی امور زبان، نسل، دولت و ثروت اور زمینی حدود کی بنیاد پر طبقات بندیاں پراگندگی کے راستے ہیں، عصبیت کے راستے ہیں، واللہ امن تو دلوں اور روحوں کے کسی محکم رشتے کا محتاج ہے اور یہ محکم رشتہ اللہ پر ایمان ہے۔

شیطانی قدموں کے پیچھے نہ پڑ جاؤ

ہر دور کے مومن اور مسلم کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے رواں عصر اور زمانے میں شیطانی قدموں کی پہچان پیدا کرے اس لیے کہ اس کا خدا اسے منع کرتا ہے کہ شیطانی قدموں کے پیچھے نہ لگ جاؤ۔ ہر وہ مذہب، ہر وہ طاقت، ہر وہ شخص اور ہر وہ ریاست شیطانی قدم ہے جو اسلام اور دین کے ماحول کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہو۔ اسلام تو پسند کرتا ہے کہ زندگی کے مخفی ترین گوشوں میں بھی امن و سکون کا ڈیرہ جم جائے۔ انسانوں کی ظاہری، شخصی اور اجتماعی زندگی میں امن کا مطلب ہی اسلام کی حکمرانی ہے۔

بھولے بن کر نہ جیو

آیت کا اعلان واشگاف ہے، دوٹوک ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں، وہ مسلمانوں کے احساسات کو تیز کرتا ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ دنیا میں سادے سے سادہ انسان بھی اپنے دشمن کی مکاریاں جانتا ہے۔ مومنوں کو اتنا بھولا بن کر نہیں جینا چاہیے کہ احساس ہی ختم ہو جائے کہ شیطان لعین ان کا کھلا دشمن ہے۔ شعور کی بیداری سے آنکھ کھل جائے گی اور نظر صحیح کام کرنے لگ جائے گی۔ جیسے مرغی کے پروں میں بچے نظر آنے لگ جاتے ہیں مسلمانوں کو نظر آئے گا کہ شیطان نے اپنی آغوش میں کس کس کو پال رکھا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مفردات

فَاِنْ: پس اگر
زَلَلْتُمْ: تم لڑکھڑاؤ
مِّنْۢ: سے
بَعْدِ: بعد
مَا: جو
جَآءَتْكُمُ: آئی تمہارے پاس
الْبَيِّنٰتُ: دلیلیں
فَاعْلَمُوْٓا: تو جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
عَزِيْزٌ: غالب، زبردست
حَكِيْمٌ: حکمت والا

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

''اور اگر اس کے بعد تم ڈگمگا گئے باوجود یہ کہ تمہارے پاس روشن اور واضح ہدایات آ چکی ہیں تو جان رکھو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے''۔

اس آیت کی تشریح میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں (312):

''زَلَلْتُمْ'' زل سے ہے اس کا معنیٰ پاؤں کا پھسل جانا ہوتا ہے۔ بعد ازاں یہی لفظ اعتقادات، آراء اور خیالات میں سیدھی راہ سے ہٹ جانے کے معنوں میں استعمال ہونے لگ گیا۔

آیت میں ''الْبَيِّنٰتُ'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں (313)۔

یہ بھی علماء نے لکھا کہ اس سے مراد آیات قرآن ہیں اور علامہ قرطبی نے لکھا:

''کہ خطاب اگر اہلِ کتاب سے ہو تو پھر ''الْبَيِّنٰتُ'' سے
مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں، نعتیں اور تعریفیں ہوں گی
اس لیے کہ ان کو یہی چیزیں بری لگتیں تھیں'' (314)۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ آج بھی اس نژاد کے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و نعت اچھی نہیں لگتی۔

ایک دل چسپ حکایت

حضرت کعب الاحبار جس وقت اسلام لائے تو آپ قرآن حکیم پڑھ رہے تھے وہ معلم جو انہیں قرآن پڑھا رہا تھا اس نے یہ آیت یوں پڑھی:

فاعلموا ان اللہ غفور رحیم

اس پر حضرت کعب الاحبار نے پوچھا:

تم قرآن کیسے تلاوت کر رہے ہو؟

یہ بات میرے ذہن میں اتر نہیں رہی۔

ایک تیسرے آدمی سے دونوں نے پوچھا تو اس نے کہا آیت یوں ہے:

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا آیت یوں ہی ہونی چاہیے۔ ''عَزِيْزٌ'' غالب ہوتا جب کسی کام کا ارادہ کرلے کوئی اسے روک نہیں سکتا اور ''حَكِيْمٌ'' کا معنیٰ ہوتا ہے وہ جو بھی کرے اس میں حکمت ضرور ہوتی ہے (315)۔

❀❀❀❀❀

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ
قُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ
وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

(210) وہ انتظار نہیں کر رہے بجز اس کے کہ آ لے اُن کو عذاب الٰہی گھنے بادلوں کے سائے میں اور فرشتے اور معاملہ کا فیصلہ ہی کر دیا جائے اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے

(211) پوچھ دیکھو اولادِ یعقوب سے ہم نے انہیں کتنی ہی روشن نشانیاں دیں اور ایسا شخص جو بدل ڈالتا ہے اللہ کی نعمت کو اُس کے آنے کے بعد تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے

(212) آراستہ کردی گئی کافر لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی اور وہ ایمان والوں سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا قیامت کے دن اُن سے بہت بلند ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب عطا فرماتا ہے

مفردات

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَ الۡمَلٰٓـئِکَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ ‌ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾

''وہ انتظار نہیں کر رہے بجز اس کے کہ آلے اُن کو عذاب الٰہی گھنے بادلوں کے سائے میں اور فرشتے اور معاملہ کا فیصلہ ہی کر دیا جائے اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے''۔

''هَلۡ'' سے آیت ایک اہم موضوع اٹھا رہی ہے۔ ''هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ'' میں سوال ''هَلۡ'' سے ابھارا گیا ہے جو عام طور پر ایسے سوال کو متضمن ہوتا ہے جس میں ناپسندیدگی کا اظہار ہو۔ یہ لوگ اسلام اور مقام رسالت کو کیا اس لیے نہیں مانتے کہ اللہ بادلوں کا چتر لگائے۔ اُس کے ساتھ فرشتے بھی پرے باندھے موجود ہوں اور پھر فیصلہ ہی کر ڈالا جائے۔ ان کا انتظار انتظار ہی رہے گا اللہ نے جو کرنا ہوتا ہے وہ کر دیتا ہے۔

آیت کا سیاق و سباق اور اسلوب حیرتوں سے بھرا ہوا ہے ''قُضِیَ الۡاَمۡرُ'' کے الفاظ اسلوب کے دروبست سے ایک منظر کو اُبھار رہے ہیں جس میں کسی کام کا دفعۃً اور اچانک ہونا فہم میں راسخ ہو جاتا ہے جیسے کوئی تہدید آمیز سوال کے بارے میں سوچ ہی رہا ہو اور وہ اچانک دیکھے کہ وہ دن آ پہنچا ہے اور فیصلہ ہو چکا ہے، لوگوں کو جس چیز سے ڈرایا گیا وہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا، وقت کا دفتر لپیٹ کر رکھ دیا گیا اور فرصت کے سارے اوقات ختم ہو گئے۔ چھٹکارا مشکل ہو گیا اب لوگ گویا اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ آیت کے آخر میں کہا: تمام امور اب اللہ کے سامنے پیش ہونے والے ہیں (316)۔

کہتے ہیں حضرت محمد بن واسع نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی اور اس میں غور و فکر کیا اور آہ آہ کرنا شروع کر دیا اور روتے کرلاتے جان ''جانِ آفریں'' کے سپرد کر دی (317)۔

قرآن مجید میں بعض تعبیرات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے بعض ایسے امور، افعال یا چیزیں منسوب کر دی جاتی ہیں جن کی تفسیر مسائل اور اشکالات پیدا کر دیتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (318):

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا

''اور آ گیا تیرا ربّ اور فرشتے قطار در قطار''۔

ایسے مقامات پر مفسرین نے لکھا (319):

کل ما وصف اللہ بہ نفسہ لیس الا حدٍ ان یفسرہ الا اللہ و رسولہ

هَلۡ: کیا
يَنۡظُرُوۡنَ: وہ انتظار کرتے ہیں
اِلَّاۤ: مگر
اَنۡ: یہ کہ
يَّاۡتِيَهُمُ: آئے ان کے پاس
اللّٰهُ: اللہ
فِىۡ ظُلَلٍ: چھائے ہوئے گھنے
مِّنَ: سے
الۡغَمَامِ: بادلوں میں
وَالۡمَلٰٓـئِکَةُ: اور فرشتے
وَقُضِىَ: اور چکا دیا جائے
الۡاَمۡرُ: معاملہ یعنی فیصلہ کر دیا جائے
وَ اِلَى: اور طرف
اللّٰهِ: اللہ
تُرۡجَعُ: لوٹائے جائیں گے
الۡاُمُوۡرُ: تمام معاملات

مفردات

سَلۡ: سوال کیجیے
بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ: بنی اسرائیل
کَمۡ: کتنی
اٰتَیۡنٰھُمۡ: ہم نے دیں انہیں
مِّنۡ: سے
اٰیَۃٍ: آیتیں
بَیِّنَۃٍ: دلیلیں
وَمَنۡ: اور جو
یُّبَدِّلۡ: بدل دیتا ہے
نِعۡمَۃَ اللّٰہِ: اللہ کی نعمت کو
مِنۡۢ بَعۡدِ: بعد
مَا: جو
جَآءَتۡهُ: آئی اُس کے پاس
فَاِنَّ اللّٰہَ: تو بے شک اللہ
شَدِیۡدُ: سخت
الۡعِقَابِ: عذاب دینے والا

''جو چیز اللہ نے اپنے لیے بیان کی وہ اگر سمجھ نہیں آئی تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اُس کی تفسیر بیان کرے سوائے اللہ اور اُس کے رسول کے''۔

امام ابو حنیفہ کا قول بھی یہی ہے۔

مفسرین کا دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں ایسی تاویل کی جائے گی جو معقول اور متفہم ہو۔ بیضاوی، رازی اور زمخشری وغیرہ نے یہی لکھا ہے(320)۔

آیت میں مفہوم اظہر من الشمس ہے

اللہ کی طرف سے صریح معجزات اور دلائل کے بعد بھی تمہیں اگر یقین نہیں آتا اور تم تردد کا شکار رہتے ہو تو انتظار کرو اللہ خود اپنے فرشتوں کے لشکروں سمیت تمہارے سامنے آ جائے اس لیے تمہارا انتظار نا معقول ہے اس لیے تیار ہو جاؤ کہ معاملہ چکا دیا جائے۔ زور اس بات پر ہے کہ ماننے کے لیے تو اللہ کی نشانیاں ہی کافی تھیں(321)۔

آیت میں لفظ ''ظُلَلٍ'' لفظ ''ظله'' کی جمع مکسر ہے جیسے ''ظلم'' کا واحد ''ظلمه'' ہے جب کہ اس کی جمع سالم ''ظللات'' آتی ہے اور ''ظلات'' اور ''ظلال'' یہ ''ظل'' کی جمع کثرت ہے اور اس کی جمع قلت ''اظلال'' ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''ظلال، ظلة'' کی جمع ہے جیسے ''قله'' کی جمع ''قلال'' ہے(322)۔

واللہ اعلم

سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کَمۡ اٰتَیۡنٰھُمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ ؕ وَمَنۡ یُّبَدِّلۡ نِعۡمَۃَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

''پوچھ دیکھو اولادِ یعقوب سے ہم نے انہیں کتنی ہی روشن نشانیاں دیں اور ایسا شخص جو بدل ڈالتا ہے اللہ کی نعمت کو اُس کے آنے کے بعد تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے''۔

ایک ایسی قوم جو تاریخ کی عبرتناک راہوں سے گزری ہے اُس سے پوچھ لیں مرّ عصور میں وہ لوگ کس طرح نعمات الٰہیہ کو بدل دیتے تھے، اُن کی اُلٹی منطقوں نے انہیں کس طرح لوٹ لیا، وہ بہت کچھ پانے کے باوجود قلاش ہو گئے۔

''سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ'' کا مطلب یہ ہے کہ اس قوم سے اعتراف کروایا جائے کہ تم کیا تھے اور تم باقی کیا بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر صلاحیت سے نوازا، انبیاء تم میں مبعوث ہوئے، بادشاہتیں تمہارے قدموں میں رکھی گئیں، توانائیوں سے تمہیں نوازا گیا، روحانی مربی تم میں ابھرے اور مادی و

مفردات

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ وَ اللّٰہُ یَقۡبِضُ وَ یَبۡصُۜطُ ۪ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۴۵﴾

''ہے کوئی جو دے اللہ کو قرضِ حسنہ تو اللہ بڑھا دے اُس کے لیے اُس کے بڑھے ہوئے مال کو کئی گنا اور اللہ ہی ہے جو تنگی ڈالے اور فراخی عنایت فرمائے اور اُسی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ''سَبِیۡلِ اللّٰہِ'' پر چلنے کے تقاضے سامنے لاتی ہے۔ کتنا دلچسپ انداز ہے؟ اور کتنی خوبصورت اٹھان کے ساتھ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کی اہمیت بیان کی جارہی ہے۔ پہلے کہا جاتا ہے کہ موت اور حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تمہاری ہر چیز کا مالک وہی ہے فللہذا تم اپنی جانوں کو اُسی کی راہ میں کھپاؤ۔ اس آیت میں جان اور مال ہر چیز کا مالک اپنے مملوک بندے کو کہتا ہے اپنا مال میری راہ میں لگا کر مجھے قرض حسنہ دے دو میں تمہیں کئی گنا زیادہ بڑھا چڑھا کر واپس کردوں گا۔ تم نے ایک قوم کے معاملہ میں دیکھ نہیں لیا کہ میں نے انہیں زندگی دی پھر واپس لے لی، پھر انہیں پلٹا کر زندہ کر دیا، تم یقین رکھو تمہارا مال جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لگے گا، وہ رائیگاں نہیں جائے گا مالک تمہیں اضافوں پر اضافوں کے ساتھ واپس کردے گا۔

گلستانِ فہم سے معنوی عطاؤں کی خوشبو

انسانی وجود کے رواں رواں کو معطر اور معنبر کر دیتی ہے

انفاق کو ''قرض'' کی تعبیر دینا

پھر

قرض کو ''قرض حسنہ'' کی صورت میں ثمر بار کرنا

بعد ازاں

اضعاف اور مضاعف کو جامہ جنت میں ملبوس کر دینا

اور مزید اس بیان کی ندرت کو ''کثیرہ'' کی کثرت اور برکت سے نواز دینا

کس سنگ دل کی طبیعت اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی طرف مائل نہ ہوگی۔

''قبض وبسط'' کا مفہوم

آیت کے آخری حصہ میں یہ کہا گیا وہ رزق تنگ کرتا ہے اور وہی اس میں کشادگی پیدا فرماتا ہے،

مَنۡ: کون ہے

ذَا الَّذِیۡ: ''ذَا'' مَن مبتدا کی خبر ہے اور ''الَّذِیۡ'' اس کی صفت ہے اور بدل بھی بنایا جاسکتا ہے، ''جو''

یُقۡرِضُ: جو قرضہ دے

اللّٰہَ: اللہ

قَرۡضًا: قرض

حَسَنًا: اچھا

فَیُضٰعِفَہٗ: تو وہ اسے کئی گنا زیادہ کردے

لَہٗۤ: اس کے لیے

اَضۡعَافًا: بڑھا چڑھا کر

کَثِیۡرَۃً: بہت زیادہ

وَاللّٰہُ: اور اللہ

یَقۡبِضُ: تنگ کرتا ہے

وَیَبۡصُۜطُ: اور وہ کشادہ کرتا ہے

وَاِلَیۡہِ: اور اسی کی طرف

تُرۡجَعُوۡنَ: تمہیں پلٹ کر جانا ہے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اقدار کو کچھ نہیں سمجھتا۔

سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا(326):

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

''وہ حیاتِ دنیا کے ظاہر ہی کو جانتے ہیں''۔

سورۂ محمد میں تو اس کا فرانہ زندگی کی تصویر کو مزید نمایاں کر دیا جاتا ہے(327):

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ

''اور جو کافر ہوئے وہ فائدے کماتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں''۔

کھانے پینے اور لطف اٹھانے اور عیاشیوں میں مگن یہ منکرین آخرت، محشر، حضور نشور اور میزان حشور کسی چیز کو جانتے تک نہیں۔

مترفین کا یہ ناقص العقل اور فاتر الخ گروہ دنیا میں دلدادگی کا دیوانہ اُلٹا ایمان والوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اُسے اسلام سے محبت کرنے والے چھوٹے چھوٹے حقیر نظر آتے ہیں۔ وہ خود کو ہر چیز، ہر وجود اور ہر قدر سے مافوق تصور کرتا ہے۔ اُسے غریب مومنوں کے وجود سے بُو آتی ہے۔ وہ کفر کے کانچ محل میں رہتا ہے اُسے اپنی عیاشیوں کے عشرت کدے بلوریں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ سجدے رکوع کرنے والوں کو رذیل تصور کرتا ہے۔

مومنوں کے بارے میں قرآن مجید نے کہا: وہ لوگ جن کے بال بال کے نیچے، دلوں کی دھڑکنوں میں، سانسوں کی آمدورفت اور وجود کے ریزے ریزے میں تقویٰ اور ایمان کے فطرت نے علم گاڑ دیے ہوتے ہیں وہ سیر ہی اللہ کے نور سے ہوتے ہیں۔ وہ خود اُن سے بلند رہتے ہیں اور اللہ اُن کو اور ان کی روحوں کو ان سے بہت بلند رکھے گا۔

دلچسپ بات آیت میں اس شعور کی یافت ہے کہ ایمان والوں کو اپنی قیمت کا تعین دنیا کی قدر، خوراک کے کسی لقمے، رہائشوں کے کسی محل، تجوریوں کی کسی کھنک، بینکوں کے کسی اکاؤنٹ اور دولتوں کی کسی مصنوعی چمک سے نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا میزان حیات اللہ نے محمد ﷺ کے ہاتھوں میں دے دیا۔ مومنوں کی قیمت اس خاک سے پتہ چلتی ہے جو حضور ﷺ کے قدموں اور تلووں سے لگی ہوئی ہے۔ ابوتراب کسی واشنگٹن اور کسی برلن سے نہیں بنتے، دُنیا کی یہ اُونچی ترین ہستیاں ربّ کعبہ کی قسم حضور ﷺ کی نگاہ کا اعجاز ہے۔ قرآن کا بیان کتنا خوبصورت ہے: ''تقویٰ والے بروزِ قیامت ان سب سے بلند، بلند اور بلند ہوں گے''۔ مومنوں کو چاہیے کہ چمگادڑوں کی زندگی سے متاثر نہ ہوں۔ قیامت کا کھلا جہاں، جنت کے

وسیع نظارے، عطاؤں کے لامحدود ہدیے اللہ نے غلامانِ رسول کے لیے رکھے ہیں۔ دنیا پرستی کی گھٹیا زندگی گزارنے والا کوئی کم ظرف اُس جہاں کو چھو بھی نہیں سکتا۔

ابنِ جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کافر لوگ جب حضرت صہیب، حضرت بلال اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایسے فقرأ مومنوں کو دیکھتے تو ان کا مذاق اُڑاتے اور اپنی مادی دولتوں کی وجہ سے خود کو ان سے بلند سمجھتے تب اللہ نے آیت نازل کی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ کافر لوگ بڑ بولی کرتے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے کی بات ہوتی تو تسلیم بھی کر لیتے لیکن ان کے اتباع میں چلنے والے ابن مسعود ایسے لوگ ہیں ہم کیسے ان کی پیروی کر سکتے ہیں (328)۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کو اس کے فقر و فاقہ کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اس کو اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا اور ذلیل کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان مرد یا عورت پر بہتان باندھتا ہے اور کوئی ایسا عیب اُس کی طرف منسوب کرتا ہے جو اس میں نہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسے آگ کے ایک اُونچے ٹیلے پر کھڑا کر دے گا جب تک کہ وہ خود اپنی تکذیب نہ کر دے (329)۔

واللہ اعلم

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ
مُنْذِرِيْنَ ص وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

(213) سارے لوگ ایک ہی اُمت تھے پھر مبعوث فرمایا اللہ نے انبیاء کو خوشخبری سنانے والے اورعواقب امور سے آگاہ کرنے والے اور نازل کیا اُن کے ساتھ کتاب کو سچ ہی سچ تا کہ وہ فیصلہ فرمایا کریں لوگوں کے درمیان اُس میں جس میں وہ اختلاف میں پڑ گئے اور کتاب میں کس نے اختلاف کرنا تھا سوائے اُن لوگوں کے جو کتاب دیے گئے اس کے بعد کہ اُن کے پاس روشن تعلیمات آئیں اصل میں تو اُن کی آپس میں ہٹ دھرمیاں تھیں پھر ہدایت فرما دی اللہ نے ایمان والوں کو حق کی اپنے خاص اذن سے ان اُمور میں جن میں دوسرے اختلاف کر رہے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت عطا فرما دیتا ہے

مفردات

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ ۖ وَ
اَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ وَمَا
اخۡتَلَفَ فِيۡهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ ۚ
فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ
مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۱۳﴾

''سارے لوگ ایک ہی اُمت تھے پھر مبعوث فرمایا اللہ نے انبیاء کو خوشخبری سنانے والے اور عواقب امور سے آگاہ کرنے والے اور نازل کیا اُن کے ساتھ کتاب کو سچ ہی سچ تاکہ وہ فیصلہ فرمایا کریں لوگوں کے درمیان اُس میں جس میں وہ اختلاف میں پڑ گئے اور کتاب میں کس نے اختلاف کرنا تھا سوائے اُن لوگوں کے جو کتاب دیے گئے اس کے بعد کہ اُن کے پاس روشن تعلیمات آئیں اصل میں تو اُن کی آپس میں ہٹ دھرمیاں تھیں پھر ہدایت فرما دی اللہ نے ایمان والوں کو حق کی اپنے خاص اذن سے ان اُمور میں جن میں دوسرے اختلاف کر رہے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت عطا فرما دیتا ہے''۔

قرآن حکیم کی یہ آیت انتہائی اہم مسائل سے پردہ کشائی کرتی ہے اور انسانی تاریخ کے ان تمام ادوار کو متعین کرتی ہے جن میں سے کاروانِ انسانیت دھیرے دھیرے گزرا اور جس حال میں آج انسانی معاشرہ قائم ہے اس کی بنیادوں کی حقیقت بھی بتاتی ہے۔قرآن مجید کی زیرِ تعبیر آیت پورے اعتماد، وثوق اور وسعت نگاہی سے یہ اعلان کرتی ہے کہ تمام انسان اُمتِ واحدہ تھے۔

پہلے یہ سمجھ لیا جائے اُمت سے مراد کیا ہوتی ہے؟

علامہ راغب اصفہانی المفردات میں لکھتے ہیں (330):

> ''لفظ اُمت عربی لغت کے اعتبار سے ہر ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس میں کسی وجہ سے رابطہ، اتحاد اور وحدت ہو، خواہ یہ وحدت نظریات اور اعتقادات کی ہو یا زمانی، ملکی، نسبی، لسانی جہت سے ہو۔قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ انسانی معاشرہ اپنے آغاز میں وحدت کی لڑی میں پرویا ہوا تھا۔قرآن مجید کے مطابق جب انسانی

كَانَ: تھے
النَّاسُ: لوگ
اُمَّةً: جماعت
وَّاحِدَةً: ایک ہی
فَبَعَثَ: پس اُٹھایا
اللّٰهُ: اللہ نے
النَّبِيّٖنَ: انبیاء کو
مُبَشِّرِيۡنَ: خوشخبریاں سنانے والے
وَ: اور
مُنۡذِرِيۡنَ: ڈرسنانے والے
وَ: اور
اَنۡزَلَ: اُتاری
مَعَهُمُ: ان کے ساتھ
الۡكِتٰبَ: کتابیں
بِالۡحَقِّ: حق کے ساتھ
لِيَحۡكُمَ: تاکہ وہ فیصلہ کرے
بَيۡنَ: درمیان
النَّاسِ: لوگوں کے
فِيۡمَا: اس میں
اخۡتَلَفُوۡا: انہوں نے اختلاف کیا
فِيۡهِ: اس میں
وَ: اور
مَا: نہ
اخۡتَلَفَ: اختلاف کیا
فِيۡهِ: اس میں
اِلَّا: مگر
الَّذِيۡنَ: ان لوگوں نے

مفردات

اُوۡتُوۡهُ: جنہیں دی گئی
مِنۡۢ بَعۡدِ: بعد اس کے
مَا: جو
جَآءَتۡهُمُ: آئیں ان کے پاس
الۡبَيِّنٰتُ: روشن دلیلیں
بَغۡيًا: سرکشی سے
بَيۡنَهُمۡ: ان کے درمیان
فَهَدَى اللّٰهُ: تو ہدایت دی اللہ نے
الَّذِيۡنَ: انہیں
اٰمَنُوۡا: جو ایمان لائے
لِمَا: اس سے کہ
اخۡتَلَفُوۡا: اختلاف کیا
فِيۡهِ: اس میں
مِنَ الۡحَقِّ: حق سے
بِاِذۡنِهٖ: اپنے اذن سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَهۡدِىۡ: ہدایت دیتا ہے
مَنۡ يَّشَآءُ: جسے چاہتا ہے
اِلٰى: طرف
صِرَاطٍ: راستہ
مُّسۡتَقِيۡمٍ: سیدھا

تاریخ آدم سے شروع ہوئی تو یہ بات طے پا گئی وحدت کسی اور جہت سے نہیں تھی عقیدہ اور اطاعت کی جہت سے تھی اسی لیے انسانوں کے اس معاشرہ کو اُمت سے تعبیر کیا گیا''۔

معالم التنزیل میں ہے(331):

''پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ آدم کے زمانے سے نوح کے دور تک سب لوگ ایک دین اور ایک ہی شریعت کے پیرو تھے پھر ان میں اختلاف ہوا اور رسم و رواج کے تخیلات اور توہمات نے تفریق ڈالی۔ اللہ نے حضرت نوح کو مبعوث کیا۔ آپ نے آوارہ معاشرہ راہ راست پر لانے کے لیے ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی لیکن یہ لوگ ہدایت نہ پا سکے، چند نفوسِ قدسیہ حق سے وابستہ رہے پھر انبیاء کی بعثت عامہ شروع ہوئی، مبشرین اور منذرین آئے تا کہ لوگوں کو عقیدہ کی بنیاد پر صراط مستقیم پر گامزن کیا جائے''۔

قرآن مجید انسانی معاشرے کی اسی تاریخ کو ایک دوسری آیت میں پوری وضاحت کے ساتھ بے نقاب کرتا ہے(332):

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا ‌ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ فِيۡمَا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ

''اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی اُمت بعد میں وہ بٹ گئے اور اگر تیرے ربّ کی طرف سے ایک بات ہو نہ گئی ہوتی تو اُن باتوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں''۔

سورۂ انبیاء میں ارشاد فرمادیا(333):

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ‌ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ

''بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا ربّ ہوں تو میری ہی عبادت کرو''۔

اسی حقیقت کوسورۂ مومنون میں بھی بیان فرمایا لیکن آخر میں ''فَاعۡبُدُوۡنِ'' کی بجائے ''فَاتَّقُوۡنِ'' فرمادیا(334):

یہ وحدت کب قائم تھی

علامہ قرطبی نے حضرت ابی ابن کعب اور ابن زید رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا کہ یہ واقعہ عالم ارواح کا ہے جب تمام روحوں کو پیدا کرنے کے بعد اللہ نے اُن سے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ سب نے بغیر تردّد کے جواب دیا ''بلٰی'' آپ ہمارے ربّ اور پرودگار ہیں (335)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق جب آدم علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ حوا کے ساتھ زمین پر تشریف لائے اور آپ کی اولاد ہوئی اور پھیلتی گئی وہ سب آدم علیہ السلام کے عقیدہ اور دین پر قائم تھے معاشرتی انحراف بعد میں پیدا ہوا۔

علامہ بغوی نے لکھا کہ یہ اتحاد آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام کے زمانے تک قائم رہا۔ رہا یہ سوال کہ قرآن نے وحدت کا تو کہا لیکن یہ نہ بتایا کہ اختلافات کب شروع ہوئے، کس نے کیے اور کیوں کیے؟ اس پر صرف اتنا ذہن میں رہے کہ تاریخ تعمیر کی ہوتی ہے تخریب کی نہیں ہوتی۔ قرآن سہارا عدل و انصاف کا پرچم قائم کرنے کے لیے دیتا ہے۔ قرآن مجید کو دوزخیوں کی مردم شماری کی ضرورت نہیں وہ مبشرین اور منذرین کی تاریخ کو محفوظ کر کے دیتا ہے (336)۔

رحمت کے بادل

یہ ضروری تھا کہ آبادیاں بڑھیں، انسانی زندگی روبہ ترقی ہو اور انسان اپنے ارتقاء اور تکامل کے لیے سوچیں۔ ایسے نہ ہوسکتا تھا کہ انسان سوچیں بھی اور ان میں اختلاف واقع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے انبیاء اور مرسلین مبعوث فرمائے اور ان کے ساتھ کتابیں رکھیں تاکہ تعمیری اختلافات سے اہلیت اور صلاحیت نکھاری جائے اور تخریبات کو مٹادیا جائے۔ آیت کا آخری حصہ بتاتا ہے کہ اللہ نے ہر حسن اور کمال کو کتابوں اور رسولوں سے جوڑ دیا ہے اصل چیز سیدھے راستے کی ہدایت ہے۔

❀❀❀❀❀

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ
قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ
وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾
يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ
وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ
خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱۵﴾

(214) کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ کچھ پیش نہیں آیا جیسا کہ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو پیش آیا تھا، پہنچی اُن کو تنگدستی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور اُنہیں ہلا کر رکھ دیا گیا یہاں تک کہ عرض کرنے لگے رسول اور ان کے ساتھی جو ایمان لائے تھے جانے کون سا وقت ہوگا کہ نصرت الٰہی یاوری فرمائے گی سن رکھو کہ اللہ کی مدد یقیناً قریب ہوتی ہے

(215) پوچھتے ہیں آپ سے ''کہ کیا چیز وہ خرچ کریں'' فرما دیں آپ ''کہ جو مال بھی تم خرچ کرنا چاہو تو وہ حق ہے ماں باپ کا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا اور تم جو بھی نیکی کرتے ہو تو یقیناً اللہ اُس کا خوب علم رکھنے والا ہوتا ہے''

مفردات

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

''کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ کچھ پیش نہیں آیا جیسا کہ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو پیش آیا تھا، پہنچی اُن کو تنگدستی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور اُنہیں ہلا کر رکھ دیا گیا یہاں تک کہ عرض کرنے لگے رسول اور ان کے ساتھی جو ایمان لائے تھے جانے کون سا وقت ہوگا کہ نصرت الٰہی یاوری فرمائے گی سن رکھو کہ اللہ کی مدد یقیناً قریب ہوتی ہے''۔

اس سے پہلی آیت میں معاشرے کی تطہیر اور تہذیب کے قطعی اصول اور شرائع بتا دیے گئے۔ اب افراد اُمت کو جدوجہد اور سعی و کاوش کا مقام بتایا جا رہا ہے اور حق کے راستے میں جو شدائد و مشکلات اور سختیاں اور تکالیف حوصلہ شکنی کے لیے سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہیں مسلم اور مومن جماعت کو بتایا جا رہا ہے کہ جنت کا راستہ حریر و پرنیاں سے گزر کر نہیں جاتا بلکہ اس راہ میں کوہ کنی، خارا شگافی اور جاں گزاری کی رسم بھی ادا کرنی پڑتی ہے اور پیش آنے والی مشکلات کو ہمت سے برداشت کرنا پڑتا ہے گویا یہ خدائی اعلان ہے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں علم حق میں پکڑاتا ہوں اور اسلامی نظام کا بیج بونے کا انہیں ذمہ دار ٹھہراتا ہوں انہیں مَیں پہلے مصائب کی بھٹی میں ڈالتا ہوں تاکہ ان کی تربیت صحیح خطوط پر ہو جائے یہ میری تاریخی سنت ہے۔ قرآن پڑھنے والے اسلاف کی تاریخ پڑھ لیں، ان کے احوال جان لیں، ان کے ماضی سے سبق سیکھ لیں، ان کا نمونہ دیکھے بغیر جولانگہ عشق میں قدم نہ رکھیں۔ فداکاری کا جذبہ اپنے بزرگوں سے سیکھ کر باطل کو للکاریں۔ اس بات کو پلے باندھ لو ابوبکر کی اللہ اکبر کفر کے ایوانوں پر کپکپی طاری کر سکتی ہے۔ عمر کا عشق رسالت بت کدوں کو مسمار کر سکتا ہے۔ عثمان کی شان اطاعت وفا کی تعریف تلقین کر سکتی ہے۔ علی کی شجاعت علم اور حکمت حق کا پرچم پکڑنے والوں کے ہاتھوں میں طاقت اور قوت کا شعلۂ برق بن کر ظاہر ہو سکتی ہے۔ مسلمان اُمت کا ''الَّذِيْنَ خَلَوْا'' میں بہت کچھ رکھ دیا گیا۔ یہ ٹھیک ہے جنت حضور ﷺ کے غلاموں کے لیے آپ ﷺ کے قدموں اور تلووں کا دھوون ہے لیکن اس تک پہنچنے کے لیے بلال کی اذانیں بھی سننی پڑتیں ہیں اور انہیں تپتی ریت کی سلوں پر اور انگاروں پر احد احد کہتے بھی سننا پڑتا ہے۔ آیت کا درس عظیم مؤثر درس ہے اور جس

اَمْ: کیا
حَسِبْتُمْ: تم نے گمان کر لیا ہے
اَنْ: یہ کہ
تَدْخُلُوا: تم داخل ہو گے
الْجَنَّةَ: جنت میں
وَ: حالانکہ
لَمَّا: ابھی نہیں
يَاْتِكُمْ: آئے تم پر
مَّثَلُ: احوال مثلی
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کے
خَلَوْا: وہ جو گزر گئے
مِنْ: سے
قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے
مَسَّتْهُمُ: انہیں پہنچیں
الْبَاْسَآءُ: سختیاں
وَالضَّرَّآءُ: اور تکلیفیں
وَزُلْزِلُوْا: اور وہ ہلا کر رکھ دیے گئے
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يَقُوْلَ: بولے
الرَّسُوْلُ: رسول
وَالَّذِيْنَ: اور وہ
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
مَعَهٗ: اُن کے ساتھ
مَتٰى: کہاں ہے؟
نَصْرُ اللّٰهِ: اللہ کی مدد
اَلَآ: خبردار
اِنَّ: بے شک
نَصْرَ اللّٰهِ: اللہ کی مدد
قَرِيْبٌ: قریب ہے

تجربے سے آیت دوچار کرتی ہے وہ خوفناک بھی ہے اور عبرت ناک بھی ہے۔ضرورت تو طرز فکر کے صحیح کرنے کی ہے کہ ہمیں مسلمان ہو کر کیسی زندگی کی بنیاد رکھنی چاہیے؟

یہ بات درست ہے کہ سب سے زیادہ سخت بلائیں اور مشکلات انبیاء علیہم السلام کو پہنچتی ہیں۔ان کے بعد جو ان کے قریب ترین ہیں انہیں مصیبتیں اُٹھانی پڑتی ہیں لیکن اس بات کو فراموش نہ کیا جائے کہ اللہ پر ایمان اور اعتماد کی روشنی ،اُس کی تقدیر پر یقین کی روشنی ،اُس سے اُمید اور رجا کی روشنی ،اُس کی مدد اور نوازش کی روشنی، ہر لحہ نبوت کے ساتھ مربوط رہتی ہے۔نبی اور رسول جس وقت کہیں ''مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ، اللہ کی مدد کہاں ہے''؟ وہ کسی شک وشبہ کی وجہ سے نہیں کہتے ،ایسا تو ان کی شان اور وضع دعوت ہی کے خلاف ہے۔ان کے سینے یقین واعتماد سے بھرے ہوتے ہیں۔

وہ مفسر مظلوم ہیں جنہوں نے اس انداز میں آیت کی ترجمانی کی کہ رسول چیخ اُٹھے،نعوذ باللہ کیسے بھاری کلمات زبان اور قلم سے ادا کیے گئے۔انبیاء کا کوئی کام اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ہوتا۔کاروان محبت پر جب شدائد کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہوں تو نظام معبودت کے سورج کی کرنیں کب پھوٹیں گی۔یہ شوق اور خواہش کی تکمیل کے لیے تڑپ ہوسکتی ہے شکوہ ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔چھوٹا بڑے سے ''مَتٰى'' سے سوال عرض کرے تو وہ تمنا کا رنگ ہوسکتا ہے لیکن بداعتمادی نہیں ہوسکتی۔موسیٰ اور خضر کا قرآنی واقعہ کیا سبق سکھاتا ہے۔علم کا چاند رکھنے والا علم کے سورج رکھنے والے سے استفسار کرلے کہ فلاں کام کا وقت اور مقام کیا ہے تو اسے شوق اور لگن کا نام دیا جاسکتا ہے،وقوع کے لیے بے تابی اور بے قراری سے اس کی تعبیر ہوسکتی ہے لیکن بے یقینی اور بے اعتمادی سے نہیں تعبیر کیا جاسکتا۔

''مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ''میں تو ذمہ داری کے پورا کرنے کی تڑپ ،وجود میں موجود روشنیوں کا رخ اپنے غلاموں کی طرف موڑنے کی تڑپ کو آیت خود ہی اپنے معانی کا گلدستہ قاریٔ قرآن کے ہاتھ میں پکڑا دیتی ہے اور ایک ایک حرف قرآن کا اعلان کردیتا ہے کہ اللہ کی مدد کسی لمحے اللہ کے بندوں سے دور نہیں ہوتی ،اس کے ظہور کا ایک وقت ہوتا ہے جب وہ وقت آپہنچتا ہے اللہ کی مدد بھی آپہنچتی ہے۔

آیت کے شان نزول میں مفسرین نے تین اقوال نقل فرمائے ہیں:

- جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت غزوۂ خندق کے دوران نازل ہوئی جب کہ مسلمانوں کو مشقت ،شدت ،گرمی ،سردی ،تلخ اور تکلیف دہ زندگی اور طرح طرح کے مصائب آپہنچے اور ان کی یہ کیفیت ہوگئی جیسا کہ ارشاد باری ہے''اور کلیجے منہ کو آنے لگ گئے'' (سورۂ احزاب:10) یہ روایت قتادہ اور سدی کی ہے(337)۔

مفردات

✽ بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت غزوۂ اُحد کے دوران اتری، اسے قرطبی نے قلم بند کیا(338)۔

✽ ایک جماعت نے یہ بھی کہا کہ یہ آیت مہاجرین کوتسلی اور حوصلہ دینے کے لیے اُتری جب انہوں نے اپنے گھر اور اپنے اموال مشرکین کے ہاتھوں میں چھوڑ دیے۔ اُنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کو ہر معاملہ میں ترجیح دی۔ یہودیوں نے عداوت ظاہر کی اور منافقین اموال کی محبت میں کچھ کا کچھ کرنے لگے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی (339)۔

واللہ اعلم

يَسۡـــَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱۵﴾

''پوچھتے ہیں آپ سے'' کہ کیا چیز وہ خرچ کریں'' فرمادیں آپ'' کہ جو مال بھی تم خرچ کرنا چاہو تو وہ حق ہے ماں باپ کا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا اور تم جو بھی نیکی کرتے ہو تو یقیناً اللہ اُس کا خوب علم رکھنے والا ہوتا ہے''۔

اس آیت سے پہلی آیات میں جو مضامین بیان ہوئے وہ یہ تھے:

(1) کفر اور نفاق کو چھوڑ دو
(2) اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ
(3) صلح اور آشتی کے نظام اور امن کی جستجو جاری رکھو
(4) اللہ کے حکم کو قطعی جانو
(5) جان اور مال اللہ کی مرضی پر کھپاؤ
(6) مصائب اور شدائد میں استقامت سے رہو
(7) اسلاف سے خود کو مربوط رکھو
(8) تفرقہ بازی سے دور رہو
(9) وحدت اُمت کو اپنا روحانی مشن بنالو
(10) قانونِ الٰہی کے ذریعے فرقہ واریت کی بیخ کنی کرو

يَسۡـــَٔلُوۡنَكَ: آپ سے پوچھتے ہیں
مَاذَا: کیا چیز
يُنۡفِقُوۡنَ: وہ خرچ کریں
قُلۡ: فرمادیجیے
مَاۤ: جو
اَنۡفَقۡتُمۡ: تم نے خرچ کیا
مِّنۡ خَيۡرٍ: مال سے یا بھلائی سے
فَلِلۡوَالِدَيۡنِ: (اُس کا مصرف) تو والدین کے لیے ہے
وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ: اور رشتہ داروں کے لیے
وَالۡيَتٰمٰى: اور یتیموں
وَالۡمَسٰكِيۡنِ: اور مسکینوں
وَابۡنِ السَّبِيۡلِ: اور راہ گیروں
وَمَا تَفۡعَلُوۡا: اور جو بھی تم کرو گے
مِنۡ خَيۡرٍ: بھلائی سے
فَاِنَّ اللّٰهَ: تو بے شک اللہ
بِهٖ عَلِيۡمٌ: اس کا خوب علم رکھنے والا

(11) سرکشی اور بغاوت باعثِ لعنت کام ہے اس سے باز رہو

(12) ہدایت کا سرچشمہ انبیاء اور صالحین کو تصور کرو

(13) قرآن کے بغیر منزل میسر نہیں آسکتی اس لیے قرآن سے خود کو مربوط رکھو

(14) اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو

(15) ہٹ دھرمی اور ضد بُری عادات ہیں ان سے بچ کر رہو

اب اگلی آیات میں جہاد اور عائلی قوانین کے اصول و فروع بیان ہوں گے اور ان سب کی بنیاد انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ جو شخص پیسہ خرچ نہیں کرسکتا وہ دنیا میں کوئی بھی بابرکت، وقار آفریں اور روحانی کام نہیں کرسکتا۔ روحانی خوش طبعی سے لطف مند ہوں: کہتے ہیں ایک اللہ والے سے ایک شخص ملنے گیا اور شکایت کی کہ میری بیوی اور بچے مجھ سے ناراض رہتے ہیں میں کیا کروں؟ اُنہوں نے فرمایا: اللہ کی رضا کے لیے پیسہ خرچ کر کے اللہ کو راضی کرلیں اور بال بچوں پر مال خرچ کر کے ان کے دل جیت لیں۔ کنجوس، مال پرست، ہوس باز اور بخیل لوگوں کی نہ یہ دنیا پرسکون ہوسکتی ہے اور نہ اگلا جہاں راحت بخش ہوسکتا ہے۔ سخی آدمی بے گانوں کو بھی اپنا بنالیتا ہے اور کنجوس اپنوں کو بھی بے گانہ کردیتا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

آیت کا شانِ نزول

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صدقات اور مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی تو وہاں کے ایک رئیس نے آپ ﷺ سے پوچھا: ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اُس رئیس سائل کا نام عمرو بن جموح نقل کیا ہے (340)۔

آیت کی تعبیر میں قرطبی کی تعبیرات

پہلا مسئلہ علامہ قرطبی نے بھی شان نزول لکھتے ہوئے عمرو بن جموح کی روایت نقل کی (341)۔

دوسرا مسئلہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت میں سوال کرنے والے مومنین ہیں اور معنیٰ یہ ہے کہ کون سی وہ وجوہ ہیں جن میں وہ مال خرچ کرسکتے ہیں اور جو مال خرچ کرنا ہوُ سے وہ کہاں رکھیں؟

سدی نے کہا یہ آیت زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے نازل ہوئی پھر حکم زکوٰۃ نے اسے منسوخ کردیا۔

ابن عطیہ نے کہا یہ آیت فرض زکوٰۃ کے بارے میں ہے سدی کو وہم ہوا ہے۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت مستحب صدقہ کے بارے میں ہے۔

انفاق فی سبیل فضیلتوں کا پہلا زینہ

یہ بات قطعی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص دوسروں کا بھلا سوچتا ہے کارزارِ حیات میں

معاشرتی خوشیاں اور روحانی مسرتیں اُسی کا نصیبہ ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے حصار میں رہنے والا شخص بھی دنیا کا ثمر بعض اوقات پالیتا ہے لیکن وہ خود کی طرح جو کما تا ہے وہ بھی لمحاتی، محدود اور عارضی ہوتا ہے جب کہ وہ شخص جو اللہ کی رضا کی خاطر دوسروں کو خوش دیکھتا ہے اللہ کا دین اُٹھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے، والدین کو خوش رکھتا ہے، بال بچوں کی ڈیوٹی پوری کرتا ہے، مسافر نواز بن کر جیتا ہے، یتیموں اور مسکینوں کی دنیا کا محسن اور مشفق ہونے کا اعزاز پالیتا ہے۔

زندگی میں ضرور واچ (watch) کریں کوئی لمحۂ تقدیر ساز آپ کے قریب ہونا چاہتا ہے، فضیلتیں آپ کے قدم چھونا چاہتی ہیں، نظر آپ کو والدین، یتیم، مسکین اور مسافر آتے ہیں لیکن ان لوگوں کے ذریعے کوئی مخفی اور روحانی طاقت آپ کو آگے بڑھانا چاہتی ہے لیکن یہ فیصلہ آپ کے پاس ہوتا ہے اور کنجی آپ کی مٹھی میں ہوتی ہے یا آپ اپنا مال بنک بھیج دیں یا آپ اس کے ذریعے مذکورہ صدر لوگوں کی کفالت کر دیں۔ عطا کرنے والا، دینے والا اور تقسیم کرنے والا آپ کی جھولی بھر دے گا۔ قرآن مجید کی یہ آیت آسمانوں پر نور کی رفتار سے چلانے والی برق رَو نہیں نوری سواری ہے دیکھیے! فائدہ کون اُٹھاتا ہے؟

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ
صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ
مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ
اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

(216) تم پر قتال فرض کر دیا گیا ہے اور حال یہ ہے کہ تمہیں وہ سخت ناپسند ہے اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو مکروہ جانو اور وہ تمہارے لیے باعثِ خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ٹوٹ کر چاہو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور یہ شان تو اللہ کی ہے کہ وہ جانتا ہے اور اُس کے مقابلہ میں تم نہیں جان سکتے

(217) آپ سے پوچھتے ہیں کہ حرمت والے مہینے میں قتال کیسا ہے؟ آپ فرمایئے! اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اُس کے بسنے والوں کو وہاں سے نکال دینا تو اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اور فساد انگیزی تو قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور یہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں تمہارے دین سے اگر ان سے بن پڑے اور تم میں سے جو شخص بھی اپنے دین سے پھر جائے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر جائے تو ایسے ہی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت ہر دو میں اکارت چلے گئے اور وہ دوزخ والے ہیں اور انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے

(218) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو ایسے ہی لوگ اُمید رکھ سکتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْـًٔا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ
وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

''تم پر قتال فرض کر دیا گیا ہے اور حال یہ ہے کہ تمہیں وہ سخت ناپسند ہے اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو مکروہ جانو اور وہ تمہارے لیے باعثِ خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ٹوٹ کر چاہو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور یہ شان تو اللہ کی ہے کہ وہ جانتا ہے اور اُس کے مقابلہ میں تم نہیں جان سکتے''۔

مسلمان بنیادی طور پر تسلیم و رضا کا پیکر ہوتا ہے۔ وہ امن و صلح یا جنگ و قتال کے احکام اپنی ذہنی منطق سے ترتیب نہیں دیتا۔ اُس نے بندگی کا وظیفہ پورا کرنا ہوتا ہے۔ وہ خدا کا ماننے والا اور اُس کے حکم پر فداکاری کے لیے ہمہ وقت تیار رہنے والا سپاہی ہوتا ہے۔ اُس کا پیدا کرنے والا اُس سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟ یہ فیصلہ مالک کسی کے مشورے سے نہیں کرتا اپنی حاکمیت سے کرتا ہے۔ اُس نے کہا: نماز پڑھو ہم سربسجود ہو گئے۔ اُس نے کہا: مال اللہ کی راہ میں لگاؤ ہم نے تجوریوں کے قفل توڑ کر مال اُس کی دہلیز پر رکھ دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کہے دنیا سے سرکشی، بغاوت اور غنڈہ گردی ختم کرو تو مسلمان خاموشی اور سکوت کی فضا میں غار نشین ہو جائیں۔ اللہ کے احکام پر نہ کوئی منطق، نہ کوئی فلسفہ، نہ کوئی عذر اور نہ ہی کوئی معذرت۔ جہاد و قتال کو مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا ہے۔ اس کی حکمتیں کیا ہیں، اس کا وقت کون طے کرے، کتنے لوگ دست بہ شمشیر ہوں گے؟ یہ سب فیصلے مسلمانوں کا اجتماعی اور اجماعی امیر کرے گا۔ مسلمانوں کی سیاسی فرقہ واریت نے اُمت کے لیے خوفناک مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ یہ سلسلہ بلاشبہ حضرت حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد جلد ہی شروع ہو گیا تھا جو ابھی تک قائم ہے۔ اتحاد و جہاد میں تفریق کر دو تو دونوں اپنا مفہوم کھو بیٹھتے ہیں۔ مسلمانوں کا اجتماعی شعور زوال پذیر ہے۔ یہ سطریں جب میں لکھ رہا ہوں چند لمحے پہلے ہی میں نے حرم کے خطیب کا خطبہ سنا وہ بھی چودہ سو سال پہلے کی تہذیب کے مسائل زیرِ بحث لا رہے تھے۔ بتوں کے سامنے مکھن رکھو تو نہ وہ کھا سکتا ہے اور نہ وہ مکھی اُڑا سکتا ہے۔ ہمارے محراب کو کون سمجھائے کہ عصرِ جدید کے بت نئے تراشیدہ ہیں جو مسلمان اُمہ کو اپنی عبادت پر مجبور کر رہے ہیں۔ ردِّ شرک کے لیے محاضرین، مقررین اور معلمین کو ذہنی چابک دستی اور ممارست کے لیے آگے بڑھنا ہو گا۔ اب فقط بت شکنی کلہاڑے سے نہیں ہو سکتی ''شاہت الوجوہ'' کہنے والے کا ہاتھ بھی درکار ہے۔ وجود کے یتیموں کی کفالت ہو سکتی ہے لیکن سوچوں

مفردات

کُتِبَ: فرض کر دیا گیا، لکھ دیا گیا
عَلَیْکُمُ: تم پر
الْقِتَالُ: قتال، لڑائی
وَھُوَ: اور وہ
کُرْہٌ: ناگوار
لَّکُمْ: تمہارے لیے
وَعَسٰٓی: اور قریب ہے
اَنْ: یہ کہ
تَکْرَھُوْا: تم ناپسند رکھو
شَیْـًٔا: کوئی چیز
وَّھُوَ: اور وہ
خَیْرٌ لَّکُمْ: تمہارے لیے بہتر ہو
وَعَسٰٓی: اور یہ بھی ہو سکتا ہے
اَنْ: کہ
تُحِبُّوْا: تمہیں پسند ہو
شَیْـًٔا: کوئی چیز
وَّھُوَ: اور وہ
شَرٌّ لَّکُمْ: تمہارے لیے بُری ہو
وَاللّٰہُ: اور اللہ
یَعْلَمُ: جانتا ہے
وَاَنْتُمْ: اور تم لوگ
لَا تَعْلَمُوْنَ: نہیں جانتے ہو

مفردات

يَسْئَلُوْنَكَ: آپ سے پوچھتے ہیں
عَنِ: سے
الشَّهْرِ: مہینے
الْحَرَامِ: حرمت والے
قِتَالٍ: قتال، لڑائی
فِيْهِ: اس میں
قُلْ: فرمائیے
قِتَالٌ: لڑائی
فِيْهِ: اس میں
كَبِيْرٌ: بہت سنگین اور بھاری ہے
وَصَدٌّ: اور روکنا
عَنْ: سے
سَبِيْلِ اللّٰهِ: اللہ کے راستے
وَكُفْرٌ: اور کفر کرنا
بِهٖ: اس کے ساتھ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: اور مسجد حرام
وَاِخْرَاجُ: اور نکال دینا
اَهْلِهٖ: وہاں کے رہنے والوں کو
مِنْهُ: اس سے
اَكْبَرُ: بہت بڑا جرم
عِنْدَ اللّٰهِ: اللہ کے نزدیک
وَالْفِتْنَةُ: اور فساد انگیزی
اَكْبَرُ: بڑا
مِنَ الْقَتْلِ: قتل
وَلَا يَزَالُوْنَ: اور وہ نہ ٹلیں گے
يُقَاتِلُوْنَكُمْ: تم سے لڑائی کرتے رہیں گے
حَتّٰى: یہاں تک کہ

کے یتیموں کا کوئی علاج نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید نے یہ سمجھتے ہوئے کہ تکلیفیں جھیلنا، مصائب سہنا، سفر کی صعوبتیں اُٹھانا، آبلہ پائی کی ٹیسیں برداشت کرنا اور زخم اُٹھانا، مرجانا اور ماردینا، بتقاضائے فطرت بشری زندگی میں بہت بھاری کام ہے۔ قرآن نے انسانی احساسات کو سمجھتے ہوئے اور نفس مسئلہ کا ادراک کرتے ہوئے تلقین کی، سمجھایا اور یہ بات انسانی سطح پر ہی روحوں میں اتاردی:

''تمہیں جہاد وقتال کا حکم دیا گیا حالانکہ وہ تمہیں پسند نہیں ہوسکتا ہے، ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بُری ہو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں آخری جملے کے اندر جو لذتیں اور ذائقے ہیں انہیں مومنِ حقیقی ہی محسوس کرسکتا ہے۔ یہ بات صرف جہاد وقتال ہی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ایک دانش کدہ ہے جہاں حکمتوں اور تربیتی زندگی کے پھول مشام طالبین کو معطر کیے ہوئے ہیں۔ انسان کو کوئی معلوم نہیں کہ خیر کہاں ہے اور شر کہاں ہے؟ قرآن نے اُس کی مدد کی اور کہا ''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

قرآن اور رسولِ رحمٰن کو اللہ نے خیر کا دروازہ بنادیا۔ اب ان سے سیکھنا خیر ہے اور ان سے دُور ہٹ جانا شر ہے۔ خیر کے لیے کوششوں کو انتہا تک پہنچا دینا جہاد وقتال ہے اور اس مقصد عظیم کے خلاف قافلۂ انسانیت کو شیطانوں کے منہ میں دے دینا یہ شر ہے اور یہ فساد، مسلمان کبھی بھی جہاد سے دستکش نہیں ہوسکتا اور کافر کبھی فسادی ہونے کے خول سے باہر نکل نہیں سکتا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ حرمت والے مہینے میں قتال کیسا ہے؟ آپ فرمائیے! اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اُس کے بسنے

والوں کو وہاں سے نکال دینا تو اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اور فساد انگیزی تو قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور یہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں تمہارے دین سے اگر ان سے بن پڑے اور تم میں سے جو شخص بھی اپنے دین سے پھر جائے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرجائے تو ایسے ہی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت ہر دو میں اکارت چلے گئے اور وہ دوزخ والے ہیں اور انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے''۔

اس آیت کے شان نزول میں مفسر کبیر مفتی احمد یار خان بدایونی نے تمام اکابر مفسرین کی روایات کی بڑی خوبصورت تلخیص قلم بند کی، ملاحظہ ہو(342):

''ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر سے دو مہینہ پہلے حضور ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین کا سردار بنا کر کفار کی خبر لینے بھیجا اور انہیں ایک فرمان نامہ لکھ کر دیا اور فرمایا اسے ابھی نہ پڑھو دو دن کا راستہ طے کر کے کھول کر پڑھنا۔ حضرت عبداللہ نے ایسا ہی کیا جب دو دن کے بعد فرمان نامہ کھولا تو اس میں لکھا پایا کہ تم بطنِ نخلہ پہنچ کر قریش کے قافلے کی خبر لو اور اپنے ساتھ جانے پر کسی کو مجبور نہ کرو۔ حضرت نے یہ فرمان اپنے آٹھوں ساتھیوں کو سنایا وہ سب آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ جب مقام فرع پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا اُونٹ گم ہو گیا جس کی تلاش میں یہ دونوں پیچھے رہ گئے، باقی چھ عکاشہ، ابو حذیفہ، سہیل، عامر، واقد، خالد ابن بکیر آپ کے ساتھ روانہ ہو کر بطن نخلہ پہنچے جو مکہ مکرمہ اور طائف کی درمیانی منزل ہے۔ یہ جمادی الثانی کی آخری تاریخیں تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد قریش کا ایک قافلہ تجارتی سامان لے کر یہاں سے گزرا جس میں عمرو ابن حضرمی، حکم ابن کیسان اور نوفل ابن عبداللہ تھے۔ یہ لوگ عبداللہ کے قافلے کو دیکھ کر ڈر گئے۔ عبداللہ بن جحش نے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ آج جمادی الثانی کی آخری تاریخ ہے اگر ابھی ان پر حملہ نہ کیا تو آج شام کو رجب کا چاند ہو جائے گا پھر جنگ حرام ہو جائے گی چنانچہ اُنہوں نے تجارتی کارواں پر حملہ کر دیا اور ابن حضرمی کو قتل کر دیا اور دو کو گرفتار کر کے مال غنیمت کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خدا کی شان حملے کے دن رجب کی پہلی تھی اس لیے کہ چاند انتیس کا ہو چکا تھا۔ جو انہیں پتہ نہ چل سکا۔ اس پر کفار نے شور مچا دیا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینوں کی حرمت کا خیال نہ رکھا۔ یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: عبداللہ میں

مفردات

يَرُدُّوْكُمْ: تمہیں برگشتہ کردیں
عَنْ: سے
دِيْنِكُمْ: تمہارے دین سے
اِنِ: اگر
اسْتَطَاعُوْا: وہ طاقت رکھتے ہوں
وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ: اور جو تم سے واپس پلٹ جائے
عَنْ: سے
دِيْنِهٖ: اپنے دین سے
فَيَمُتْ: تو وہ مرجائے
وَ: اس حال میں
هُوَ: وہ
كَافِرٌ: کافر ہی ہو
فَاُولٰٓئِكَ: تو یہ سب
حَبِطَتْ: ختم ہوئے
اَعْمَالُهُمْ: ان کے اعمال
فِي الدُّنْيَا: دنیا میں
وَالْاٰخِرَةِ: اور آخرت میں
وَاُولٰٓئِكَ: تو یہ سب
اَصْحٰبُ النَّارِ: آگ والے ہیں
هُمْ: وہ
فِيْهَا: اسی میں
خٰلِدُوْنَ: ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

نے تمہیں کفار کی خبر لینے بھیجا تھا نہ کہ جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حضرت عبداللہ اس پر پریشان ہو گئے''۔

مفتی صاحب نے اسلام کی پہلی جنگ یہی لکھی اور آیت کا شان نزول بھی یہ لکھا۔

ابن کثیر نے یہ بھی لکھا کہ جب یہ سریّہ حضور ﷺ بھیجنے لگے تھے آپ نے پہلے امیر ابوعبیدہ بن الجراح کو بنایا تھا لیکن اس وقت آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ زاروقطار رو رہے تھے اور آپ ﷺ کا فراق آپ کو توڑ رہا تھا۔

جب حضور ﷺ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ نے انہیں روک لیا اور ان کی جگہ اپنے پھوپھی زاد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر سریّہ مقرر کر دیا (343)۔

قرآن حکیم کا اسلوب ناصحانہ

کفار قریش اور چند مسلمان جو اس پروپیگنڈہ کی زدّ میں آئے قرآن حکیم نے ان کے اعتراضات، الزامات اور اشکالات کا جواب نظری، خیالی، مثالی اور فلسفیانہ طریقے سے نہ دیا بلکہ حقیقت پسندانہ طریقے سے دیا۔ حرم اور اشہر حرم کے تقدس کو قرآن حکیم نے تسلیم کیا اور کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ اشہر حرم کا تقدس زمانی اس کا متحمل نہیں کہ ان مہینوں میں جنگ کی جائے بلکہ جنگ کرنا ان فضیلتوں کے منافی ہے لیکن کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی غلط فہمی سے کیے جانے والے اقدام پر سیخ پا ہو کر پورے اسلامی نظام کو جڑ سے اکھیڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس کے لیے میدان میں موجود قوموں کو اپنی اپنی تاریخ پڑھنی چاہیے۔ اب قرآن حکیم کفارِ مکہ کے رویوں، کردار، اعمال اور افکار سب کی تاریخ ان کے سامنے رکھ دیتا ہے، صرف سامنے ہی نہیں رکھتا انہیں فکری اعتبار سے جھنجوڑتا ہے۔ حق کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس آئینہ میں مشرکوں کے چہرے صاف نظر آنے لگ جاتے ہیں کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔ یہ سرکش غنڈوں کا ایسا گروہ ہے کہ حرم کا تقدس خود پامال کرنے والے ہیں۔ بت گری اور صنم پرستی کا اڈا اُنہوں نے بیت اللہ کو بنا رکھا ہے۔ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں، اخلاقیات، عبادات اور مرسومات حقہ کو یہ کچل دیتے ہیں، مومنین کو اُنہوں نے فتنوں میں مُبتلا کر رکھا ہے، مسلمانوں کو اُنہوں نے یہاں سے دیس نکالا دے رکھا ہے لیکن ڈھنڈورہ یہ پیٹ رہے ہیں کہ غلامانِ رسول نے حرمت والے مہینوں کا تقدس پامال کر دیا ہے۔ قرآن پڑھنے والو! یہ ذہن میں رکھو کہ ان مکار مداریوں کی ہر بات ساقط الاعتبار ہے۔ یہ کسی چھوٹی چیز کا بہانہ رکھ کر بڑے کاموں کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَالَّذِيْنَ: اور وہ لوگ
هَاجَرُوْا: ہجرت کی
وَجٰهَدُوْا: اور جہاد کیا
فِيْ: میں
سَبِيْلِ: راستہ
اللّٰهِ: اللہ
اُولٰٓئِكَ: یہی وہ لوگ ہیں
يَرْجُوْنَ: اُمید رکھتے ہیں
رَحْمَتَ: رحمت
اللّٰهِ: اللہ کی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
غَفُوْرٌ: بخشنے والا
رَّحِيْمٌ: نہایت مہربان

پرانے اور نئے کافروں کا ہدف

کافر پُرانے زمانے کے ہوں یا عصر جدید کے منکر، ڈھیٹ اور مکار تازہ کافر ہوں سب کا ہدف یہ ہے کہ وہ اپنی ابلیسی کوششوں اور کاوشوں سے مسلمانوں کو اپنے دین سے ہٹا دیں۔ یہ اخبار کی خبر نہیں اور ٹی وی کی بریکنگ نیوز کا کوئی شاخسانہ نہیں، یہ علیم وخبیر کا مسلمانوں کو انتباہ ہے۔ کافر چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بکھیر دیں، ان کی شخصیتوں کو بکھیر دیں، ان کی تہذیب کو بکھیر دیں اور ان کے اسلام کو بکھیر کر ریزہ ریزہ کر دیں۔ یہ لوگ مسلمانوں سے کل بھی خائف تھے اور آج بھی خائف ہیں۔ نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ وہ مسلمانوں کے خلاف میدان میں اتر رہے ہیں۔ قرآن مسلمانوں کو وژن دیتا ہے کہ مخالفین کے ہتھکنڈوں سے خبردار ہو جاؤ اور دشمن کو دشمن سمجھو اور اسلام اور قرآنی اقدار پر ثابت قدم رہو۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں جیسے گھنٹیاں بجاتی خطروں کا اعلان کرتی ہیں کہ آگ لگ گئی، آگ لگ گئی ہے۔ قرآن مجید نے خطرے کی گھنٹی بجادی ہے کہ مسلمانو! دنیا بھر کے کافر تمہارے دشمن ہیں، وہ تمہیں دین سے مرتد کرنا چاہتے ہیں لیکن تم نے اپنی ہمت اور ہمّت سے کفر کی آگ بجھا دینی ہے۔

ایک چونکا دینے والی خبر

قرآن مجید نے اعلان کیا کہ وہ لوگ جو اپنا ایمانی نصب العین چھوڑ کر برگشتہ ہو جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت چلے جائیں گے اور ایسے لوگ جہنمی ہیں اور انہوں نے دائمی طور پر جہنم ہی میں رہنا ہے۔

عرب لوگ ''حبط'' کا لفظ پھولنے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ ''حبطت الناقه'' کا مطلب ہوتا ہے اُونٹنی پھول گئی۔ سید قطب نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں صحیح لکھا کہ قرآن مجید نے یہ لفظ کافروں کے اعمال کے لیے استعمال کیا ہے۔ جس طرح اُونٹنی پھول پھول کر انجام کار میں ہلاک ہو جاتی ہے ایسے ہی کافروں کے اعمال بھی پھولے پھولے لگتے ہیں لیکن انجام ان کا بھی تباہی ہوتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوگا جو اسلام کو سمجھ لیتے ہیں اور ایمانی تجربات سے ہم کنار ہونے کے بعد کفر کی طرف لپک جاتے ہیں ان کے لیے بھی دائمی تباہی ہے اور جہنم کے آتشیں شعلے اُن کا مقدر ہیں (344)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو ایسے ہی لوگ اُمید رکھ سکتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے''۔

شان نزول

تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور صحابی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا سیدی یا رسول اللہ! ہماری وہ جنگ جس میں بے خبری سے ہم رجب میں لڑ بیٹھے کوئی گناہ تو نہ ہوا، کیا ہمیں کچھ ثواب کی اُمید بھی رکھنی چاہیے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (345)۔

دوسری روایت خزائن العرفان کی ہے جسے صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ اس جہاد کا انہیں کوئی ثواب نہ ہوا اس پر یہ آیت اتری (346)۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سے مراد

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں لکھتے ہیں کہ ایمان والوں سے مراد تمام مسلمان ہیں خواہ وہ کسی بھی زمانے میں ہوں (347)۔ یہ الگ بات ہے اس آیت کا نزول ایک خاص جماعت کے بارے میں ہے اور یہاں ایمان سے مراد ایمان پر قائم رہنا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے ارتداد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا اور احکام الٰہیہ کی ہر آواز کو شوق سے سنا اور جہاد فی سبیل اللہ کو بابرکت جانا۔

وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا

علامہ فخر الدین رازی نے کہا کہ یہ ایمان کی تفسیر ہے اور اسلامی چراغ کی روشن کرن ہے اس تعبیر کی حقیقت کو جاننے کے لیے ''ھجر'' کی لغوی تعبیرات کا مطالعہ فائدہ دے سکتا ہے (348)۔

علامہ زبیدی حنفی ''ھجر'' کا معنیٰ الگ ہونا اور چھوڑ دینا لکھتے ہیں (349)۔ لغو کلام کو ''ھجر'' سے تعبیر کر دیتے ہیں اس لیے کہ وہ چھوڑنے کے قابل ہوتا ہے۔ المفردات میں علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ دوپہر کے وقت کو ''ھجیرہ'' یا ''ھاجرہ'' کہہ دیتے ہیں، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس وقت امور دنیا کو نبھانا ترک کر دیا جاتا ہے (350)۔ ملاقات کو وصل کہتے ہیں اور فراق کو ''ھجر'' کہہ دیتے ہیں۔ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں کہ شریعت میں وطن، اہل وعیال اور اہل قرابت کو چھوڑ دینا ہوتا ہے اور ایسا اگر اسلام کے بلند اور عظیم مقصد کے لیے ہو تو یہ وہ ہجرت ہے جس کی فضلیت قرآن اور لسانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان ہوتی ہے۔ یہاں ایسی ہی ہجرت ایمان کی تفسیر بنا کر بیان کی گئی۔

وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

آیت میں تفسیر وتعبیر کی تیسری جہت اللہ کی راہ میں مجاہدہ ہے۔ یہاں مجاہدہ مفاعلہ کا باب لایا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

گیا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کافر، ڈھیٹ منکر اور یہود و نصاریٰ جس طاقت کے ساتھ اسلام کی مخالفت کریں اور دینی راہوں کو پامال کرنے کی کوشش کریں مسلمانوں کو اُسی قوت اور طاقت سے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور اپنے نفس میں اطمینان رکھنا چاہیے کہ اُن کی مساعی اللہ کی راہ میں ہیں اور مسلمان جب اللہ کی راہ میں ہو وہ ایسا مہاجر ہوتا ہے جس کی مدد اللہ ضرور فرماتا ہے۔

مومنین کی ایک خاص تعریف

قرآن مجید کی یہ آیت کہتی ہے کہ مومنین، مہاجرین اور مجاہدین اللہ کی رحمت کی توقع اور اُمید کی برکتوں میں گھرے ہوتے ہیں۔ پست ہمتی، بے یقینی، ذہول فکری اور نا اُمیدی ان سے قریب بھی نہیں آتی۔ یہ بابرکت اور بافضیلت طبقہ رجا کے عرش تلے زندگی بسر کرتا ہے۔ ان کا مقدر اللہ کی راہ میں شہادت ہو یا وہ اللہ کی راہ میں صبر و عزیمت سے مقصد کا پرچم بلند رکھیں۔ ان کے کان میں اللہ کا وعدہ رس گھولتا رہتا ہے کہ وہ غفور ہے اور رحیم ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک قول

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا آپ کے چاہنے والے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو گناہ کرتے ہیں لیکن دعویٰ دار ہوتے ہیں کہ ہم اُمید رکھتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا (351):

> ''وہ جھوٹے ہیں وہ ہرگز ہمارے چاہنے والے نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ ہیں جنہیں آرزوؤں نے گھیر لیا وہ شخص جو ''رجا'' کے مقام پر ہوتا ہے تو اُس کے لیے وہ محنت کرتا ہے اور جس سے وہ خوف کھاتا ہے اُس سے بھاگتا ہے''۔

❀❀❀❀❀

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَ الۡمَيۡسِرِ ؕ قُلۡ فِيۡهِمَاۤ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ وَّ مَنَافِعُ
لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ۬ؕ
قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ۝٢١٩ۙ
فِى الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ
خَيۡرٌ ؕ وَ اِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ
الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعۡنَتَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝٢٢٠

(219) آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں فرمادیں، ان دونوں میں گناہ ہے بہت بڑا اور کچھ دنیوی نفع بھی لوگوں کے لیے ممکن ہیں ہاں ان دونوں کا گناہ ان کے نفع کی نسبت بہت ہی بڑا ہے اور آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کیا کریں آپ سمجھائیں انہیں جو ضرورتوں سے بچ جائے اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تمہارے لیے آیتیں تا کہ تم غور وفکر کرنے لگ جاؤ

(220) دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کے بارے میں، فرمایئے! اُن کی ہر معاملہ میں اصلاح بہت بڑی نیکی ہے اور اگر انہیں تم اپنے ساتھ ملاؤ تو یاد رکھو وہ بھائی ہیں تمہارے اور اللہ ہر فساد کرنے والے کو ہر اصلاح کرنے والے سے جدا جانتا ہے اور اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو تم ضرور مشقّت میں پڑے ہوتے یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَ الۡمَيۡسِرِ‌ؕ قُلۡ فِيۡهِمَآ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثۡمُهُمَآ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا‌ؕ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ‌ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ۝۲۱۹

''آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرمادیں ان دونوں میں گناہ ہے بہت بڑا اور کچھ دنیوی نفعے بھی لوگوں کے لیے ممکن ہیں، ہاں ان دونوں کا گناہ ان کے نفع کی نسبت بہت ہی بڑا ہے اور آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کیا کریں آپ سمجھائیں انہیں جو ضرورتوں سے بچ جائے اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تمہارے لیے آیتیں تاکہ تم غوروفکر کرنے لگ جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ نے اسلامی دعوت کے ابتدائی تحمل کے لیے عربوں اور حجازیوں کا انتخاب کیا، ان کے اندر فطری خوبیوں کا رچاؤ سمندروں سے بھی زیادہ وسیع تر تھا لیکن محامد کے ساتھ ساتھ چند برائیاں انہیں تباہی کے کنارے لاکر کھڑا کر دینے والی تھیں۔ شرک کی ظلمتوں اور انسانیت کی تذلیل کے ساتھ ساتھ وہ شراب نوشی اور قمار بازیوں کی گندگیوں میں آلودہ تھے۔ جب حضور انور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں بھی شراب کی تباہ کاریوں اور قمار بازی نے ظلمتوں کے طوفان اُٹھائے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کی آمد نے بدیوں کی ظلمتوں کو بکھیر کر دھیرے دھیرے نور کا سماں باندھ دیا۔ چند قدسی لوگ مثلاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی شراب اور جوا عقل کو برباد کرتے ہیں اور مال کو بھی ضائع کر دیتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا رہنمائی فرماتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حرمت کے تدریجی احکام

قرآن مجید نے حرمت شراب کو چار مرحلوں میں حرام کر دیا:

- پہلا مرحلہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر 33 میں بیان ہوا (352):

قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَالۡاِثۡمَ وَالۡبَغۡىَ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ

''کہہ دیجیے میرے ربّ نے اعلانیہ اور پوشیدہ بے حیائی کے ارتکاب اور گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام کر دیا''۔

- دوسرے مرحلے میں شراب پی کر نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

مفردات

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ: آپ سے پوچھتے ہیں
عَنِ: سے
الۡخَمۡرِ: شراب
وَ: اور
الۡمَيۡسِرِ: قمار بازی، جُوا
قُلۡ: فرمایئے
فِيۡهِمَآ: ان دونوں میں
اِثۡمٌ: گناہ
كَبِيۡرٌ: بہت بڑا ہے
وَّمَنَافِعُ: اور منافع یعنی نفعے ہیں
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَ: اور، جب کہ
اِثۡمُهُمَآ: ان دونوں کا گناہ
اَكۡبَرُ: بہت ہی بڑا اور گراں ہے
مِنۡ: سے
نَّفۡعِهِمَا: ان دونوں کے نفع
وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ: اور پوچھتے ہیں آپ سے
مَاذَا: کیا
يُنۡفِقُوۡنَ: وہ خرچ کریں
قُلِ: فرمادو
الۡعَفۡوَ: جو بچ جائے
كَذٰلِكَ: یوں ہی
يُبَيِّنُ: وہ بیان کرتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
لَـكُمُ: تمہارے لیے
الۡاٰيٰتِ: آیتیں
لَعَلَّكُمۡ: تاکہ تم لوگ
تَتَفَكَّرُوۡنَ: غوروفکر کرو

ارشاد باری ہے(353):

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

''اے ایمان والو نماز سے قریب بھی نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو''۔

- تیسرے مرحلے میں زیر تفسیر آیت کے اندر شراب اور جوئے کے نقصانات بیان کیے لیکن اس میں کچھ فوائد بھی ہیں جو گناہ کے مقابلے میں بہت کم ہیں یہاں شراب کو ''اِثْمٌ'' قرار دیا گیا۔
- چوتھا اور آخری مرحلہ حرمت قطعی کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا(354):

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

''اے ایمان والو شراب اور جوا اور بتوں کے استھان اور پانسے سب ناپاک شیطانی عمل ہیں پس اس سے پرہیز کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو''۔

معاشرتی انقلاب کا خوبصوت نمونہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ شراب حرام کردی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں شراب کا جو برتن تھا اُسے اُدھر ہی پھینک دیا اور جس کے گھر میں کوئی سبو چہ یا خم شراب موجود تھا اُس نے اُسے اُٹھایا اور باہر پھینک دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تعمیل حکم کا خوبصورت نقشہ کھینچا کہ اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب ایسے بہہ رہی تھی جیسے شراب برسی ہو۔ عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ بارش برستی تو مٹی میں شراب کا رنگ نکھر آتا۔

تاریخ کے طالب علم کے لیے یہ لمحات حیرت ناک ہیں اس لیے کہ کہا جاتا ہے کہ عادتیں چھوڑ دینا امر مشکل اور ثقیل واقع ہوا ہے۔ ''چھوٹتی نہیں کافر یہ منہ سے لگی ہوئی''، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں سے آیت کے لمس نے صدور کا معجزہ دکھایا اور اسلامی نظام کا تعمیلی پہلو تہذیب معاشرت کی بنیاد بن گیا۔ دیکھنے والی چیز تو وہ اعجاز نگاہی تھی جس نے پل بھر میں لوگوں کے مزاج بدل دیے اور جو برسوں سے مرغوب چیز تھی وہ مبغوض ہوگئی اور اتنی قابل نفرت کہ لوگ اُسے چھونے سے بھی گریزاں ہوگئے۔ یہ اثر اسلامی تربیت کا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ حکم اُن لوگوں نے بھی سنا جو ہوش میں تھے اور اُن لوگوں نے بھی سنا جو مدہوش تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک محفل میں ساقی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ منادی کی آواز جب نشہ میں چور لوگوں کے کانوں میں پڑی وہ بھی پکار اٹھے جام وسبو توڑ دو، شرابیں گرادو اور

جو منہ میں ہے تھوک دو، جان سے پیارے کا حکم آ گیا ہے(355)۔

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ

آسمان کے نیچے وہ پیکر نور و رحمت جس نے پرچم صدق اتنا اونچا کیا کہ وہ عرش کو چھونے لگ گیا۔رب کریم نے اُس مربیّ اور معلم سے کہا: آپ فرما دو کہ شراب نوشی اور قمار بازی میں بہت بڑا گناہ ہے۔اربوں فلسفیوں کے حکمت بھرے بول روحوں میں وہ اطاعت و تعمیل کا جذبہ نہیں سمو سکتے جو جذبہ رسول رحمت کا ایک بول دلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔ثقیل اوامر قرآن حکیم جہاں بھی نقل کرے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ''قُلْ'' کہا جاتا ہے۔دراصل یہ نفسیاتی انقلاب کی محکم ٹیک ہے جس سے مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاج بدل اعلان فرما دیا کہ شراب نوشی اور قمار بازی دونوں کام بُرے ہیں ان کی محدود منفعتوں کو نہ دیکھا جائے بلکہ ان کے پیس دینے والے نقصانات جو دلوں، ذہنوں اور معاشروں کو آلودہ کر دینے والے ہیں انہیں ملاحظہ کیا جائے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ ان دونوں کاموں میں ''اِثْمٌ'' زیادہ ہے اور ''اِثْمٌ'' اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کی عقل اور روح میں وجود پذیر ہوتی ہے اور اسے نیکیوں اور کمالات تک پہنچنے سے روکتی ہے۔قرآنی تجزیہ کتنا خوبصورت ہے کہ قمار بازی اور شراب نوشی عقل اور روح کو اتنا آلودہ کر دیتی ہیں کہ کمالات تک رسائی اور فضیلتوں کی پرچم کشائی محال ہو جاتی ہے۔عبادتوں کے سجدے جہاں ڈگمگا جائیں، ہونٹوں سے نکلنے والے لفظ جہاں لڑکھڑا جائیں، مجاہدوں کی تلواریں جہاں اپنے بیگانے کی تمیز کھو دیں، وفاؤں اور جفاؤں کی تاریخ یاد رکھنے والی قوت جہاں مخبوط ہو جائے، تاروں سے جگمگاتے چہرے جہاں نفسی کارستانی سے وہ کالک کمالیں جو دبیز رات کا کٹا ہوا ٹکڑا معلوم ہو تو ''وَالْعَصْرِ'' کی تلاوت کرنے والے اوقات کو سبوچوں میں گھول دیں اور قمار بازی میں اڑا دیں۔ان گندی عادات کی حوصلہ افزائی قرآنی نظام کیسے کر سکتا ہے۔قرآن مجید معاشرے کو طبّی اخلاقی، روحانی، اقتصادی اور عقلی تباہیوں سے بچانے کے لیے شراب نوشی اور قمار بازی سے سختی سے منع کر دیتا ہے اور ان دونوں بُرے کاموں کو حرام قرار دیتا ہے۔قرآن یاد کرنے والی قوم، جہاد کرنے والی ملت اور انسانوں کے لیے نمونہ بننے والی اُمت یہ دونوں گندے کام کرنے کی متحمل کیسے ہو سکتی ہے۔سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت نے یہ بھی بتلا دیا کہ قمار بازی اور خم بازیوں کی اقتصادی منفعتوں سے وہ نقصانات بہت گھناؤنے ہیں جو روحوں کو آلودہ، دلوں کو گندہ، ذہنوں کو پائمال اور انسانیت کو سلب کر دیتے ہیں۔عام طور پر انسان غیر انسانی حرکتوں سے اس لیے بچتا ہے کہ اس میں غیرت، حمیت،

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ضمیر، مہر ومحبت، شرم وحیا، ایثار واحسان اور رحم ایسے عواطف اور جذبات موجود ہوتے ہیں۔ یہ تھوڑا نقصان تو نہیں کہ شراب نوشی اور قمار بازی ان تمام اقدار کو تباہ کر دیتی ہے۔

قمار بازی ہیجان انگیزی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور یہ بات مسلّمہ حقیقت ہے کہ روحانی ہیجانات بہت سی بیماریوں کا باعث ہوتے ہیں مثلاً وٹامن کی کمی، السر، جنون اور دیوانگی وغیرہ بیماریاں ہیجان ہی سے پیدا ہوتی ہیں ایک جوُا باز شخص کا دل ایک منٹ میں سو سے زیادہ مرتبہ دھڑکتا ہے۔ یہ ہیجان ہارٹ فیلیئر اور تشنج اور دماغ کے سکتہ کا باعث بن سکتا ہے(356)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا(357):

''جو شخص چوسر کھیلتا ہے وہ شخص گویا خنزیر کے گوشت اور
خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے''۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ارشاد فرماتے ہیں: شطرنج جوئے میں داخل ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شطرنج چوسر سے بھی زیادہ بُری چیز ہے(358)۔

آیت کا دوسرا حصہ اس حکم اور تاریخ پر مشتمل ہے کہ محبوب ﷺ! صحابہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟

محبوب فرمادو! جو چیز ضرورتوں سے فاضل ہو وہ خرچ کرو(359)۔

ابن کثیر نے ''اَلْعَفْوَ'' کا معنیٰ طیب اور اطہر کیا ہے۔ مفہوم آیت یہ ہوگا کہ انفاق کی تفصیل گزر گئی ہے اب تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جو مال صاف اور ستھرا ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو(360)۔

ائمہ لغت نے ''اَلْعَفْوَ'' کا ایک معنیٰ آسان اور نرم بھی لکھا ہے۔ سخت اور بنجر زمین کے مقابلے میں جو نرم زمین ہوُ اسے ''اَلْعَفْوَ'' کہتے ہیں اس اعتبار سے ''اَلْعَفْوَ'' وہ مال ہوگا جسے آسانی سے خرچ کیا جائے ممکن ہے اشارہ اس طرف مقصود ہو کہ قرض لے کر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں جو میسر ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے(361)۔

سید قطب نے فی ظلال القرآن میں لکھا کہ ''اَلْعَفْوَ'' کا معنیٰ فالتو اور بچا ہوا ہوتا ہے اس لیے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو مال ضرورتوں سے بچا ہوا ہوُ اسے اللہ کی راہ میں لگایا جائے(362)۔

تاج العروس نے ''اَلْعَفْوَ'' کا معنیٰ مٹا دینا بھی لکھا ہے۔ معاف کر دینے کا مطلب بھی یہ ہے کہ معافی غلطی کے اثر کو مٹا دیتی ہے۔ اس کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ مال کے کم یا زیادہ ہونے سے آیت کا کوئی تعلق نہیں بلکہ مقصود اسلام کو نقصان پہنچانے والی چیزوں کو مٹا دینا ہے۔ اگر اس کے لیے ساری

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

کمائی بھی اللہ کے راستے میں لگانی پڑ جائے تو لگا دو۔ یہاں آیت کا تعلق جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورتوں کی تکمیل نظر آتی ہے (363)۔

''اَلۡعَفۡوَ'' کا ایک معنیٰ وسط اور درمیان بھی ہوتا ہے۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے مفہوم آیت یہ ہوگا کہ خرچ کرنے میں حدِ اوسط اور حد اعتدال کا خیال رکھنا چاہیے۔ اپنی ضروریات کا خیال بھی رکھنا چاہیے اور دینی ضروریات کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے (364)۔

لسان العرب میں ابن منظور نے ''اَلۡعَفۡوَ'' کا مطلب مال کا بہترین حصہ مراد لیا ہے۔

اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں گھٹیا اور ردّی مال نہیں لگانا چاہیے بہترین مال کا انتخاب ہونا چاہیے (365)۔

ایک روحانی لطیفہ

ایک مرتبہ میں اسلام کے اقتصادی نظام پر گفتگو کر رہا تھا۔ ایک شخص کھڑے ہوئے اور زیرِ تفسیر آیت کی تلاوت فرمائی اور پوچھنے لگے: شاہ جی اس ایک آیت کے دو حصے ہیں: ایک حصے کا تعلق شراب اور قمار بازی کی حرمت کے ساتھ ہے اور دوسرے حصے کا تعلق مال کے خرچ کرنے کے ساتھ ہے۔ ان میں ربط معنوی اور ربط روحانی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ بات دل میں ڈالی، میں نے عرض کی کہ معاشیات تین چیزوں کا نام ہے: پیدائش دولت، تحفیظ دولت اور تقسیم دولت۔ کہا جاتا ہے عقل ساری کی ساری تقسیم دولت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی اور قمار بازی کی تباہ کاریاں بیان کرنے کے بعد گویا فرمایا کہ عقل، مال اور انسانیت کو تم تباہ کر بیٹھے ہو، اب انسان بنو، اللہ کی راہ میں مال سلیقے سے خرچ کر کے اپنی عقلی، روحانی، انسانی اور اقتصادی تباہیوں کا ازالہ کر لو تمہاری بہتری اسی میں ہے۔

فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡیَتٰمٰی ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَیۡرٌ ؕ وَ اِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعۡنَتَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۲۰﴾

''دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کے بارے میں، فرمائیے! اُن کی ہر معاملہ میں اصلاح بہت بڑی نیکی ہے اور اگر انہیں تم اپنے ساتھ ملاؤ تو یاد رکھو وہ بھائی ہیں تمہارے اور اللہ ہر فساد کرنے والے کو ہر اصلاح کرنے والے سے جدا جانتا ہے اور اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو تم ضرور مشقت میں پڑے ہوتے یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت کا عنوان معاشرے کی خیر خواہی ہے۔ انسانیت کا تکامل اور ارتقاء ہے۔

مفردات

فِیۡ: میں
الدُّنۡیَا: دنیا
وَالۡاٰخِرَةِ: اور آخرت
وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ: اور پوچھتے ہیں آپ سے
عَنِ: سے
الۡیَتٰمٰی: یتیموں کے متعلق
قُلۡ: فرما دیجیے
اِصۡلَاحٌ: اصلاح، خیر خواہی
لَّهُمۡ: ان کے لیے
خَیۡرٌ: بہتر ہے
وَاِنۡ: اور اگر
تُخَالِطُوۡهُمۡ: انہیں تم باہم ملا لو
فَاِخۡوَانُکُمۡ: تو وہ تمہارے بھائی ہیں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
یَعۡلَمُ: جانتا ہے
الۡمُفۡسِدَ: فساد مچانے والے کو
مِنَ: سے
الۡمُصۡلِحِ: خیر خواہی کرنے والا
وَلَوۡ: اور اگر
شَآءَ اللّٰهُ: چاہتا اللہ
لَاَعۡنَتَکُمۡ: تو ضرور تمہیں مشقت میں ڈال دیتا
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
عَزِیۡزٌ: غالب
حَکِیۡمٌ: حکمت والا

ایک ایسے طرزِ عمل کی تلقین ہے جس میں معاشرت بامِ عروج تک پہنچ سکتی ہے۔ دنیا اور آخرت میں فلاح کا عظیم کام کہاں سے شروع کیا جائے اور کس سمت اس کام کو بڑھایا جائے؟ عنوان کی عظمت کو چھونے سے پہلے قرآنی اسلوب کی نیرنگی ملاحظہ ہو کہ آیت کی پیشانی پر جو الفاظ جلی اور روشن آشکار کیے:

''فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'' ہیں

گزشتہ آیت ختم ہوئی ''لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ '' پر، قرآن نے اس عقدہ کو ہمیشہ کے لیے کھول دیا کہ مسلمان کا مذہب کسی ایک جہاں کی بہتری سے تعلق نہیں رکھتا دنیا اور آخرت ہر دو کی فلاح ہے اور ہر دو کے لیے سوچنا ہے۔ یہی وہ عظمت فکر ہے جو دلوں میں ایسا اطمینان انڈیل دیتی ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر آخرت اور جنت کے مزے لینے لگ جاتا ہے۔

تکامل حیات کی پہلی اینٹ قرآن نے یتیموں کی خیر خواہی کی بنیاد پر رکھی ۔فضیلتوں کا تاج بادشاہوں کے سر پر نہ رکھا بلکہ برکتوں کا روشن جہان یتیموں کے قدموں میں رکھ دیا۔ بات یہاں سے شروع کی کہ یہ لوگ پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ قرآن نے کہا: محبوب آپ خود درِّ یتیم ہیں اس لیے یتیموں کے تکافل کے لیے آپ ہی اپنی زبان سے فرمادیں ان کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو جس میں ان کے لیے بھلائی ہو۔ یہاں آیت میں لفظ ''قُلْ '' جمالیاتی خوشبوؤں سے ماحول کو معطر اور معتبر کردیتا ہے۔

یتیموں کی سرپرستی، ان کی پشت پناہی اور ان کی کفالت قرآن حکیم نے لازمی قرار دے دی۔ کتاب زندگی کے یہ لفظ ''وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ '' دلچسپ ہیں، حقیقت کو کھولتے ہیں اور دینی مزاج کی عکاسی کرتے ہیں۔ مخالطت باب مفاعلہ ہے اس میں دونوں طرفوں سے کسی کام کا ہونا پایا جاتا ہے۔ پہلے تو خیر خواہی لفظ نے یہ منہجِ تربیت دیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تمہیں بلا معاوضہ یتیموں کی کفالت کرنی چاہیے۔ اب سوچ یہ پیدا ہوئی کہ اگر کوئی شخص انتظامی سہولت کے پیش نظر کسی یتیم کے مال یا اس کے کاروبار کو اپنے مال یا کاروبار میں شامل کرنا چاہے اور مال کی حفاظت کی غرض سے کسی یتیم سے شادی کرنی پڑ جائے تو قرآن مجید نے اختیار تو دے دیا لیکن جو شرطیں رکھیں وہ کڑی تھیں۔ باب مفاعلہ متقاضی ہوا کہ اگر تم ضروری سمجھتے ہو کہ اُن کی زندگی کو اپنی زندگی میں سمو دو تو خود بھی تو تیار ہو کہ تمہاری زندگی اُن کی زندگی میں مل جائے۔ لفظ نے احتیاط کو حد انتہا تک پہنچا دیا کہ جو طرزِ عمل تم اپنے مال، اہل اور جان و روح سے برتتے ہو تمہیں یتیم سے بھی ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کرنا ہوگا، دوسرا یہ کہ ''اِصْلَاحٌ لَّهُمْ '' کی تعبیر نے یہ فہم دیا کہ پیش نظر یتیم کی بہبود اور بھلا ہونا چاہیے یعنی جس چیز اور فیصلے میں

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ان کی بہتری ہے وہ بہتر ہوگا باقی رہ گیا کہ مصلح کون اور فسادی کون ہے؟ دلوں کی کھوٹ کو اللہ ہی جاننے والا ہے۔ اس کا ہاتھ کمزور نہیں، جس نے یتیم کو یتیم بنایا وہ تم پر بھی غالب ہے، اُس نے کس وقت کیا کرنا ہے یہ فیصلے اس کی حکمت کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں اس لیے کہ وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔

''عنت''اور''اعنات''میں متعدی اور لازم ہونے کا فرق ہے۔ لازم ہونے کی صورت میں اس کا معنیٰ مشقت میں پڑنا ہوتا ہے اور متعدی ہونے کی صورت میں زحمت میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کا مزاج یہ رکھا کہ وہ کسی کو مشقت میں ڈالتا نہیں بلکہ مشقتوں، زحمتوں اور دشواریوں سے بچنے کی راہیں استوار فرماتا ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ
لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى
النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

(221) اورتم نکاح نہ کرو مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور یہ ضروری نکتہ ہے
کہ ایمان والی لونڈی ہوتو وہ مشرکہ عورت سے اچھی ہوتی ہے کیوں نہ وہ تمہیں بھلی لگتی ہو اور
نہ نکاح میں دو مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں کے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور
مومن غلام بھی ہوتو اچھا ہی ہوتا ہے مشرک سے کیوں نہ تمہارا دل اُس میں پھنس جائے، یہ
لوگ تو آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنّت اور مغفرت کی طرف بلواتا رہتا
ہے اور خوب کھول کر بیان کرتا ہے اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ
اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ
وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

''اور تم نکاح نہ کرو مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور یہ ضروری نکتہ ہے کہ ایمان والی لونڈی ہوتو وہ مشرکہ عورت سے اچھی ہوتی ہے کیوں نہ وہ تمہیں بھلی لگتی ہو اور نہ نکاح میں دو مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں کے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور مومن غلام بھی ہوتو اچھا وہی ہوتا ہے مشرک سے کیوں نہ تمہارا دل اُس میں پھنس جائے، یہ لوگ تو آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنّت اور مغفرت کی طرف بلوا تا رہتا ہے اور خوب کھول کر بیان کرتا ہے اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں''۔

آیت کا شانِ نزول

جلال الدین سیوطی نے لکھا کہ ابومرثد غنوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مدینہ سے مکہ کی طرف بھیجا اور حکم ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمانوں کی ایک جماعت جو مکہ میں رہ گئی ہے اُنہیں لے کر واپس مدینہ آجائے۔ابومرثد مکہ پہنچا وہاں اس کی ملاقات ایک عناق نامی خوبصورت عورت سے ہوگئی۔اس عورت کے ساتھ ابومرثد کے زمانۂ جہالت کے تعلقات اور روابط تھے۔عورت نے ابومرثد کو گناہ کی دعوت دی لیکن ابومرثد نے انکار کردیا اور کہا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے اور اسلام زناء اور بدکاری سے منع کرتا ہے۔عورت نے کہا کہ نکاح کرلو۔ابومرثد نے کہا کہ یہ معاملہ بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرے گا۔واپسی پر اُس نے وعدہ کے مطابق بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمان مردوں کو مشرکہ عورتوں سے اور مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں سے نکاح کرنے سے منع کردیا گیا(366)۔

آیت کی تعبیر

مفسرین نے یہاں مشرکین اور مشرکات کا لفظ خاص عرب کے ان لوگوں کے لیے بطور لقب یا علم استعمال کیا ہے جو بت پرست تھے اور اصنام کے سامنے ناصیہ فرسائی کو اپنے لیے فخر جانتے تھے گویا قرآن کریم اہل کتاب مشرکین اور بت پرست مشرکین میں فرق کرتا ہے۔قرآن حکیم نے اہل کتاب

مفردات

وَلَا: اور نہ
تَنْكِحُوا: تم مرد نکاح نہ کرو
الْمُشْرِكٰتِ: شرک کرنے والی عورتوں سے
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يُؤْمِنَّ: وہ ایمان لے آئیں
وَلَاَمَةٌ: اور باندی
مُّؤْمِنَةٌ: ایمان والی
خَيْرٌ: بہتر ہے
مِّنْ: سے
مُّشْرِكَةٍ: شرک کرنے والی عورت سے
وَّلَوْ: خواہ
اَعْجَبَتْكُمْ: وہ تم کو اچھی لگتی ہو
وَلَا تُنْكِحُوا: اور تم عورتیں نکاح نہ کرو
الْمُشْرِكِيْنَ: مشرک مردوں سے
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يُؤْمِنُوْا: وہ ایمان لے آئیں
وَلَعَبْدٌ: اور غلام
مُّؤْمِنٌ: ایمان والا
خَيْرٌ: بہتر ہے
مِّنْ مُّشْرِكٍ: شرک کرنے والے سے
وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ: کیوں نہ وہ تمہیں پسند آئے
اُولٰٓئِكَ: یہی لوگ
يَدْعُوْنَ: بلاتے ہیں
اِلَى النَّارِ: آگ کی طرف
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَدْعُوْٓا: بلاتا ہے
اِلَى الْجَنَّةِ: جنت کی طرف

مفردات

وَالْمَغْفِرَةِ: اور بخشش کی طرف
بِاِذْنِهٖ: اپنے حکم سے
وَيُبَيِّنُ: اور اللہ بیان کرتا ہے
اٰيٰتِهٖ: اپنی آیتیں
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
لَعَلَّهُمْ: تا کہ وہ لوگ
يَتَذَكَّرُوْنَ: وہ نصیحت حاصل کریں

میں سے اگر کوئی عورت ہوتو مسلمان مرد کا نکاح اس سے جائز رکھا ہے جب کہ مسلمان عورت کا نکاح صرف مسلمان ہی سے ہوسکتا ہے کسی بھی قسم کے مشرک سے نہیں ہوسکتا۔ اسلام کے نزدیک ایمان کی قیمت سب پر فائق ہے۔ وہ مسلمانوں کی نسلوں اور خاندانوں کو شرک اور کفر کی ظلمت سے بچانا چاہتا ہے۔ کتابیہ عورت کے ساتھ مسلمان کے نکاح کو بھی مردوں کے عورتوں پر قوام ہونے کی وجہ سے جائز رکھا گیا کہ عورتیں اُمید ہے کہ مسلمان ہو جائیں گی اور یہ کہ اولادیں مسلمان مرد کے تابع رہیں گی۔ ہمارے فقہاء نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ دارالکفر میں اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قرآن مجید کے ان احکام میں تنگ نظری نہیں حکمت مضمر ہے جسے یہ آیت خود بیان کرتی ہے کہ مشرک سے شادی اس لیے ناجائز ہے کہ مشرک انسان اپنے ساتھی کو بت پرستی اور شرک کی دعوت دیتا ہے جس کا سرچشمہ توحید سے بغاوت ہے اگر اس بدکاری اور بدعملی کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو معاشرت کا انجام غضب الٰہی کی آگ ہی ہوسکتی ہے۔ آگے مسلمان رشتے ناطے کے حوالے سے اپنی ایمانی قدروں کو فراموش نہیں کرسکتے۔ ان کی غیرت وحمیت کو اللہ نے اتنا پسند کیا کہ ان کے طرز فکر کو اپنی ذات سے منسوب کردیا اور فرمایا: اللہ جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ احتیاط تو اسی میں ہے کہ کفر اور شرک کی ظلمت کا ہر راستہ بند ہی رکھا جائے اور مسلمان گھرانوں میں ایمان رکھنے والوں اور ایمان رکھنے والیوں ہی کی روشنی ارزاں کی جائے۔ قرآن مجید نے جو نکتہ زور دے کر سمجھایا ہے وہ یہ ہے کہ شکلوں کی کشش سے زیادہ اسلام اور ایمان کی کشش گہری، مؤثر اور عمیق ہے۔ گھر بسانے اور اولاد بچانے میں ترجیح اسی قدر کی ہونی چاہیے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی
الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ
حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾
نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَ قَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

(222) اور پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے بارے میں فرمایئے !وہ گندگی ہے تو عورتوں سے ماہواری کے ایام میں الگ رہا کرو اور اُن سے قربت نہ کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں پھر جب وہ اچھی طرح صاف ستھری ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس اس مقام سے جہاں سے اللہ نے حکم دیا ہے بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو محبوب بنالیتا ہے اور وہ محبت کرتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں سے

(223) عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تمہارے لیے تو آؤ اپنے کھیت میں جیسے تمہارا جی چاہے اور اپنے لیے تم کچھ آگے بھی بھیجتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اُس سے ملنا ہے، اے محبوب !مومنوں کو بشارت دیتے رہیے

مفردات

وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ ؕ قُلۡ ہُوَ اَذًی ۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ ۙ وَ لَا تَقۡرَبُوۡہُنَّ حَتّٰی یَطۡہُرۡنَ ۚ فَاِذَا تَطَہَّرۡنَ فَاۡتُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ ﴿۲۲۲﴾

’’اور پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے بارے میں فرمایئے وہ گندگی ہے تو عورتوں سے ماہواری کے ایام میں الگ رہا کرو اور اُن سے قربت نہ کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں پھر جب وہ اچھی طرح صاف ستھری ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس اس مقام سے جہاں سے اللہ نے حکم دیا ہے بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو محبوب بنا لیتا ہے اور وہ محبت کرتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں سے‘‘۔

آیت کا شان نزول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود کے ہاں ہوتا یہ کہ جب کسی عورت کو حیض آ جاتا تو وہ اس عورت کو گھر سے نکال دیتے۔ اس عورت کے ساتھ کھانے پینے سے بھی گریز کرتے۔ عورت کے ساتھ رہنے کو برا جانا جاتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مسئلہ میں رہنمائی چاہی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی حکمی تعبیرات کی روشنی میں تفصیلی احکام صادر فرما دیے کہ عورتوں کو حیض کے دوران گھروں سے نکالا نہ جائے۔ ازدواجی تعلق کے سوا عورتوں سے ہر قسم کا میل ملاپ روا ہے۔ جب یہود کو یہ خبر پہنچی تو اُنہوں نے شور شروع کر دیا کہ یہ شخص ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔

ماحول کی اسی حالت میں حضرت اُسید بن حضیر اور عباد بن بشر آپ کے پاس حاضر ہوئے اور یہود کے منفی طرزِ عمل کا ذکر کیا اور ساتھ ہی عرض کی: کیوں نہ ہم اپنی عورتوں سے جماع بھی کر لیا کریں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا یہاں تک کہ ہم سمجھ بیٹھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ناراض ہو گئے۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ ہدیہ میں آیا تو آپ نے وہ دودھ ان دونوں کے لیے بھیج دیا۔ یہ علامت تھی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ناراض نہیں ہیں (367)۔

نصاریٰ کے بارے میں روایات میں آیا ہے کہ وہ حیض کی صورت میں عورتوں سے مباشرت کر لیتے پرہیز نہیں کرتے تھے، گویا مدینہ کا ماحول افراط اور تفریط کا شکار تھا۔ اس میں اسلام نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا اور حیض کے دوران مباشرت سے تو منع کر دیا لیکن اس کے سوا باقی معاملات میں اجازت دے دی کہ عورت گریزی نہ کی جائے۔

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ: اور پوچھتے ہیں آپ سے

عَنِ: سے

الۡمَحِیۡضِ: حیض کے بارے میں

علامہ راغب نے لکھا کہ حیض اُس خون کو کہتے ہیں جو رحم سے مخصوص وقت میں وصف مخصوص کے ساتھ نکلے، اس لفظ کا اساسی معنیٰ سیلان ہوتا ہے، فقہاء نے اس کی تعریف یہ لکھی جو خون بالغہ کے رحم سے بغیر وقت ولادت کے نکلے، استحاضہ رحم سے خارج نہیں ہوتا اور رحم سے مراد وہ غلاف ہے جس میں بچہ ہوتا ہے

قُلۡ: فرما دیجیے

ہُوَ: وہ

اَذًی: گندگی ہے

فَاعۡتَزِلُوۡا: تو الگ رہو

النِّسَآءَ: عورتوں سے

فِی: میں

الۡمَحِیۡضِ: حیض

وَلَا: اور نہ

تَقۡرَبُوۡہُنَّ: ان سے مقاربت کرو یعنی اُن سے جماع نہ کرو

حَتّٰی: یہاں تک کہ

یَطۡہُرۡنَ: وہ پاک ہو جائیں

فَاِذَا: تو جب

تَطَہَّرۡنَ: وہ بہت ستھری ہو جائیں یعنی غسل کر لیں

فَاۡتُوۡہُنَّ: تو آؤ اُن کے پاس یعنی اُن سے صحبت کر سکتے ہو

مفردات

مِنۡ حَيۡثُ: جہاں سے
اَمَرَكُمُ اللّٰهُ: اللہ نے تمہیں حکم دیا
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
يُحِبُّ: محبت رکھتا ہے
التَّوَّابِيۡنَ: توبہ کرنے والوں سے
وَيُحِبُّ: اور پسند کرتا ہے
الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ: بہت ہی زیادہ ستھرا رہنے والوں کو

آیت کی فقہی اہمیت

سورۂ بقرہ میں اسلام کا عائلی قانون بیان ہو رہا تھا اس لیے اس قرآنی خطبہ کا آغاز اس آیت سے ہوا۔ سوال صرف اتنا ہی نہ تھا کہ حیض کے دوران مجامعت روا ہے یا روا نہیں۔ اصل میں طلاق، عدت اور وراثت وغیرہ کے تمام عائلی مسائل پر اس حیض میں مباشرت یا عدم مباشرت کا گہرا اثر مرتب ہونا تھا اس لیے قرآن نے کھل کر حیض میں مباشرت کے مسئلے کو واضح کر دیا تا کہ کسی جگہ ابہام پیدا نہ ہو۔

آیت کی ادبی اہمیت

ڈاکٹر طٰہٰ مصری ایک جگہ لکھتے ہیں کہ انسان کی انسانیت دو چیزوں سے مکمل ہوتی ہے: ایک محبت اور دوسری چیز ادب ہے اور محبت اور ادب دونوں مجاز، کنایہ اور استعارہ کے متقاضی ہوتے ہیں۔ دنیائے ادب میں کمالِ شعر میں رمزیت ہی حسن تغزل کا راز ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ایک فقہی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے لیکن آپ دیکھیں گے کہ پردے کے ساتھ تعلق رکھنے والے امور کو بیان کا جامہ بھی رمزیت کے غلاف میں پہنایا گیا ہے۔ خون کے رحم سے اخراج کو ''محیض''، گندگی کو ''اَذًى''، عورت گریزی کو ''اعتزال''، مجامعت کے لیے قریب نہ ہونا، انقطاع خون کے لیے ''طهر'' اور غسل کے لیے ''تطهر'' اور جماع کے لیے عورت کے پاس آنا ایسی تعبیرات اختیار کی گئیں، قرآنی ادب کی ہی بلندی تھی جس نے عربوں کے دلوں اور روحوں میں سچائی کے لیے ہلچل مچا دی۔

حیض کے دوران مجامعت کے طبّی نقصان

جدید اور قدیم اطبا کا اس بات پر اجماع ہے کہ حیض کے دوران عورت سے جماع کرنے سے نقصانات کی جو ظلمتیں اُٹھانی پڑتی ہیں وہ جسم، معاشرہ اور تناسل سب پر برق بن کر گرتی ہیں:

(1) اس گندے عمل سے اللہ اور رسول ناراض ہوتے ہیں۔
(2) یہودیوں کی پیروی سے قرآنی احکام سے بُعد پیدا ہوتا ہے۔
(3) مرد اور عورت دونوں بانجھ ہو جاتے ہیں۔
(4) اولاد پیدا ہی نہیں ہوگی اگر اتفاقاً ممکن ہو بھی جائے تو کمزور اور پولیو کا شکار بچے پیدا ہوتے ہیں جو طرح طرح کے امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔
(5) آتشک اور سوزاک جیسے موذی مرض لاحق ہوتے ہیں۔
(6) ان بیماریوں کے ہاتھوں سے تباہ ہونے والے لوگ ہمیشہ شرمندہ رہتے ہیں اور اپنی معاشرتی مدافعت کے لیے جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔

مفردات

نِسَآؤُكُمۡ: تمہاری عورتیں
حَرۡثٌ: کھیتیاں
لَّكُمۡ: تمہارے لیے
فَاۡتُوۡا: تو آؤ
حَرۡثَكُمۡ: اپنی کھیتی میں
اَنّٰی: جس طرح
شِئۡتُمۡ: تم چاہو
وَقَدِّمُوۡا: اور آگے بھیجو
لِاَنۡفُسِكُمۡ: اپنے نفسوں کے لیے
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
وَاعۡلَمُوۡٓا: اور جان لو
اَنَّكُمۡ: بے شک تم
مُّلٰقُوۡهُ: اُس سے ملاقات کرنے والے ہو
وَبَشِّرِ: اور خوشخبری دیجیے
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: تمام مومنوں کو

(7) عورت کے تناسلی اعضاء میں بہت زیادہ حدت اور تپش پیدا ہونے سے مرد کے لیے مجامعت قابلِ نفرت ہو جاتی ہے۔

(8) تناسلی مواد گندے جراثیموں کی شکل میں بدنوں میں داخل ہو جاتا ہے جو تباہی مچاتا ہے۔

(9) طہارت اور صاف ستھرا رہنے کی فطرت مسخ ہوتی ہے۔

(10) حافظہ کمزور ہوتا ہے اور ایسا شخص مخبوط الحواس نظر آتا ہے۔

نِسَآؤُكُمۡ حَرۡثٌ لَّكُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ مُّلٰقُوۡهُ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۲۲۳

''عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تمہارے لیے تو آؤ اپنے کھیت میں جیسے تمہارا جی چاہے اور اپنے لیے تم کچھ آگے بھی بھیجتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اُس سے ملنا ہے، اے محبوب! مومنوں کو بشارت دیتے رہیے''۔

آیت کا شانِ نزول

تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ یہود عرب یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ اگر کوئی شخص پچھلی جانب سے عورت کے ساتھ فرج میں جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا کہ میں اس طرح صحبت کر بیٹھا تب یہ آیت نازل ہوئی اور مجامعت جس انداز میں کی جائے اُسے جائز رکھا گیا بشرطیکہ وہ فرج ہی میں ہو (368)۔

شانِ نزول میں ایک تفصیلی روایت

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ نقل کیا اور ابن جریر نے جامع البیان میں قدرے احسن اسلوب میں یہ روایت نقل کی کہ حضرت عبداللہ بن سابط رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی خدمت میں آئے اور عرض کی میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے لیکن شرم وحیا آڑے آ رہی ہے۔ آپ فرمانے لگیں بھتیجے شرم کی کیا بات ہے شرعی مسئلہ ہے تم پوچھ سکتے ہو۔ انہوں نے عرض کی عورتوں سے کیا پیچھے کی طرف سے آگے جماع کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا سنو! یہ بات میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے کہ انصار عورتوں کو اُلٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ مہاجرین جب مدینہ آئے اور یہاں کی عورت سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر اُس نے شکایت کرنا چاہی۔ حضرت اُمِ سلمہ

رضی اللہ عنہا نے اُسے بٹھایا اور کہا ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور انصاریہ عورت شرمندگی کی وجہ سے پوچھ نہ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مسئلہ پوچھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس انصاریہ عورت کو بلاؤ۔ جب وہ آئی تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی اور فرمایا جماع کی جگہ ایک ہی ہے جدھر سے کیا جائے (369)۔

خوبصورت تشبیہ

قرآن مجید کی یہ آیت بلاغت کا ایک خوبصورت نمونہ ہے اس میں عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ انداز اور اسلوب بعض مشتعل طبیعتوں میں کھٹکے لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس آیت میں انسانی معاشرے میں عورت کے فعال کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ عورت صرف آتش شہوت کو ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ بقائے انسانیت کا ذریعہ ہے۔

نِسَآؤُکُمۡ میں نادر نکتہ

یہاں ''نِسَآ'' سے مراد اپنی بیویاں اور لونڈیاں ہیں۔ کسی دوسری عورت کو تو نظر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔ مفتی احمد یار خان صاحب نے ٹھیک لکھا کہ زانی کے نطفے سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ شرعاً اس کا بچہ مانا نہیں جاتا اس لیے کہ وہ اس کی کھیت کی پیداوار نہیں ہوتا (370)۔

''حَرۡثٌ'' مصدر ہے جو حراثت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کھیتی باڑی کرنا، ''حَرۡثٌ'' اور ''زرع'' میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ''حَرۡثٌ'' زمین تیار کرنے اور بیج ڈالنے کو کہتے ہیں اور ''زرع'' بیج کی حفاظت کرنا اور اُگانا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے ''حَرۡثٌ'' کو بندوں کی طرف منسوب کیا ہے اور ''زرع'' کو ربّ کی طرف منسوب کیا ہے (371):

اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَہٗۤ

''بھلا بتلاؤ کبھی غور کیا اس میں جو کاشت کرتے ہو اُگنے والے پودوں کی نشوونما کیا تم کرتے ہو''۔

اَنّٰی کی تشریح و تعبیر

مرحوم طبرسی نے لکھا کہ ''اَنّٰی'' اسمائے شرط میں سے ہے زیادہ تر یہ مَتٰی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور یہ زمانیہ بھی ہوتا ہے اور مکانیہ بھی ہوتا ہے ''یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا'' ''اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آیا'' (372) میں یہ مکانیہ ہے۔ آیت میں ''اَنّٰی'' نے وسعت پیدا کی، مفہوم آیت یہ ہوگا کہ تم جس زمانے میں جتنی دیر جس طرف سے بھی چاہو فرج میں جماع کر سکتے ہو (373)۔

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا

شادی کا مقصدِ رفیعہ

قرآن مجید نے آیت کے دوسرے حصہ میں اپنے قاری کو ایک باوقار قوم کا رکن سمجھتے ہوئے گلستان مقاصد کی طرف کھینچ لیا اور اسے سمجھایا جماع صرف لذت رانی کا ذریعہ نہیں بلکہ لائق، عظیم، خوبصورت اور شائستہ اولاد تلاش کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تین چیزوں کو مرنے کے بعد بھی نفع پہنچانے والا قرار دیا:

(1) صدقہ جاریہ

(2) علم کا عام کرنا

(3) اور نیک اولاد جس کی اچھی تربیت کی گئی ہو

مسجدوں، معبدوں اور شفاء خانوں کے قیام کو تو سارے لوگ ہی خیر تصور کرتے ہیں۔ بہت کم لوگ اس طرف توجہ دیتے ہیں کہ نیک سیرت عورت کے بوستانِ معنویت سے اچھی اولاد تلاش کر لینا مسجد بنا لینے سے کم نہیں اس لیے کہ اچھا مکین ہی مکان کی قیمت متعین کرتا ہے۔ ''قَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ'' میں یہ باتیں اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہیں۔ پنج تنی لوگوں کو یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ آسکتا ہے کہ حسن اور حسین علوی گلستان اور فاطمی بوستان کے مہکتے پھول ہیں، کیا ان کا تقدس اور طہارت کسی عبادت گاہ کے تقدس سے کم ہے؟ ''قَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ'' کی کتنی خوبصورت تعبیر ہے۔ جنت کا رنگ روغن انہی پانچ کا چشمۂ فیض ہے۔ قرآن پڑھنے والے مسلمان! نکتۂ فکر یہ ہے کہ تو نے اپنی ازدواجی زندگی سے کیا کمایا اور کیا ضائع کیا۔ قرآن کا عصیر طازجہ کتنا لذیذ ہے کہ جماع کے زاوئے اتنے اہم نہیں جتنا مستقبل کے لیے اس تخم کا پھل لزیز ہے۔

واللہ اعلم

❀❀❀❀❀

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا
بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۴﴾
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِىۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ
قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۲۲۵﴾
لِلَّذِيۡنَ يُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآٮِٕهِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲۶﴾

(224) اور تم اللہ کے نام کو اپنی قسمیں کھانے کا بہانہ نہ بنا لو کہ تم نیکی نہیں کرو گے اور تقویٰ اور لوگوں میں اصلاح کا کام نہیں کرو گے، اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے

(225) اللہ تمہاری لغو قسموں میں تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا لیکن تمہارے دلوں نے جو قسمیں پختہ کر لی ہیں اُن پر وہ ضرور گرفت فرمائے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا حلیم ہے

(226) وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھا لیں چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے

مفردات

وَلَا: اور نہ
تَجۡعَلُوۡا: بنالو
اللّٰهَ: اللہ
عُرۡضَةً: آڑ یا نشانہ یا معرض
لِّاَيۡمَانِكُمۡ: اپنی قسموں کے لیے
اَنۡ تَبَرُّوۡا: یہ کہ تم نیکی نہ کرو
وَتَتَّقُوۡا: اور تقویٰ نہ اختیار کرو گے
وَتُصۡلِحُوۡا: اور صلح نہیں کرو گے
بَيۡنَ النَّاسِ: لوگوں کے درمیان
وَاللّٰهُ: اور اللہ
سَمِيۡعٌ: بہت سننے والا ہے
عَلِيۡمٌ: بہت جاننے والا

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۲۲۴

’’اور تم اللہ کے نام کو اپنی قسمیں کھانے کا بہانہ نہ بنالو کہ تم نیکی نہیں کرو گے اور تقویٰ اور لوگوں میں اصلاح کا کام نہیں کرو گے۔ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے‘‘۔

شانِ نزول

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خالہ زاد بھائی حضرت مسطح کے تمام اخراجات برداشت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا تو ان سے زیادتی ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن سے ناراض ہوگئے اور قسم اُٹھائی کہ اب ان کو میں خرچی نہیں دوں گا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (374)۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت بشیر بن نعمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی میں کوئی اختلاف ہوگیا جس پر ابن رواحہ کی بہن روٹھ کر بھائی کے گھر آگئیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو صدمہ ہوا اور قسم کھالی کہ اب وہ ان سے کبھی صلح نہیں فرمائیں گے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ بشیر بن نعمان رضی اللہ عنہ نے صلح کرنی چاہی لیکن ابن رواحہ نے کہا کہ میں نے صلح نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس قسم کی قسمیں کرنے سے منع کردیا گیا (375)۔

عُرۡضَةً کا معنیٰ و مفہوم

علامہ بیضاوی نے ’’عُرۡضَةً‘‘ کا معنیٰ حاجز لکھا ہے جس کا معنیٰ رکاوٹ ہوتا ہے (376)۔

راغب اصفہانی نے اس کا معنیٰ آڑ اور مانع لکھا ہے (377)۔

’’عُرۡضَةً‘‘ عرض سے ہے جو چیز چوڑائی میں پڑی ہو وہ رکاوٹ ہونے کی وجہ سے ’’عُرۡضَةً‘‘ کہلاتی ہے۔ عربی زبان میں ڈھال کو بھی ’’عُرۡضَةً‘‘ کہہ دیتے ہیں (378)۔ لسان العرب میں اس کا مفہوم نشانہ لکھا گیا ہے (379)۔ آیت سمجھاتی یہ ہے کہ اللہ کے نام کو لوگوں کے درمیان صلح، تقویٰ اور نیکیوں کے نظام کے لیے رکاوٹ اور آڑ نہ بنالو یعنی ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے اللہ کے نام کو معرض نہ بنالو۔ اس قسم کا رویہ نامناسب ہوتا ہے۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ تقویٰ اور اصلاح بین الناس اور نیکیوں کو قوت دی جائے اور ان کی خوشبو پھیلائی جائے۔

مفردات

لَا يُؤَاخِذُكُمُ: تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا
اللّٰهُ: اللہ
بِاللَّغۡوِ: بے ارادہ کھائی ہوئی
فِيۡۤ: میں
اَيۡمَانِكُمۡ: تمہاری قسموں
وَلٰكِنۡ: اور لیکن
يُّؤَاخِذُكُمۡ: تمہاری پکڑ کرے گا
بِمَا: ان میں
كَسَبَتۡ: جو کمالیں
قُلُوۡبُكُمۡ: تمہارے دلوں نے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
غَفُوۡرٌ: بہت بخشنے والا
حَلِيۡمٌ: بردبار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (380):

''اگر تم کسی کام کی قسم اُٹھالو اور پھر اس سے دوسرا کام نیک معلوم ہو تو وہ نیک کام تم کرلو اور قسم کا کفارہ ادا کردو۔ قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا کپڑے پہنا دینا یا پھر تین روزے رکھنا ہے''۔

ابن کثیر نے صحیح بخاری کی یہ حدیث نقل کی (381):

''ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ قسم کھائے اور کفارہ ادا نہ کرے اگر وہ اس پر اڑا رہا تو وہ گناہ گار ہوگا''۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے یہ روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (382):

''خدا کی قسم انشاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے تو میں اسے ضرور توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کردوں گا''۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

''اللہ تمہاری لغو قسموں میں تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا لیکن تمہارے دلوں نے جو قسمیں پختہ کرلی ہیں اُن پر وہ ضرور گرفت فرمائے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا حلیم ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں فہم کا حصول اس بات کا مرہون منت ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ لغو کا معنیٰ و مفہوم کیا ہوتا ہے۔علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللغو'' یہ مصدر ہے لغا، یلغو، و یلغی، دوسری صورت یہ ہوگی لغی، یلغی، لغاً جب کلام میں کوئی ایسی شئی ذکر کی جائے جس کی حاجت اور ضرورت نہ ہو یا کلام میں کوئی ایسی بات ڈال دینا جس میں خیر اور بھلائی نہ ہو یا ایسی چیز جس کو مٹا دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تو اپنے ساتھی سے کہے ''چپ ہو جاؤ'' اس حال
میں کہ خطیب خطبۂ جمعہ دے رہا ہو تو تُو نے لغو عمل کیا''۔

ائمہ لغت نے بے فائدہ عمل کو 'لغو'' کہا ہے۔

لغو قسم کے بارے میں اسلاف کے اقوال

پہلی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کسی آدمی کا وہ قول جو اُس کے کلام کے درمیان میں ہو اور محاورہ میں اس کی عجلت پسندی کی وجہ سے ادا ہو جائے۔

دوسری روایت

مروزی نے کہا کہ وہ الفاظ جو یمین کے ہوں لیکن نہ تو وہ اثنائے کلام وارد ہوں، نہ اُن سے قسم کا اعتقاد ہو اور نہ ہی قسم کا ارادہ ہو۔

تیسری روایت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: '' یمین لغو وہ ہے جو محض دکھاوے، تمسخر اور مزاح میں ہو اور اس پر دل کا اعتقاد نہ ہو''۔

چوتھی روایت

بخاری کی حدیث ہے: ''لغو وہ ہے جس کے بارے میں کوئی ظن کی بنا پر قسم کھاتا ہے اور وہ معاملہ قسم کے خلاف ہوتا ہے''۔ امام مالک نے اسی کی توثیق کی ہے۔

پانچویں روایت

لغو وہ یمین ہے کہ آدمی کسی شئی کے بارے میں قسم کھائے اور اس کا ظن یہی ہو کہ وہ اسی طرح ہے جب کہ فی الحقیقت وہ اس طرح نہ ہو۔

چھٹی روایت

طاؤس کی روایت پر یمین لغو وہ ہے جو غصے کی حالت میں کھائی جائے۔

ساتویں روایت

سعید ابن جبیر نے کہا کہ یمین لغو وہ ہے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے لیے ہو۔

آٹھویں روایت

ابن ماجہ کی روایت کہ یمین لغو وہ ہے جو کسی نیک کام کو ترک کرنے پر ہو۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

نویں روایت

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمین لغو یہ ہے کہ آدمی خود کو بددعا کرے۔

دسویں روایت

حضرت مجاہد نے کہا: ''یمین لغو وہ قسم ہے جو تجارتی مال کے خرید و فروخت کے موقع پر کی جائے''۔

گیارہویں روایت

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ یمین لغو یہ ہے کہ کوئی کسی امر میں قسم کھائے کہ وہ نہیں کرے گا لیکن بھول جائے اور اسے کر گزرے۔

بارہویں روایت

حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ یمین لغو وہ ہے جس کا کفارہ ادا کر دیا جائے یعنی کفارے کی وجہ سے وہ ساقط ہو جائے۔

تیرہویں روایت

ابن عربی نے فرمایا: ''وہ قسم جو نسیان اور بھول کے ساتھ ہو''۔

چودہویں روایت

قرطبی نے سارے اقوال نقل کرنے کے بعد یہ لکھا: ''جبر اور اکراہ سے اگر کسی سے قسم لی جائے تو وہ بھی لغو ہے''۔

پندرہویں روایت

ابن عربی نے یہ نقل کیا کہ معصیت پر قسم لغو ہے لیکن اسے نقل کرنے کے بعد بحث کی کہ اس قسم کی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔

سولہویں روایت

آلوسی نے لکھا کہ وہ قسم جو اللہ کے نام کے سوا کسی اور کی کھائی جائے وہ نہ صرف لغو ہے بلکہ اندیشہ کفر کا بھی ہے۔

آیت کا زور

قرآن مجید کی آیت زور اس بات پر دیتی ہے کہ قسمیں کھانے میں احتیاط برتنی چاہیے اور وہ پکی قسم کی قسمیں جنہیں دل، ارادے اور عزم سے پکا کر دیا جائے ان پر لازمی پکڑ ہو گی لیکن آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مایوسی کے ماحول کو یقینی نور و رحمت سے بدل دیا جب فرمایا: ''اللہ غفور اور مہربان ہے''۔

مفردات

لِلَّذِيۡنَ يُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآٮِٕهِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ‌ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲۶﴾

''وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھالیں چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے''۔

آیت کا شان نزول

صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی عورتوں سے مال طلب کرتے اگر وہ دینے سے انکار کردیتیں تو دو تین سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک ان سے دور رہنے کی قسم کھالیتے اور انہیں پریشانی میں چھوڑ دیتے، اس عرصہ میں وہ گھر کا کام کرتی رہتیں، کسی دوسرے سے نکاح نہ کرسکتیں اور خاوند بھی ان سے دور رہتا، اس پر یہ آیت اتری اور اصلاح کردی گئی اور اعتدال کی ایسی راہ دی جو اپنی مثال آپ ہے(383)۔

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر احمدی میں لکھا کہ ''ایلا'' کو عورت سے فوری طلاق تصور کیا جاتا تھا اسلام نے اسے طلاق موقت میں تبدیل کردیا(384)۔

''ایلا'' کی لغوی تحقیق

علامہ قرطبی نے لکھا کہ ''ایلا'' کا معنیٰ قسم اٹھانا ہے(385)۔لغت کی کتابوں نے اس لفظ کا معنیٰ کوتاہی کرنا، تاخیر کرنا اور سستی کرنا لکھا ہے۔ ''**لا یالونکم خبالا**'' وہ لوگ تمہاری تباہی میں بالکل کوتاہی اور سستی نہیں کریں گے۔ راغب نے اس میں وسعت برتتے ہوئے لکھا کہ دوسروں کی مدد میں سستی کرنا اس لفظ کا بنیادی معنیٰ ہے۔ ابن الاعرابی نے لکھا کہ یہ اضداد میں سے ہے کہ تاخیر کرنا اور طاقت رکھنا دونوں اس لفظ کے معانی میں شامل ہیں۔ سورۂ رحمٰن میں ''الا'' کا لفظ طاقت، قوت اور نعمت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے(386)۔

''ایلا'' کی معنوی تطبیق

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ ''ایلا'' کسی کا حق مارنے کی قسم کو کہتے ہیں شریعت میں ''ایلا'' یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کرلے چونکہ اس میں عورت کا حق مارا جاتا ہے اس لیے اسے ''ایلا'' کہتے ہیں(387)۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ''ایلا'' ولی ہی سے ماخوذ ہو جس کا معنیٰ قریب ہونا ہوتا ہے۔ لفظ میں ہمزہ سلبی کی وجہ سے مفہوم لفظ ترک قرب کے معنوں میں بدل گیا ہے(388)۔

مفردات

لِلَّذِيۡنَ: ان کے لیے
يُؤۡلُوۡنَ: یہ لفظ ایلا سے ہے الف لام واؤ اس کا مادہ ہے معنیٰ میاں کا بیوی سے مباشرت ترک کرنے کی قسم کھالینا ہے
مِنۡ: سے
نِّسَآٮِٕهِمۡ: اپنی بیویوں سے
تَرَبُّصُ: روک لینا یا انتظار کرنا
اَرۡبَعَةِ: چار
اَشۡهُرٍ: مہینے
فَاِنۡ: پھر اگر
فَآءُوۡ: اچھی حالت کی طرف رجوع کرنا
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَفُوۡرٌ: بڑا معاف کرنے والا
رَّحِيۡمٌ: مہربان

مفہوم آیت یہ ہوگا کہ جو لوگ چار ماہ تک اپنی کوتاہی کو جا پہنچائیں اور عورت سے مقاربت قسم کھا کر نہ کریں ان کے لیے مہلت اتنی ہی کافی ہے انہیں کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا کہ عورت کو اس کے حق سے محروم کر دیں اگر اس مدت میں اپنی قسم سے وہ رجوع کر لیں اور بیوی سے صحبت کر لیں تو اللہ غفور رحیم ہے، اس صورت میں کفارہ دینا ہی کافی ہوگا اور اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنتا بھی ہے اور ان کے دلوں کے ارادوں کو جانتا بھی ہے۔

ابن کثیر کی دلچسپ روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مبارک عادت تھی کہ آپ رات کو مدینہ کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے تھے۔ ایک رات آپ نکلے تو ایک گھر سے آپ کے کان میں یہ آواز پڑی کہ ایک عورت اپنے خاوند کی یاد میں سوز میں ڈوبے ہوئے شعر پڑھ رہی ہے:

''افسوس ان کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند مجھ سے
دور ہے میں اب کس سے ہنسوں بولوں! قسم خدا کی اگر
خوف خدا نہ ہوتا تو اس وقت پلنگ کے پائے حرکت میں
ہوتے''؟۔

اس پر آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ایک عورت کتنے عرصہ تک خاوند کے بغیر رہ سکتی ہے آپ نے فرمایا: ''چھ یا چار مہینہ''۔ آپ نے حکم جاری کر دیا کہ مسلمان مجاہد اس سے زیادہ مدت سفر میں نہ رہیں (389)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾
وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ
یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ
الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ
وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ
دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

(227) اور اگر انہوں نے طلاق کا ارادہ پکا کر لیا تو اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

(228) اور طلاق دی گئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ چھپا لیں اُسے جس کو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اور اُن کے شوہر زیادہ حقدار ہیں کہ اس مدت میں وہ انہیں بذریعہ رجوع واپس لے لیں بشرطیکہ وہ اچھے طریقے سے رہنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور عورتوں کے لیے وہی حق ہے جو مردوں کے لیے عورتوں پر حق ہے دستور کے مطابق البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک حد تک فضیلت حاصل ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

مفردات

وَ اِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۷﴾

''اور اگر انہوں نے طلاق کا ارادہ پکا کرلیا تو اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے''۔

آیت کی تشریح اور تعبیر میں ضروری چیز یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ ''عزم'' کیا ہوتا ہے؟ اس لفظ کا لغوی معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ چلنے یا دوڑنے میں اعتدال قائم رکھنا۔ زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ جو شخص کسی راستہ پر بغیر مڑے سیدھا چلتا جائے تو کہہ دیا جاتا ہے ''اعتزم الطریق'' کہ اس نے راستہ پر پُرعزم سفر کیا۔ کسی کام کو قطعیٔ طور پر کرنے کا ارادہ کرلینا بھی ''عزم'' یا ''عزیمه'' ہوتا ہے۔ ارادے کا پختہ شخص ''العزام'' کہلاتا ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات جو تعویزات میں لکھی جاتی ہیں وہ ''عزائم'' کہلاتی ہیں۔ انبیا علیہم السلام کو اصحاب عزیمت کہا گیا ہے یعنی وہ اپنی رائے میں قطعی اور پختہ ہوتے ہیں انہیں اپنے فیصلوں سے کوئی ہٹا نہیں سکتا (390)۔

ایلا میں چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق کو عزم کے معنوں میں سمجھنا سمجھ سے بالا ہے اس لیے کہ وقوع طلاق میں صراحت ضروری ہوتی ہے جب کہ عزم کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کہا گیا ہے ''و لم نجد له عزماً'' یہ آیت ہماری مدد کرتی ہے کہ عزم کی تعبیر ارادے ہی کی قطعیت سے کی جائے تو وہ متقارب القرآن ہوگی حنفیہ کا یہ انداز فہم اسی نہج پر قائم ہے۔

واللہ اعلم

وَالۡمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنۡ يَّكۡتُمۡنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىۡٓ اَرۡحَامِهِنَّ اِنۡ كُنَّ يُؤۡمِنَّ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَبُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ اِنۡ اَرَادُوۡٓا اِصۡلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِىۡ عَلَيۡهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيۡهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۸﴾

''اور طلاق دی گئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ چھپالیں اُسے جس کو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اور اُن کے شوہر زیادہ حقدار ہیں کہ اس مدت میں وہ انہیں بذریعہ رجوع واپس لے لیں بشرطیکہ وہ اچھے طریقے سے رہنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور عورتوں کے لیے وہی حق ہے جو مردوں کے لیے عورتوں پر حق ہے دستور کے مطابق البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک حد تک فضیلت حاصل ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

وَ: اور
اِنۡ: اگر
عَزَمُوا: وہ عزم کرلیں یا انہوں نے عزم کرلیا
الطَّلَاقَ: طلاق کا
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
سَمِيۡعٌ: بہت زیادہ سننے والا
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ جاننے والا

وَالۡمُطَلَّقٰتُ: اور طلاق یافتہ عورتیں
يَتَرَبَّصۡنَ: روک کے رکھیں
بِاَنۡفُسِهِنَّ: اپنے آپ کو
ثَلٰثَةَ: تین
قُرُوۡٓءٍ: حیض کی مدت
وَلَا: اور نہیں
يَحِلُّ: حلال ہوا
لَهُنَّ: ان کے لیے
اَنۡ: یہ کہ
يَّكۡتُمۡنَ: کہ وہ چھپائیں
مَا: جو

مفردات

خَلَقَ اللّٰهُ: پیدا کیا اللہ نے
فِيْٓ: میں
اَرْحَامِهِنَّ: ان کے شکموں
اِنْ كُنَّ: اگر وہ ہیں
يُؤْمِنَّ: ایمان رکھتیں
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
وَالْيَوْمِ: اور دن
الْاٰخِرِ: پچھلے پر
وَبُعُوْلَتُهُنَّ: اور شوہر ان کے
اَحَقُّ: زیادہ حق دار
بِرَدِّهِنَّ: واپس لوٹانے کے
فِيْ ذٰلِكَ: اس مدت میں
اِنْ اَرَادُوْٓا: اگر وہ ارادہ رکھیں
اِصْلَاحًا: اصلاح کا
وَلَهُنَّ: اور ان عورتوں کے لیے
مِثْلُ: مثل ہے
الَّذِيْ: اس کے جو
عَلَيْهِنَّ: ان پر لازم ہے
بِالْمَعْرُوْفِ: دستور کے مطابق
وَلِلرِّجَالِ: اور مردوں کے لیے
عَلَيْهِنَّ: ان پر
دَرَجَةٌ: برتری ہے یک درجہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَزِيْزٌ: غالب ہے
حَكِيْمٌ: بڑی حکمت والا

آیت متبرکہ میں رہنمائی

وہ عورتیں جنہیں طلاق دے دی جائے شریعت انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ فوراً دوسری جگہ شادی رچالیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تین حیض کی مدت گزرنے تک انتظار کریں اس ''تربص'' اور انتظار کی مدت کو عدت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآنی حکم کی حکمتیں

اس مدت میں اگر خاوند کا غصہ فرو ہوجائے اور نفس کا بوجھ ہلکا ہوجائے تو وہ رجوع بھی کرسکتا ہے اور اس کے فیصلے میں معاشرتی خرابیوں کا ازالہ بھی کیا جاسکتا ہے اور خاندانوں کو تباہی سے بچنے کا موقع مل جاتا ہے لیکن رجوع اُسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ طلاق میں انتہا کو نہ چھولیا گیا ہو یعنی تیسری بار نہ طلاق دے دی گئی ہو۔ ان معروضی حکمتوں میں قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے کہ عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں ایک چیز کھل جاتی ہے اور نسب خراب نہیں ہوتے اور اکثر اوقات اولاد کا تصور طلاق میں بھی روک بن جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہوتی ہے۔

عورت کو ''مافی الرحم'' چھپانے کی ضرورت نہیں

قرآن مجید عورت کو حوصلہ دیتا ہے کہ طلاق کا حادثہ اگر قطعی ہو ہی جائے تو اسے شکم کے اندر جو کچھ ہے اسے چھپانے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ شرعی قواعد وضوابط کے نفوذ کے لیے عورت کا یہ تعاون اشد ضروری ہے۔

مساویانہ حقوق کا خوبصورت اعلان

قرآن مجید کی یہ آیت زن اور شوہر کے حقوق کے بارے میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دوٹوک اعلان کردیتی ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں پر وہی حقوق حاصل ہیں جو مردوں کو ان پر دیے گئے ہیں قرآن مجید نے حق اور انصاف کا وہ معیار بیان کردیا ہے جس کو دنیا والے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنا نہیں سکے۔ آج کا جدید معاشرہ کیا اس بات کو ہضم کرسکتا ہے کہ عورتوں کو انسانی اقدار کے مطابق عزت اور وقار بخشنے والی یہ آواز صدیوں پہلے گونجی ہے۔

آج جب یہ فقیر تعبیری حروف نذر قلم کررہا ہے تو لاہور کے ایک جدید ادارہ میں عورتوں نے حیض کے کپڑے دیواروں پر لٹکا کر میڈیا کو آواز ماری ہے کہ ہم ان ایام میں اپنے حقوق سے رک نہیں سکتیں، یہ فرسودہ رسوم ہیں۔ قرآن مجید ان مریض ذہنوں کا علاج کرتا ہے اور عورت کو یہودیت کی خام فکر سے آزاد کرنے کا اعلان کرتا ہے اور طلاق وعدت اور تربّص وانتظار کی ایک ایک حکمت

واشگاف انداز میں بیان کرتا ہے اور مردوں اورعورتوں کو صاف اور ستھرا رہنے کی تلقین کرتا ہے، اللہ کرے قوم اور ملت سمجھ جائے۔

مرد کی فضیلت اور برتری

الکوثر کے مؤلف نے درست لکھا ہے کہ مرد کو عورت پر ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے اور یہ برتری مساویانہ حقوق کے ساتھ ساتھ ہے۔مرد اور عورت انسانی معاشرے میں اپنے ارادوں کے خود مالک اور اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں البتہ عائلی نظام میں گاہے بگاہے برتری کی حیثیت بدلتی رہتی ہے۔ ارث میں مرد کو اور خرچ میں عورت کو برتری حاصل ہے۔قرآن نے ہر ایک کو اس کے فطری تقاضوں کے مطابق حق دیا ہے مثلاً مرد پر عقل اور فکر کا غلبہ ہوتا ہے اور عورت پر احساسات اور جذبات غالب رہتے ہیں۔قرآن مجید نے یہ چیز دیکھ کر ہی ذمہ اور حق کے تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں۔حکومت، قضا، فیصلہ، جہاد اور پیدائش دولت میں مرد کو اہمیت دی گئی ہے اور تربیت اولاد، امور خانہ داری اور انفاق، خرچ میں اعتدال کو عورت کی آرزوؤں کے چمن سے گزارا گیا ہے۔قرآن مجید کی ہر بات میں تدبیر، حکمت اور فلاح مضمر ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا
يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا
يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ
يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

(229) دو طلاقیں ہیں جن کے بعد بھلائی کے ساتھ یا تو روک لینا ہے یا پھر چھوڑ دینا ہے نہایت اچھے طریقے سے اور تمہارے لیے حلال نہ ہوگا کہ جو تم انہیں دے چکے ہو اسے واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے پھر اگر تم خوف محسوس کرو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو عورت نے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دیا، یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان سے بڑھو نہ اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے سو ایسے لوگ ہی ظالم ہوتے ہیں

مفردات

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

’’دوطلاقیں ہیں جن کے بعد بھلائی کے ساتھ یا تو روک لینا ہے یا پھر چھوڑ دینا ہے نہایت اچھے طریقے سے اور تمہارے لیے حلال نہ ہوگا کہ جو تم انہیں دے چکے ہو اسے واپس لے لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے پھر اگر تم خوف محسوس کرو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو عورت نے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دیا، یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان سے بڑھو نہ اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے سو ایسے لوگ ہی ظالم ہوتے ہیں‘‘۔

طلاق دینے کا قرآنی طریقہ

قرآن مجید اس حکم کی صراحت کر دیتا ہے کہ شوہر کو صرف دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اگر مرد اپنی بیوی کو تیسری مرتبہ بھی طلاق دے دے تو عورت مستقل طور پر جدا ہو جاتی ہے پھر مرد کو حق رجوع حاصل نہیں رہتا۔

عورت کو’’معروف‘‘ کے ساتھ رکھو

قرآن مجید نے کہا کہ عورت کو جب دو طلاقوں کے بعد رکھنے کا تم لوگ فیصلہ کرلو تو شائستگی کو ملحوظ خاطر رکھو۔’’معروف، عرف‘‘ سے ہے اور’’عرف الدیک‘‘ مرغ کی کلغی اور تاج کو کہتے ہیں۔ یہاں ’’معروف‘‘ کا معنیٰ اور مفہوم یہ ہوگا کہ تمہارے اندر مرغ کی کم از کم پانچ صفات تو آنی چاہییں:

- مرغ وقت کا پابند ہوتا ہے تمہیں اسلام کے عائلی قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔ جو لوگ دستور کے پابند نہیں ہوتے بکھرنا، پھٹنا اور تباہ ہو جانا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔
- مرغ دانہ دنکا اکٹھا کر کے دوسروں کو کھلاتا ہے تمہیں بیوی پر مال خرچ کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ سخی اور کریم آدمی کے آدھے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔
- مرغ لڑائی میں انتظار کرتا ہے کہ وہ پہل نہ کرے یہ بہادری کی علامت ہوتی ہے۔ عورت کے معاملے میں اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ زیادتی میں کبھی پہل نہ ہوگی تو طلاق کی نوبت ہی نہ آئے گی۔

اَلطَّلَاقُ: طلاق
مَرَّتٰنِ: دوبار ہے
فَاِمْسَاكٌۢ: بعد ازاں روکنا ہے
بِمَعْرُوْفٍ: شائستہ طور پر، دستور کے مطابق
اَوْ: یا
تَسْرِيْحٌۢ: چھوڑ دینا ہے
بِاِحْسَانٍ: اچھے طریقے سے
وَلَا: اور نہیں
يَحِلُّ: حلال ہوا
لَكُمْ: تمہارے لیے
اَنْ: یہ کہ
تَاْخُذُوْا: لو تم
مِمَّآ: اس سے
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ: جو تم نے دے دیا ہے انہیں
شَيْـًٔا: ذرّہ بھر
اِلَّآ: بجز اس کے
اَنْ: یہ کہ
يَّخَافَآ: دونوں خوف رکھیں
اَلَّا: کہ نہ
يُقِيْمَا: دونوں قائم رکھ سکیں گے
حُدُوْدَ: حدوں کو
اللّٰهِ: اللہ کی
فَاِنْ خِفْتُمْ: پھر اگر تمہیں خوف ہو
اَلَّا: کہ نہ
يُقِيْمَا: قائم نہ رکھ سکیں گے دونوں
حُدُوْدَ اللّٰهِ: اللہ کی حدود کو
فَلَا جُنَاحَ: تو کوئی گناہ نہیں

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا
يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا
يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ
يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾

(۲۲۹) دو طلاقیں ہیں جن کے بعد بھلائی کے ساتھ یا تو روک لینا ہے یا پھر چھوڑ دینا ہے نہایت اچھے طریقے سے اور تمہارے لئے حلال نہ ہوگا کہ جو تم انہیں دے چکے ہو اسے واپس لے لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے پھر اگر تم خوف محسوس کرو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو عورت نے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے دیا، یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان سے بڑھو نہ اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے سو ایسے لوگ ہی ظالم ہوتے ہیں

حدود سے تعبیر کردیا۔

حدود اللہ کا آیت میں دوسرا استعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہبری اور رہنمائی کی حد بندیوں کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح لوگ اپنے رقبوں، زمینوں اور چراگاہوں کے اردگرد حد بندیاں کر لیتے ہیں اور وہ بھی نہیں چاہتے کہ ان حد بندیوں کو کوئی پائمال کردے بغیر تمثیل کے اللہ تعالیٰ نے بھی کچھ حدیں قائم کردی ہیں، جو شخص ان کو توڑتا ہے تو قرآن مجید اسے ظالم قرار دیتا ہے گویا فطرت نے مصالح اور حکمتوں کی ایک فطرت رکھی ہوئی ہے ان کے قائم کرنے ہی میں انسانی زندگی کی فلاح ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

(230) تو مرد کے لیے تیسری طلاق کے بعد عورت ہرگز حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کے بعد بیوی بن کر نہ رہے پھر اگر اُسے وہ بھی طلاق دے دے تو اس صورت میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ مراجعت کرلیں وہ بھی اگر یقین ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ ہیں وہ اللہ کی حدیں جنہیں وہ علم والوں کے لیے بیان کرتا ہے

مفردات

فَاِنۡ: تو اگر
طَلَّقَهَا: اس نے عورت کو طلاق دے دی
فَلَا: پس نہیں
تَحِلُّ: حلال ہوئی
لَهٗ: اس مرد کے لیے
مِنۡۢ بَعۡدُ: بعد سے
حَتّٰى: یہاں تک کہ
تَنۡكِحَ: وہ عورت نکاح کرلے
زَوۡجًا: خاوند
غَيۡرَهٗ: پہلے کے بعد دوسرے سے
فَاِنۡ: پس اگر
طَلَّقَهَا: اسے بھی اس نے طلاق دے دی
فَلَا: تو نہیں
جُنَاحَ: کوئی گناہ
عَلَيۡهِمَآ: ان دونوں پر
اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ: کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں
اِنۡ ظَنَّآ: اگر وہ دونوں گمان کریں
اَنۡ يُّقِيۡمَا: کہ وہ دونوں قائم رکھ سکیں گے
حُدُوۡدَ اللّٰهِ: اللہ کی حدیں
وَتِلۡكَ: اور یہ
حُدُوۡدُ اللّٰهِ: اللہ کی حدیں ہیں
يُبَيِّنُهَا: بیان کرتا ہے وہ انہیں
لِقَوۡمٍ: واسطے قوم کے
يَّعۡلَمُوۡنَ: جو جانتے ہیں

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

”تو مرد کے لیے تیسری طلاق کے بعد عورت ہرگز حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کے بعد بیوی بن کر نہ رہے پھر اگر اُسے وہ بھی طلاق دے دے تو اس صورت میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ مراجعت کرلیں وہ بھی اگر یقین ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ ہیں وہ اللہ کی حدیں جنہیں وہ علم والوں کے لیے بیان کرتا ہے“۔

نکاح ایک مقدس عہد ہے

اسلام کا روحانی نظام ہو یا عملی نظام ہو، سیاسی نظام ہو یا معاشرتی نظام ہو، عائلی نظام کو ان سب نظاموں میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ خاندان جتنا مضبوط اور مربوط ہوگا اسلام کا تربیتی نظام اتنا ہی فضیلت مآب ہوگا۔ وہ گھر جس میں بیوی اور خاوند اپنی اولاد کے لیے نمونہ نہ ہوں، ان کا باہمی جھگڑا سوچوں کو مفلوج کردے، وہاں اچھی اولاد کا پنپنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہوجاتا ہے۔ ایسا خاوند جو یا وہ کوئی کو مسلک حیات بنالے اور عورت کو وہ نوکرانی سمجھے یا پھر پاؤں کی چپلی تصور کرے یا عورت مرد کو نفسیاتی لحاظ سے کچوکے مارتی رہے، ایسے خاندان کو اس ماحول کے ساتھ زندہ رکھنا زیادتی ہے۔ ماحول کے سدھرنے کی جب کوئی سبیل ہی نہ رہے اور بیوی خاوند نکاح کے تقدس کو سمجھنے سے عاری ہوجائیں اور تلے ہوں کہ خاندان کو توڑ کر نئے ماحول کی تلاش کریں تو ایسے حالات میں دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق کا نفوذ فیصلے کو قطعی بنا دے گا۔ ایسے جوڑے کا باہم مل کر رہنے کا کیا فائدہ جنہیں مقدس عقد کا احترام کرنا ہی نہ آتا ہو۔

قانون کا مزاج

اسلام اللہ کا دیا ہوا قانون ہے۔ یہ زیادتیوں، مظالم اور بدیوں کے تمام دروازے بند کردیتا ہے۔ یہ ضرورت، کوشش، لچک اور رہنمائی کے ہر مرحلے سے آگاہ قانون ہے۔ اسلام کے عائلی نظام نے خاندانوں کے باطن کو مضبوط کرنے کے لیے طلاق، عدت اور مہر کے قوانین دیے ہیں لیکن کسی مسلمان کو بند گلی میں لاکر مجبور و مقہور نہیں بنایا ہے۔ اس آیت میں اعلان ہوا کہ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق بائن مغلظہ ہوجائے گی۔ اب عورت کو دوبارہ یہ خاوند اپنے عقد میں نہیں لاسکے گا، نہ عورت کو مرد پر ٹھونسا

جا سکے گا اور نہ مرد عورت کو بازیچہ بنا سکے گا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ قانون میں یک گونہ لچک رکھی کہ مجبوریاں اور ضرورتیں اگر امکان پیدا کر دیں کہ دور کا سفر کرنے کے بعد پھر پرانے بیوی خاوند ایک اچھی زندگی گزارنے کے خود کو اہل پائیں تو وہ آپس میں پھر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ مطلقہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح کرے اور وہ شادی مکمل شادی ہو چکی ہو، نکاح اور زوجیت دونوں مرحلے پیش آ چکے ہوں اور عورت کا وہاں بھی نباہ نہ ہو سکا ہو، اسے دوسری جگہ سے بھی طلاق ہو گئی ہو یا خاوند فوت ہو گیا ہو اور معینہ عدت گزر چکی ہو تو پھر نکاح جدیدہ کے ساتھ پرانا جوڑا نیا خاندان بن کر اچھی اور خوشگوار زندگی گزار سکتا ہے۔

آیت حلالہ کی تبلیغ نہیں کرتی

قرآن مجید کی یہ آیت قانون بیان کرتی ہے کہ ایک عورت دوسری جگہ مکمل شادی کر لیتی ہے اور اسے وہاں سے بھی طلاق ہو جاتی ہے تو دریں صورت وہ پہلے خاوند سے شادی کر سکتی ہے۔ آیت حلالہ کی تبلیغ نہیں کرتی کہ ایسا کرو ہی کرو۔ ویسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ حدیث اور آیت میں کوئی تضاد نہیں آیت قانون بیان کرتی ہے اور حدیث محض لذت رانیوں کے لیے قانون کے وجود میں سوراخ تلاش کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرتی ہے۔ دانا شخص ان دونوں باتوں میں فرق سمجھتا ہے۔

واللہ اعلم

قانون سے فائدہ اٹھانا اور بات ہے اور قانون کو مقام خدع میں لا کر مذاق بنا لینا اور بات ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۟ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۧ (۲۳۱)

(231) اور جب تم طلاق دے بیٹھو اپنی عورتوں کو اور وہ پُوری کرلیں اپنی میعاد پھر انہیں تم بھلائی کے ساتھ رکھ لو یا پھر چھوڑ دو تو بھی بھلائی کے ساتھ اور نہ روک لو انہیں ضرر پہنچاتے ہوئے تا کہ تم زیادتی کرو اور جس نے ایسا رویّہ روا رکھا تو گویا اُس نے اپنے آپ کو اندھیروں میں پھینک دیا اور نہ بنالو اللہ کی آیتوں کو مذاق اور یاد کرو اللہ نے کیسی نعمت فرمائی تم پر، اُسے بھی یاد کرو جو اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت سے نازل کیا وہ تمہیں اس کے ساتھ نصیحت فرماتا ہے اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ
بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ
نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ
اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ
اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۳۱﴾

''اور جب تم طلاق دے بیٹھو اپنی عورتوں کو اور وہ پوری کر لیں اپنی میعاد پھر انہیں تم بھلائی کے ساتھ رکھ لو یا پھر چھوڑ دو تو بھی بھلائی کے ساتھ اور نہ روک لو انہیں ضرر پہنچاتے ہوئے تاکہ تم زیادتی کرو اور جس نے ایسا رویہ روا رکھا تو گویا اُس نے اپنے آپ کو اندھیروں میں پھینک دیا اور نہ بنا لو اللہ کی آیتوں کو مذاق اور یاد کرو اللہ نے کیسی نعمت فرمائی تم پر، اُسے بھی یاد کرو جو اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت سے نازل کیا وہ تمہیں اس کے ساتھ نصیحت فرماتا ہے اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

معاشرتی تعلیمات کے روحانی سرچشمے

قرآن مجید کی اس آیت میں اسلام کا عائلی نظام بیان کیا گیا۔ طلاق اور عدت کے بنیادی مسائل بیان ہوئے لیکن زیادہ زور قانونی شقیں بیان کرنے پر نہیں بلکہ ان اصولوں پر ہے جن پر عمل کر کے دامن حیات کو میلا ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ آیت کی تذکیر قاریٔ قرآن کو زیرِ نظر رکھنی چاہیے وگرنہ قانون تو بیان کے لحاظ سے صریح ہے۔ اس میں کسی تعبیر یا تفسیر کی ضرورت نہیں کہ طلاق یافتہ عورت کا جب عدت کا عرصہ ختم ہونے کے قریب آ جائے تو شوہر کو چاہیے کہ یا تو رجوع کے قانون کے مطابق عورت کو اپنی زوجیت میں لے لے یا قانون کے مطابق بغیر کسی زیادتی کے اسے رخصت کر دے۔

آیت میں سمجھنے والی چیز

قرآن مجید زور اس بات پر دیتا ہے کہ شائستگی ہر صورت میں قائم رہنی چاہیے۔ حضور ﷺ کے سینے پر نازل ہونے والی کتاب مسلمانوں کو شائستہ بناتی ہے۔ عورت کو دکھ دینے، اذیت دینے اور ستانے کے لیے رجوع کر لینا کیا یہ شائستگی ہے، قرآن مجید کہتا ہے کہ جو کچھ کرو تم اچھے رہو اور اچھے نظر آؤ، یہ تو کوئی بات نہیں کہ تم عورت کی راہ میں اڑنگے اٹکاؤ کہ وہ دوسری جگہ شادی نہ کر سکے یا الزامات تراشو، دونوں فریقوں کو چاہیے کہ معروف کو سمجھیں یہ کیا ہے؟ یہ صرف قانون نہیں شائستگی اور حسن سلوک اور

مفردات

وَ اِذَا: اور جب
طَلَّقۡتُمُ: تم طلاق دے بیٹھو
النِّسَآءَ: بیویوں
فَبَلَغۡنَ: تو وہ پہنچ جائیں
اَجَلَهُنَّ: مقررہ عدت تک
فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ: تو روک لو انہیں
بِمَعۡرُوۡفٍ: شائستہ طریقے سے
اَوۡ: یا
سَرِّحُوۡهُنَّ: چھوڑ دو انہیں
بِمَعۡرُوۡفٍ: حسن سلوک سے
وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ: اور نہ روکو تم انہیں
ضِرَارًا: تکلیف دیتے ہو
لِّتَعۡتَدُوۡا: تاکہ تم زیادتی کرو
وَمَنۡ: اور جو
يَّفۡعَلۡ: کرے گا
ذٰلِكَ: ایسے کچھ
فَقَدۡ ظَلَمَ: تو اس نے ظلم کیا
نَفۡسَهٗ: اپنے آپ پر
وَلَا: اور نہ
تَتَّخِذُوۡٓا: پکڑو
اٰيٰتِ اللّٰهِ: اللہ کی آیتوں کو
هُزُوًا: ٹھٹھہ اور مذاق
وَّاذۡكُرُوۡا: اور یاد کرو
نِعۡمَتَ اللّٰهِ: اللہ کی نعمت کو
عَلَيۡكُمۡ: جو تم پر ہوئی
وَمَآ اَنۡزَلَ: اور جو اتارا
عَلَيۡكُمۡ: تم پر

مفردات

مِنَ الْكِتٰبِ: کتاب سے
وَالْحِكْمَةِ: اور حکمت
يَعِظُكُمْ بِهٖ: اوراس سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور ڈرو اللہ سے
وَاعْلَمُوْٓا: اور جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
بِكُلِّ: ہر ایک
شَيْءٍ: چیز
عَلِيْمٌ: بہت زیادہ جاننے والا

رویوں کے مثبت ہونے کا نام ہے۔

زیادتی ظرف توڑ دیتی ہے

''زیادتی'' انسان کی تاریخ مسخ کر دیتی ہے، اسے عظمت کے آسمان سے ذلت کی جہنم میں پٹخ دیتی ہے۔ ضمیروں کو میلا کرنے کے بعد زیادتی کسی بڑے ظلم کا روپ دھار کر ''ظرف'' کو توڑ دیتی ہے ایسے مقام پر ظالم شخص ہر خیر اور خوبی سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو تھوڑی دیر کبھی یکجا ہوئے ہوں انہیں اتنا تو سوچ لینا چاہیے تمہاری شادیوں کے سہرے لکھنے والوں نے تمہیں بڑا مرد اور خوبصورت پری کے لقب دیے تھے، جدا ہوتے ہوئے کچھ خیال رکھ لینا وقت اور عمر کو کالا ہونے سے بچا سکتے ہیں۔

اور یہ بھی

قرآن مجید سمجھاتا ہے کہ اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بنالو۔ اگر تمہارے نفس نے تمہیں ضدی بھوت بنا ہی دیا ہے تو تم اللہ کی آیتوں کا مذاق کیوں اڑاتے ہو۔ آیتیں ماننے کے لیے ہوتی ہیں، آیتیں ضمیروں کو صاف کرنے کے لیے ہوتی ہیں، آیتیں بندوں کو فضیلت مآب بنانے کے لیے ہوتی ہیں۔ آیتیں اس لیے تو نہیں ہوتیں کہ تم مولویوں کی دکانیں بدل کر آیتیں بدل ڈالنے کے فن سیکھنے لگ جاؤ۔ عرفان کی منزل تو یہی ہے کہ آیتیں آگے آگے چلیں اور انسان ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔

آب حیات سے پھر غسل کرلو

قرآن مجید کی یہ آیت روح پر فطرت کا ہر نغمہ منطبق کر دیتی ہے۔ تربیت کے دوران پہلے احساس زیاں پیدا کرتی ہے بعدازاں زندگی کے تازہ جھونکوں سے بہرہ ور کر دیتی ہے۔ زیرِ تعبیر آیت میں عمود آیت تو یہی تھا کہ زیادتیوں اور مظالم سے لوگوں کو بچایا جائے اور روحانی تعلیمات کی اہمیت سے انہیں آگاہ رکھا جائے لیکن آیت کے آخر میں قاریٔ قرآن کو قرآنی ماحول نے آب حیات کے چشمے پر لا کھڑا کیا اور کہا کہ کتاب وحکمت کے تازہ اور حیات بخش پانی سے وہ غسل کر لے تاکہ ایک نئی زندگی سے اسے ہمکنار کر دیا جائے۔

❀❀❀❀❀

وَ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ
أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

(232) اور جب تم طلاق دے دو عورتوں کو تو انہیں میعاد پوری کر لینے کے بعد نہ روکو کہ وہ اپنے لیے نکاح سے شوہر اپنا لیں جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضا مند ہو جائیں، یہ وعظ تو اُسے کیا جاتا ہے جو تم میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتا ہو، یہ نظام تمہیں بہت ہی صاف ستھرا رکھنے والا اور تمہاری پاکیزگی کا باعث ہے اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

مفردات

وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ
اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ
وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾

''اور جب تم طلاق دے دو عورتوں کو تو انہیں میعاد پوری کر لینے کے بعد نہ روکو کہ وہ اپنے لیے نکاح سے شوہر اپنا لیں جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضا مند ہو جائیں، یہ وعظ تو اُسے کیا جاتا ہے جو تم میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتا ہو، یہ نظام تمہیں بہت ہی صاف ستھرا رکھنے والا اور تمہاری پاکیزگی کا باعث ہے اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

آیت کا شانِ نزول

تفسیر احمدی میں ملّا جیون لکھتے ہیں (391):

حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن جمیلہ کا نکاح اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ ابن عاصم سے کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ابن عاصم نے جمیلہ کو طلاق دے دی، حضرت معقل کی طبیعت پر اس کا بڑا اثر ہوا اور آپ رنجیدہ رہنے لگ گئے۔ بعد ازاں ابن عاصم نے دوبارہ آبادگی چاہی لیکن حضرت معقل نے قسم کر لی اور کہا کہ اب جمیلہ کبھی تمہارے عقد میں نہیں آسکتی مگر جمیلہ کی خواہش تھی کہ نکاح ہو جائے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اتر آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل کو بلا بھیجا اور پوچھا اب کیا کرو گے؟

آپ نے عرض کی:

ربّ کی مانوں گا نفس کی نہیں مانوں گا۔

حضرت فخر الدین رازی نے اس سے ملتا جلتا واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے دونوں کا لب لباب ایک ہی ہے (392)۔

''لاتعضلوا'' کا معنیٰ و مفہوم

''العضلہ'' اُس پٹھے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ موٹا گوشت ہو۔ کسی کو زبردستی اور طاقت سے روک دینا ''عضل'' ہوتا ہے۔ وہ عورت جس کا بچہ دشواری سے پیدا ہوا سے ''معضلہ'' کہتے ہیں۔ تنگ ہونا یا تنگی کرنا بھی ''عضل'' کے مفہوم میں شامل ہوتا ہے ''اعضل الامر'' کا معنیٰ ذرائع معاش کا تنگ ہو جانا ہوتا ہے۔ ازہری نے کہا کہ اونٹنی کا بچہ جب پھنس جائے تو اس کے لیے ''عضل'' کا مادہ استعمال ہو

وَ اِذَا: اور جب
طَلَّقۡتُمُ: طلاق دو
النِّسَآءَ: عورتوں کو
فَبَلَغۡنَ: پھر وہ پہنچ جائیں یا وہ پوری کر چکیں
اَجَلَهُنَّ: اپنی عدت
فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ: تو نہ منع کرو انہیں
اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ: یہ کہ وہ نکاح کریں
اَزۡوَاجَهُنَّ: اپنے خاوندوں سے
اِذَا تَرَاضَوۡا: جب کہ رضامند ہو جائیں
بَيۡنَهُمۡ: باہم، آپس میں
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: مناسب انداز میں
ذٰلِكَ: یہ حکم
يُوۡعَظُ: نصیحت کی جاتی ہے
بِهٖ: اس کے ذریعے
مَنۡ كَانَ: جو ہو
مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ: ایمان رکھتا ہے تم میں سے
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَالۡيَوۡمِ: اور دن
الۡاٰخِرِ: بعد میں آنے والے
ذٰلِكُمۡ: یہ تمہارے لیے
اَزۡكٰى: پاکیزہ تر
لَكُمۡ: تمہارے لیے
وَاَطۡهَرُ: اور بہت زیادہ صاف ستھرا کر دینے والا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَعۡلَمُ: جانتا ہے
وَاَنۡتُمۡ: اور تم لوگ
لَا تَعۡلَمُوۡنَ: نہیں جانتے ہو

جاتا ہے۔''معضلات'' کا معنیٰ مشکل فیصلے کرنا ہوتا ہے۔''داء عضال''اُس بیماری کو کہتے ہیں جو طبیبوں کو تھکا دے(393)۔

اخلاقی قدریں بلندتر ہیں

آیت میں مکرر اخلاقی قدروں کو بلند،ممتاز اور ارفع رکھا گیا ہے۔اسلامی قانون کی طرف بڑھنا عبادتوں اور ریاضتوں کا مقصود ہے۔یہ شرافت تھوڑی ہی ہے کہ ایک عورت کا اگر تم سے نباہ نہیں ہوسکا تو تم عورت کو دوسری جگہ بھی رشتۂ ازدواج میں منسلک نہ ہونے دو۔گندی باتیں،خودساختہ الزامات اور جھوٹی تاریخ بنا کر لوگوں کو بتاتے پھرنا تاکہ کوئی اس عورت سے شادی نہ کرلے۔ایمان والوں کے لیے تزکیہ اور طہارت سے بڑھ کر کوئی دوسری منزل نہیں ہوسکتی اور یہ روحانی منزل اسلامی قانون پر عمل ہی سے مل سکتی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

(233) اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں یہ اُس کے لیے ہے جو دودھ کی مدّت پوری کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اُس پر حسبِ دستور عورتوں کا کھانا اور پہناوا لازم ہے، کسی بھی شخص پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا، بچے کی وجہ سے نہ تو ماں اور نہ بچے والے کو تکلیف میں مبتلا کیا جائے، بچے کے وارث کے لیے بھی ضابطے ایسے ہی ہیں ہاں اگر ماں اور باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ ہو کہ اپنی اولاد کو ماؤں کے علاوہ کسی اور کا دُودھ پلاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم انہیں سُپرد کر دو جو کچھ کہ تم نے حسب دستور طے کیا تھا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم جو بھی کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے

مفردات

وَ الۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَھُنَّ حَوۡلَیۡنِ کَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ ؕ وَ عَلَی الۡمَوۡلُوۡدِ لَہٗ رِزۡقُھُنَّ وَ کِسۡوَتُھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ لَا تُکَلَّفُ نَفۡسٌ اِلَّا وُسۡعَھَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَۃٌۢ بِوَلَدِھَا وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ لَّہٗ بِوَلَدِہٖ ٭ وَ عَلَی الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِکَ ۚ فَاِنۡ اَرَادَا فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡھُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡھِمَا ؕ وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَیۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲۳۳﴾

"اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں یہ اُس کے لیے ہے جو دودھ کی مدّت پوری کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اُس پر حسبِ دستور عورتوں کا کھانا اور پہناوا لازم ہے، کسی بھی شخص پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا، بچے کی وجہ سے نہ تو ماں اور نہ بچے والے کو تکلیف میں مبتلا کیا جائے، بچے کے وارث کے لیے بھی ضابطے ایسے ہی ہیں ہاں اگر ماں اور باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ ہو کہ اپنی اولاد کو ماؤں کے علاوہ کسی اور کا دُودھ پلاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم انہیں سُپرد کر دو جو کچھ کہ تم نے حسبِ دستور طے کیا تھا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم جو بھی کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے"۔

قرآن مجید کی یہ آیت کسی گھر میں افتراق، ناپختگی، زبوں فکری اور فساد و انتشار کو حادثہ اور اللہ کی ناراضگی سمجھتے ہوئے اس گھر میں پیدا ہونے والی اولاد کو ضائع ہونے سے بچانے کا اعلان کرتی ہے اور بچوں کی نشوونما کے معاملے میں عادلانہ ضوابط عطا کرتی ہے اور گھروں میں دیکھتی ہے کہ رحم و شفقت کے عواطف سب سے زیادہ ماں کے وجود میں موج مارتے ہیں اس لیے ماؤں ہی کی ذمہ داری ٹھہرائی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ کشیدہ تعلقات کی وجہ سے ماں کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس پر یہ فرض ہے کہ وہ بچوں کو ضائع ہونے سے بچائے اور انہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دے اور کوشش کرے کہ دودھ پلانے کی مدت جو دو سال ہے وہ مکمل کرے تاکہ زندگی کا آغاز کرنے والا بچہ اپنی ماں اور باپ کی بے تدبیریوں اور مصالحت سوزیوں کا خمیازہ نہ بھگتے اور صحت اور نفسیات دونوں کے لیے بچوں کو ماں کی گود میسر رہے۔ انسانوں کی معاشرتی اور معاشی ضروریات کے تکمیلی تخم بچوں کے لیے ماں کی

وَالۡوَالِدٰتُ: اور مائیں
یُرۡضِعۡنَ: دودھ پلائیں
اَوۡلَادَھُنَّ: اپنی اولاد کو
حَوۡلَیۡنِ: دو سال
کَامِلَیۡنِ: مکمل اور پورے
لِمَنۡ: یہ اس کے لیے ہے
اَرَادَ: ارادہ کرے
اَنۡ: یہ کہ
یُّتِمَّ: پورا کرے
الرَّضَاعَۃَ: دودھ پلانے کی مدت
وَعَلَی: اور اس پر ہے
الۡمَوۡلُوۡدِ لَہٗ: جس کا بچہ ہو یعنی باپ
رِزۡقُھُنَّ: ان کا رزق
وَکِسۡوَتُھُنَّ: اور ان کا پوشش یعنی لباس
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: مناسب انداز میں
لَا تُکَلَّفُ: نہ تکلیف دی جائے گی
نَفۡسٌ: کسی جان کو
اِلَّا: ہاں مگر
وُسۡعَھَا: اس کی وسعت کے مطابق
لَا تُضَآرَّ: تکلیف دی جائے گی
وَالِدَۃٌۢ: والدہ کو
بِوَلَدِھَا: ولد یا اولاد کی وجہ سے
وَلَا: اور نہ
مَوۡلُوۡدٌ لَّہٗ: اس کو جس کی اولاد ہو
بِوَلَدِہٖ: اس کے بچے کی وجہ سے
وَعَلَی الۡوَارِثِ: اور وارث پر ہے
مِثۡلُ ذٰلِکَ: انہی کی مثل

مفردات

فَاِنۡ: پس اگر
اَرَادَا: دونوں ارادہ کرلیں
فِصَالًا: دودھ چھڑانے کا
عَنۡ: سے
تَرَاضٍ: باہم رضامندی سے
مِّنۡهُمَا: دونوں کی طرف سے
وَتَشَاوُرٍ: اور باہمی مشاورت سے
فَلَا جُنَاحَ: تو کوئی گناہ نہیں
عَلَيۡهِمَا: ان دونوں پر
وَاِنۡ: اور اگر
اَرَدۡتُّمۡ: تم ارادہ کرلو
اَنۡ: یہ کہ
تَسۡتَرۡضِعُوۡٓا: کہ تم دودھ کسی اور سے پلواؤ
اَوۡلَادَكُمۡ: اپنی اولاد کو
فَلَا جُنَاحَ: تو کوئی گناہ نہیں
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
اِذَا سَلَّمۡتُمۡ: جب تم سونپ دو
مَّآ اٰتَيۡتُمۡ: جو تم نے دینا قرار پالیا
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: دستور کے مطابق
وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور ڈرو اللہ سے
وَاعۡلَمُوۡٓا: اور خوب جان لو
اَنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ: جو تم کرتے ہو
بَصِيۡرٌ: بہت زیادہ دیکھنے والا ہے

گود ہی میں محفوظ رہ سکتے ہیں اور نشوونما کے لیے بہترین ماحول ماں کی خصوصی توجہ اور رافت ہی سے بن سکتا ہے۔

تاریخ نے سب کچھ کھول دیا

صدیوں کے تجربات کے بعد آج انسان پر یہ بات کھل گئی ہے کہ ماں کا دودھ بچے کے لیے بہترین غذا ہے اور ماں کا دودھ پینے سے اخلاقی ،نفسیاتی ،عقلی اور جسمانی لحاظ سے شخصیت ساز اثرات مترتب ہوتے ہیں ۔آج کی جدید طب بھی اس کی تائید کرتی ہے۔قرآنی تعلیمات نے صدیوں پہلے حقائق کھول کر بیان کردیے اور اعلان کردیا کہ قرآن کے بغیر کوئی قانون پختہ نہیں ہوسکتا۔

ایک فقہی مسئلہ

ماں اور باپ باہمی مشورے اور رضامندی سے دوسال سے پہلے بچے کو دودھ چھڑوا سکتے ہیں اگر بچے کی صحت اس کی متحمل ہوسکتی ہے۔اصل چیز بچے کے حضانت ،رضاعت اور پرورش ہے وہ ہونی چاہیے۔ بچے کی پرورش وہ فریضہ ہے جس میں والدین کوتاہی نہیں کرسکتے۔

والدین ایک دوسرے کو ضرر نہ پہنچائیں

بچوں کی پرورش ہی کا یہ حصہ ہے کہ ماں اور باپ باہمی نزاع سے بچیں ۔جیسے بچے کو دودھ پلانا ضروری ہے ایسے ہی اقدار وشرافت کو نسل میں منتقل کرنا بھی ضروری ہے۔میاں بیوی اگر آپس میں لڑیں گے تو نفسیاتی اعتبار سے بچے تباہ ہوسکتے ہیں،اس لیے قرآن مجید نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا کہ بچے کی وجہ سے نہ ماں کو ضرر پہنچائی جائے اور نہ ہی باپ کو تکلیف میں مبتلا کیا جائے۔

وارث کی ذمہ داری

قرآن مجید کے مطابق باپ اگر فوت ہوجائے تو وارثین پر بھی وہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو باپ پر ہوتی تھیں۔

دودھ پلوانے کا خرچہ

دودھ پلوانے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے اسے انفاق میں کسی بخل یا کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

احکام کی اصل تقویٰ ہے

قرآن مجید نے آیت میں تربیتی اور معاشرتی احکام بیان فرمائے اور آخر میں تقویٰ کا حکم صادر فرمایا، اس لیے کہ تقویٰ عمل اور تحرک کی اصل روح ہے۔روح اور بدن میں اگر تقویٰ کا محرک نہ ہوگا تو کسی بھی حکم پر عمل کرنا دشوار ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اسے اللہ دیکھنے والا ہے''۔

مشورہ کی اہمیت

یہ آیت فیصلوں کو تشاور اور مشاورت سے جوڑ دیتی ہے۔ مسلم معاشرے میں اگر لوگ ایک دوسرے کو اہمیت دیں ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے مستفید ہوں تو جماعت محکم اور مضبوط ہو سکتی ہے لیکن سوچ کی بلندی کے بغیر یہ اہم کام ہرگز نہیں نبھایا جاسکتا۔

واللہ اعلم

❀❀❀❀❀

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

(234) اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو انہیں چار ماہ اور دس دن تک اپنے آپ کو روک کر رکھنا چاہیے، اس کے بعد جب عدت پوری کر لیں تو اس صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں دستور کے مطابق کریں اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ اس کی بہت ہی خبر رکھنے والا ہے

مفردات

وَالَّذِیۡنَ: اور وہ لوگ
یُتَوَفَّوۡنَ: جو وفات پا جائیں
مِنۡکُمۡ: تم میں سے
وَیَذَرُوۡنَ: اور وہ چھوڑیں
اَزۡوَاجًا: جوڑے، بیویاں
یَّتَرَبَّصۡنَ: وہ عورتیں روک لیں
بِاَنۡفُسِہِنَّ: اپنے آپ کو
اَرۡبَعَۃَ: چار
اَشۡہُرٍ: مہینے
وَّعَشۡرًا: اور دس دن
فَاِذَا: تو جب
بَلَغۡنَ: وہ پہنچ جائیں
اَجَلَہُنَّ: اپنی میعاد کو
فَلَا: تو نہیں
جُنَاحَ: کوئی گناہ
عَلَیۡکُمۡ: تم پر
فِیۡمَا: جس میں
فَعَلۡنَ: وہ فیصلہ کریں
فِیۡۤ: میں
اَنۡفُسِہِنَّ: اپنے نفسوں کے بارے میں
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: دستور کے مطابق
وَاللّٰہُ: اور اللہ
بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ: جو تم کرتے ہو
خَبِیۡرٌ: خبر رکھنے والا ہے

وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ وَّعَشۡرًا ۚ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۳۴﴾

''اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو انہیں چار ماہ اور دس دن تک اپنے آپ کو روک کر رکھنا چاہیے، اس کے بعد جب عدت پوری کر لیں تو اس صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں دستور کے مطابق کریں اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ اس کی بہت ہی خبر رکھنے والا ہے''۔

عورتیں جن کے خاوند فوت ہو جائیں

قرآن مجید کی یہ آیت جہالت کی رسوم کا قلعہ قمع کر دیتی ہیں۔ دنیا میں ایسے مذاہب اور ادیان موجود ہیں جن میں خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد عورت کو بھڑکتی آگ کے الاؤ کی نذر ہونا پڑتا یا عورت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی بوسیدہ جگہ رہنا پڑتا اور بیوہ عورت کو شادی نہ کرنے کی تحریص دلانا تو اب بھی بعض مسلمان قبائل میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں صرف حکم نہیں سنایا بلکہ اسلام کی سوچ میں بلندی کی مکمل تصویر کھینچی اور بیوہ ہونے کی صورت میں عورت کو ذلت اور غیر انسانی سلوک سے نجات دینے کا اعلان کیا اور ایک ایسا قانون عطا فرمایا جس میں احترام انسانیت کا اسلامی مزاج پڑھا جا سکتا ہے۔

عورتیں خود فیصلہ کریں

قرآن مجید نے غیر دینی، غیر اسلامی اور غیر مہذب قوانین اور افکار پر خط تنسیخ کھینچتے ہوئے صراحت کر دی کہ بیوہ عورت عدت پوری کرنے کے بعد اپنی نئی ازدواجی زندگی کا فیصلہ خود کر لے۔ اسے کسی بھی مشکل صورت حال سے دو چار نہ کیا جائے بلکہ اس کے فیصلے کو مؤثر بنانے کے لیے اس کی مدد کی جائے لیکن عورت کے لیے بھی یہ اخلاقی حد قائم رکھی کہ وہ کوئی فیصلہ معروف سے ہٹ کر نہ کرے۔ اسلام کے پاکیزگی والے مزاج کا خیال کرنا اس عورت پر بھی لازم ہے۔

❁❁❁❁❁

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا
تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ
النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۲۳۵ ع

(235) اورتم پر کوئی گناہ نہیں اس میں کہ عورتوں کو پردہ پردہ میں نکاح کا پیام دے دیا یا تم نے نکاح کی خواہش کو دل میں چھپا لیا، اللہ تو جانتا ہے کہ عدت کے بعد تم نے انہیں یاد کرنا ہے، بات تو یہ ہے کہ خفیہ طور پر کوئی وعدہ وعید تم نہ کرلو البتہ تم قاعدہ کی بات چیت کر سکتے ہو اور عقد نکاح کا عزم نہ کرنا یہاں تک کہ مقررہ مدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو بھی تمہارے اندر ہے تو اس سے ڈر کر احتیاط رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بے حد حلیم ہے

مفردات

وَلَا: اور نہیں
جُنَاحَ: کوئی گناہ
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
فِيۡمَا: اس میں
عَرَّضۡتُمۡ: تم پیش کر دو، اشارہ میں کہہ دو
بِهٖ: ساتھ اس کے
مِنۡ: سے
خِطۡبَةِ: پیغام نکاح
النِّسَآءِ: عورتوں
اَوۡ: یا
اَكۡنَنۡتُمۡ: تم چھپائے ہو
فِىۡٓ: میں
اَنۡفُسِكُمۡ: نفسوں میں
عَلِمَ: معلوم ہے
اللّٰهُ: اللہ کو
اَنَّكُمۡ: بے شک تم
سَتَذۡكُرُوۡنَهُنَّ: البتہ تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے
وَلٰكِنۡ: اور لیکن
لَّا: نہ
تُوَاعِدُوۡهُنَّ: وعدہ کر رکھو
سِرًّا: چھپائے ہوئے
اِلَّآ: مگر
اَنۡ: یہ کہ
تَقُوۡلُوۡا: تم کہو
قَوۡلًا: کوئی بات
مَّعۡرُوۡفًا: دستور کے مطابق

وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا عَرَّضۡتُمۡ بِهٖ مِنۡ خِطۡبَةِ النِّسَآءِ اَوۡ اَكۡنَنۡتُمۡ فِىۡٓ اَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ سَتَذۡكُرُوۡنَهُنَّ وَلٰكِنۡ لَّا تُوَاعِدُوۡهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ؕ وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡكِتٰبُ اَجَلَهٗ‌ؕ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِىۡٓ اَنۡفُسِكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُ‌ ۚ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ۝٢٣٥

''اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں کہ عورتوں کو پردہ پردہ میں نکاح کا پیام دے دیا یا تم نے نکاح کی خواہش کو دل میں چھپالیا، اللہ تو جانتا ہے کہ عدت کے بعد تم نے انہیں یاد کرنا ہے، بات تو یہ ہے کہ خفیہ طور پر کوئی وعدہ وعید تم نہ کرلو البتہ تم قاعدہ کی بات چیت کر سکتے ہو اور عقد نکاح کا عزم نہ کرنا یہاں تک کہ مقررہ مدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو بھی تمہارے اندر ہے تو اس سے ڈر کر احتیاط رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بے حد حلیم ہے''۔

آیت تقاضا کرتی ہے کہ اس کی تفسیر اور تعبیر جملہ در جملہ کی جائے۔ بنیادی طور پر قرآن مجید عائلی مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔ یہ کتنی اہم اور بڑی بات ہے کہ نئی زندگی کے اہم فیصلے اللہ تعالیٰ عورت مطلقہ ہو یا بیوہ خود اسے کرنے کا اختیار دیتا ہے لیکن وہ سابقہ زوجیت کے احترام کو زائل نہیں ہونے دیتا۔

اس آیت میں جو احکام بیان کیے جا رہے ہیں وہ عادلانہ بھی ہیں اور ان میں طرفین کا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

لَا جُنَاحَ کا مفہوم

علامہ قرطبی نے لکھا کہ ''جُنَاحَ'' کا معنیٰ گناہ ہے۔ یہی اصح ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نفس پر شاق گزرنے والا امر ہوتا ہے۔ ائمہ لغت نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے۔(394)۔

شماخ نے کہا ہے:

اذا تعلو براکبها خلیجا
تذکر مالدیه من الجناح

اس شعر میں ''الجناح'' سے مراد مشقت آمیز ہے(395)۔

مفردات

وَلَا: اور نہ
تَعۡزِمُوۡا: پختہ کرلو
عُقۡدَةَ: گرہ
النِّكَاحِ: نکاح کی
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يَبۡلُغَ: پہنچ جائے
الۡكِتٰبُ: عدت متعینہ
اَجَلَهٗ: اپنی انتہا کو
وَاعۡلَمُوۡٓا: اور جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
يَعۡلَمُ: جانتا ہے
مَا فِيۡٓ: جو ہے اندر
اَنۡفُسِكُمۡ: دلوں کے
فَاحۡذَرُوۡهُ: تو اس کے معاملے میں احتیاط کرو
وَاعۡلَمُوۡٓا: اور جان رکھو
اَنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
غَفُوۡرٌ: بہت زیادہ بخشنے والا
حَلِيۡمٌ: تحمل کرنے والا

آیت میں سمجھ اور حکمت

سید قطب نے درست لکھا ہے (396):

''دوران عدت عورت کے ساتھ میت کے خاندان کی کچھ ایسی یادیں وابستہ ہوتی ہیں جو دیر تک زندہ رہتی ہیں اور دوسری طرف یہ احتمال بہرحال ہوتا ہے کہ عورت کے رحم میں حمل کے آثار نمایاں ہوجائیں یا واضح طور پر حمل محسوس ہونے لگ جائے۔ یہ تمام حالات ایسے ہوتے ہیں کہ کوئی شریف عورت پسند نہیں کرتی کہ جدید ازدواجی زندگی کے بارے میں کوئی بات کر سکے۔ ویسے بھی ایسا کرنا شائستگی نہیں سمجھی جاتی۔ عورت کے پہلے ہی جذبات مجروح ہوتے ہیں اور پچھلی یادیں بھی ابھی طوفان مچائے ہوتی ہیں''۔

قرآن مجید تقسیم دانش کرتا ہے کہ اشارے کنائے میں بات کرنا درست ہے لیکن بصراحت کوئی معاملہ طے کر لینا ہرگز درست نہیں۔ بس اشارہ اتنا باریک اور لطیف ہو کہ عورت سمجھ جائے کہ یہ شخص اسے رفیقۂ حیات بنانے میں دلچسپی رکھتا ہے لیکن لہجے میں سوقیت اور دہشت ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔

تعریض کیا ہے؟

المحرر الوجیز میں ابن عطیہ نے لکھا آیت میں مخاطبین وہ لوگ ہیں جو دل میں معتدہ کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہیں (397)۔

''تعریض، تصریح'' کی ضد ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ کسی معنیٰ کو ایسی شئی کے ساتھ سمجھا دینا جو متذکرہ اور دوسرے معنیٰ کا احتمال رکھتی ہو اور یہ عرض الشئ سے ماخوذ ہے گویا معرّض ایک مطلوبہ شئی کے گرداگرد گھومتا رہتا ہے لیکن اس کا اظہار نہیں کرتا (398)۔

قرطبی نے اس کا معنیٰ کوئی چیز کسی کو تحفۃً دے دینا بھی لکھا ہے۔ کلام میں تعریض یہ ہوتی ہے کہ دل کا ارادہ لطیف، موزوں، ملائم اور خوبصورت لفظوں میں ساتھی کو پہنچا دیا جائے ایسے کہ لفظوں میں صراحت نہ ہو اور ساتھی کے فہم میں ابہام نہ رہ جائے۔ ابن عطیہ نے یہ لکھا اس پر اجماع اُمت ہے کہ عدت

گزارنے والی عورت کے ساتھ ایسی گفتگو کرنا جو اس کے نکاح کے بارے میں صریح ہو وہ جائز نہیں ہے۔اس طرح اُمت کا اس پر بھی اجماع ہے فحش کلام کرنا بھی جائز نہیں ہے(399)۔

تعریض کی خوبصورت مثال

ابوجعفر محمد بن علی بن حسین کی سیرت میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ سکینہ بنت حنظلہ نے بیان کیا کہ محمد بن علی میرے پاس آئے اور ابھی میں عدت میں تھی۔آپ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ میرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کیا ہے؟ اور میں علی کی اولاد میں سے ہوں اور عربوں میں تو میرے مقام سے آگاہ ہے۔سکینہ کہتی ہیں: کیا آپ کی اس بات پر مواخذہ نہیں ہوسکتا؟ آپ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی اور فرمایا: ہمارا دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ میں ہے، وہ سب سے بہتر ہیں، فضیلتیں انہی کے گرد اگرد گھومتی ہیں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی کا قرب حوالے کی چیز ہے۔ان کی نسبت کے بیان کرنے سے خوبصورت تعریض اور کون سی ہوسکتی ہے۔

آپ نے فرمایا:

کیا یہ درست نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کے پاس تشریف لائے تھے۔جب آپ ابوسلمہ سے بیوہ ہو چکی تھیں اور ارشاد فرمایا تھا: یقیناً تو جانتی ہے میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا پسندیدہ ہوں اور میری قوم میں میرے مقام سے تو بھی آگاہ ہے۔یہ تعریض ہی تو تھی۔اس روایت کو دارقطنی نے بھی روایت کیا(400)۔

''خِطۡبَةِ النِّسَآءِ'' کا مفہوم

''خطبہ، خا'' کی کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ کلام احسن سے کسی کو پیغام دینا یا شادی کی ارادت اور خواستگاری لفظوں سے ظاہر کر دینا۔قرطبی نے لکھا کہ شادی کے پیغام کے لیے لطف اندوز کر دینے والے لفظوں کا استعمال کرنا ہوتا ہے۔''رجل خطاب'' شادیوں کی کثرت کا عاشق جب پیغام نکاح دے رہا ہوتا ہے۔''الخطیب'' اس واعظ کو کہتے ہیں جو جنت کی حوروں کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

''الخطبہ'' منگنی کرنے کو بھی کہتے ہیں۔''خا'' کے ضمہ کے ساتھ ''الخطبہ'' کا معنیٰ نکاح کا خطبہ دینا ہوتا ہے(401)۔

''اَوۡ اَكۡنَنۡتُمۡ'' کی تفسیر

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ بیوہ کی عدت گزرنے کے بعد اس سے شادی کرنے کے بارے میں جو تم دل میں چھپائے بیٹھے ہو۔''الاکنان'' کا معنیٰ ہوتا ہے ڈھانپ لینا، چھپانا اور مخفی رکھنا۔''کننتہ'' کا

مفہوم محفوظ رکھنا بھی ہوتا ہے یعنی میں نے اسے محفوظ کر دیا عرب محاورہ میں کہتے ہیں گھر نے انسان کو چھپادیا۔

آیت نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر اس کرم کا ذکر کیا ہے کہ ویسے کسی عورت کی محبت کو دل میں جگہ دینا درست نہیں محض بیوہ معتدہ ہے جس کے بارے میں شادی کی خواستگاری کا دل میں رکھنا اور تعریض کرنا اس سے گناہ کو اٹھا دیا گیا ہے۔

خفیہ عہد و پیان نہ کرو

آیت نے عدت کے دوران جس چیز کو ممنوع قرار دے دیا اور کہا یہ چیز جائز نہیں کہ تم خفیہ طور پر ہی عدت گزارنے سے پہلے نکاح کا کوئی معاہدہ کرلو، یہ فعل آداب نفسیات کے خلاف ہے اور پہلے ماحول کی شیرینی کو ختم کر دینے والا ہے، ہر بات معروف طریقے سے ہونی چاہیے۔

''وَلَا تَعۡزِمُوۡا'' ایک احسن تعبیر

قرآن مجید کے الفاظ قابلِ صد غور ہیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ تم نکاح نہ کرو، وہ تو عدت میں ممکن ہی نہیں، کہا یہ گیا کہ تم عقد نکاح باندھنے کا فیصلہ نہ کرو، یہ دراصل قانون کے شدت بنانے کے لیے ہے کہ عدت کے دوران نکاح کا مسلمان تصور ہی نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کا یہ لطیف انداز روحانی تربیت کا عکاس ہے اور یہ باتیں سمجھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

قرآن مجید میں نتیجہ کلام

قرآن مجید میں آیات، سورتوں اور اجزا کا اختتام روحانیت آفرین ہوتا ہے۔ اس آیت میں بھی کہا گیا کہ جان لو کہ اللہ تحمل کرنے والا اور بہت زیادہ بخش دینے والا ہے۔ قانون کی وسعت بیان کرنے کے بعد قانون کی چھت سے جو لوگ بلا ارادہ گر چکے ہوں انہیں کتنے پیارے لفظوں میں ٹیک مہیا کی جارہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اس شعور سے محروم نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے نہفتہ راز جاننے والا اللہ صرف سزا دینے پر قادر ہے۔ اس آیت نے ایمان سازی کی اور شعور دیا کہ اللہ معاف کرنے والا ہے اور دل تک کی خطاؤں کو بھی وہ معاف کر دینے والا ہے۔

و اللہ اعلم

❀❀❀❀❀

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ
فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ
مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾
وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ
فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ
بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

(236) اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو مَس کرنے سے پہلے طلاق دے دو اور تم نے اُن کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو اور تم استعمال کے لیے انہیں کچھ نہ کچھ دے دو، کشائش رکھنے والے پر اُس کی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست پر اُس کے لائق واجب ہے حسبِ دستور فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر حق بنتا ہے

(237) اور اگر تم نے طلاق دے دی انہیں پہلے اس سے کہ تم نے انہیں چھوا ہو اور تم نے اُن کے لیے کوئی مہر بھی مقرر کر لیا ہو تو دریں صورت آدھا ہی دینا لازم آتا ہے ہاں اگر عورتیں خود ہی معاف کر دیں یا پھر وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور تم مرد ہی اگر عفو سے کام لو تو تقویٰ سے زیادہ قریب تو یہی ہے اور اُس بہترین عادت کو بھول نہ جاؤ جس میں تم ایک دوسرے کو نوازتے ہو، یقیناً اللہ اُسے دیکھنے والا ہے جو بھی تم کرتے ہو

لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِیْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَی الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۳۶﴾

''اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو مس کرنے سے پہلے طلاق دے دو اور تم نے اُن کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو اور تم استعمال کے لیے انہیں کچھ نہ کچھ دے دو، کشائش رکھنے والے پر اُس کی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست پر اُس کے لائق واجب ہے حسبِ دستور فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر حق بنتا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت سے عائلی قانون کا وہ پہلو بیان ہونا شروع ہوا ہے جس کے تحت طلاق یافتہ عورت کے مالی استحقاقات بتائے گئے ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ مطلقہ کے ساتھ شب باشی نہ ہوئی ہو اور اس کا مہر بھی مقرر نہ کیا گیا ہو اس صورت میں خاوند پر لازم ہے کہ مطلقہ عورت کو اپنی وسعت کے مطابق کچھ ساز وسامان دے۔ اس سے ایک طرف عورت کی دل جوئی ہوگی اور دونوں خاندانوں میں خوشگواری پیدا ہوگی اور دوسری طرف عورت کی معاشی کفالت کا کوئی چلو تھوڑا سا ہی بندوبست ہو جائے گا۔ سید قطب نے یہ درست لکھا کہ طلاق سے جدائی سے عورت اپنے لیے کرب اور درد محسوس کرتی ہے اور طلاق عورت کے لیے عمر بھر کا طعنہ بن جاتا ہے۔ ایسے حالات میں عورت کو تحفہ دے دینا عورت کے احساسات کی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں کارگر ہو سکتا ہے۔ یہ تحفہ اظہار محبت بھی ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی اعتراف جرم اور معذرت بھی بن سکتا ہے (402) اور یہ تحفہ یہ بھی ظاہر کرے گا کہ طلاق دینے والا مرد بھی خوش نہیں ہے۔ قرآن مجید کا یہ قانون معاشی حقوق کے دھارے ہی متعین نہیں کرتا روحانی اعتبار سے یہ صحت نواز تعویذ بھی بن جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مباشرت سے پہلے ہی طلاق دے دی جائے لیکن نکاح میں مہر مقرر کر دیا گیا ہو اس صورت میں مہر کا نصف حصہ دینا ہوگا۔ قانون تو یہی ہے لیکن قرآن مجید کا اسلوب معاملہ کو حسن سلوک پر چھوڑ دیتا ہے (403)۔

متاع کی ضروری تفصیل

ابن جریر طبری نے لکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ''متاع'' میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک خادم دیا جائے اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ چاندی دی جائے اور اس سے کم یہ ہے کہ کپڑے دیے جائیں (404)۔

مفردات

لَا: نہیں
جُنَاحَ: کچھ گناہ
عَلَیْکُمْ: تم پر
اِنْ: اگر
طَلَّقْتُمُ: طلاق دو تم
النِّسَآءَ: عورتوں کو
مَا لَمْ: اس وقت کہ نہ
تَمَسُّوْهُنَّ: تم نے چھوا نہ ہو
اَوْ: یا
تَفْرِضُوْا: نہ مقرر کیا ہو، یہاں مقدر ہے
لَهُنَّ: ان کے لیے
فَرِیْضَةً: کچھ مہر
وَّ مَتِّعُوْهُنَّ: اور ان کو کچھ خرچ دو
عَلَی الْمُوْسِعِ: وسعت والے پر
قَدَرُهٗ: اس کے موافق ہے
وَعَلَی: اور پر
الْمُقْتِرِ: تنگی والا
قَدَرُهٗ: اس کے اندازے سے ہے
مَتَاعًا: خرچ مقرر ہے
بِالْمَعْرُوْفِ: دستور کے موافق
حَقًّا: لازم ہے
عَلَی: پر
الْمُحْسِنِیْنَ: نیکی کرنے والوں پر

مفردات

وَ اِنۡ: اور اگر
طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ: تم انہیں طلاق دے دو
مِنۡ قَبۡلِ: پہلے سے
اَنۡ: یہ کہ
تَمَسُّوۡهُنَّ: تم انہیں چھولو
وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ: اورتم نے مہر مقرر کر دیا ہے
لَهُنَّ: ان کے لیے
فَرِيۡضَةً: مہر
فَنِصۡفُ: تو آدھا ہے
مَا فَرَضۡتُمۡ: اس کا جوتم نے مقرر کیا ہے
اِلَّاۤ: مگر
اَنۡ: یہ کہ
يَّعۡفُوۡنَ: وہ خود معاف کر دیں
اَوۡ يَعۡفُوَا: یا وہ معاف کر دے
الَّذِىۡ: وہ شخص
بِيَدِهٖ: جس کے ہاتھ میں
عُقۡدَةُ: گرہ
النِّكَاحِ: نکاح
وَاَنۡ: اور یہ کہ
تَعۡفُوۡۤا: تم چھوڑ دو
اَقۡرَبُ: زیادہ قریب
لِلتَّقۡوٰى: تقویٰ سے
وَلَا تَنۡسَوُا: اورتم بھول نہ جاؤ
الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ: آپس میں فضل کو
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ: جوتم کرتے ہو
بَصِيۡرٌ: دیکھنے والا

تفسیر ماوردی میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ''متاع'' کی قدریں حاکم اپنے اجتہاد سے متعین کرے گا(405)۔

ابن جوزی نے زادالمسیر میں لکھا کہ حاکم اجتہاد سے ''متاع'' کی قدر متعین کرے گا لیکن اتنے کپڑے اس میں ضرور ہوں جن سے نماز ادا کی جا سکے(406)۔

علامہ قرطبی نے لکھا کہ امام مالک کے نزدیک اس کی کوئی معین مقدار نہیں ہے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے(407)۔

احناف کے نزدیک ''متاع''، قمیص، دوپٹہ اور چادر ہے۔ علامہ شامی نے لکھا کہ ''متاع'' نصف مہر مثل سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے(408)۔

قرآن مجید نے واضح لکھ دیا کہ تنگ دست اور وسعت دار پر ان کے حالات کے تحت فیصلہ ہے کہ وہ متاع میں کتنی بخشش کا اظہار کرتے ہیں اور کتنا وسعت کا پیمانہ سکیڑ لیتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بخشش کنجوسی سے بہتر ہوتی ہے اور نفسیاتی زخموں کا علاج سوائے عطا و عنایت کے کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ انتقامات اور آویزشوں کی آگ تیز کرنے کی بجائے ٹھنڈی کرنی چاہیے۔

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۷﴾

''اور اگر تم نے طلاق دے دی انہیں پہلے اس سے کہ تم نے انہیں چھوا ہو اور تم نے اُن کے لیے کوئی مہر بھی مقرر کر لیا ہو تو دریں صورت آدھا ہی دینا لازم آتا ہے ہاں اگر عورتیں خود ہی معاف کر دیں یا پھر وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور تم مرد ہی اگر عفو سے کام لو تو تقویٰ سے زیادہ قریب تو یہی ہے اور اُس بہترین عادت کو بھول نہ جاؤ جس میں تم ایک دوسرے کو نوازتے ہو، یقیناً اللہ اُسے دیکھنے والا ہے جو بھی تم کرتے ہو'' ۔

مہر دینے کی مختلف صورتیں

قرآن مجید کی اس آیت میں بیان ہونے والا حکم تفسیر ''ماسبق'' میں لکھ دیا گیا ہے۔ دو آیات میں بیان ہونے والے مسائل چار صورتیں رکھتے ہیں(409):

❁ **پہلی صورت**

عورت کا مہر معین ہے اور طلاق ہم بستری سے پہلے ہو جاتی ہے اس صورت میں مہر عورت کو نصف

ملے گا۔

❁ **دوسری صورت**

عورت کا مہر مقرر نہیں ہے اور طلاق مباشرت سے پہلے ہو جاتی ہے تو مال دار شوہر اپنی حیثیت کے مطابق متاع دے گا اور تنگ دست خاوند اپنی وسعت کے مطابق متاع دے گا۔ متاع کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

❁ **تیسری صورت**

مہر معین ہو اور ہم بستری کے بعد طلاق دی جائے تو اس صورت میں پورا مہر دینا لازم آئے گا۔

❁ **چوتھی صورت**

چوتھی صورت یہ ہے کہ مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور طلاق صحبت یا خلوت صحیحیہ کے بعد دی جائے تو دریں صورت مہر مثل لازم آئے گا۔

قرآن مجید اور رویہ سازی

قرآن مجید نے آیات میں فقہی احکام بیان کیے اور اس کے بعد اسلام کے شجر سرسبد کے فیض جاری کی طرف اشارہ کیا اور طلاق دینے والوں اور طلاق پانے والی عورت اور اس کے خاندان والوں کے درمیان سے کدورتیں ختم کرنے کی روحانی تعلیم دی اور اس بات میں بھی تقویٰ کا ایک معیار قائم کیا۔

پہلے تو قرآن حکیم نے کہا کہ مطلقہ یا اس کا ولی نکاح اگر معاف کر دے تو یہ اس کے بردبار ہونے کی دلیل ہوگی۔ قرآن مجید نے عورت اور اس کے اولیاء میں یہ حوصلہ پیدا کیا کہ جس شخص نے تم سے ہر قسم کی قطع تعلقی کر دی ہے تم اس کا مال لے کر کیا کرو گے۔ وہ شخص جس نے ضمیر، فیصلہ، دل، دماغ اور بدنی تعلق سب کچھ لے لیا ہے اس کا مال اسی کے پاس رہنے دو اس طرح طلاق دینے والوں میں عالی ظرفی اور تقویٰ کا درس چھوڑا جا رہا ہے کہ تم اگر معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ یہاں تقویٰ اصل میں وہ شعور ہے جس کی وجہ سے تعلقات میں نرمی، حسن سلوک اور احسان کی فضا قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ رشتوں کو تو فریقین نے جہاں پہنچانا تھا پہنچا ہی دیا اب دلوں اور ذہنوں کو تو صاف اور ستھرا رکھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

آیت کا آخری حصہ اس شعور کو تیز کرتا ہے کہ ہر شخص کو جاننا چاہیے کہ اللہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے وہ انہیں ہر حالت میں دیکھتا ہے۔ مرد کیا کرتا ہے اور عورت والے کیا کرتے ہیں، اللہ سے مخفی نہیں ہیں۔ وہ اعمال کی نگرانی کرنے والا ہے۔ **واللہ اعلم**

❁❁❁❁❁

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾
فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا
عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾
وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ
مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ
مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

(238) حفاظت کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور باادب اور سراپائے عجز بن کر کھڑے ہو

(239) اگر تم خوف میں ہو تو پیادہ ہو یا سوار نماز قائم رکھو جب تمہیں امن میسّر آئے پھر یادِ الٰہی اُسی طرح کرو جیسے کہ تمہیں اُس نے تعلیم دی جو تم نہ جانتے تھے

(240) اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت ہونے کے قریب ہوں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں تو وصیّت کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ اُنہیں سال بھر تک کا نان و نفقہ دیا جائے بغیر انہیں نکالنے کے البتہ اگر وہ خود ہی نکل پڑیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو وہ عورتیں خود اپنے بارے میں مناسب سمجھ کر کرلیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے

مفردات

حٰفِظُوۡا: حفاظت کرو
عَلَى: پر
الصَّلَوٰتِ: نمازوں پر
وَالصَّلٰوةِ: اور نماز
الۡوُسۡطٰى: درمیانی
وَقُوۡمُوۡا: اور اٹھ کھڑے ہو
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
قٰنِتِيۡنَ: فرماں بردار اور پابند غلام

حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ﴿۲۳۸﴾

''حفاظت کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور باادب اور سراپائے عجز بن کر کھڑے ہو''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں نماز کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ محافظت کا معنیٰ یہی ہوتا ہے کہ نمازوں پر دوام اور مواظبت برتی جائے۔ نماز کی ادائیگی باجماعت ہو۔ اس کے ارکان صحیح ادا کیے جائیں۔ اوقات صلوٰۃ کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نمازوں کی حفاظت کے لیے لفظ باب مفاعلہ سے لایا گیا ہے جس میں معاملہ دونوں طرف سے ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ لفظ میں حکمت روحانی یہ ہے کہ وہ شخص جو نماز کی ہر طرح حفاظت کرتا ہے نماز بھی اس کی حفاظت کرتی ہے۔ نمازی کے لیے نماز روحانی قلعہ ہوتا ہے۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول انور ﷺ سخت شدت والے سرما میں باہر تشریف لائے۔ اس وقت درختوں سے پتے گر رہے تھے۔ آپ نے ایک شاخ تروتازہ اپنے مقدس ہاتھ میں لی اور اسے ہلایا۔ شاخ کے لہرانے سے پتے زمین پر گرنے لگ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! مسلمان جب اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے نماز قائم کر لیتا ہے تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گر پڑتے ہیں'' (410)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (411):

''ذرا بتلاؤ اگر کسی شخص کے دروازے پر ایک جاری نہر ہو
جس میں وہ شخص روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے کیا اس کے
بدن پر میل بچ جائے گی''؟

صحابہ نے عرض کی نہیں یارسول اللہ اس کے بدن پر میل کا کچھ بھی نہیں رہے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''یہی حال پانچ نمازوں کا ہے''۔

آیت کا شان نزول

رسول اللہ ﷺ جب ظہر کی نماز اول وقت میں ادا فرماتے، گرمی کی شدت ہوتی، منافقین

مسلمانوں کی صفوں میں کمزوری لانے کے لیے شدتِ موسم کا پروپیگنڈا کرتے۔ ظاہر ہے بشری کمزوری کے تحت نمازیوں کی تعداد میں کمی ہوجاتی۔ اس پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کی حوصلہ بندی کی گئی اور ان کے جذبہ اطاعت کی آگ تیز کر دی گئی اور نماز ظہر کی فضیلت خصوصی اسلوب میں بیان کی گئی (412)۔

صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد کون سی نماز ہے؟

صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیانی نماز سے مراد کیا ہے؟

اس میں علامہ قرطبی نے دس اقوال بیان کیے ہیں (413)۔ قاضی ثنا اللہ پانی پتی نے پانچ کی تفصیل لکھی اور علامہ آلوسی نے ان تمام اقوال کا اختصار کے ساتھ خلاصہ لکھا (414):

پہلا قول

صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صبح کی نماز ہے۔ حضرت عمر، ابن عمر، عبداللہ بن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے (415)۔

دوسرا قول

صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔ یہ قول زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس کی تفصیل شان نزول میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت اسامہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کا مسلک فکر بھی یہی ہے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ظہر کی نماز ہی دن کے وسط میں ہوتی ہے (416)۔

تیسرا قول

صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ راجح قول یہی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قدرے اس کی تفصیل بیان کی ہے اور یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عصر کی نماز پڑھنے سے روک دیا، یہاں تک کہ دھوپ میں زردی آ گئی یا کہا کہ سرخی آ گئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے روک دیا۔ اللہ ان کے پیٹوں اور قبروں میں آگ بھرے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی صلوٰۃ وسطیٰ کا معنیٰ صلوٰۃ العصر ہی لکھوایا تھا۔

ام سلمہ اور حضرت عائشہ سے بھی یہی معنیٰ روایت کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہم، ابراہیم نخعی اور قتادہ کا قول بھی یہی نقل کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے (417)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

❁ **چوتھا قول**

ابو قبصہ نے یہ قول کیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد مغرب کی نماز ہے اس لیے کہ یہ اوسط درجہ کی نماز ہے، نہ نمازوں سے کم اور نہ نمازوں سے زیادہ ہے۔ خلف میں یہ کسی سے منقول نہیں (418)۔

❁ **پانچواں قول**

صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عشاء کی نماز ہے یعنی یہ ان دو نمازوں کے درمیان ہے جس میں قصر نہیں (419)۔

❁ **چھٹا قول**

صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد جمعۃ المبارک کی نماز ہے اس لیے کہ اس میں جمع ہونے اور اس میں خطبہ دینے کے ساتھ اسے خاص کر دیا گیا ہے اور اس میں ایک خاص ساعت رکھ دی گئی ہے جو قبولیتِ دعا اور فلاح پانے کے لیے مؤثر ہے (420)۔

❁ **ساتواں قول**

الصلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صبح اور عصر کی دونوں نمازیں ہیں۔ شیخ ابو بکر ابہری نے یہی کہا ہے (421)۔

❁ **آٹھواں قول**

الصلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عشاء اور صبح کی نمازیں ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے (422)۔

❁ **نواں قول**

الصلوٰۃ وسطیٰ سے مراد غیر معینہ نماز ہے جیسے شب قدر مخفی ہے یہ نماز بھی مخفی ہے (423)۔

❁ **دسواں قول**

نماز تہجد یا نماز وتر یا نماز چاشت ہے (424)۔

واللہ اعلم

آیت میں قٰنِتِيۡنَ کا مفہوم

''قنوت'' کا معنیٰ رکوع کو طویل کرنا، خشوع کرنا، آنکھوں کا جھکا کر رکھنا اور عجز و انکساری کرنا ہوتا ہے۔ ''قنیت'' کا معنیٰ پانی والے مشکیزہ کا منہ بند کر دینا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کسی کا پابند ہو جانا

مفردات

''قنت'' ہوتا ہے، غلامی کرنا اور تابع ہونا۔ ربیع نے کہا کہ قیام کو طویل کرنا ''قنوت'' ہے۔ شعبی اور سعید بن جبیر کہتے تھے کہ ''قٰنِتِيْنَ'' کا معنیٰ طالعین ہوتا ہے یعنی اطاعت گزار ہو جانا (425)۔

ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (426):

افضل الصلوۃ طول القنوت

''افضل نماز طویل قیام والی ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''قٰنِتِيْنَ'' کا مطلب داعین ہوتا ہے یعنی کثرت کے ساتھ اللہ سے دعا مانگنے والے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک قنوت پڑھی اور آپ قبیلہ رعل اور ذکوان کے خلاف دعا مانگتے رہے (427)۔

سدّی مفسر نے کہا کہ ''قٰنِتِيْنَ'' کا معنیٰ ساکتین ہے۔ اس کا مفہوم ہوگا دیر دیر تک خاموشی کی حالت میں رہنا (428)۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے ہم نماز میں گفتگو کر لیتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد ہمیں نماز میں گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا (429)۔

آیت میں اسلوب کی شہامت

طلاق، خلع، ادائیگی مہر اور انقضائے عدت وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن سے نفسیاتی اعتبار سے طبائع ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر انسان روحانی تقویت کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ سے تعلق کامل اور مکمل طریقے سے مربوط نہ ہو معاشرتی زیادتیوں کی چوٹیں سہنا دشوار ہوتا ہے۔ انسانوں کی اس ضرورت کا قانون قرآن نے احساس کیا اور طلاق، عدت اور مہر وغیرہ کے احکام کی آیات کے عین درمیان یہ آیت رکھ دی گئی کہ نمازوں کی محافظت کرو اس طرح یادِ الٰہی سے تمہارا اندر مضبوط ہوگا۔ نماز سے بہتر اور کوئی طریقہ اور عمل نہیں جس سے بندہ اپنے خدا سے تعلق جوڑ لیتا ہے۔ واللہ اعلم

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝٢٣٩

''اگر تم خوف میں ہو تو پیادہ ہو یا سوار نماز قائم رکھو جب تمہیں امن میسر آئے پھر یادِ الٰہی اُسی طرح کرو جیسے کہ تمہیں اُس نے تعلیم دی جو تم نہ جانتے تھے''۔

یہ آیت سکھلاتی ہے کہ اللہ سے تعلق اور ربط کا چراغ ہر حالت میں جلتے رہنا چاہیے۔ مسائل اور

فَاِنْ: بعد ازاں اگر
خِفْتُمْ: تمہیں خوف ہو
فَرِجَالًا: تو پا پیادہ پیدل چل کر
اَوْ: یا
رُكْبَانًا: سواری کی حالت میں
فَاِذَآ: تو جب
اَمِنْتُمْ: تم امن کی حالت میں آجاؤ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ: تو اللہ کا ذکر کرو
كَمَا: جیسا کہ
عَلَّمَكُمْ: اُس نے تمہیں تعلیم دی
مَّا لَمْ: جو نہ
تَكُوْنُوْا: تھے تم
تَعْلَمُوْنَ: جانتے

احوال جن کی ہدایت لیے قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں وہ چار قسم کے حالات تھے:

- معاشرتی رشتے ناطے جب زیروزبر ہوکر طبیعتوں کو ٹھنڈا کر دیں۔
- معاشی بوجھ پڑ جائے اوراچانک جو دل نہ کرتا ہو وہ بھی کسی کو ادا کرنا پڑ جائے، مہر وغیرہ
- خوف لاحق ہو جائے اور خوف کی نوعیت متنوع ہو لیکن انسان محصور ہو کر رہ جائے۔
- اور جنگی حالات ہوں جن کے تحت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ نماز مسلمانوں کے لیے ہر حالت میں قلعہ کا کام دیتی ہے۔ حالات جیسے بھی ہوں، خوف اور شدائدِ جنگ کی انتہائی حالت میں بھی نمازِ قائم رکھنی چاہیے۔ ''نمازِ خوف'' مومن کا اسلحہ ہوتا ہے۔ ہمارا دین بھی کتنا خوبصورت دین ہے اور اس خوبصورت دین میں نماز ایک جلی سرخی کی حیثیت رکھتی ہے۔

قرآن مجید ایک دوسرے مقام پر نماز خوف کا نقشِ جمیل خود پیش فرماتا ہے کہ عین حالت جنگ میں جب دشمن کی تلواریں سر پر ہوں، اس وقت بھی مجاہدین نماز ادا کریں، دو گروہ ہو جائیں: ایک جماعت دشمن سے لڑتی رہے اور دوسری جماعت نماز ادا کر لے اور اگر امیر سے محبت انتہا کی ہو تو پھر دونوں جماعتیں آدھی آدھی نماز امام محبوب کی اقتدا میں ادا کر لیں۔ حضور ﷺ نے ایک روایت میں چھ مرتبہ اور دوسری روایت میں دس مرتبہ صلوٰۃ خوف پڑھائی۔

پھر جس وقت امن سے فضا معمور ہو جائے تو مسلمانوں کو اللہ کا ذکر امن کی حالت کی طرح شروع کر دینا چاہیے، جیسا کہ اُن کے محبوب مُرشد نے انہیں ایک ایک چیز کی تعلیم دی ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو یہ احسان یاد کرواتا ہے کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے یہ اللہ ہی نے تمہیں اپنے محبوب کے ذریعے ہر علم سکھا دیا۔ ''تم جو بھی نہیں جانتے تھے'' اس جملے میں کتنی وسعت ہے اور اللہ کی طرف سے نوازشیں کس قدر محیط اور فراواں ہیں۔

اسلوب کی ایک شفاف کرن

طلاق اور عدت کے مسائل بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے صلوٰۃ خوف کا ذکر کر دیا۔ اللہ کے ذکر سے جو تسکین حاصل ہوتی ہے، زخموں پر وہ پٹی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ممکن ہے قرآن مجید طلاق یافتہ عورت کو تسلی دے رہا ہو کہ مجاہدین جنگی میدانوں میں تلواروں کے سائے میں جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ وہاں بھی اُن کی مدد کرتا ہے اور نماز انہیں بھی وہاں فائدہ دیتی ہے تو وہ لوگ جو عائلی زندگی کے صحرا میں کھڑے کر دیے گئے ہیں انہیں بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ نماز سے لو لگائیں اللہ ان کی بھی یاوری

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

فرمائے گا۔ تمام جہانِ ہستی پر حکومت تو اللہ ہی کی ہے۔ تمام چیزیں اللہ کے ارادے کے سامنے سہل، معمولی اور آسان ہیں۔ ہر مرحوم اور مظلوم کو اللہ کی طرف مراجعت کرنی چاہیے اور یہ مراجعت اگر محافظت صلوٰۃ کی صورت میں ہو تو اللہ تسکینات اور مسرتوں کی جنت عطا فرمادے گا۔

واللہ علم

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٤٠

''اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت ہونے کے قریب ہوں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں تو وصیّت کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ اُنہیں سال بھر تک کا نان ونفقہ دیا جائے بغیر انہیں نکالنے کے البتہ اگر وہ خود ہی نکل پڑیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو وہ عورتیں خود اپنے بارے میں مناسب سمجھ کر کرلیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں حاضری دی اور عرض کی کہ ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں تلاش کرنے کے لیے میرے خاوند گئے اور مقام قدوم پر اُن کی غلاموں سے ملاقات ہوگئی لیکن ان سب نے میرے خاوند کو قتل کر دیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے خاوند کا کوئی مکان نہیں جس میں مَیں عدت گزار سکوں اور نہ ہی مجھے وہاں کچھ کھانے پینے کو مل سکتا ہے اگر آپ کی اجازت ہو جائے تو میں میکے چلی جاؤں اور وہاں عدت گزاروں۔ آپ نے فرمایا: ''اجازت ہے''۔ میں واپس لوٹی اور ابھی حجرے ہی میں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس بلالیا اور فرمانے لگے: ''تم نے کیا کہا''؟ میں نے پورا قصہ دوبارہ بیان کر دیا۔ آپ نے حکم دیا نہیں ابھی گھر ہی میں ٹھہری رہو اور عدت ادھر ہی گزارو چنانچہ میں نے عدت اسی گھر میں بسر کردی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مجھے بلوایا گیا اور یہی مسئلہ پوچھا گیا۔ میں نے اپنا پورا قصہ انہیں سنا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر میری روایت پر فیصلہ سنا دیا۔

(جامع ترمذی)

آیت میں يُتَوَفَّوْنَ کا لفظ

یہاں تفسیری اعتبار سے یہ ذہن میں رہے کہ لفظ ''وفات'' آیت میں مرنے اور موت کے معنوں

مفردات

وَالَّذِيْنَ: اور وہ
يُتَوَفَّوْنَ: جو وفات پا جائیں
مِنْكُمْ: تم میں سے
وَيَذَرُوْنَ: اور چھوڑ جائیں
اَزْوَاجًا: بیویاں، عورتیں، جوڑے
وَّصِيَّةً: وصیت کر دینا ہے
لِّاَزْوَاجِهِمْ: اپنی عورتوں کے لیے
مَّتَاعًا: متاع دینا، خرچ دینا
اِلَى الْحَوْلِ: ایک برس تک
غَيْرَ اِخْرَاجٍ: گھر سے نکالے بغیر
فَاِنْ: تو اگر
خَرَجْنَ: وہ نکل پڑیں
فَلَا جُنَاحَ: تو کوئی گناہ نہیں
عَلَيْكُمْ: تم پر
فِيْ: اس میں
مَا فَعَلْنَ: جو وہ کریں
فِيْٓ: میں
اَنْفُسِهِنَّ: اپنے حق
مِنْ مَّعْرُوْفٍ: بھلی بات
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَزِيْزٌ: زبردست
حَكِيْمٌ: حکمت والا

میں استعمال نہیں ہوا بلکہ موت کی دہلیز پر پہنچنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یہ توجیہہ لفظ وصیت کے قرینہ سے کی گئی ہے۔

مفسرین کی سوچیں

جمہور مفسرین نے آیت کو اسی طرح سمجھا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے۔ اپنی وفات سے پہلے وہ اپنی بیوی کے بارے میں یہ وصیت کر جائے کہ اسے گھر سے ایک سال کے عرصہ تک کم از کم نہ نکالا جائے اور ایک برس تک اُسے اجازت ہو کہ وہ اس کے مال سے اخراجات کرے اور گھر سے نہ نکلے۔ ہاں اگر وہ مناسب سمجھتی ہے کہ اس کے حالات نکاح ثانی کے لیے مناسب نہیں یا اس کے جذبات ابھی تک مجروح ہیں تو ایک سال تک گھر میں رکی رہے لیکن یہ حق عورت کا ہے اور چار ماہ دس دن عدت گزارنے کے بعد بہر حال وہ آزاد ہو جاتی ہے۔ اگر وہ گھر سے نکلنا چاہے تو نکل سکتی ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے حکم کو منسوخ بھی جانا ہے۔ سید قطب کی بات قابلِ فہم ہے کہ نسخ کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ دونوں آیات کے محل میں اختلاف ہے اس لیے کہ عدت تو ایک شرعی فریضہ ہے جو عورت نے بہر طور پورا کرنا ہے اور ایک سال کا عرصہ اس کا حق ہے جس کا استعمال کرنا عورت پر لازم نہیں ہے (430)۔

زیرِ تعبیر آیت کا عموداً گر وصیت کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور چار ماہ اور دس دن والی آیت کو حکم عدت سے مربوط کر دیا جائے تو بہت سے عائلی اور معاشرتی مسائل کی ظلمتیں ختم کی جاسکتی ہیں۔ قرآن مجید کی ہر آیت شاخِ تر کی طرح ہے۔ اس میں موجود تازگی اور فیض کی رطوبت بہر حال قائم رہتی ہے اور احکام کی تشریح اور تعبیر بہر طور حضور ﷺ کی باتوں میں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا (431):

''بلاشبہ بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے اور تم میں
سے بعض جہالت کے زمانے میں سال مکمل ہونے پر
مینگنیاں پھینکتی تھیں''۔

رحمت عالم ﷺ کا قولِ منور قرآن کے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔

❀❀❀❀❀

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾
اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۖ
فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ
وَلٰـكِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾
وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۴﴾

(241) اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے بھی مناسب نان نفقہ ثابت ہے، تقویٰ داروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ حق ادا کریں

(242) اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم عقل سے کام لیتے رہو

(243) کیا آپ نے اُن لوگوں کو دیکھ نہیں لیا ہے جو اپنے گھروں سے مالوف ہونے کے باوجود موت کے ڈر سے نکل پڑے تو اللہ نے اُن سے فرمایا ''مر جاؤ'' پھر اس کے بعد انہیں زندگی سے بھی نواز دیا بے شک اللہ محبت والوں کے لیے تو بڑا افضل والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر کی روش اختیار نہیں کرتے

(244) اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے

مفردات

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ
اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾

''اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے بھی مناسب نان نفقہ ثابت ہے تقویٰ داروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ حق ادا کریں، اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم عقل سے کام لیتے رہو''۔

قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں عائلی قوانین کی بساط کو سمیٹا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو طلاق یافتہ عورتوں کے حقوق یاد کروائے جا رہے ہیں کہ خاوند لوگ کوشش کریں کہ طلاق اگر ناگزیر ہوگئی ہے تو وہ اپنا یہ اختیار استعمال کرنے کے بعد مطلقہ عورت کو حتی المقدور فائدہ پہنچائیں۔ یہ فائدہ پہنچانا مہر کی ادائیگی کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک کپڑوں کی صورت میں تحفہ دینا بھی ہوسکتا ہے۔ قرآن مجید نے لفظ ''مَتَاعٌ'' استعمال کیا ہے جس میں بڑی وسعت ہے۔ اگر طلاق دینے والا خاوند انسانی سطح پر یہ سوچ لے کہ میں ایک پھول کی کلیاں بکھیر چکا ہوں تو اب مجھے عالی ظرفی سے جدائی کے موقع پر عورت والوں کی دل جوئی کرنی چاہیے اور حکم پر عمل کی گنجائش کو حسن سلوک کی وسعت میں بدل دینا چاہیے۔ احکام فقہیہ میں ناسخ اور منسوخ چل جاتا ہے لیکن وادیٔ رحمت میں تو قیمت عطا اور عنایت ہی کی ہوتی ہے۔ آیت کے آخر میں ''الۡمُتَّقِيۡنَ'' کا لفظ اسی تاریخ کو ذہن میں تازہ کر دیتا ہے جو قرآن پڑھنے والے نے آغاز قرآن میں ''هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ'' کی صورت میں پڑھا تھا۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھر ایک بار اپنی آیات کے جلوے بکھیر دیے اور دعوت عام کر دی کہ سمجھو اس بات کو تم لوگ مسلمان اور متقی ہو اس لیے تم عقل سے کام لو جلوے سارے تو اسی میں ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ
اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ
لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾

''کیا آپ نے اُن لوگوں کو دیکھ نہیں لیا ہے جو اپنے گھروں سے مالوف ہونے کے باوجود موت کے ڈر سے نکل پڑے تو اللہ نے اُن سے فرمایا ''مرجاؤ'' پھر اس کے بعد انہیں زندگی سے بھی نواز دیا بے شک اللہ محبت والوں کے لیے تو بڑا فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر کی روش اختیار نہیں کرتے''۔

وَ: اور
لِلۡمُطَلَّقٰتِ: طلاق یافتہ عورتوں کے لیے
مَتَاعٌ: فائدہ پہنچاتا ہے، خرچہ ہے
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: دستور کے مطابق
حَقًّا: لازم ہے
عَلَى: پر
الۡمُتَّقِيۡنَ: تقویٰ والوں
كَذٰلِكَ: اسی طرح
يُبَيِّنُ اللّٰهُ: اللہ بیان فرماتا ہے
لَـكُمۡ: تمہارے لیے
اٰيٰتِهٖ: اپنی آیتیں
لَعَلَّكُمۡ: تاکہ تم
تَعۡقِلُوۡنَ: تم عقل سے کام لو

اَلَمۡ: کیا نہ
تَرَ: آپ نے دیکھ لیا
اِلَى: کو، کی طرف
الَّذِيۡنَ: وہ لوگ جو
خَرَجُوۡا: نکل پڑے
مِنۡ: سے
دِيَارِهِمۡ: اپنے گھروں
وَهُمۡ: اور وہ
اُلُوۡفٌ: ہزاروں، لاکھوں
حَذَرَ: ڈر
الۡمَوۡتِ: موت
فَقَالَ: تو کہا

مفردات

لَهُمُ اللّٰهُ: انہیں اللہ نے
مُوۡتُوۡا: مرجاؤ
ثُمَّ اَحۡیَاهُمۡ: پھرانہیں زندگی سے نوازا
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
لَذُوۡ: والا
فَضۡلٍ: فضل
عَلَی النَّاسِ: لوگوں پر
وَلٰکِنَّ: اور لیکن
اَکۡثَرَ: اکثر
النَّاسِ: لوگوں
لَا: نہیں
یَشۡکُرُوۡنَ: شکر ادا کرتے

گھروں سے نکلنے والوں کی تعداد

عطا خراسانی کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی تعداد تین ہزار تھی، وہب کہتے ہیں کہ وہ لوگ چار ہزار تھے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ وہ آٹھ ہزار تھے۔

سدی کا قول ہے کہ وہ تیس ہزار سے کچھ زائد تھے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ وہ چالیس ہزار تھے۔ عطا ابن ابی رباح کہتے تھے کہ وہ ستر ہزار تھے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ ''اُلُوۡفٌ'' الفت سے ہے مراد یہ کہ وہ سب کے سب ''مؤلفة القلوب'' تھے(432)۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ لوگ داوردان نامی شہر کے رہنے والے تھے۔ شہر سے یہ طاعون کے ڈر سے بھاگ گئے۔ یہ علاقہ واسط سے قریب بنتا ہے۔ طاعون پھیلا تو لوگوں کی ایک جماعت شہر میں ٹھہری رہی اور دوسری بھاگ کر نکل پڑی۔ جو لوگ ٹھہرے رہے ان میں سے کچھ مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے جب طاعون ختم ہو گیا تو وہ لوگ واپس آ گئے۔ شہر میں بچنے والوں نے کہا: ہمارے بھائی ہم سے زیادہ سمجھ دار نکلے کاش! ہم سب نکل کر بھاگ پڑتے۔ اگلے سال پھر طاعون پڑ گیا اس بار سب بھاگ پڑے۔ یہ سب دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں قیام پذیر ہو گئے۔ اللہ نے ان پر دو فرشتے بھیجے ایک وادی کے اُوپر تھا اور دوسرا وادی کے نیچے تھا۔ ان دونوں فرشتوں نے کہا ''سب مرجاؤ'' تو سب مر گئے۔ پھر جب تک اللہ نے چاہا وہ مرے پڑے رہے پھر وہاں سے حزقیل نبی کا گزر ہوا۔ اُنہوں نے ہڈیاں پڑی دیکھیں۔ حیران ہوئے، اللہ نے انہیں فرمایا: اے نبی آواز دو اے ہڈیو! اللہ تمہیں مجتمع ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر تمام ہڈیاں جمع ہو گئیں پھر حکم ہوا ہڈیوں پر گوشت ملبوس ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہو گیا۔ تیسری ندا لگی تو یہ لوگ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بے اختیار ان کی زبانوں پر جاری ہو گیا۔

سبحانک لا الہ الا انت

اس طرح وہ اپنے شہر کی طرف واپس گئے اور وہاں رہنے لگ گئے۔ وہ لوگ طبعی حیات پوری ہونے تک شہر میں رہے(433)۔

ابنِ عطیہ کی رائے

المحرر الوجیز کے اندر ابن عطیہ نے ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا اس باب میں جتنے قصے نقل کیے گئے ہیں وہ سب کے سب ضعیف الاعتقاد ہیں البتہ غور و فکر میں لانے والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کی زبان سے تمام انسانوں کو ایک قوم کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ موت سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی اور پھر انہیں زندہ کر دیا کہ بعد میں آنے والے جان لیں کہ موت دینا بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہے(434)۔

علامہ طبری نے آیت کو جہاد کے حکم کے ساتھ جوڑا ہے جب کہ آیت کے ظاہر الفاظ بھی یہی ظاہر کرتے ہیں(435)۔

ابن زید کی توجیہہ

ابن زید نے لفظ ''اُلُوۡفٌ'' کے بارے میں لکھا کہ ''اُلُوۡفٌ،مو تلفون'' کے معنیٰ میں لایا گیا ہے یعنی انہیں کسی افتراق کی وجہ سے شہر سے نہ نکلنا پڑا وہ تو باہم محبت اور اُلفت والی زندگی گزارتے تھے۔ وہ زندگی میں مزوں اور مسرتوں کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ وہ موت کے خوف سے نکلے جس پر انہیں عملی تجربہ گاہ میں موت زندگی کا فلسفہ اور حقیقت سمجھائی گئی کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے(436)۔

ابن عربی کی رائے

ابن عربی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سزا دینے کے لیے ایک خاص مدت تک موت دے دی اور پھر انہیں زندہ کر دیا اور سمجھایا کہ سزا والی موت کے بعد زندگی ہے لیکن اپنی مدت مقررہ کے بعد جو موت آئے اُس کے بعد اس دنیا میں زندہ ہونا نہیں(437)۔

ایک خاص نکتہ

قرآن مجید کی اس آیت میں ایک قوم کا مر جانا اور پھر زندہ کیا جانا مذکور ہے۔ آیت کا محل طلاق اور عدت کی آیات اور آیت جہاد کے درمیان ہے۔ دو چیزوں کی طرف واضح اشارے موجود ہیں: ایک تو طلاق، عورت کے معاشی اور معاشرتی حقوق کی عدم ادائیگی ہے یہ ظلم ہے۔ قرآن مجید نے موت کا ذکر کر کے سمجھایا ہے کہ ظلم قوموں کی موت ہے۔ وہ موت جو سزا ہو اس سے آنے والوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ دوسری چیز جہاد کے معاملے میں قابل غور ہے کہ وہ موت جو اللہ کی راہ میں ہو وہ اپنے اندر ہزار نعمتیں سموئے ہوئے ہوتی ہے اس لیے موت سے ڈرنا نہیں چاہیے اور موت کا خوف دل سے لگا کر خوشیوں کے چراغ گل نہیں کر دینے چاہییں، بھروسہ اور توکل اللہ ہی پر رہنا چاہیے۔

سید قطب کی خوبصورت عبارت

زندگی اور موت کے فیصلے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ موت کے ڈر سے موت ٹل نہیں جاتی اور جزع و

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَقَاتِلُوۡا: اور جو تم سے لڑتے ہیں تم ان کے مقابلہ میں لڑو
فِيۡ: میں
سَبِيۡلِ: راستے
اللّٰهِ: اللہ
وَ: اور
اعۡلَمُوۡٓا: جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
سَمِيۡعٌ: بہت زیادہ سننے والا
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ علم رکھنے والا

فزع کرنے اور چیخنے پکارنے سے زندگی میں اضافہ نہیں ہوجاتا اور نہ ہی ان چیزوں سے قضائے الٰہی ٹل سکتی ہے اور نہ ہی اجل مؤخر ہوسکتی ہے۔ اللہ ہی ہے جو زندگی عطا کرتا ہے اور وہی ہے جو زندگی کا تحفہ واپس لے لیتا ہے۔ دونوں حالتوں میں اللہ کا فضل انسان کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ لے لے تو پھر فضل ہے، دے دے تو پھر اس کی عنایت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسانوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس کے فضل پر شکر ادا کرنے والی نہیں ہوتی (438)۔

واللہ اعلم

وَقَاتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۴﴾

''اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑائی کرنے کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہے اور اس قتال میں نیت اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی ہونی چاہیے''فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ'' کی ترکیب نے ہر غبار دور کردیا۔ مسلمانوں کے اندر زندگی کی حرص اور محبت اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ گھروں کے اندر بیٹھے رہیں اور مادی اڈوں سے چپک کر رہ جائیں۔ موت اور حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ غلامانِ رسول کو جہاد فی سبیل اللہ کسی صورت میں چھوڑنا نہیں چاہیے۔

آیت میں ''سَبِيۡلِ اللّٰهِ'' کا منشور قرآن کھل کر بیان کرتا ہے کہ جہاد کشور کشائی یا ذوق خسروی کی تکمیل کا نام نہیں، اللہ کی راہ، اللہ کا کلمہ اور اللہ کے دین کی پہچان حاصل کرکے ان کی بالادستی کے لیے کوشش کا نام ہے۔ مسلمانوں کو ہمہ دم اس قرآنی فکر کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ مجرموں کا راستہ اور اللہ کا راستہ الگ الگ نظر آنے لگ جائیں۔

مستشرقین کا یہ واویلا کہ قرآن کی اس آیت میں مسلمانوں کو واضح طور پر قتل کرنے پر ابھارا گیا ہے اس قسم کی آیات اسلام کے امن ''پروگرامز'' کی نفی کرتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنے والوں نے قرآن حکیم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ''قَاتِلُوۡا'' باب مفاعلہ ہے اور ایسے الفاظ میں کسی معنیٰ کا دو طرفوں سے ہونا پایا جاتا ہے۔ گویا حکم قتل کا نہیں قتال اور مقاتلہ کا ہے اور اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان کے مقابلہ میں تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہ جاؤ تم بھی اللہ کی راہ میں نکلو اور لڑائی کرنے والوں سے لڑو یہاں تک کہ فتنے ختم ہوجائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ رائے رکھتے تھے کہ ''قَاتِلُوۡا'' میں خطاب بنی اسرائیل سے ہے (439)، البتہ نحاس کی رائے یہی تھی کہ ''قَاتِلُوۡا'' میں خطاب مؤمنین سے ہے اور علامہ طبری نے تو

صاف طور پر لکھ دیا کہ اس قول کی کوئی دلیل نہیں کہ لڑائی کرنے کا حکم ان لوگوں کو ہے جنہیں موت دینے کے بعد پھر سے زندہ کیا گیا تھا (440)۔

آیت کے اگلے حصے میں کہا گیا کہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے والا اور علم والا ہے۔ کوئی شئی اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ یہ حصہ تشویق کے نور اور تحریک فی سبیل اللہ کے جذبوں سے بھرپور ہے، معمور ہے اور لبریز ہے۔ مسلمان کو سمجھایا جارہا ہے کہ جس کے لیے تو جان کا نذرانہ پیش کررہا ہے، زندگی کا ظرف اوندھا کررہا ہے اور حیات کی شمع گل کرنے کے لیے تیار ہو گیا، وہ تجھ سے اور تیرے اقدام سے ناآگاہ نہیں، جان رکھ کہ وہ تیرے جذبوں کا پالن ہار بھی ہے اور جب وہ تسبیح اس کے لیے قبر کی دہلیز پر ٹوٹ پڑے وہ جانتا بھی ہے اور وہ لفظ جو تیری زبان سے اس کی تقدیس وتحمید میں نکلیں وہ سنتا بھی ہے۔ کتنی میٹھی منزل ہے، زندگی کا کتنا لذیذ ثمر ہے اور وادئ حیات میں کتنی روح پرور آواز ہے اور کرم و رحمت کی کتنی پر آرام آغوش ہے جدھر سے بے سمت ہو کر یہ آواز باران رحمت بن کر برسی ہے۔ مقصد حیات کو سمجھ کر راہ جہاد میں آگے بڑھنے والے عاشقو! تم نے کشت عشق میں جو بیج بویا ہے وہ ضائع ہونے والا نہیں۔

❁❁❁❁❁

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ
وَ اللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ
لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ
كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ
الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

(245) ہے کوئی جو دے اللہ کو قرضِ حسنہ تو اللہ بڑھا دے اُس کے لیے اُس کے بڑھے ہوئے مال کو
کئی گنا اور اللہ ہی ہے جو تنگی ڈالے اور فراخی عنایت فرمائے اور اُسی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے

(246) آپ نے اولادِ یعقوب میں سے موسیٰ کے بعد ایک گروہ کو دیکھ ہی لیا ہے، یاد کرو جب انہوں
نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لیے ایک سردار مقرر کریں ہم اللہ کی راہ میں لڑنا چاہتے ہیں،
انہوں نے فرمایا کیا ایسے نہ ہو کہ تم پر قتال فرض کر دیا جائے اور تم لڑو نہ، وہ بولے کہ کیا ہے
ہمیں کہ اللہ کی راہ میں ہم نہ لڑیں جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا اور اہل وعیال
سے دور کر دیا گیا پھر جب اُن پر لڑنا فرض کیا گیا تو تھوڑے لوگوں کے سوا سب مُنہ پھیر گئے
اور اللہ تو ظالموں کو خوب جاننے والا ہے

سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ گمان کبھی نہ کرنا کہ انفاق سے تمہارے اموال میں تنگی اور کمی آجائے گی، جب سب کچھ اُسی کے ہاتھ میں ہے تو یہ یقین روح اور دل میں اتار لو، وسعت اور محدودیت تو کیفیات ہیں، قدرت تو مالک کے قبضہ میں ہے، مال خرچ کرتے ہوئے تم صرف اپنی روح اور عمل کو اللہ کے ساتھ مربوط کرلو وہ تمہیں برکتوں سے مالا مال کردے گا۔

صوفیاء کی خوبصورت باتیں

اللہ تعالیٰ اپنی جبروتیت سے موحدین کی روحوں کو نورازلی میں ''قبض'' کرلیتا ہے اور عارفین کے اسرار کو مشاہدہ ذات میں ''بسط'' کرلیتا ہے۔

- ایک قول یہ ہے کہ ''قبض'' اللہ کا سِرّ ہے اور ''بسط'' اس کا کشف ہے
- دوسرا قول یہ ہے کہ ''قبض'' مریدین کے لیے اور ''بسط'' مرادین کے لیے ہے
- تیسرا قول مشتاقین کے لیے ''قبض'' ہے اور عارفین کے لیے ''بسط'' ہے اور یہ بھی ہے کہ ''قبض'' اور ''بسط'' بندہ کی ترقی کی دو حالتیں ہیں۔ جب عارف پر خوف کا غلبہ ہوتو یہ ''قبض'' کی حالت ہے اور جب اس پر رجا کا غلبہ ہو تو یہ ''بسط'' ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ آثار جلال کو ''قبض'' اور آثار جمال کو ''بسط'' سے تعبیر کیا جاتا ہے (441)۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

''وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ'' میں ایک نکتہ

''اور تم نے اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے'' آیت کا اختتامی جملہ ہے۔ اس سے سمجھ یہ آتی ہے کہ بندہ جس وقت موت سے ڈرتا ہے وہ جزع وفزع کرتا ہے، واویلا مچاتا ہے اور یونہی جب وہ فقر و مسکنت کے خوف سے پریشانی کی رسیوں میں جکڑ لیا جاتا ہے وہ بے کردار لاش بن جاتا ہے ''وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ'' دونوں معاملات میں بندے کو بے خوف بنا دینے والا فقرہ ہے۔ جب تم نے ہر حالت میں پلٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے تو پھر موت اور فقر ومسکنت کا کیا ڈر، تمہیں دنیا کو چھوڑ کر جانا ہی ہے اس لیے بے خوف ہو کر جان لڑا دو اور بے خطر بن کر مال اللہ کی راہ میں کھپا دو۔ جس طرح موت کا وقت اور تقدیر معین ہے یونہی رزق مقرر ہے۔ اس لیے بے غم ہو کر شجاعت اور بہادری سے زندگی گزار دو اور مقاصد عالیہ کے لیے اموال کھپا دو کام آنے والے روپے اور عزیمتیں تو بس یہی ہیں۔

واللہ اعلم

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک قول

آپ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا (النمل:89)

حضور ﷺ نے فرمایا:

''یا اللہ اس میں اضافہ فرما دے''۔

تو یہ آیت نازل ہوئی:

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا (الانعام:160)

پھر آپ نے عرض کی ''مولا اس میں اضافہ فرما دے''

تب یہ آیت نازل ہوئی:

''مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ'' اجر و ثواب میں کئی گنا اضافہ کر دیا (442)۔

ایک ایمان افروز واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ یہ آیت جب نازل ہوئی ابوالدحداح رضی اللہ عنہ خوشی سے جھوم اُٹھے اور عرض کناں ہوئے:

یا سیدی یا رسول اللہ ﷺ

کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟

آپ نے فرمایا:

''ہاں''

اے ابوالدحداح! ''ایسے ہی ہے''۔

صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس دو باغ ہیں ایک عالیہ میں اور ایک سافلہ میں، میں حلفاً عرض کرتا ہوں ان دو باغوں کے سوا میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، دونوں باغ اللہ کے لیے قرضاً قبول ہو جائیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک باغ اللہ کے نام دے دے اور دوسرا باغ اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ لے''۔

ابوالدحداح نے عرض کی

حضور ان میں سے جو اچھا ہے اس میں چھ سو درخت کھجور کے ہیں آپ گواہ ہو جائیں وہ میں نے اللہ کے نام دے دیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''اس کا عوض محض جنت ہے'' اے ابوالدحداح''۔

ابوالدحداح نے حضور ﷺ سے اجازت چاہی اور دوڑتے ہوئے اپنے عمدہ باغ میں پہنچ گئے جسے وہ نذر کر چکے تھے۔

باغ میں ام الدحداح اپنے بچوں کے ساتھ باغ کے ثمرات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ درختوں کے ٹھنڈے سائے مسرتیں تقسیم کر رہے تھے۔ جونہی ابوالدحداح کی نظر اپنی بیوی پر پڑی اُس نے ارتجالاً کہا:

هداک ربی سبل الرشادِ
الی سبیل الخیرِ والسدادِ

اے ام دحداح اللہ تجھے رشد وخیر کی راہوں پر گامزن
کرے ایسی راہیں جو سیدھی ہوتی ہیں۔

وبینی من الحائط بالوادادِ
فقد مضیٰ قرضاً الی التنادِ

اور اس باغ سے تو بہجت اور سرور کے ساتھ فوراً الگ ہو جا
یہ باغ اب قیامت تک اللہ کے لیے قرض ہو چکا ہے۔

اقترضته الله علی اعتمادِ
بالطوع لا من ولا ارتداد

یہ باغ میں نے اللہ کو شوق اور رغبت سے قرض حسنہ بنا کر
نذر کر دیا ہے۔ یہ سب خوشی سے ہے اس کے پیچھے
احسان اور واپس کرنے کا جذبہ نہیں۔

الا رجاء الضعف فی المعادِ
فارتحلی بالنفس والا ولاد

قیامت کو بڑھنے چڑھنے کی اُمید پر نذر کیا ہے سو اب تو
خود اولاد سمیت فوراً اس سے باہر نکل پڑ یہ باغ اب اللہ کا
ہو چکا ہے۔

ام الدحداح نے خاوند کا کلام سنا اور عزم عظیم دیکھا اور یوں اُسے مبارک باد دی اور کہا تیری تجارت

نفع مند ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت دے دے، بعدازاں اشعار کی زبان میں گویا ہوئی:

بشرک اللہ و بخیر و فرح
مثلک ادی ما لدیه و نصح

اللہ تجھے خوشی اور خیر سے یہ فعل مبارک کرے تجھ جیسا عظیم آدمی ہی یہ حوصلے والا کام کرسکتا ہے۔

قد متع اللہ عیلی و منح
باعجوۃ السوداء والز هو البلح

اللہ تعالیٰ نے میرے بچوں کو نوعا نوع کھجوریں عطا کر دیں اگر ایک باغ اللہ کو دے دیا تو پھر کیا ہوا؟

سوی العبد یسعٰی وله ما قد کدح
طول اللیالی و علیه ما اجتراح

بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اپنی منفعت اور اخروی سعادت کے لیے کرتا ہے۔ راتوں کے اعمال اور دنوں کی کمال ڈبو بھی دیتی ہے اور پار بھی لگا دیتی ہے۔

ام الدحداح نے بچوں کو دیکھا وہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ ماں نے ان کے دامنوں میں پڑی کھجوریں بھی پھینکوادیں اور جوان کے منہ میں تھیں انگلی سے اگلوادیں اور کہا آؤ! دوسرے باغ میں اب اس باغ میں ہمارا کچھ حصہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (443):

کم من عذاق رداح و دار دیاح لابی دحداح

''نہ معلوم ابوالدحداح کے لیے بروز قیامت کتنے ہی اور بے شمار کھجوروں کے لانبے لانبے درخت ہیں اور کتنے ہی وسیع اور کشادہ مکان ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (444):

''جو شخص اپنی نیک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کر دیتا ہے اللہ اُسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول فرمالیتا ہے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

اَلَمۡ: کیا نہ
تَرَ: دیکھا آپ نے
اِلَی: کی طرف یا کو
الۡمَلَاِ: ایک جماعت کو یا بڑے لوگوں کی محفل جو لوگوں سے بھری ہو
مِنۡ: سے
بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ: اولادِ یعقوب
مِنۡۢ بَعۡدِ: بعد سے
مُوۡسٰی: موسیٰ علیہ السلام
اِذۡ: جب
قَالُوۡا: اُنہوں نے کہا
لِنَبِیٍّ: نبی سے
لَّهُمُ: ان کے لیے
ابۡعَثۡ: اُٹھا یا مقرر کر
لَنَا: ہمارے لیے
مَلِکًا: ایک بااختیار لیڈر
نُّقَاتِلۡ: ہم قتال کریں
فِیۡ: میں
سَبِیۡلِ اللّٰهِ: اللہ کی راہ
قَالَ: فرمایا
هَلۡ: کیا
عَسَیۡتُمۡ: ممکن ہے تم لوگ
اِنۡ: اگر
کُتِبَ: لکھ دیا جائے
عَلَیۡکُمُ: تم پر
الۡقِتَالُ: لڑائی
اَلَّا: تو تم نہ

پھر اسے اس طرح پالتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے
بچھیرے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ صدقہ نشو ونما پا کر
پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے''۔(بخاری و مسلم)

تفسیر مظہری میں ہے(445):

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو مسلمان کسی مسلمان کو ایک مرتبہ قرض دیتا ہے تو وہ
اس کی طرف سے دو مرتبہ صدقہ دینے کے برابر ہوتا ہے''۔
(ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(446):

کل قرض صدقة

''ہر قرضہ صدقہ ہے''۔(طبرانی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۴۶﴾

''آپ نے اولادِ یعقوب میں سے موسیٰ کے بعد ایک گروہ کو دیکھ ہی لیا ہے، یاد کرو جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لیے ایک سردار مقرر کریں ہم اللہ کی راہ میں لڑنا چاہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کیا ایسے نہ ہو کہ تم پر قتال فرض کر دیا جائے اور تم لڑو نہ، وہ بولے کہ کیا ہے ہمیں کہ اللہ کی راہ میں ہم نہ لڑیں جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا اور اہل و عیال سے دور کر دیا گیا پھر جب اُن پر لڑنا فرض کیا گیا تو تھوڑے لوگوں کے سوا سب مُنہ پھیر گئے اور اللہ تو ظالموں کو خوب جاننے والا ہے''۔

آیت کا تحریکی پس منظر

مدینہ میں مظلوم انصار اور مہاجرین کو باطل سے ٹکرانے کی اجازت مل گئی۔ پابرہنہ، چیتھڑے پوش اور گلیم عشق پہنے مجاہدین اور عاشقین جب سچائیوں کا علم بلند کرنے کے لیے تیار ہو رہے تھے اس ماحول

مفردات

تُقَاتِلُوْا: لڑائی کرو
قَالُوْا: وہ بولے
وَمَا: اور کیا
لَنَآ: ہمارے لیے
اَلَّا: یہ کہ نہ
نُقَاتِلَ: قتال کریں
فِيْ: میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ: اللہ کی راہ
وَقَدْ اُخْرِجْنَا: اور بے شک ہم نکال دیے گئے
مِنْ: سے
دِيَارِنَا: اپنے گھروں
وَاَبْنَآئِنَا: اور اپنی اولاد سے
فَلَمَّا: پس جب
كُتِبَ: فرض کر دیا گیا
عَلَيْهِمُ: ان پر
الْقِتَالُ: قتال، لڑائی
تَوَلَّوْا: پھر گئے وہ
اِلَّا: مگر
قَلِيْلًا: تھوڑے سے
مِّنْهُمْ: ان میں سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلِيْمٌ: بہت جاننے والا
بِالظّٰلِمِيْنَ: ظالموں کو

میں انہیں قرآن مجید نے ازمنۂ قدیم سے وہ قصص چن چن کر سنائے جن سے ان مجاہدوں کے جذبوں اور سوچوں میں تحریک پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ بات سوفی صد درست ہے کہ قرآن مجید محض کتاب تلاوت ہی نہیں یہ ایک دستور تربیت ہے اور پوری زندگی کے لیے راہ عمل ہے۔ وہ لوگ جو صحیح معنوں میں ہدایات کا نور تلاش کرنا چاہیں ان کے لیے قرآن مجید میں بہت کچھ ہے۔ اُمت مسلمہ کی تمام نسلوں کا فریضہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو غور سے پڑھیں ہمیں جو چاہیے ہوگا وہ کچھ ہمیں قرآن مجید میں مل جائے گا۔

طالوت جالوت کا قصہ محض قصہ نہیں یہ ایک مظلوم قوم میں غیرت کے ساتھ جینے کا عزم ہے اور قرآن مجید نے یہ کہانی اس قدر دل پذیر لہجے میں سنائی ہے کہ قاریٔ قرآن آسانی کے ساتھ بدر کے میدان تک جا پہنچتا ہے اور تاریخ حقیقت کا قاری اور تالی عزم و ہمت کے ساتھ اسلامی دعوت کے عروج کے لیے منصوبہ بندی کرنے لگ جاتا ہے۔ ''قرآن مجید'' یہاں پہنچ کر محض حروف کا مجموعہ نہیں رہتا بلکہ وہ کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کی تقدیر بدلنے کا سامان بن جاتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ تحریک و دعوت کی اس بارات میں دولہا ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہتے ہیں۔

آیت کا تاریخی پس منظر

آیت کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال بعد تقریباً ہزار سال قبل مسیح عمالقہ کا فلسطین کے اکثر حصوں پر تسلط ہو گیا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کا مقدس تابوت بھی اسرائیل سے چھن کر ان کے دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا۔ چنانچہ ضروری ہو گیا کہ بنی اسرائیل اپنے بزرگوں کی میراث کے حصول کے لیے باوقار، بامقصد اور نتیجہ خیز تحریک شروع کریں۔ اگر اس مقصد عظیم کے لیے انہیں جنگ بھی لڑنا پڑے تو وہ آتشِ جہاد میں کود جائیں اور کسی چیز کی پرواہ نہ کریں۔

قوم جمع ہوئی اور اپنے قائد سیرت کی دہلیز پر حاضری دی اور اپنے آقا نبی کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے لیے کوئی مختار سالار مقرر کریں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کر سکیں۔

قتادہ کہتے ہیں کہ نبی یوشع بن نون تھے۔

سدی کہتے ہیں کہ وہ شمعون تھے۔

اکثر کا قول ہے کہ اشموئیل یا سموئیل تھے (447)۔

وہب اور قلبی وغیرہ مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ حزقیل نبی کا جب وصال ہو گیا تو بنی اسرائیل میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور بت پرستی تک ان لوگوں میں آ گئی اس پر اللہ نے ان میں الیاس نبی کو مبعوث فرمایا۔ اس کے بعد الیسع آئے۔ ان کا بھی انتقال ہو گیا تو عمالقہ نے مصر اور فلسطین پر قبضہ کر لیا

اور یوں یہ سرزمین جالوت کے قبضے میں آ گئی (448)۔

جالوت کے مظالم

جالوت کے زیر نگیں بنی اسرائیل کو ذہناً، عملاً اور فکراً بکھیر دیا گیا۔ ان کی مذہبی غیرت کو عیاشیوں کی نذر کر دیا گیا۔ وہ خود بھی بگڑنے میں کم نہ تھے اوپر سے عمالقہ کے ظالمانہ طرز حکومت نے مذہبی تقدس کو بالکل پائمال کر دیا کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی تیس ہزار خواتین کو لونڈیاں بنا دیا گیا۔ ان کے نوجوانوں کو بے دریغ قتل کر دیا گیا۔ چالیس ہزار لڑکوں کو پا بجولاں قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ تورات کا کوئی نسخہ ملتا تو اُسے نذرِ آتش کر دیا جاتا۔ ان حالات کے نتیجے میں فطری امر ہے کہ بنی اسرائیل میں آزادی کی روح کسمسانے لگی۔ وہ اپنی ذلتوں کو عزتوں میں تبدیل کرنے کے لیے محسوس کرنے لگ گئے کہ اُن کا نجات دہندہ نبی کی دہلیز ہی سے میسر آ سکتا ہے۔ فلہٰذا وہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق سموئیل نبی کے دروازے پر حاضر ہوئے اور قیادت کے لیے خواستگاری کی کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر فرما دیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کر کے آزادی سے ہمکنار ہو سکیں۔ فلسطین اور مصر دوبارہ ہمیں مل جائیں تاکہ اس میں دین اور مذہب کی بالادستی کے ساتھ ہم زندگی گزار سکیں۔

نبی کی دعائیں رنگ لائیں

سموئیل نبی اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا استغاثہ سن لیا اور ان کی باطنی اور ظاہری قوتوں میں مضبوطی لانے کے لیے پوچھا ایسا نہ ہو کہ تم پر جب قتال فرض کر دیا جائے تو پھر اپنے سردار کے ماتحت تم لڑ نہ پاؤ۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں کیا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں، اخفش نے کہا کہ ''ان'' آیت میں زائدہ ہے یعنی ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم نہ لڑیں اور کسائی نے یہ معنیٰ کیا ہے کہ ہمیں کیا چیز روکتی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں (449)۔

آیت میں واوٴ حالیہ ہے معنیٰ ہو گا حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور بچوں سے ہم جدا ہو گئے ہیں۔

پھر جب جہاد فرض ہو گیا

علامہ قرطبی نے ''فَلَمَّا كُتِبَ'' کی تشریح لکھی کہ قتال جب ان پر فرض کر دیا گیا تو ''تَوَلَّوۡا'' یعنی جنگ لڑنے کے بارے میں ان کی فکر میں تبدیلی آ گئی اور بزدلی ان پر طاری ہو گئی نیتیں ان کی بگڑ گئیں اور ان کے عزائم ڈھیلے پڑ گئے مگر تھوڑے سے ہی تھے جو پُرعزم رہے (450)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (451):

''تم دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی التجا کرو ہاں لیکن جب تمہارا اُن کے مقابلے میں آمنا سامنا ہو جائے تو پھر تم ثابت قدم رہو''۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى
يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً
مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ
وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

(247) اور فرمایا اُن کے لیے اُن کے نبی نے بے شک اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو سالار مقرر کیا ہے وہ بولے اُس کی سیادت ہم پر کیسے فائز ہو سکتی ہے حالانکہ اُس کی نسبت حکومت کے اہل ہم زیادہ ہیں اور اُسے تو مال میں وسعت بھی نہیں دی گئی، آپ نے فرمایا یقین رکھو اللہ نے اسے تم پر فضیلت کے ساتھ منتخب کر دیا ہے اور اسے فراواں علم اور خوب جسمانی طاقت سے نوازا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہی ہے وسعت نواز بھی اور خوب جاننے والا بھی

(248) اور پھر اُن سے اُن کے نبی نے ارشاد فرمایا کہ اُس کے حاکم مقرر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ آ جائے گا تمہارے پاس وہ خاص تابوت جس میں تمہارے ربّ کی طرف سے راحتِ دل بھی ہے اور یادگار تبرّکات بھی جو موسیٰ اور ہارون کے گھرانے چھوڑ گئے تھے، اُس تابوت کو فرشتے اُٹھائے ہوں گے بے شک اس میں بھی تمہارے لیے ایک عظیم الشان نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو

مفردات

وَ: اور
قَالَ: فرمایا
لَهُمْ: ان کے لیے
نَبِيُّهُمْ: ان کے نبی نے
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
قَدْ بَعَثَ: مقرر فرمادیا
لَكُمْ: تمہارے لیے
طَالُوْتَ: طالوت
مَلِكًا: سردار، مال دار بادشاہ، مرجع شخصیت
قَالُوْٓا: بولے
اَنّٰى: کیوں کر
يَكُوْنُ: ہوگا
لَهُ: اس کے لیے
الْمُلْكُ: اقتدار
عَلَيْنَا: ہم پر
وَنَحْنُ: اور ہم
اَحَقُّ: زیادہ حق دار
بِالْمُلْكِ: اقتدار کے لیے
مِنْهُ: اس سے
وَلَمْ يُؤْتَ: اور وہ نہیں دیے گئے
سَعَةً: کشادگی، کشائش یا وسعت
مِّنَ: سے
الْمَالِ: مال
قَالَ: فرمایا
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
اصْطَفٰهُ: اُس نے چن لیا اُسے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ
الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ
مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

''اور فرمایا اُن کے لیے اُن کے نبی نے بے شک اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو سالار مقرر کیا ہے وہ بولے اُس کی سیادت ہم پر کیسے فائز ہوسکتی ہے حالانکہ اُس کی نسبت حکومت کے اہل ہم زیادہ ہیں اور اُسے تو مال میں وسعت بھی نہیں دی گئی، آپ نے فرمایا یقین رکھو اللہ نے اسے تم پر فضیلت کے ساتھ منتخب کر دیا ہے اور اسے فراواں علم اور خوب جسمانی طاقت سے نوازا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہی ہے وسعت نواز بھی اور خوب جاننے والا بھی''۔

طالوت کون تھے؟

قرآن مجید کی اس آیت کی وقوعی تعبیر جاننے سے پہلے ہم قدرے تفصیل سے عرض کرنا چاہیں گے کہ طالوت کون تھے؟

''طَالُوْتَ'' کا لغوی معنیٰ خوبصورت اور لمبا ہونا ہوتا ہے۔ لفظ خود بتاتا ہے کہ آپ خوبصورت، تنومند اور قوی اعصاب کے مالک انسان تھے۔ روحانی اعتبار سے آپ زیرک اور صاحب تدبیر تھے، مالی لحاظ سے اتنے خوشحال نہیں تھے، اپنے والد کے ساتھ دریا کے کنارے رہتے تھے، زراعت اور بکریاں وغیرہ چرا کر گزر اوقات کر لیتے تھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں

شموئیل نبی نے اللہ کے حکم کے مطابق ایک عصا اور ایک سینگ لیا اور قدس کی طرف نکل گئے۔ آپ کو بتایا گیا تھا کہ سینگ میں تیل لے لیں جہاں تیل میں خود بخود جوش آجائے، بنی اسرائیل میں ان کی خواہش پر ملک وہیں ظاہر ہو جائے گا۔ آپ ان کے سر پر تیل مل کر ان کے سالار اور ملک ہونے کا اعلان کر دیں۔

شموئیل جب قدس کے پاس ایک گاؤں میں پہنچے اور ایک مکان میں ٹھہرے۔ اللہ کا کرنا کہ طالوت جو اصل میں دباغ یا سقّہ تھے اپنے گم شدہ گدھوں کی تلاش میں آنکلے۔ جونہی آپ شموئیل کے

مفردات

عَلَیۡکُمۡ: تم پر
وَزَادَهٗ: اور اُسے زیادہ کردیا
بَسۡطَةً: وسعت اور صلاحیت میں
فِی الۡعِلۡمِ: علم میں
وَالۡجِسۡمِ: اور جسم
وَاللّٰهُ: اور اللہ
یُؤۡتِیۡ: دیتا ہے
مُلۡکَهٗ: اپنا ملک
مَنۡ: جس کو
یَّشَآءُ: چاہتا ہے وہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
وَاسِعٌ: وسعت والا ہے، فضل نواز ہے
عَلِیۡمٌ: سب کچھ جاننے والا

گھر داخل ہوئے تیل میں جوش آ گیا۔ شموئیل نے اپنے عصا سے ان کا قد ماپا تو وہ عصا کے برابر نکلا، یوں شموئیل نے طالوت کو پہچان کر انہیں بنی اسرائیل کا ملک کر دیا (452)۔

بنی اسرائیل کی سرشت جاگ گئی

قرآن مجید کی یہ آیت بتلاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں نسلی تفاخر کی آگ بھڑک گئی اور ان میں پرانی نخوتیں بیدار ہو گئیں۔ ان کا اصل چہرہ بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا۔ ان کا اندازِ فکر اللہ کے نبی سے مکالمے پر اتر آیا اور وہ طالوت کے قائد ہونے سے انکاری ہو گئے اور اپنی فضیلتیں اگلنے لگ گئے۔ وہ تاریخ کے اس مدوجزر میں الجھ گئے کہ حسب ونسب اور ثروت اور دولت ایک فرمانروا کے لیے ضروری چیزیں ہیں، وہ کہنے لگے کہ طالوت تو ایک چرواہا ہے، سقّہ ہے، دبّاغ ہے۔ ان کے خیال میں ان کا سالار لاوی کی اولاد میں سے ہونا چاہیے۔ طالوت نہ یوسف کے بیٹے نہ یہودا کی اولاد، وہ بنیامین کے گمنام خاندان سے تھے، انہیں کیونکر ملک مانا جا سکتا تھا اور اُوپر سے یہ کہ ”وَلَمۡ یُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ“ انہیں کوئی مالی تفوق بھی حاصل نہیں انہیں ہم ملک کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔

اللہ کے نبی کا قطعی اعلان

اللہ کے نبی نے بنی اسرائیل کے طرزِ استدلال سے متاثر ہوئے بغیر قطعی اعلان کر دیا ”کہ اللہ نے اُسے چن لیا ہے“ کوئی دلیل اس بات اور حقیقت سے آگے نہیں نکل سکتی کہ طالوت اللہ کا انتخاب اور اصطفا ہے۔ مغز ماری کی کوئی ضرورت نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں تسلیم کر لیا جائے۔ نبی کی زبان حجت بالغہ اور دلیل قطعی ہوتی ہے۔ وحی کے معاملے میں کیڑے نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی، تسلیم ووفا ہی صراطِ مستقیم کا روشن نشان ہوتا ہے۔

گلِ فہم کی ٹہنی ہلا دی

قرآن مجید نے طالوت کی قیادت کا واضح اور واشگاف اعلان تاریخ کی زبان میں نقل کیا اور ساتھ ہی گلِ فہم کی ثمردار شاخ کو ہلا دیا اور طالبِ حکمت کو کہا کہ جھولی پھیلا دو اور گلستانِ وحی سے گل چینی کرتے ہوئے سیکھ لو کہ قیادت کی شرائط کیا ہوتی ہیں۔

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اللہ نے کہا: بنی اسرائیل! تم پر طالوت کو حکمرانی کے لیے اس لیے چنا ہے کہ وہ دانائی، عقلمندی، معاملہ فہمی اور علم سے مالا مال ہے اور وہ جسمانی طاقت اور وسعت کے لحاظ سے بھی پُرکشش ہے۔

قرآن مجید نے بڑا زور دے کر بنی اسرائیل کے طرزِ فکر کو رد کر دیا اور کہا دولت وولت کوئی چیز نہیں

اور نسبی تفاخر کی مالا جپتے رہنا صلاحیت ساز نہیں ہوسکتا۔

ایک اچھا رہبر

ایک اچھا رہبر ایک خوبصورت رہنما اور ایک پر عزم سالا رو ہی ہوتا ہے جس کا یقین اور عقیدہ نبی کی اطاعت میں مضبوط ہوتا ہے۔ وہ سر مو اللہ کے نبی سے رشتہ منقطع نہیں کرتا۔ وہ خداداد علم و دانش سے معاشرے کے لیے سعادت اور ترقی کی راہیں تلاش کر لیتا ہے اور وہ روحانی اسلحہ سے ہر وقت مسلّح رہتا ہے۔ اُس کی جسمانی کشش لوگوں کی روحوں کے لیے مقناطیس کا کام کرتی ہے۔ وہ روحانی اور مادی طاقتوں کے امتزاج سے فلاح کا راستہ متعین کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

ایک قابل وضاحت امر

مادی طاقت کا حصول اور دولت و ثروت کی موجودگی ریاستی زندگی میں عیب نہیں ہوتا۔ دراصل سمجھنے والی بات یہ ہوتی ہے کہ دولت اور مادیت کی بنیاد پر روحانی اقدار کا مذاق اُڑانا قابل مذمت ہوا کرتا ہے۔ آیت میں جس چیز کو تعبیر کا جلی عنوان بنا دیا گیا وہ اللہ اور وقت کے نبی کے اصطفا اور انتخاب کا انکار کرنا ہے۔ اپنی فرضی اور مصنوعی فضیلتوں کے چراغ روشن کر کے قیادت کی اہلیت ثابت گردانے کو بُرا جانا گیا ہے۔ سمجھایا یہ گیا ہے کہ وحی تمہیں پُل پر گامزن کرے یا بال پر دوڑنے کا حکم دے دے، قطعیت وحی کی رہنمائی ہی کو حاصل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ علم اور جسمانی وجاہت اور تجربوں کی پر کشائی بھی حاصل ہو، سمجھنے والی حقیقت تو یہی ہے۔

''بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ'' کا وسیع معنیٰ

''بَسْطَةً'' کا اساسی معنیٰ وسعت کا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے صرف علم کی معرکہ آرائیاں اور مناظروں مجادلوں کو قیادت کا میرٹ نہیں قرار دیا ہے بلکہ ''العلم و القدرت'' کے سائے میں انسانی وجود کی وسعت کو اہمیت بخشی ہے۔ تنگ نظر مولوی کبھی قوموں کا امام نہیں بن سکتا، وسیع النظر قائد ہی امامت انسانیت کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔ آیت میں یہ جملہ قابل غور ہے کہ ''اللہ جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے''، ممکن ہے اس میں قیادت کی تیسری شرط بیان کی گئی ہو۔ وہ اسباب اور ذرائع جو مقدس مقاصد کے لیے سازگار ہوں وہ محض اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں وہی ان کی عطا سے جسے چاہتا ہے مضبوط کرتا ہے۔

آیت کا آخری جملہ محکم عقیدہ ہے جو معاشرے کی سازگاری کے لیے ازحد ضروری ہے ''اور اللہ واسع اور علیم ہے''، یعنی وہ ایک وسیع تر اور لامتناہی ہستی ہے۔ اس کی عطا، فضل، بخشش اور عنایت بھی اس

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

کے وجود کی طرح لامتناہی ہیں اور وہ علیم بھی ہے یعنی جانتا ہے کہ روحانی اور مادی منصب کس کو دیے جانے چاہییں۔

آیت کا معنوی شامہ

آیت کی تعبیر وتشریح اور تفسیر وتوضیح کرتے ہوئے سمجھ آتی ہے کہ آیت کے سر پر معنوی دستار یہ جملہ ہے ''اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ'' تھوڑے سے ہی ثابت قدم عاشق تھے جو اپنے عہد پر قائم رہے۔ان لوگوں کی ثابت قدمی قرآن حکیم نے ہر زمانے کے انسانوں کے لیے تجرباتی نصاب بنا دیا اور مسلم جماعت کو حکم دیا کہ ان کے تاریخی اقدام اور اولوالعزمی سے وہ فائدہ اٹھاتی رہے۔اس آیت کے ''قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ'' کو اگر آئینہ بنا دیا جائے تو بدر کی طرف بڑھنے والی مسلم جماعت کے کردار، تاریخیت اور اہمیت وفضیلت کو سمجھنا دشوار نہیں رہتا۔

مغالطہ نہیں رہنا چاہیے

آیت میں لفظ ملک استعمال ہوا ہے یہ کسی ملوکیت کی دلیل نہیں۔قرآن مجید نے یہ لغوی اصل کے ساتھ استعمال کیا ہے۔نبی کی موجودگی میں اختیارات کا مرجع کسی اور بادشاہ کو نہیں بنایا جاسکتا۔اسلام نے جس چمن کی آبیاری کی ہے وہ نظام خلافت ہی ہے جو حضرت حسن المجتبیٰ پر اصولوں کی فرماں روائی کے لحاظ سے ختم ہوگیا۔خلفائے راشدین کی مدت عمر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس سال قرار دی جو حضرت حسن کے ساتھ ہی منقضی ہو جاتی ہے۔خلافت راشدہ کا نہ ماننا ملوکیت کی بنیاد بن سکتا ہے، نظامِ خلافت کو مضبوط نہیں کرسکتا۔مسلمان جب بھی نظام مصطفیٰ کو منضبط کرنے کی کوشش کریں گے قرآن وسنت اور خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوت ان کے نظام کے روشن اصول ہوں گے اور انصاف کی بنیاد پر شورائیت اور میرٹ کی فضیلت اسلامی نظام ریاست میں اہمیت کی حامل ہوگی۔اسلام میں ملوکیت تو ناسور ہے۔ملک لفظ کے استعمال پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے چمن علم سے خوشہ چینی کی جاسکتی ہے۔ایک بار ایک شخص آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: میری کچھ مدد فرما دیں۔حالات بہت خراب ہیں اور میں فقیر ومسکین ہوگیا ہوں۔آپ نے اُس سے پوچھا تمہارے پاس سکنیٰ یعنی مکان ہے؟ اُس نے عرض کی ''ہے''۔آپ نے سوال کیا تمہاری بیوی موجود ہے؟ اُس نے کہا ''وہ بھی ہے''۔پھر آپ نے اُس سے پوچھا! تم کوئی خادم رکھتے ہو؟ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے تم فقیر نہیں ''انت ملک من الملوک، تُو تو بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے''۔

قرآن مجید نے بھی لفظ ملک سالار کے معنوں میں استعمال کیا ہے یہی بات قابل توجہ ہے۔ہاں اتنا

ضرور ہے خلفائے راشدین کے بعد اسلامی بادشاہوں نے ایمان کے ستونوں کی حفاظت کی اور ریاستوں کے نظام کو یادگار بنا دیا۔ بنواُمیہ اور بنوعباس کے دور میں اداروں کے استحکام اور اسلامی قلمرو کی حفاظت کے لیے قابل رشک خدمات سرانجام دی گئیں۔ ہمیں فرقہ واریت اور تفرقہ کے بت توڑ کر اسلامی نظام کی تلاش کرنی چاہیے۔ ایسا نظام جہاں ایمان کے ستون سلامت رہیں۔ وہ کیا ہیں حضرت علی المرتضیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایمان کے چار ستون ہیں:

- صبر ہے
- عدل ہے
- جہاد ہے
- اور یقین ہے

واللہ اعلم

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

''اور پھر اُن سے اُن کے نبی نے ارشاد فرمایا کہ اُس کے حاکم مقرر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ آجائے گا تمہارے پاس وہ خاص تابوت جس میں تمہارے ربّ کی طرف سے راحتِ دل بھی ہے اور یادگار تبرکات بھی جو موسیٰ اور ہارون کے گھرانے چھوڑ گئے تھے، اُس تابوت کو فرشتے اُٹھائے ہوں گے بے شک اس میں بھی تمہارے لیے ایک عظیم الشان نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو''۔

آیت کی روحانی تنویر

دوسرے پارے کی اس آیت پر مفسرین کے اقوال کی روشنی میں تعبیر وتفسیر کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ اپنے دماغ سے پوچھ لیں کہ وہ روحانی اقدار کو تسلیم کرتا ہے یا ان سے انکار کرتا ہے۔ بڑا مشکل ہوگا آپ کے لیے کہ اس آیۂ کریمہ کے بغیر آپ قرآن کو مکمل سمجھیں۔ اگر یقین دل اور روح میں سما جائے تو آپ فہمِ آیت کی ترتیب خود روح میں قائم کر لیں۔

یہ کلام اللہ کا ہے

مفردات

وَقَالَ: اور کہا
لَهُمْ: ان سے
نَبِيُّهُمْ: اُن کے نبی نے
اِنَّ: بے شک
اٰيَةَ: آیت، نشانی
مُلْكِهٖٓ: ان کی سلطنت کی
اَنْ: یہ کہ
يَّاْتِيَكُمُ: آئے گا تمہارے پاس
التَّابُوْتُ: صندوق
اس لفظ کا مادہ ''ت و ب'' ہوتا ہے لغوی معنی رجوع کرنا ہوتا ہے، صندوق کی طرف انسان چونکہ بار بار رجوع کرتا ہے اس لیے ''التَّابُوْتُ'' کہہ دیتے ہیں
فِيْهِ: اس میں
سَكِيْنَةٌ: یہ سکون سے ہے، بہت زیادہ اطمینان
مِّنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے ربّ کی طرف سے
وَبَقِيَّةٌ: اور کچھ بچی ہوئی چیزیں
مِّمَّا: ان میں سے
تَرَكَ: چھوڑا
اٰلُ مُوْسٰى: موسیٰ کی اولاد
وَاٰلُ هٰرُوْنَ: اور ہارون کی اولاد
تَحْمِلُهُ: اور اٹھا لائیں گے
الْمَلٰٓئِكَةُ: فرشتے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ: بے شک اس میں
لَاٰيَةً لَّكُمْ: تمہارے لیے نشانی ہے
اِنْ كُنْتُمْ: اگر ہو تم
مُّؤْمِنِيْنَ: ایمان رکھنے والے

یہ فرمان اللہ کے نبی کا ہے

سلطنت مادیت ہے لیکن آیت اور نشانی روحانی ہے، تابوت کیا ہے؟ یہ ایک روحانی راز ہے جو تبرکات کی حقیقت تسلیم کروالیتا ہے۔

سمجھنا پڑے گا ''سَكِيْنَةٌ'' کیا ہے۔ سورہ فتح کے مطابق یہ آسمان سے اُترنے والی کوئی چیز ہے۔ تسکین بھی ہوتو یہ روحانیت سے تعلق رکھنے والی ''ھدیت'' ہے۔

ربّ کی جانب سے ہونا آتش عشق کو بھڑکانے والا اسلوب ہے جو رحمانیت پر دلالت کرتا ہے۔

''بَقِيَّةٌ'' کیا چیز ہے ''متروکات'' یہ کیا تبرکات کے معنوں میں ''بریکٹ'' کو کھول نہیں دیتا۔ موسیٰ اور ہارون کی اولاد معتبر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا کوئی مقام نہیں۔ فرشتوں کا اُٹھانا، جن چیزوں کو فرشتے اٹھائیں زیب نہیں دیتا کہ انہیں نظر سے گرایا جائے۔

آخری تعریض کتنی خوبصورت ہے ان چیزوں میں بہت کچھ ہے تم بتلاؤ تم مومن بھی ہو یا مومن نہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

واللہ اعلم

تابوت یا صندوق عہد

قرطبی نے بحوالہ لکھا کہ ''صندوق عہد'' تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔

کلبی نے روایت کیا کہ یہ شمشاد کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ یہ وہ لکڑی ہے جس سے کنگھیاں بنائی جاتی ہیں۔ اس پر سنہرا کام کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے چلا۔ ان کے بعد یہ شیث علیہ السلام کے پاس آیا، جو انبیاء کو پشت در پشت ورثے میں ملتا رہا۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ کو اسی تابوت میں رکھ کر دریا برد کر دیا تھا۔ بعد ازاں یہ موسیٰ علیہ السلام کو ملا انہوں نے اپنے اسباب زندگی اس میں رکھ لیے اور توریت کی تختیاں بھی اسی میں رکھیں۔ بنی اسرائیل اس صندوق عہد کو لڑائی میں آگے آگے رکھتے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انہیں فتح عطا فرما دیتا۔

بغوی نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم ارشاد فرماتے تھے: تابوت کے ساتھ ایک تیز آواز چلتی جس کی آواز بنی اسرائیل کی طرف سے ہیبت کا حوالہ بن جاتا۔

ابن عساکر نے لکھا کہ اس کے اندر کوئی تصویر تھی جس کی باریک آواز گونجتی تھی۔ جب اُس تابوت سے چیخ اُٹھتی تو تابوت دشمن کی طرف دوڑ پڑتا۔ اسی کے ساتھ تابوت داروں کو اللہ کی مدد اور نصرت سے نواز دیا جاتا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس تابوت کے اندر الواح توریت کے شکستہ ٹکڑے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا

عصا، زِرہ، نعلین اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ تھا اور اس ''من'' کا قفیز تھا جو بنی اسرائیل پر آسمان سے برستا تھا۔ تابوت کے اندر کچھ بھی نہ ہو پھر بھی تابوت اللہ والوں کی نشانی تھی، اس پر ایمان قرآن کی دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یقین افزائی کے لیے کتنی واضح آیت قرآن میں اتار دی۔ یہ باتیں جن تفاسیر سے لی گئیں اُن کا حوالہ دیا جا رہا ہے (453)۔

طالوت کی حکومت تابوت کا ظہور

اللہ کے نبی نے روحانی نشانی کے ظہور کی علامات بتا دیں کہ وہ تابوت جو تم سے تمہارے دشمنوں نے چھین لیا تھا وہ واپس تمہیں مل جائے گا اور اس کے لیے تمہیں کوئی محنت نہیں اُٹھانا پڑے گی، فرشتے اسے اُٹھائے تمہارے سامنے لا چھوڑیں گے۔ تاریخ و روایت اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ تابوت جب بت پرستوں اور منکروں کے ہاتھ لگ گیا تو ان میں طرح طرح کی مصیبتیں آنے لگ گئیں۔ وہ دل برداشتہ ہو کر متفق ہو گئے کہ صندوق عہد کو دو بیل جوت کر ان پر لاد دیا جائے اور بیابان میں چھوڑ دیا جائے۔ اتفاق سے یہ واقعہ اُس وقت ہوا جب طالوت کی فرمانروائی کا اعلان ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے بیلوں کو ہانک کر شموئیل کے قدموں میں لا کھڑا کیا، اس روحانی نشانی نے بنی اسرائیل کو طالوت کی ماتحتی پر یقین دے دیا اور اس طرح طالوت کی جہادی سرگرمیوں میں مضبوطی، تیزی اور وثوقیت پیدا ہو گئی۔

نشانیاں ایمان والوں کے لیے ہیں

قرآن مجید کی یہ آیت بات کو یہاں ختم کرتی ہے کہ اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم مومنین ہو، لہجہ اور اسلوب میں ایمان اور یقین کی فضیلت ابھاری گئی ہے اور یہ بھی کہ ''مومنین'' جماعت کا تصور ابھارا گیا ہے۔ مقاصد عالیہ اور مطالب مقدسہ کا حصول ایک مضبوط جماعت ہی کے ہاتھوں سے ممکن ہو سکتا ہے اور ایسی جماعت کا قوام کوئی روحانی مرشد اور امام ہی تیار کر سکتا ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ
شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ
هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ
جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ
غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

(249) پھر جب طالوت نے اپنے لشکروں کے ساتھ کوچ کیا تو کہا بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے امتحان میں ڈالے گا پس یاد رکھو جس نے اُس نہر سے کچھ پیا تو وہ مجھ سے نہیں رہے گا اور جس نے اُس میں سے چکھا تک بھی نہ میرا ساتھی تو وہی ہے البتہ ہاتھ سے ایک آدھ چلّو لے لینے میں مضائقہ نہیں اس کے بعد سوائے چند ایک لوگوں کے سب نے خوب سیر ہو کر پیا پھر کیا ہوا سالارِ کارواں اور اُس کے ایمان والے ساتھی تو امتحان میں کامیاب ہو گئے، دوسرے بولے ’’آج تو ہم میں جالوت اور اُس کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں‘‘ اور وہ لوگ جو گمان کرتے تھے کہ انہیں اللہ سے شرفِ لِقا حاصل ہو گا پکار اُٹھے یاد رکھو کتنی ہی بار قلیل سی جماعتیں کثیر جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں اور اللہ کی معیت تو صبر کرنے والوں ہی کو حاصل ہوتی ہے

مفردات

فَلَمَّا: پس جب
فَصَلَ: نکل پڑے، جدا ہوئے
طَالُوۡتُ: طالوت
بِالۡجُنُوۡدِ: لشکروں سمیت
قَالَ: فرمایا
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
مُبۡتَلِيۡكُمۡ: تمہارا امتحان لینے والا ہے
بِنَهَرٍ: ایک نہر کے ذریعے
فَمَنۡ: تو جو، تو جس نے
شَرِبَ: پی لیا
مِنۡهُ: اس نہر سے
فَلَيۡسَ: تو نہیں
مِنِّىۡ: مجھ سے
وَمَنۡ لَّمۡ: اور جس نے نہ
يَطۡعَمۡهُ: اسے نہ چکھا
فَاِنَّهٗ: تو بے شک وہ
مِنِّىۡٓ: میرا ہے، مجھ سے ہے
اِلَّا: مگر
مَنِ: جو کوئی
اغۡتَرَفَ: بھرے
غُرۡفَةً: ایک چلو
بِيَدِهٖ: اپنے ہاتھ سے
فَشَرِبُوۡا: پس پی لیا سب نے
مِنۡهُ: اس سے
اِلَّا: مگر
قَلِيۡلًا: تھوڑے ہی تھے
مِّنۡهُمۡ: ان میں سے
فَلَمَّا: پس جب

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡٓ اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۙ قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا الۡيَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةً ۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۲۴۹﴾

’’پھر جب طالوت نے اپنے لشکروں کے ساتھ کوچ کیا تو کہا بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے امتحان میں ڈالے گا پس یاد رکھو جس نے اُس نہر سے کچھ پیا تو وہ مجھ سے نہیں رہے گا اور جس نے اُس میں سے چکھا تک بھی نہ میرا ساتھی تو وہی ہے البتہ ہاتھ سے ایک آدھ چلّو لے لینے میں مضائقہ نہیں اس کے بعد سوائے چند ایک لوگوں کے سب نے خوب سیر ہو کر پیا پھر کیا ہوا سالارِ کارواں اور اُس کے ایمان والے ساتھی تو امتحان میں کامیاب ہو گئے، دوسرے بولے ’’آج تو ہم میں جالوت اور اُس کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں‘‘ اور وہ لوگ جو گمان کرتے تھے کہ انہیں اللہ سے شرفِ لقا حاصل ہو گا پکار اُٹھے یاد رکھو کتنی ہی بار قلیل سی جماعتیں کثیر جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں اور اللہ کی معیت تو صبر کرنے والوں ہی کو حاصل ہوتی ہے‘‘۔

آیت کا وقوعی منظر

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ طالوت جالوت کا مقابلہ کرنے کے لیے اسی ہزار کا لشکر لے کر بیت المقدس سے روانہ ہوئے (454)۔ جالوت ایک اکھڑ اور عسکری قوت کا حامل حکمران تھا۔ عمالقہ اس کی آڑ میں اپنی چیرہ دستیوں سے ننگ انسانیت بنے ہوئے تھے۔ اس کی عادت تھی کہ وہ اپنے لشکر میں آگے آگے رہتا۔ طالوت روحانی ماحول میں جالوت کے مقابلے کے لیے نکلے۔ مقابلہ ایک فاتح اور غالب قوم کی فوج سے تھا اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کی جفا کیشی، اطاعت اور زندہ ضمیری کا امتحان لے لیں اور انہیں معلوم ہو کہ ان کے لشکر میں کشتہ حرص کون ہے اور افق وفا کا تارا کون ہے؟ طالوت نے اپنی فوج کی قوت ارادی اور ثابت قدمی دیکھنے کے لیے امتحان لینا چاہا۔ مفسرین لکھتے ہیں راستے میں پہلے صحرا آتا تھا بعد ازاں فوج نے نہر شریعہ سے گزرنا تھا۔ صحرا سے پانی نہ ملا اور نہر سے گزرتے ہوئے طالوت نے حکم دے دیا کہ کوئی نہر کا پانی پی نہیں سکتا، ہاں ایک آدھ چلّو

مفردات

جَاوَزَهٗ: عبور کیا اُس نے اُس نہر کو
هُوَ: وہ
وَالَّذِيۡنَ: اور وہ لوگ
اٰمَنُوۡا: ایمان والے
مَعَهٗ: جو اس کے ساتھ تھے
قَالُوۡا: بولے
لَا طَاقَةَ: نہیں طاقت
لَنَا: ہمارے لیے
الۡيَوۡمَ: آج
بِجَالُوۡتَ: جالوت
وَجُنُوۡدِهٖ: اور اُس کے لشکروں (سے لڑنے کی)
قَالَ: کہا
الَّذِيۡنَ: اُنہوں نے
يَظُنُّوۡنَ: جو یقین رکھتے تھے، یہاں ''ظن'' یقین کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے
اَنَّهُمۡ: بے شک وہ
مُّلٰقُوا اللّٰهِ: وہ اللہ سے ملنے والے ہیں
كَمۡ: کتنے ہی
مِّنۡ: سے
فِئَةٍ: گروہ
قَلِيۡلَةٍ: تھوڑے
غَلَبَتۡ: غالب آگئی
فِئَةً: جماعت
كَثِيۡرَةً: بڑی، کثیر
بِاِذۡنِ: اجازت، حکم اور اذن
اللّٰهِ: اللہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
مَعَ: ساتھ
الصّٰبِرِيۡنَ: صبر کرنے والے

کی مدد سے شدت پیاس دور کی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید نے وفا کا امتحان کڑا کر کے بیان کیا کہ جو پی لے گا وہ میرا نہیں ہوگا اور جو نہیں چکھے گا وہ میرا ہوگا۔ کہتے ہیں وفا کے امتحان میں جو کامیاب ہوئے وہ صرف تین سو تیرہ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق لشکر کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار اور تین سو تیرہ تھی۔ طالوت نے تین سو تیرہ کو ساتھ رکھا اور باقی سب کو واپس کر دیا (455)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو ودیعت ہو گئیں

''جہاد فی سبیل اللہ'' عزت، تکریم اور وقار کا راستہ ہے۔ مسلمانوں کی تربیت کی جا رہی ہے کہ وہ اس راہ سے کبھی محروم نہ ہوں۔ پچھلی قوموں کو بھی جب شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑتا تھا ان کے مذہبی رہنما سرخروئی اور فلاح کے لیے انہیں جہاد ہی تجویز کرتے تھے۔ ''سبیل اللہ'' کی پہچان از حد ضروری امر ہے۔ انبیاء نے ہمیشہ عزیمت اور استقامت کا درس دیا۔ یہ آواز مسلمانوں کے کانوں میں ہمیشہ پڑی رہنی چاہیے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہنے کی ذمہ داریاں اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو ودیعت ہو گئیں۔ ''ختم نبوت'' کا اعزاز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل گیا اور روحانی رہبری کی عزت اُمت مسلمہ کو میسر آ گئی۔

ایک فضیلت مآب امر

قرآن مجید کی اس آیت نے تابوت کی برکات کا ذکر کیا۔ اہل اللہ کے تبرکات کی عزت شرک نہیں، اکابر اور اسلاف کی مقدس روایت ہے۔ تابوت میں کیا تھا۔ عمامہ، نعلین، عصا، الواح مقدسہ کے ٹکڑے۔ اگر ان کی عزت و برکت نص قرآن سے ثابت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو رہبروں کے رہبر سے اقدار و اطوار کا درس لینا چاہیے۔ یہ سطریں جس وقت عاجز کے قلم سے صادر ہو رہی ہیں وہ مدینۃ الرسول میں گنبد خضریٰ کے سامنے دست بستہ حاضر ہے اور احساس میں بقیع کے منہدم قبرستان، اہل بیت اطہار کے شہید مزارات کو دیکھ کر صدمے کی کرچیاں چبھ رہی ہیں اور سوچ رہا ہوں، کیا قرآن پڑھنے والی قوم میں بھی اس قدر دہشت آ سکتی ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت سکھلاتی ہے کہ اہل اللہ کی نسبتیں عروج و فلاح کے وسائل ہوتے ہیں کہ کتاب اللہ کی آیت سے جو یہ نہیں سیکھ سکتا کتنا غبی انسان ہے۔

واللہ اعلم

آیت کا عمود ''قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ'' ہے

آیت قاری قرآن کے سامنے تھوڑے سے لوگوں کا کردار بیان کرتی ہے کہ یہی لوگ تھے کہ نہر کے پانی سے جب انہیں آزمایا گیا تو کامیاب ہو گئے۔ جہاد سے پہلے جہاد بالنفس کے ذریعے انہیں

آزمایا گیا۔ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ یہ میٹھی، دل پذیر اور ایمان افروز کہانی مدنی قافلے کو مضبوط عزائم کے ساتھ بدر میں اتارنے کے لیے سنائی گئی۔ آیت کا اختتام بات کو مزید کھول دیتا ہے جب یہ کہا جاتا ہے ایمان و توکل اور اعتماد و یقین سے لیس قلیل جماعت کثیر دشمنوں پر غالب آسکتی ہے۔

مرشدین کے لیے امتحان لینا ضروری ہے

قرآن مجید کی یہ آیت مرشدین، قائدین، مربین کو درس دیتی ہے کہ وہ مجاہدین مسترشدین اور متلازمین کا امتحان ضرور لیں۔ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ضرور حاصل کرلیں۔ ذاکرین اور غافلین کا فرق ضرور جان لیں، کون وفا کے دشت میں استقامت سے ڈٹ جانے والا ہے اور کون تکالیف کو دیکھ کے راہ فرار اختیار کرلینے والا۔ کسی اللہ والے کی معیت فیض بار اُسی وقت ہوسکتی ہے جب ساتھ چلنے والے اطاعت، وفا اور صبر و توکل اور یقین و اعتماد کے جذبوں سے سرشار ہوں۔

بڑبولے کسی کام کے نہیں ہوتے

قرآن مجید کی یہ آیت کسی قوم کے لیے ان افراد کو باعثِ نجات اور وسیلۂ فلاح قرار نہیں دیتی جنہیں مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنا نہ آتا ہو۔ بڑبولے، جذباتی، چھچھورے اور ملنا دمی قسم کے لوگ قوم اور ملت کا ناسور ہوتے ہیں۔ وہ سفینے تیرانے کی بجائے ڈبو دیتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ﴿۲۵۰﴾
فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

(250) اور جب ان عظیم لوگوں کا سامنا جالوت اور اس کی فوجوں سے ہوا وہ عرض کناں ہوئے پروردگار ہمارے! انڈیل ہم پر صبر اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش اور کفر کرنے والی قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما

(251) نتیجۃً اُنہوں نے شکست دے دی اُن کو اللہ کے حکم سے اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جو چاہا انہیں اُس کی تعلیم دی اور اگر اللہ کا نہ ہو دفع کرنا لوگوں میں بعض کو بعض سے تو زمین خراب ہو چکی ہوتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑے ہی فضل و کرم والا ہے

(252) یہ ہیں آیتیں اللہ کی انہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں اور بے شک ضرور آپ رسولوں سے ہیں

مفردات

وَلَمَّا بَرَزُوۡا لِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ
اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ؕ﴿۲۵۰﴾

''اور جب ان عظیم لوگوں کا سامنا جالوت اور اس کی فوجوں سے ہوا وہ عرض کناں ہوئے پروردگار ہمارے! انڈیل ہم پر صبر اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش اور کفر کرنے والی قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما''۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ طالوت جس وقت جالوت اور اس کے لشکریوں کے خلاف مبارز ہوئے اور ہاتھ دُعا کے لیے بلند کر لیے اور گڑگڑا کر دعا فرمائی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کو انڈیل دے۔ ''افراغ'' کا مطلب ہے کسی سیال مادے کو برتن سے ایسے گرانا کہ برتن خالی ہو جائے۔ دُعا کے الفاظ میں ''رَبَّنَآ'' کہنا پھر اس کے بعد صبر کو وافر مقدار میں مانگنا ایسے جیسے کوئی چیز انڈیل دی جاتی ہے۔ یہ آخری درجہ کی دُعا ہے کہ ہمیں پامردی، حوصلہ اور استقامت ایسے عطا کر جیسے کسی برتن کا سارا پانی کسی پر انڈیل دیا جاتا ہے۔ دُعا میں یہ مانگنا کہ ہمارے اقدام کو مضبوط کرتا کہ ہم جم کر حق کی بلندی کے لیے لڑ سکیں، ہم اتنے مضبوط ہوں کہ میدان سے فرار اختیار نہ کریں۔ دُعا کے پہلے حصے میں روحانی تقویت اور فیض کی طلب ہے اور دوسرے حصے میں ظاہری ثبات کی خواستگاری ہے۔ دُعا کی تیسری جہت یہ بیان ہوئی کہ ہمارے پروردگار! قومِ کافر کے مقابلے میں ہمیں نصرت سے نواز۔ یہ پہلی طلب اور دُعا کا نتیجہ ہے جس کی طلب مومنین کی زبانوں پر تڑپی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب بھی کافروں سے آمنا سامنا ہوتا آپ دعا فرماتے (456):

''اے اللہ میں تیری نصرت اور مدد کے ساتھ ہی حملہ کرتا ہوں اور پلٹ کر آتا ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن دعا مانگی یہاں تک کہ آپ کے مبارک کندھوں سے چادر گر گئی اور آپ اللہ سے اپنا وعدہ پورا کرنے کی التجا کرتے رہے (457)۔

کفر کے خلاف دعا کی کہ ہمارے پرودگار ہماری مدد فرما۔ دعائیہ الفاظ مؤقف کی وضاحت کرتے ہیں کہ دُعا مانگنے والوں کے دلوں میں کھٹک نہیں۔ ان کے ضمیر صاف ہیں ان میں شک وشبہ کا کوئی دھبہ نہیں، وہ جس راستے میں نکلے ہیں وہی حق راستہ ہے

- دعا مشکل گزرگاہوں سے نکلنے کا ذریعہ ہوتی ہے

وَلَمَّا: اور جب

بَرَزُوۡا: وہ آمنے سامنے آ گئے ''براز'' سے مراد زمین کے وسیع رقبے سے کھلا اور کشادہ میدان ہوتا ہے، ''بروز'' کا معنیٰ ظہور بھی ہوتا ہے اگر کوئی آمادۂ جنگ ہو کر میدان میں نکل آئے تو اس کے اس عمل کو ''براز'' کہتے ہیں

لِجَالُوۡتَ: جالوت کے مقابلے میں

وَجُنُوۡدِهٖ: اور اس کے لشکر

قَالُوۡا: بولے

رَبَّنَآ: پروردگار ہمارے

اَفۡرِغۡ: ڈال دے ہم پر

عَلَيۡنَا: ہم پر

صَبۡرًا: صبر

وَّثَبِّتۡ: اور مضبوط کر دے

اَقۡدَامَنَا: ہمارے قدموں کو

وَانۡصُرۡنَا: اور مدد کر ہماری

عَلَى: پر

الۡقَوۡمِ: قوم

الۡكٰفِرِيۡنَ: منکرین، کافر

مفردات

فَهَزَمُوْهُمْ: توانہوں نے شکست دے دی جالوتیوں کو
بِاِذْنِ: حکم
اللّٰهِ: اللہ کے
وَقَتَلَ: اور قتل کر دیا
دَاوٗدُ: داؤد نے
جَالُوْتَ: جالوت کو
وَاٰتٰىهُ: اور دی انہیں
اللّٰهُ: اللہ نے
الْمُلْكَ: سلطنت
وَالْحِكْمَةَ: اور حکمت
وَعَلَّمَهٗ: اور سکھادوں انہیں
مِمَّا يَشَآءُ: جس سے اس نے جو چاہا
وَلَوْلَا: اور اگر نہ ہوتا
دَفْعُ: دفع کرا دینا
اللّٰهِ: اللہ کا
النَّاسَ: لوگوں
بَعْضَهُمْ: ان کے بعض
بِبَعْضٍ: بعض سے
لَّفَسَدَتِ: تو خراب ہو جاتی
الْاَرْضُ: زمین
وَلٰكِنَّ: اور لیکن
اللّٰهَ: اللہ
ذُوْ: والا
فَضْلٍ: فضل
عَلَى: پر
الْعٰلَمِيْنَ: تمام جہانوں پر

- دُعا کافرانہ رویوں کے لیے پیغام موت ہوتی ہے
- دُعا باطل کے ٹوڈی لشکروں کی تباہی لانے والی برق تپاں ہوتی ہے
- دُعا مایوسیوں کی ظلمتوں سے نکال دینے والا شعلہ جوالہ ہوتی ہے
- دُعا دلوں کو اللہ سے مربوط کر دینے والا وسیلہ ہوتی ہے
- دُعا بیابانوں میں اذان حق کا جوش وخروش ہوتا ہے۔
- دُعا محلات میں لرزہ طاری کر دینے والی صدائے حق ہوتی ہے
- دُعا کسی کے لیے نار اور کسی کے لیے نور ہوتی ہے
- دُعا آدھی رات کا نغمہ دل برانہ بھی ہوتی ہے
- اور دُعا عاشق کی آنکھ کا آنسو ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے دُعا کے ساتھ ہی کسی میدان میں اترتے ہیں۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۛ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

''نتیجۃً اُنہوں نے شکست دے دی اُن کو اللہ کے حکم سے اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جو چاہا انہیں اُس کی تعلیم دی اور اگر اللہ کا نہ ہو دفع کرنا لوگوں میں بعض کو بعض سے تو زمین خراب ہو چکی ہوتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑے ہی فضل وکرم والا ہے''۔

''ھزم'' کا مفہوم

''الھزم'' کا معنیٰ ہے توڑ دینا، عرب ایسی مشک جو خشکی کی وجہ سے ٹوٹ جائے اُسے ''سقاء متھزم'' کہتے ہیں۔ زمزم کے چشمے کو ''ھزمة جبرائیل'' بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ''جبرائیل کا گڑھا''۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا نوری قدم مارا اور وہاں چشمہ جاری ہوگیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبرائیل کی قوت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں میں آ گئی تھی۔ تاج العروس نے لکھا کہ خشک لکڑی کو ''الھزم'' کہہ دیتے ہیں (458)۔

آیت میں لفظ کا تفسیری انطباق یہ ہے کہ طالوت کی سربراہی میں مجاہدین فی سبیل اللہ نے جالوتیوں کو شکست دے دی۔ ''بِاِذْنِ اللّٰهِ'' سے مراد اللہ کی مدد ہے جو اُس وقت ظاہر ہوئی۔

داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کر دینا

قرآن مجید یہاں سے منظر کو تبدیل کر دیتا ہے۔ حالات کے سمندر میں چند پتھر ایسی لہریں اُٹھاتے ہیں جو نئے انقلاب کے ساحل سے جا ٹکراتی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ کا نسب نامہ یہ بنتا ہے (459):

داؤد بن ایشا بن حصرون بن قانص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

آپ اپنے والد اور تیرہ بھائیوں کے ساتھ طالوت یا ساؤل کے لشکر میں شامل ہوتے ہیں۔ آپ کو درخت کے پتوں میں سے آواز آئی ''اے داؤد! تمہارے پاس یہ پتھر ہیں انہیں اٹھا لو یہ تمہارے کام آئیں گے'' چنانچہ آپ انہیں اٹھا کر تھیلے میں ڈال لیتے ہیں۔ طالوت کی رہنمائی سموئیل نے کی اور بتا دیا کہ جالوت کو داؤد ہی قتل کریں گے، اس لیے طالوت نے انہیں ایک گھوڑا، ایک زرہ اور ایک تلوار دینا چاہی لیکن داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اگر اللہ کی مدد نہ ہوئی تو مجھے یہ کچھ کام نہ آنے والے اسباب ہیں۔

آپ اپنی جھولی میں پتھر اُٹھائے آگے بڑھے، آپ کا قد چھوٹا تھا، دائمی مریض تھے، رنگ زرد تھا، جب کہ جالوت لمبے قد کا قوی ہیکل انسان تھا۔ اسرائیلیات میں طرح طرح کے مبالغے اس کے بارے میں نقل کیے گئے۔ جوں ہی داؤد علیہ السلام کی نظر اُس پر پڑی آپ نے پتھر ''فلاخن'' میں چڑھا لیے، جالوت نے کہا تم کتّے کا شکار کرنے تھوڑے ہی آئے ہو۔ آپ نے فرمایا تو اس سے بھی بدتر ہے پھر آپ نے پتھر سے وار کیا لیکن پتھر پھینکنے سے پہلے آپ نے پڑھا (460):

باسم الہ ابراھیم و اسحق و یعقوب

''ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے معبود کے نام گرامی سے میں سنگ زنی کی ابتدا کرتا ہوں''۔

پتھر جالوت کے سر پر ایسے بجے کہ بھیجے کو چیرتے ہوئے گدی سے باہر نکل گئے۔ انعام میں طالوت نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، یوں اقتدار و سلطنت طالوت کے بعد خاندان داؤد کو تفویض کر دیا گیا۔

داؤد علیہ السلام کی روحانی فضیلتوں کا اعلان

قرآن مجید کہانی کے تمام اجزا کو منقطع کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی روحانی عظمتوں، فضیلتوں اور برکتوں کا اعلان کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سلطنت اور حکمت سے نواز دیا۔ آپ بیک وقت نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زِرہ اور دوسرا سامان جنگ تیار کرنے کی مہارت عطا فرما دی۔ آپ کو خلیفۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھا کرتے تھے اور ایک دن افطار کیا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

کرتے تھے۔آپ نے دشمن کو پیٹھ نہیں دی۔بکریاں چرا کر گزارا کرنے والے آہنی شخص کو اللہ تعالیٰ نے عروج روحانی اور مادی کا مقدمہ بنا دیا۔اگر کوئی شیر آپ کی بکریوں پر حملہ کرتا تو آپ اُس کے جبڑے پھاڑ دیتے۔آپ نہایت خوش الحان تھے۔زبور کی تلاوت کرتے تو پرندے بھی موج میں تڑپ اُٹھتے۔لوہا آپ کے ہاتھ میں موم تھا۔عبادت کا عالم یہ تھا کہ ان کے زمانے میں انہیں ''اعبد البشر'' کہا جاتا یعنی سب سے زیادہ عبادت کرنے والے۔

حضرت داؤد کا قرآن حکیم میں سولہ مرتبہ ذکر آیا ہے۔اللہ نے انہیں مختلف النوع علوم سے نوازا۔آپ پرندوں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔قرآن مجید نے کہا''اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا(461)۔

زمین سے فساد کا دور کرنا

قرآن مجید کی زیر تعبیر و تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے طالوت کی فتح، جالوت کی شکست اور داؤد علیہ السلام کے ظہور کا ذکر کیا اب ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کے مختلف فتنوں اور فسادات کو دُور فرماتا رہتا ہے۔واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی سنت جاریہ کا بیان فرما دیا ہے کہ وہ مصلحین کے ذریعے مفسدین کو ختم فرماتا ہے۔اس کی صورتیں کیا ہو سکتی ہیں۔مفسرین نے ان کا ذکر کیا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

پہلی صورت

اللہ تعالیٰ ظالم اور جابر حکمرانوں کے فسادات کو مصلحین، مجاہدین اور داعین حق کی کوششوں سے ختم فرماتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعونیت، ہامانیت اور قارونیت کا خاتمہ فرمایا یا طالوت نے جیسے جالوت کو ٹھکانے لگایا۔

دوسری صورت

انبیاء علیہم السلام کی دعوت وارشاد، سعی، کوشش اور اعجاز و معجزات کے ذریعے کفر و باطل کا فساد اللہ تعالیٰ ختم فرماتا ہے۔ہر دور میں یہ دعوت چلتی رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

تیسری صورت

اہل بیت اطہار کی کاوش خصوصاً اس تناظر میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے قرآن اور اپنی عترت کو باہم جوڑ گئے۔حسینی قافلے کے لوگ ہمیشہ یزیدیت کے تابوتوں میں کیلیں ٹھونکتے رہتے ہیں۔

❁ **چوتھی صورت**

اللہ تعالیٰ خلفائے اسلام اور نیک حکمرانوں کے ذریعے دفاعِ امن کی نعمت عطا فرماتا رہتا ہے۔

❁ **پانچویں صورت**

اللہ تعالیٰ علماء اور صالحین کے ذریعے لوگوں کو معاصی اور گناہوں کی ظلمت سے نکال کر اُجالے نصیب فرماتا رہتا ہے۔

❁ **چھٹی صورت**

جہاد فی سبیل مستقل ذریعہ ہے۔ اس کے سبب مجاہدین فی سبیل اللہ زمین کو فساد سے پاک کرتے رہتے ہیں۔

❁ **ساتویں صورت**

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی نیکیوں کی برکت سے فساد کو ختم فرما دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب سے بے نمازیوں اور حج کرنے والوں کے حج کے طفیل حج نہ کرنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں کے سبب زکوٰۃ نہ دینے والوں کا عذاب دُور فرما دیتا ہے۔

❁ **آٹھویں صورت**

''رجال غیبیہ'' یہ وہ قدسی لوگ ہیں جو زمین کو پاک کرنے کا کام کرتے رہتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ فرماتے ہیں: شام میں چالیس ابدال ہیں جب بھی ان میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ دوسرے کو اُن کا بدل بنا دیتا ہے۔ اللہ ان کی وجہ سے زمین پر بارشیں برساتا ہے اور مددیں نازل فرماتا ہے۔ ایک حدیث میں چالیس ابدال کا پوری دنیا میں ہونا ذکر کیا گیا ہے۔

درمنثور میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت میں تیس ابدال ہیں، انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے اور انہی کی وجہ سے تم پر بارش برسائی جاتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

❁ **نویں صورت**

حق کے پرچم داروں کی عملی، روحانی اور تحریکی نیت اور عزم مسلمانوں میں اتحاد و الفت کا سبب بنتی ہے۔ اسی سے مسلم جماعت کی تقویت ہوتی ہے اور یوں وہ لوگ حق کا احیاء

کرتے ہیں۔

دسویں صورت

اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد پیدا فرماتا ہے جن کی مساعیٔ جمیلہ کی وجہ سے اجڑا چمن اللہ تعالیٰ ہرا فرما دیتا ہے۔

گیارہویں صورت

دعا مومن کا اسلحہ ہے، عبادت کی جان ہے اور انقلاب کی روح ہے قوموں کو اس چشمۂ رحمت سے ہمہ دم فیض یاب ہوتے رہنا چاہیے۔

بارہویں صورت

اللہ والوں کی معیت منزل رسا ہوتی ہے۔ بیعت کا نظام فساد کو ختم کرتا ہے۔

تیرہویں صورت

لوگ قرآن سے وابستہ ہو جائیں اس کے ذریعے ہر فساد ختم کیا جا سکتا ہے۔

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۵۲﴾

''یہ ہیں آیتیں اللہ کی انہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں اور بے شک ضرور آپ رسولوں سے ہیں''۔

تِلۡكَ اٰيٰتُ: یہ آیتیں
اللّٰهِ: اللہ
نَتۡلُوۡهَا: ہم تلاوت کرتے ہیں
عَلَيۡكَ: آپ پر
بِالۡحَقِّ: حق کے ساتھ
وَاِنَّكَ: اور بے شک تو
لَمِنَ: میں سے
الۡمُرۡسَلِيۡنَ: رسولوں

دوسرے پارے کا اختتام ایک جمالیاتی اظہار سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: ''یہ اللہ کی آیتیں ہیں''۔ کہیں قرآنی حروف کا چمن ہے، کہیں صالحین کی دعاؤں کی دھنک ہے، کہیں سکینہ اور تابوت کے اسرار سربستہ ہیں، کہیں تلواروں کے جلوے ہیں، کہیں دعوت وارشاد کے رنگ ہیں، کہیں وحی والہام کے عالی مقام پربت ہیں، کہیں فیض کے چشمے رحمت بار ہیں، کہیں مجاہدین کے قدموں کے جوش وخروش ہیں، کہیں عذاب وتہدید کی بجلیاں چمک رہی ہیں، کہیں افکار عالیہ کے اشہب تیز رفتار رواں دواں ہیں، کہیں علوم ومعارف کے شموس تیز روشنیوں کا منبع بنے ہوئے ہیں، کہیں کرداروں اور تقویٰ کے ستارے جھلملا رہے ہیں، کہیں اشارے ہیں، کہیں مجاز ہیں، کہیں تلمیحات ہیں، کہیں عروض کو توڑا جا رہا ہے، کہیں ترکیبوں سے لشکروں کی تجمیع ہو رہی ہے، کہیں موسیٰ ہیں، کہیں طالوت ہیں، داؤد ہیں، یعقوب ہیں، اسحاق ہیں۔ کہیں تاریخ دوڑتی ہے، کہیں رینگتی ہے اور کہیں بھاگ پڑتی ہے اور کہیں بارانِ رحمت بن کر برستی ہے۔ کہیں زمین آسمان کی طرف لپکتی ہیں اور کہیں آسمان زمین سے گلے مل لیتا ہے۔ قرآن کریم کا دوسرا پارہ سب کچھ سمیٹ کر رحمۃ للعلمین کے دل میں اتار دیتا ہے پھر

آپ کے لبوں سے خود خدا بولتا ہے۔

یہ عالی مقام آیات ہیں جو دوررس مقاصد کی حامل ہیں ۔اللہ فرماتا ہے'' **نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ** '' ''محبوب ہم خود تمہیں سنا رہے ہیں''۔کس قدر عظیم بات ہے خود ربّ ذوالجلال ان آیات کی تلاوت فرما رہا ہے۔وہ خود فرما رہا ہے ہم حق کے ساتھ محبوب یہ آیات تجھے سنا رہے ہیں۔آخری لفظ کتنے مزے کے ہیں،محبوب بے شک تو مرسلین میں سے،تو رسولوں میں سے ہے۔تاریخ انسانی کے تمام تجربات کو ایک گھونٹ بنا کر تجھے پلا دیا گیا ہے اور تمام رسولوں کی میراث میرے محبوب تیرے حوالے کر دی گئی ہے۔

اللہ تیرا شکر ہے

عاجز مسکین کو تو نے اس وقت روضۂ منورہ کے سامنے گداگر بنا کر بٹھا دیا ہے۔

میرے دل کی دھڑکنوں سے درود جاری ہے

میری سانسیں بے تاب ہو چکی ہیں

میری آنکھوں سے آنسو رواں دواں ہیں

میرا قلم لڑکھڑا گیا ہے

اللہ نے مجھے دوسرے پارے کی تفسیر محبوب ﷺ کے قدموں میں ختم کرنے کی توفیق دی ہے

لفظوں میں قبولیت اللہ عطا فرما دے

تو کریم سے کرم کی اُمید کی جا سکتی ہے

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

تین رمضان المبارک بروز بدھ

8۔جون 2016ء سید ریاض حسین شاہ

❁❁❁❁❁

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

(253) یہ سارے رسول ہیں فضیلت دی ہے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر، ان میں وہ بھی ہیں کہ اللہ نے اُن سے کلام فرمایا اور کوئی وہ بھی ہیں کہ انہیں درجوں کے درجے بلندی بخشی اور عطا کیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں اور روح قدس سے ان کی ہم نے مدد کی اور اگر اللہ چاہتا تو آپس میں نہ لڑتے وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے اس کے بعد کہ آئیں ان کے پاس کھلی اور روشن نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا ان میں سے کوئی تو ایمان لے آیا اور کوئی کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے۔

مفردات

تِلْكَ الرُّسُلُ: یہ سب رسول
فَضَّلْنَا: فضیلت دی ہم نے
بَعْضَهُمْ: ان کے بعض کو
عَلٰى: پر
بَعْضٍ: بعض
مِنْهُمْ: ان میں کوئی تو
مَّنْ: وہ ہے جو
كَلَّمَ: کلام کیا اُس نے
اللّٰهُ: اللہ نے
وَرَفَعَ: اور بلند کیے
بَعْضَهُمْ: بعضوں کے
دَرَجٰتٍ: درجے
وَاٰتَيْنَا: اور دیے ہم نے
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ: مریم کے بیٹے عیسیٰ کو
الْبَيِّنٰتِ: معجزے
وَاَيَّدْنٰهُ: اور طاقت بخشی اُسے
بِرُوْحِ الْقُدُسِ: روح قدس یعنی جبرائیل سے
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ: اور اگر اللہ چاہتا
مَا اقْتَتَلَ: نہ لڑتے وہ
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ: ان کے بعد سے
مِّنْۢ بَعْدِ مَا: بعد اس کے کہ
جَآءَتْهُمُ: آئیں اُن کے پاس
الْبَيِّنٰتُ: نشانیاں
وَلٰكِنِ: اور لیکن
اخْتَلَفُوْا: اختلاف کیا اُنہوں نے
فَمِنْهُمْ: تو ان میں سے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ
دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ
اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

”یہ سارے رسول ہیں فضیلت دی ہے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر، ان میں وہ بھی ہیں کہ اللہ نے اُن سے کلام فرمایا اور کوئی وہ بھی ہیں کہ انہیں درجوں کے درجے بلندی بخشی اور عطا کیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں اور روح قدس سے ان کی ہم نے مدد کی اور اگر اللہ چاہتا تو آپس میں نہ لڑتے وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے اس کے بعد کہ آئیں ان کے پاس کھلی اور روشن نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا ان میں سے کوئی تو ایمان لے آیا اور کوئی کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے“۔

آیت میں مفاہیم عامہ

تاویل وتعبیر میں مفاہیم کی ترتیب یہ ہوگی:

الف : یہ رسولوں کی جماعت ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ وہ سب کے سب ایک دعوت اور ایک مقصد کے لیے مبعوث ہوئے۔

با : ان رسولوں میں سے اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، جیسے سب کی نبوتوں اور رسالتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح سب کی فضیلتوں کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔

جیم : آیت اس مفہوم ومطلب پر بھی زور دیتی ہے کہ جیسے نبوت اور رسالت پر یقین لازم اور ضروری ہے ایسے ہی فضیلت اور کمال کو بھی تسلیم کرنا ضروری ہے۔

دال : بعض سے اللہ نے کلام فرمایا۔

ہا : بعض کے درجات میں اللہ نے رفعت عطا فرمادی۔

واؤ : عیسیٰ بن مریم کو اللہ نے معجزات عطا فرمائے۔ اس میں دو اشارے تھے: ایک یہ کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں تھے وہ مریم کے بیٹے تھے اور دوسرا یہ کہ وہ کوئی عام آدمی بھی نہیں تھے۔ اللہ نے انہیں معجزات عطا کر رکھے تھے، وہ اللہ کے سچے نبی تھے۔

مفردات

مَّنۡ: کوئی تو وہ ہے جو
اٰمَنَ: ایمان لایا
وَمِنۡهُمۡ: اوران میں سے
مَّنۡ: وہ بھی ہیں
كَفَرَ: جس نے کفر کیا
وَلَوۡشَآءَ اللّٰهُ: اور اگر اللہ نے چاہا ہوتا
مَا اقۡتَتَلُوۡا: تو وہ باہم نہ لڑتے
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ: اور لیکن اللہ
يَفۡعَلُ: کرتا ہے
مَا يُرِيۡدُ: جو وہ چاہتا ہے

الزا : اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو روح القدس کی طاقت سے نواز رکھا تھا۔

خا : اگر اللہ چاہتا تو بعد میں کہ معجزات آ گئے لوگ آپس میں قتال نہ کرتے اشارہ یہ ہے کہ انسانوں کو امتحان اور آزمائش میں ڈال دیا گیا۔ اب مصلحین کو چاہیے کہ فساد اور قتال والے اگر نہیں تھکتے تو اصلاح وارشاد والوں کو تھکنا نہیں چاہیے۔

الطا : لوگ آپس میں اختلافات اور افتراقات میں پڑ گئے۔ بعضوں کو ایمان کی راہ مل گئی اور بعض کفر میں پٹخ دیے گئے۔

یا : اللہ تعالیٰ کی مشیت ایک راز ہے۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ کرتا ہے۔ امتحان میں ڈالنا یہ اللہ کی مشیت تھی کہ لوگ برائی کے راستوں سے بچیں اور اچھوں کی پہچان حاصل کر کے ان سے وابستہ ہوں۔

اسم اشارہ میں تین احتمالات

''تِلۡكَ'' مؤنث ہے مذکر اس لیے استعمال نہیں ہوا کہ یہاں مراد رسولوں کی جماعت ہے اور جماعت لفظاً مؤنث ہوتی ہے۔

- یہاں پہلا احتمال یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے جتنے رسولوں کا ذکر ہو چکا ہے ''تِلۡكَ'' سے ان کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ آدم، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ، شموئیل اور داؤد علیہم السلام ہیں۔
- دوسرا احتمال یہ ہے کہ آیت سے فوراً پہلے جن رسولوں اور نبیوں کا ذکر ہوا وہ مراد ہیں۔ داؤد علیہ السلام اور شموئیل علیہ السلام وغیرہ۔
- اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ اشارہ ان تمام انبیاء کی طرف ہے جو دفع فساد کے لیے مبعوث ہوئے۔ میرے نزدیک تمام ہی انبیاء فساد کو دور کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں فلہٰذا ''تِلۡكَ'' سے اشارہ تمام انبیاء ومرسلین کی طرف ہوگا۔

اجماع اُمت

اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء اور مرسلین میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

ایک اہم مسئلہ کی وضاحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لوگوں میں معروف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

''لا تفضلوا بين الانبیاء''

''انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو''۔

آپ ﷺ کا دوسرا ارشاد ہے:

''لا تخیرونی علی موسیٰ''

''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو''۔

قرآن مجید کی فضیلتوں کے باب میں نصوص کی موجودگی ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ ہم احادیث کا شانِ ورود تلاش کریں۔ اس اہم مقصد کے لیے ابن کثیر کا مطالعہ مفید ہوگا (462)۔

ابن کثیر کی شاندار روایت

ابن کثیر لکھتے ہیں (463) کہ ایک یہودی اور مسلمان کی آپس میں بحث ہوگئی۔ یہودی نے قسم کھائی کہ اللہ نے موسیٰ کو تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی ہے۔ مسلمان سے ضبط نہ ہوسکا۔ اُس نے یہودی کو زور سے ایک تھپڑ دے مارا اور کہا اے خبیث! کیا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے محمد ﷺ سے بھی افضل ہو جائیں۔ یہودی چونکہ ذمی تھا وہ دربارِ رسالت میں شکایت لے کر حاضر ہوگیا۔ اس پر آپ ﷺ نے اُس کی دل جوئی کے لیے یہ ارشاد فرمایا: موسیٰ پر مجھے فضیلت نہ دو، قیامت کے دن سب مدہوش اور بے ہوش ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ تھامے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آگئے یا سرے سے بے ہوش ہوئے ہی نہیں؟ اور طور کی بے ہوشی کے بدلے انہیں یہاں بے ہوش ہونے سے بچا لیا گیا۔

سوال کے پانچ جوابات

ابن کثیر نے اعتراض کے پانچ جوابات دیے ہیں:

- پہلا جواب

حضور ﷺ کو علوم و معارف تدریجاً عطا کیے گئے۔ آپ کو اپنی فضیلتِ کلی کا علم اس واقعہ کے بعد عطا ہوا، اسی لیے آپ ﷺ نے ذمی یہودی کی دل جوئی کے لیے یہ ارشاد فرمایا (464)۔ تفسیر صاوی نے علوم غیبیہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا (465) کہ بے شک نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو دنیا اور آخرت کے تمام غیبی علوم عطا فرما دیے البتہ بعض چیزوں کو چھپانے کا حکم آپ کو دے دیا گیا۔ صاوی کی یہ عبارت ''يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ'' کی تشریح میں پڑھی جاسکتی ہے۔

- دوسرا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں آپ نے فضیلت نہ دینے کا ذکر کیا ہے وہ عجز اور جذبۂ عبدیت کی بنا پر کہا ہے لیکن حقیقت کو بھی آپ نے خود واضح فرمایا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (466):

''میں تمام انسانوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا اس
پر کوئی فخر نہیں، اس دن تمام نبی آدم علیہ السلام اور ان کے سوا
میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میرے ہی ہاتھ
میں حمد کا جھنڈا ہوگا لیکن میں فخر نہیں کرتا''۔

اس حدیث شریف کی تشریح میں علامہ نووی نے لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے ''سیّد'' لفظ استعمال فرمایا اور ''سیّد'' اُسے کہتے ہیں جس کی طرف قوم مصائب اور مشکلات میں پناہ پکڑے اور سیّد وہ ہوتا ہے جو خود مشقتیں برداشت کرے اور استغاثہ کرنے والوں کی تکلیفیں دُور کرے۔

ولدِ آدم کا ذکر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولدِ آدم کا ذکر کیا۔ اس سے مراد تمام نسل انسانی پر فضیلت کا اظہار ہے۔ یوم القیامہ میں برتری اور فضیلت کا حوالہ اس بات کو اور پکا کرتا ہے کہ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلتیں قیامت والے دن ظاہر ہو جائیں گی (467)۔

''اذھبوا الی غیری'' اسی مفہوم کو مؤکد کرتی ہے۔

- ابن کثیر نے تیسرا جواب یہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فضیلت کے اظہار سے منع فرمایا جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہو۔
- چوتھا جواب یہ دیا گیا کہ فضیلت کی ایسی بحث منع ہے جو فساد اور جھگڑا کا سبب بنتی ہو۔
- اور پانچواں جواب یہ دیا گیا کہ نفس نبوت میں ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دینا ممنوع ہے۔ نفسِ نبوت میں تمام انبیاء برابر ہیں۔ کمالات اور محامد میں فضیلت اور درجے ہیں اور یہی بات قرآن مجید کی اس آیت سے سمجھ آتی ہے (468)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلتوں پر علامہ بغوی کا مقالہ

علامہ بغوی نے لکھا (469) کہ ''بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ'' اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء کو عطا کیے وہ سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے۔ دوسرا ایسے معجزات بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے جن میں کوئی نبی شریک نہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

- انگلی کے اشارے سے چاند کو دو لخت کر دینا۔
- ستون حنانہ کا آپ کے فراق میں رونا اور گریہ کرنا۔
- پتھروں اور درختوں کا آپ کو سلام کرنا۔
- آپ کی رسالت پر بے جان چیزوں کا بھی گواہی دینا۔
- انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا۔
- اس کے علاوہ وہ معجزات جن کا احاطہ کرنا ہی ناممکنات میں سے ہے۔ اس کی مثال قرآن مجید سے اور معراج کا اعجاز مکان اور زمان کی وسعتوں ہی سے ماورئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (470) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا جو دوسروں کی قدرت سے خارج تھا اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ اللہ کا کلام ہے جو میرے پاس وحی کے ذریعے بھیجا گیا۔ پس مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں:

- ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔
- زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک قرار دے دیا گیا پس میری اُمت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز پڑھ لے۔
- اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا جب کہ مجھ سے پہلے لوگوں پر مال غنیمت حلال نہیں تھا۔
- اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا۔
- اور ہر نبی کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا لیکن مجھے سب لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔
- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں چھٹی چیز کا بھی ذکر کیا گیا کہ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ بغوی نے یہ احادیث نقل کر کے انہیں متفق علیہ قرار دیا یعنی ان سب روایات کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا (471)۔

تفسیر مظہری کا ایک خاص نکتہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیت میں تصریح حضرت عیسیٰ بن مریم کی ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اس کی حکمت سے آپ پردہ کشائی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی حد سے زیادہ آپ کی توہین کرتے تھے اور عیسائی آپ کی محبت اور مقام میں غلو کرتے تھے، یہاں تک کہ انہیں خدا کا بیٹا تک کہہ دیتے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے مقام اور مرتبہ کی حقیقت بیان کر دی تا کہ غلو اور بدتمیزی دونوں بے اعتدالیوں سے بچا جاسکے (472)۔

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور روح القدس

قرآن مجید کی اس آیت نے عیسیٰ علیہ السلام کے جن معجزات کا حوالہ دیا وہ ناقابل علاج بیماریوں کو شفاء سے بدل دینا، مُردوں کو زندہ کرنا، اعلیٰ مذہبی اور غیبی معارف اور روح قدس کی تائید وتقویت پانا ہے۔

جمہور مفسرین نے روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام لیے ہیں اور شاہ ولی اللہ کی طرح بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا (473) کہ خطیرہ القدس کی طرف سے خاص نورانی شعاعیں ہیں جو کسی کی طرف متوجہ ہوں تو وہ تقویت کا باعث ہوتی ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دعا دی: ''یا اللہ انہیں قدس سے تقویت بخش''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان معنوں میں اس روح سے تقویت اپنے اپنے درجے پر تمام مؤمنین کو حاصل ہوتی ہے لیکن جبرائیل کا وحی کے حوالے سے تعلق صرف انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے اور نبوت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کر دیا گیا ہے۔

قابل توجہ نکتہ

قرآن مجید میں آخر آیت میں کہا گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو ان پیغمبروں کی اُمتیں ان کے بعد آپس میں جنگ وجدال نہ کرتیں۔ یہ جملہ اعلان کر رہا ہے کہ رسولوں کی عظمت وفضیلت ان متبعین کے درمیان اختلاف میں رکاوٹ کا سبب نہیں بنیں کیوں کہ اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ تکامل وارتقاء کے لیے ضروری ہے کہ انسان خیر وفلاح کا راستہ اپنے ارادے سے طے کرے۔ اگر اللہ چاہتا تو کوئی رکاوٹ نہ تھی کہ اللہ انسانوں کو حیوانات کی طرح بنا دیتا لیکن پھر فضیلتوں کا حصول کیا اہمیت رکھتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان پر جبر واکراہ نہ کیا۔

آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ اختلافات کا سرچشمہ لوگ خود ہی تھے۔ پیغمبر اور رسول تو ایک ہی مقصد کے خاکے میں صداقت کا رنگ بھرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ ان کا آپس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔ اپنی کائنات میں اُس نے کیا کرنا ہے کسے کون سی فضیلت بخشنی ہے اور کس کو کس برکت سے نوازنا ہے یہ فیصلے خدا کے ارادۂ حکمت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں (474)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا
بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٢٥٤
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۥ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا
بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ
مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا
يَـــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٢٥٥

(254) اے ایمان والو! خرچ کرو اس سے جو ہم نے تمہیں بخشا ہے اس سے پہلے کہ آئے تم پر ایک ایسا دن جس میں نہ خرید وفروخت ہو اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور دبیز اندھیروں میں تو درحقیقت کفر والے ہی ہیں

(255) اللہ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ آپ قائم اور دوسروں کو قائم کرنے والا نہ اُسے اُونگھ آئے اور نہ نیند، اُسی کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو اُس کے حضور شفاعت کر سکے اس سے مستثنٰی ہے وہ جس کو شفاعت کی وہ خود ہی اجازت بخشے، جانتا ہے جو کچھ ان سے پہلے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے، اُس کے علم میں سے وہ ذرہ بھر حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ خود ہی چاہے سارے آسمان اور زمین اُس کی کرسی میں سمائے ہیں اور ان کی حفاظت اُس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہ بلندی نواز بڑی عظمت والا ہے

مفردات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۵۴﴾

''اے ایمان والو! خرچ کرو اس سے جو ہم نے تمہیں بخشا ہے اس سے پہلے کہ آئے تم پر ایک ایسا دن جس میں نہ خرید وفروخت ہو اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور دبیز اندھیروں میں تو درحقیقت کفر والے ہی ہیں''۔

گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو عزیمت اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہیں بتلائی گئی تھیں اور یہ بات ان کی روحوں میں سمو دی گئی تھی کہ صدق ووفا اور عزم واخلاص کے حامل لوگ ہمیشہ قربانیوں کی راہ چلتے رہے ہیں۔ اب اس آیت میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں انہیں بتائی جارہی ہیں کہ اُنہوں نے دین کی سربلندی اور مقاصد حسنہ کی تکمیل کے لیے کس طرح کا رویہ اختیار کرنا ہے۔ جس فرد یا قوم کو پیسہ لگانا اور خرچ کرنا نہیں آتا وہ سمجھ لے کہ اسے عزت کے ساتھ جینا نہیں آتا۔ ایمان والوں کی تربیت کی جارہی ہے کہ وہ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے ساتھ جییں۔ عبادت ہو، معاملات ہوں یا جہاد ہو ان کی تکمیل مال کے خرچ کرنے پر ہی موقوف ہوتی ہے، اس لیے اللہ نے مسلمانوں کو مال خرچ کرنے کی تحریص دلائی ہے۔ ان میں شوق پیدا کیا ہے اور ان کے لیے حکیمانہ اسلوب اختیار فرمایا ہے۔

ایمان والا کہہ کر احساس دلایا گیا ہے کہ مومن چمڑی کا عاشق ہوتا ہے نہ دمڑی کا، اس لیے تمہیں مال خرچ کرنے میں بخل نہیں برتنا چاہیے۔ کھلے دل سے مال خرچ کرنا چاہیے، یہ جملے جیسے مسلسل بارش کا فیضان مکرر ہو کہ اُس مال سے جو ہم نے تمہیں روزی میں دیا اُس سے خرچ کرو، اشارہ اس طرف ہے کہ تم ایمان والوں کا تو یقین ہے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارا اپنا نہیں ہمارا ہے پھر ہمارے دیے سے کچھ خرچ نہ کرنا چہ معنیٰ دارد۔ راہ حق میں مال بکھیر دو، اس لیے کہ انفاق کا معنیٰ ہی بکھیر دینا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں فضول خرچی سخاوت نہیں ہوتی لیکن سخاوت جتنی بھی کھل کر ہو اس میں فضول خرچی نہیں ہوتی۔

آیت میں ''مِمَّا'' کو مفسرین نے تبعیض کے معنوں میں لیا ہے کہ سارا مال خرچ کرنے کی ضرورت نہیں، صرف اتنا ہی تقاضا ہے جس سے فریضہ پورا ہوجائے یعنی زکوٰۃ ادا ہوجائے۔ میرے نزدیک ''مِمَّا'' میں تبعیض بھی ہو تو ''رَزَقۡنٰكُمۡ'' سے جس وقت اس کو جوڑا جائے گا تو مفہوم یہی نکلے گا جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اُس سب کا تو ممکن ہے تمہیں علم ہی نہ ہو اس لیے تم سارا بھی خرچ کرو تو وہ اُس

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡۤا: ایمان لائے
اَنۡفِقُوۡا: خرچ کرو
مِمَّا: اُس سے
رَزَقۡنٰكُمۡ: ہم نے دیا تمہیں
مِّنۡ قَبۡلِ: اس سے پہلے
اَنۡ: کہ
يَّاۡتِىَ: آئے
يَوۡمٌ: دن
لَّا: نہ
بَيۡعٌ: خرید وفروخت
فِيۡهِ: اس میں
وَلَا: اور نہ
خُلَّةٌ: دوستی
وَّلَا: اور نہ
شَفَاعَةٌ: سفارش
وَالۡكٰفِرُوۡنَ: اور منکرین کافرین
هُمُ: وہی
الظّٰلِمُوۡنَ: ظلم کرنے والے

روحانی عطیہ کا بعض ہی ہو گا جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔ اگر یہ آیت جہاد کے مقدمات میں سے ہے تو پھر ''مِمَّا'' میں ''مِنۡ'' کو تبعیض کے معنوں میں لینے کی بجائے ''تشریف'' کے معنوں میں لینا اولیٰ ہو گا یعنی ''مِنۡ'' کو تشریفیہ لینا بہتر ہو گا۔ اس سے اشارہ اس طرف مقصود ہو گا جو ہم نے تمہیں روزی دے کر نوازا ہے، اس مقدس، معتبر اور مکرم رزق سے خرچ کرو تاکہ اچھے رزق کی برکتیں معاشرہ اور سوسائٹی میں فیض بار ہوں، دوسرا یہ ہے کہ مال کا خرچ کرنا بڑا عمدہ کام ہے اس نفیس فعل سے منہ موڑنا درست نہیں۔

آیت کا اگلا حصہ

اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں کوئی خرید و فروخت نہ ہو'' ۔آگے کہا: (کافروں کے لیے) نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش۔ یہ جملہ دراصل ان لوگوں کے لیے ہے جو آج کل اور پرسوں کرتے ہیں، انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں معلوم نہیں کب موت آجائے اس لیے خرچ کرلو تاکہ کفر، فساد اور ظلم کا دفعیہ ہوجائے، قیامت آگئی پھر تو کچھ نہ ہو سکے گا۔

''لَّا بَيۡعٌ'' کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ بیع بمعنیٰ فدیہ ہو جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ''اس دن تم سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا'' یا فرمایا: ''کسی نفس سے بدل قبول نہ کیا جائے گا'' یعنی تجارت ہی نہ ہوگی تو مال تم کہاں سے کما کر کوئی فدیہ دے سکو گے یا یہ معنیٰ ہے کہ مال کا خرچ کرنا قیامت میں بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ اگر آج تم مال خرچ نہ کرو گے تو قیامت والے دن مال کہاں سے لاؤ گے کہ بوجھ ہلکا کر سکو اس لیے کہ وہاں تو بیع ہی نہ ہوگی۔

وَلَا خُلَّةٌ

''خِلَه'' کا معنیٰ خالص محبت ہوتا ہے۔ دوسرا معنیٰ دوستوں کے درمیان راز کی بات سے کیا گیا ہے اور تیسرا معنیٰ دوستی کا کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا کہ طعام کا وہ حصہ جو دانتوں کے درمیان رہ جائے وہ بھی ''خِلَه'' ہوتا ہے۔ اسی طرح تلوار کی نیام کو منقش کرنا ''خِلَه'' ہوتا ہے۔ آیت میں یہ کہنا کہ کوئی دوستی نہ ہوگی اصل میں کافروں اور ظالموں کے انجام کی طرف اشارہ ہے، جب کہ مسلمانوں کو تو اللہ دوستی کا پھل نصیب فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اس دن دوست بعض بعض کے دشمن ہوں گے سوائے تقویٰ والوں کے''۔ کافر اس دن کہیں گے ''فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِيۡنَ وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ'' ۔آیت زیر تعبیر میں سمجھایا گیا ایمان والو! تم تو ایمان والے ہو تمہاری دوستی تو مسلّمہ ہے اور وہ دوستی بھی کیا جس میں مال خرچ نہ کیا

مفردات

اَللّٰهُ: اللہ
لَآ: نہیں
اِلٰهَ: معبود
اِلَّا: سوائے
هُوَ: اُس کے، وہ وغیرہ
اَلۡحَیُّ: زندہ
اَلۡقَیُّوۡمُ: اوروں کو قائم رکھنے والا
لَا تَاۡخُذُهٗ: نہیں پکڑتی اُسے
سِنَةٌ: اونگھ
وَّلَا: اور نہ
نَوۡمٌ: نیند
لَهٗ: اُسی کے لیے ہے
مَا: جو
فِی: اندر
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَمَافِی: اور جو ہے اندر
الۡاَرۡضِ: زمین کے
مَنۡ ذَا: کون ہے جو
الَّذِیۡ: وہ جو
یَشۡفَعُ: سفارش کرے
عِنۡدَهٗ: اُس کے ہاں
اِلَّا: مگر
بِاِذۡنِهٖ: اس کے اذن سے
یَعۡلَمُ: وہ جانتا ہے
مَابَیۡنَ: جو سامنے ہے
اَیۡدِیۡهِمۡ: ان کے ہاتھوں
وَمَا: اور جو

جائے اس لیے تم کافرلوگوں کی راہ نہ چلواور متقین کی راہ چلواور مال خرچ کرو (475)۔

شفاعت کی بحث اگلی آیت میں ملاحظہ ہو:

وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ

اس آیت کی تفسیر میں علامہ بیضاوی نے لکھا کہ (476) یہاں کافرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ زکوٰۃ نہ دینا اگرچہ کبیرہ گناہ ہے لیکن یہاں حکم کو سخت کر کے بیان کیا گیا ہے تاکہ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

ہمارے اساتذہ کے نزدیک یہ جملہ مسلمانوں اور مومنوں کی تربیت کے لیے ہے کہ کافرلوگ مسلسل اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ وہ انسانی فرائض کے تارکین ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے مظالم کی وجہ سے سعادتوں سے محروم ہوتے ہیں، اس لیے مسلمانو تم ان کے ظالمانہ کردار سے بچو اور سعادتوں سے محرومی کی راہ نہ چلو اور انفاق کو اپنی عادت بنالو اور اپنی مذہبی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ۚ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرۡسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا یَـُٔوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۲۵۵﴾

''اللہ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ آپ قائم اور دوسروں کو قائم کرنے والا، نہ اُسے اُونگھ آئے اور نہ نیند، اُسی کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو اُس کے حضور شفاعت کر سکے اس سے مستثنیٰ ہے وہ جس کو شفاعت کی وہ خود ہی اجازت بخشے، جانتا ہے جو کچھ ان سے پہلے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے، اُس کے علم میں سے وہ ذرہ بھر حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ خود ہی چاہے، سارے آسمان اور زمین اُس کی کرسی میں سمائے ہیں اور ان کی حفاظت اُس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہ بلندی نواز بڑی عظمت والا ہے''۔

قرآن مجید میں ''سورۃ البقرہ'' میں یہ ایک عظیم المرتبت آیت ہے۔ اس میں گہرے معانی ہیں جو روحانیت کے چشمۂ صافی سے رواں دواں ہوئے ہیں۔ آیت کے اندر اس کی تلاوت کرنے والا صفاتِ توحید اور عقیدۂ توحید کے لطیف مطالب سے روشناس ہو جاتا ہے۔ آیت کا وقوعی اثر اور تاثیر فرشی انسانوں کو لاہوتی عوالم کے ذائقوں سے بہرہ مند کر دیتی ہے۔ آیت بظاہر ٹھوس، اساسی اور اعتقادی مسائل سے بحث کرتی ہے لیکن بباطن انسانی ضمیر اور نفس دونوں کی تطہیر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

مفردات

خَلۡفَهُمۡ: ان کے پیچھے کی طرف ہے
وَلَا: اور نہیں
يُحِيۡطُوۡنَ: وہ گھیرا کر سکتے
بِشَىۡءٍ: تھوڑا سا بھی
مِّنۡ: سے
عِلۡمِهٖۤ: اُس کے علم
اِلَّا بِمَا: مگر جتنا
شَآءَ: وہ چاہے
وَسِعَ: وسیع ہوتی ہے
كُرۡسِيُّهُ: اس کی سلطنت
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالۡاَرۡضَ: اور زمین پر
وَلَا يَـئُوۡدُهٗ: اور تھکاتی نہیں
حِفۡظُهُمَا: ان دونوں طبقات کی حفاظت
وَهُوَ: اور وہ
الۡعَلِىُّ: بہت اعلیٰ
الۡعَظِيۡمُ: بہت بڑا

اس میں معارف روحانی کے نشانات بہت واضح دکھائی دیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر پر اعلان

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا(477):

''جس شخص نے ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی تلاوت کی تو اس کے لیے موت کے سوا کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔ یہ ایسی آیت ہے جس پر صدیق اور عابد ہی ہمیشگی برت سکتا ہے اور جس شخص نے اسے بستر پر جانے کے بعد پڑھا تو اللہ اس کے ہمسائیوں اور ان کے پڑوسیوں کے پڑوسیوں کو اور اس کے اردگرد کے گھروں کو محفوظ بنا دیتا ہے''۔

آیت الکرسی کی فضیلت اور دلچسپ واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک صاحب کا ایک جِنّ سے آمنا سامنا ہو گیا اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے کشتی کرنے لگ گئے۔صحابی رضی اللہ عنہ نے جِنّ کو چاروں شانے چت گرا دیا۔صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں تجھے کمزور بلند غبار کی طرح دیکھ رہا ہوں، تیرے دونوں ہاتھ کتے کے ہاتھوں کی طرح ہیں کیا تم اسی طرح ہوتے ہو؟ یا تم ہی صرف اس شکل میں ہو۔ جِنّ کہنے لگا نہیں قسم خدا کی میں مضبوط پسلیوں والا ہوں، تُو دوبارہ مجھ سے کشتی کر، اگر تُو غالب رہا تو میں تجھے ایسی چیز سکھاؤں گا جو تیرے لیے نفع بخش ہو گی۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اُسے پٹخ دیا۔ جِنّ کہنے لگا کیا تم آیت الکرسی پڑھتے ہو؟ اُنہوں نے کہا ہاں میں پڑھتا

ہوں۔ جنّ نے کہا جب بھی تم آیت الکرسی اپنے گھر میں
پڑھو گے شیطان گدھے کی مثل گوز مارتا ہوا گھر سے نکل
جائے گا پھر صبح تک وہ اس میں داخل نہ ہو سکے
گا''(478)۔

روایات میں آتا ہے کہ وہ صحابی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔

ابی ابن کعب کی روایت

حضرت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سے فرمایا:

''اے ابوالمنذر!

کیا تم جانتے ہو کہ قرآن حکیم کی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟

آپ فرماتے ہیں میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ استفسار فرمایا:

اے ابوالمنذر!

کیا تمہیں معلوم ہے کہ کتاب اللہ میں کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟

اس پر میں نے عرض کی:

''اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سننے کے بعد میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

اے ابوالمنذر!

تمہیں علم مبارک ہو۔

ترمذی نے اضافہ کیا کہ آپ نے فرمایا(479):

قسم ہے اُس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اس آیت کی ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں جس سے یہ ساق عرش کے پاس شہنشاہ مطلق کی پاکی بیان کرتی ہے۔

آیت الکرسی کی فضیلت اور دیلمی کی روایت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: اگر تمہیں معلوم ہو کہ آیۃ الکرسی میں کیا خیر و برکت ہے؟ تو تم اسے کسی حال میں نہ چھوڑو۔ تحقیقاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے عرش کے نیچے خزانے سے آیۃ الکرسی دی گئی مجھ سے پہلے ایسا کلام کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

آیۃ الکرسی کی فضیلت وبرکت

اور

الصحیح البخاری کی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اموال زکوٰۃ کی حفاظت کے لیے وکیل بنایا۔ اچانک ایسا ہوا کہ ایک آنے والا آیا اور اُس نے طعام کو سمیٹنا شروع کر دیا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ مجھے ہر حالت میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچانا ہے۔ اس نے میری منت سماجت کی کہ مجھے چھوڑ دو میں محتاج وفقیر ہوں۔ اہل وعیال کی کفالت میرے ذمہ ہے اور میں ضرورت مند بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

صبح میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا:

''اے ابو ہریرہ!

تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا''؟

میں نے عرض کی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس نے احتیاج کی شکایت کی تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اُس نے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے وہ پھر دوبارہ آئے گا''۔

مجھے یقین تھا حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ وہ ضرور لوٹ کر آئے گا۔

اگلی رات میں اُس کے انتظار میں تھا، وہ دوبارہ آ گیا اور مال سمیٹنا شروع کر دیا۔

میں نے اُسے پکڑ لیا۔

اُس نے پھر پہلی رات والی باتیں کیں اور مجھے رحم آ گیا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

صبح جب دوبارہ میری دربار کرم میں حاضری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکرر ارشاد فرمایا:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ!

تمہارے کل والے قیدی نے کیا کہا''؟

میں نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بہانوں کی وجہ سے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے:

''اُس نے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے وہ پھر لوٹ کر آئے گا''۔

تیسری رات وہ پھر آ گیا اور اُس نے طعام سمیٹنا شروع کر دیا۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچانے کا کہا۔ یہ آخری مرتبہ تھی تو ہمیشہ یقین دلاتا ہے کہ لوٹ کر نہیں آؤں گا لیکن پھر آ جاتا ہے۔ اُس نے کہا تم مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن کے ذریعے اللہ تمہیں نفع دے گا۔ میں نے کہا وہ کیا ہیں؟ اُس نے کہا جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو آیۃ الکرسی پڑھ لو، اللہ ساری رات تمہاری حفاظت فرمائے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آ سکے گا، تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

صبح جب میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

''تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کہا''؟

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اُس نے مجھے چند کلمات سکھا دیے کہ اللہ مجھے اُن کے ذریعے نفع دے گا تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ کلمات کیا ہیں؟''

اس پر میں نے آیۃ الکرسی پڑھ کر سنا دی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''خبردار! وہ تمہیں سچ بتا کر گیا ہے اگرچہ وہ بڑا جھوٹا ہے''۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ!

کیا تم جانتے ہو تین راتیں تمہارے ساتھ کون مخاطب رہا؟

میں نے عرض کی ''نہیں یا رسول اللہ!''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شیطان تھا''۔

عرائس البیان میں علامہ بقلی لکھتے ہیں (480):

آیۃ الکرسی کے پڑھنے سے مستفید ہونے والے شخص کے لیے چار خصلتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے:

تصدیق، تعظیم، حلاوت اور حرمت

- وہ شخص جس کے دل میں تصدیق نہ ہو وہ منافق ہوتا ہے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

- اور وہ شخص جس کے دل میں تعظیم نہ ہو وہ مبتدع ہوتا ہے
- اور حلاوت روحانی سے محروم شخص ریاکار رہتا ہے
- اور وہ جس میں حرمت کا خیال نہ ہو وہ فاسق ہوتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کلمات توحید سے مستنیر ہونے کے لیے تین انوار ضروری ہیں:

- نورِ ہدایت
- نورِ کفایت
- اور نورِ عنایت

جس وقت اللہ کسی کو نورِ ہدایت سے نوازے تو یہ اللہ کے خواص میں سے ہونے کی علامت ہے اور نور کفایت سے جس وقت وہ بہرہ مند کرے تو پھر وہ فواحش اور کبائر سے بچاتا ہے اور نور عنایت والا شخص خیالات فاسدہ سے محفوظ ہوتا ہے۔

آیت الکرسی میں صفات توحید کا مطالعہ

آیت الکرسی میں واجب الوجود ہستی کے لیے اسم پاک "اللہ" لایا گیا ہے۔ یہ عظیم و اعظم اسم اللہ کا ذاتی ہے۔ تمام صفات کمالیہ اللہ ہی کے لیے ثابت ہیں۔ عبادت کے لائق وہی ہے۔ آیت الکرسی صرف یہی نہیں سکھاتی کہ عبادت اللہ کی کی جائے، وہ یہ بھی سکھاتی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو پرستش اور عبادت کے لائق نہ سمجھا جائے۔ اسلام کی بنیاد یہی عقیدہ اور ایمان ہے کہ خلاق عالم واحد و یگانہ ہے۔

قرآن مجید کی یہ عظیم آیت اللہ کی معبودیت کا سبق سکھانے کے بعد برملا، صاف اور واضح اعلان کرتی ہے کہ اللہ ''اَلۡحَیُّ'' ہے۔ وہ ہمیشہ خود سے ہی زندہ ہے۔ ''اَلۡحَیُّ'' اسم صفت مشبّہ کی طرح دوام اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی طور پر زندہ، قائم اور دائم ہے نہ ہی اس کی ابتدا ہے اور نہ ہی اس کی انتہا ہے، جب کہ تمام مخلوق عدم سے وجود میں آئی ہے اور اللہ کی ذات کے سوا ہر مخلوق پر موت بھی طاری ہوتی ہے۔

سورۂ فرقان میں اسی اظہار کو مزید آشکار کیا گیا ہے(481):

وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ

''اور توکل رکھیے اس زندہ پر جس نے مرنا ہے ہی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت اس کا ''اَلۡقَیُّوۡمُ'' ہونا آیۃ الکرسی نے بیان کیا ہے۔ ''قیوم'' مبالغے کا صیغہ ہے اس کا مادہ ''قیام'' ہے۔ مفہوم صفت یہ ہوگا کہ وہ وجود جس کا قیام اپنی ذات کے ساتھ ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مجاہد مفسر نے اس صفت کو اس طرح سمجھا ہے کہ وہ ذات جو ہر ایک کے قائم کرنے اور رکھنے پر قدرت رکھنے والی ہے وہ خود سے قائم ہے لیکن دوسروں کو نوازنے کے لیے بھروسہ اور ٹیک اللہ ہی ہے۔ بے شک وہ مخلوقات کے امور کی تدبیر میں ہمیشہ کے لیے قائم ہے یعنی وہ زندگی بخشتا ہے، وہی رزق عطا فرماتا ہے اور وہی تدبیر امور کرتا ہے۔

ضحاک نے ''الْقَيُّوْمُ'' کا معنیٰ و مفہوم اس طرح لکھا ہے کہ وہی ہمیشہ سے قائم ہے، موجود ہے اور اس میں کوئی تغیرّ واقع نہیں ہوا ہے اور ہوگا بھی نہیں۔ اُس کی بارگاہ تو ایسی ہے کہ ''تھا، ہے'' اور ''گا'' لفظوں کا استعمال گراں محسوس ہو رہا ہے۔

رازی نے یہ بھی لکھا کہ بعض علماء نے لکھا کہ یہ سریانی لفظ ہے جس کا معنیٰ نہ سونے والا ہوتا ہے لیکن آیت الکرسی خود اسی معنیٰ کی تردید کرتی ہے اس لیے کہ اللہ کے لیے نہ سونے کی نسبت مصرّح آئی ہے۔ رازی کہتے ہیں اس معنیٰ کو قبول کیا جائے تو تکرار معنیٰ لازم آتا ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام جب مُردوں کو زندہ کرتے تو ''قم باذن اللہ'' کہنے سے پہلے ''یا حی یا قیوم'' پڑھتے اور آصف بن برخیا نے جب تخت بلقیس لانے کا ارادہ فرمایا تو پہلے ''یا حی یا قیوم'' پڑھا۔

''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ'' کی تشریح وتفسیر

اس جملہ کا تعلق جہاں صفات ربّ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہاں یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیض اور لطف دائمی ہے ایک لمحے کے لیے بھی اس میں انقطاع نہیں ہوتا۔ وہ اپنی مخلوق کی طرف ہر لمحہ توجہ رکھتا ہے۔ وہ بندوں کی طرح نہیں کہ کبھی سو جائے اور کبھی جاگ جائے۔ وہ ربّ ہے، وہ حی و قیوم ہے، وہ ہمہ دم محبت و رحمت اور عنایت و عطا سے نوازتا رہتا ہے۔ یہاں سے بڑے بڑے بادشاہوں کی کمزوری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نیند ایسی چیز انہیں پکڑ لیتی ہے، ان پر مسلّط ہو جاتی ہے، انہیں اپنے مضبوط پنجے میں جکڑ لیتی ہے۔ قوی ترین انسان بھی اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ جب بادشاہ اس کے سامنے اتنے بے بس ہیں تو بے نوا فقیروں کا عالم کیا ہوگا۔ ابدی فیض، دائمی لطف، مسلسل نوازش، لگاتار کرم اُسی ہستی کا ہو سکتا ہے جو نہ سوئے اور نہ اُسے اُونگھ آئے۔ سبحان اللہ! وہ اللہ ہی ہے جس کی حکومت مطلق ہے۔

آیت الکرسی کا یہ فقرہ انسان پر طاری و عارض کیفیات سے اللہ تعالیٰ کی حکومت مطلقہ پر اور تدبیر مطلقہ پر استدلال کرتا ہے۔ یہ تعبیر دراصل اس کے قیوم ہونے کا روشن نشان اور محکم دلیل ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

نیند کیا ہے اور اُونگھ کیا ہے، یہ کیسے انسان کو اپنے پنجے میں جکڑ لیتی ہے؟

جدید محققین کہتے ہیں کہ یہ ایک کیمیکل ہے جس کا نام میلاٹونن (Melatonin) ہے۔ یہ دماغ میں اپی تھیلامس (Epethalamus) میں ہوتا ہے۔ دماغ جب تھک جائے یا اندھیرا ہو جائے یا کسی خاص عنوان پر یکسوئی کا بوجھ بہت بڑھ جائے یا پھر راحت کے لیے آمادگی دماغ میں حرکت ارادہ پیدا کرے تو میلاٹونن دماغ میں اپنا اثر چھوڑتا ہے جس سے حواس طبعی عمل کے ذریعے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ نیند اسے ہی کہتے ہیں، جب کہ ''سِنَةٌ'' اونگھ ایک مخصوص سستی ہے جو نیند کی ابتدا میں عارض ہوتی ہے۔ جدید نظریہ بھی یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیند یا اُونگھ کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے کہ سر میں بوجھل پن کا پیدا ہونا ''''سِنَةٌ'' ہے اور آنکھوں میں بوجھل پن ''نعاس'' ہے اور یہ کیفیت دل پر چھا جائے تو یہ نیند ہے۔ اسی مناسبت سے شاید رازی نے لکھا کہ اُسے اونگھ نہیں آتی چہ جائیکہ اُسے نیند آ جائے۔

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں لکھا:

> ''نیند دماغی اعصاب کا ڈھیلا پڑ جانا ہے۔ یہ ہوتا یہ ہے کہ معدہ سے تر بخارات اُوپر سر کی جانب چڑھ جاتے ہیں جن کی وجہ سے حواس مکمل طور پر موقوف ہو جاتے ہیں یہی نیند ہوتی ہے، اُونگھ اسی حالت کی ابتدا کا نام ہے''۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے

> ''نیند کا سبب وہ ہوا ہے جو عرش کے نیچے سے چلتی ہے اس کے سونگھنے ہی سے نیند آتی ہے''۔

آلوسی نے اس روایت کی بھی سائنسی توجیہہ کی ہے:

> ''معدہ دل کے نیچے ہوتا ہے اور دل روح کا عرش ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ بخارات معدہ سے اُٹھ کر روح تک پہنچتے ہیں اور وہاں ان تر بخارات کے اثر سے دماغ میں نیند پیدا ہوتی ہے''۔

نیند کے اسباب کا مطالعہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا نیند، اُونگھ سے پاک ہونا بخوبی سمجھ آ جاتا ہے۔

واللہ اعلم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

آیت کی تفہیم اور ابن کثیر کی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل نے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا تمہارا ربّ سوتا ہے؟

آپ نے فرمایا:

''اللہ سے ڈرو''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی:

اے موسیٰ!

یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں

''کیا تمہارا ربّ سوتا ہے''؟

آپ اپنے دونوں ہاتھوں میں دو شیشے لیں اور پوری رات کھڑے رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی کیا یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ چلا گیا تو آپ کو اُونگھ آئی اور وہ شیشے جو ہاتھ میں پکڑے تھے گھٹنوں تک آ گئے۔ آپ قصداً قوت ارادی سے بیدار ہوئے اور انہیں سنبھالا، رات کے آخری حصہ میں پھر اُونگھ آئی اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئے تو اللہ نے کلام موسیٰ علیہ السلام کو ہدیہ کیا:

> ''اے موسیٰ اگر میں سو جاؤں تو آسمان اور زمین گر کر برباد ہو جائیں جیسے تمہارے ہاتھ سے شیشے گر کر شکستہ ہو گئے'' (482)۔

آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی

آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت اور مالکیت اللہ ہی کے لیے ہے۔ یہ جملہ ''اَلْقَيُّوْمُ'' کی تشریح اور تعبیر ہے کہ اللہ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد ان پر حکومت، گرفت، تصرف اور قدرت قائم رکھی ہوئی ہے۔ وہ ان سے بے توجہ نہیں ہے۔ مخلوقات کی سرگرمیاں محدود مدت کے لیے اسی کے جلووں کی نیرنگیاں ہیں۔ اگر یہ عقیدۂ قرآنی انسانی شعور میں پوری طرح راسخ ہو جائے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا نہیں وہ مالک حقیقی کا ہے تو انسان بہت سارے مظالم اور زیادتیوں سے باز آ جائے گا۔ یہ عقیدہ آیت الکرسی سے سمجھ آتا ہے کہ یقین اور اعتماد اللہ کی حکومت پر پختہ ہو تو ''یزید و ولید'' کی ستم رانیوں کا جواز کیا بچتا ہے۔

علامہ آلوسی نے صحیح لکھا:

''ان مبارک کلمات میں اللہ نے اپنے قیوم ہونے کی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ وہ ہی اوروں کو قائم کرنے والا ہے، وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ چاند، سورج، ستارے اور فرشتے، بت اور شیاطین سب ہی اس کی ملکیت میں ہیں اور سب ہی اُس کی مخلوق ہیں اس لیے کوئی بھی اس کے سوا اس لائق نہیں کہ اُس کی عبادت کی جائے''۔

کون ہے جو اس کے ہاں شفاعت کرے

آیت الکرسی کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ یہاں شفاعت کا لغوی معنیٰ اچھی طرح مستحضر کر لیا جائے۔

علامہ مصطفوی نے ''الکلمات'' کے اندر ''شفع'' کا معنیٰ کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑ دینا لکھا ہے۔

محیط نے لکھا کہ زوج بنا دینا یعنی جوڑا بنا دینا بھی ''شفع'' ہوتا ہے۔

راغب اصفہانی نے خامہ فرسائی کی کہ ایک چیز کو دوسری چیز میں ضم کر دینا ''تشفیع'' ہوتی ہے۔

علامہ زبیدی حنفی نے لکھا کہ شفاعت کا معنیٰ کسی کی مدد کرنا، اُس کی خبر گیری کرنا۔ کسی دوسرے کی چیز کو اپنی چیز میں ملا لینا ''شفعه'' ہوتا ہے۔

وہ آنکھ جو ایک کی بجائے دو دو دیکھنے لگ جائے اسے ''عین شافعه'' کہتے ہیں۔ ''ناقه شافع'' وہ اُونٹنی ہوتی ہے جو ایک بچہ جنم دے دے اور دوسرا ابھی اس کے شکم میں ہو۔

تاج نے لکھا کہ وہ گھاس جو ڈبل ڈبل ہو کر اُگے اُسے ''الشفائع'' کہتے ہیں۔

شفاعت کا معنیٰ سفارش بھی ہوتا ہے اس لیے کہ شفاعت میں ایک شخص مدد کے لیے دوسرے کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔

آیت میں شفاعت کی تعبیری روشنی

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ یہاں جملہ استفہام انکاری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کے حکم اور اذن کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت وسفارش نہیں کر سکتا۔ یہاں تک اللہ کی مطلق مالکیت، حکومت اور قدرت کو بیان کیا گیا اور آگے ''اِلَّا بِاِذۡنِهٖ'' میں اُس

کی شفقت اور کرم کا رنگ بیان ہوا کہ اگر کچھ لوگ نظر کریں کہ ان کی شفاعت باب مقصود سے قرب عطا کر رہی ہے تو سمجھ لو کہ وہ تاثیر میں استقلال نہیں رکھتے بلکہ ''اِلَّا بِاِذۡنِهٖ'' کے جلووں سے فیض یاب نظر آ رہے ہیں۔

مفسرین کی بابرکت توجیہات

اللہ تعالیٰ کے اذن اور انتخاب سے شفاعت ہوتی ہے اور وہ مقبول بھی ہوتی ہے۔ وہ ہستیاں جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہ انبیائے کرام، ائمہ اہل بیت، مجاہدین، شہید، قرآن پڑھنے اور یاد کرنے والے اور فرشتے اور متقی حضرات ہوں گے۔ اللہ خود اُن کی شفاعت پر راضی ہوگا۔

قرطبی کی ایک نفیس روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''بروز قیامت جنت والوں کی صفیں بنی ہوں گی۔ وہاں سے ایک جہنم کے مستحق کا گزر ہوگا۔ وہ ایک شخص کو دیکھ کر کہے گا: تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے ایک دن پینے کا مشروب مانگا تھا تو میں نے تمہیں پلا دیا تھا، وہ جنتی اس کے حق میں شفاعت کرے گا، پھر ایک مستحقِ جہنم کا گزر ایک دوسرے جنتی پر ہوگا، وہ دیکھ کر اُسے کہے گا: یاد ہے کہ تمہیں میں نے طہارت کے لیے پانی پیش کیا تھا اس طرح وہ جنتی اُس شخص کی شفاعت کرے گا۔ اسی طرح کئی جہنمی استحقاقاً اپنے مختلف کام اور خدمات اہل جنت کو یاد کرائیں گے تو وہ اُن کی شفاعت کریں گے جو مقبول ہوگی''۔

شفاعت کے تازہ معانی

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ شفاعت ایک فطری امر ہے جو انسانوں کے تکامل اور ارتقاء کے لیے از حد ضروری ہے۔ ایک قوی وجود کا ضعیف کے ساتھ ساتھ رہنا، اُسے توجہ سے نوازنا، راہ حق میں اُس کی مدد کرنا لازم ہوتا ہے۔ ماں اور باپ اپنی اولاد کی شفاعت نہ کریں تو بچوں کی تربیت اور نشوونما ممکن ہی نہیں۔ کسان اپنی شفاعت کو بیج کے ساتھ نہ جوڑے تو فصلیں کیسے لہلہائیں۔ شفاعت پارٹی بازی

بھی نہیں، شفاعت شرک بھی نہیں اور شفاعت بدعت بھی نہیں لیکن یہ اللہ کے اذن کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ سمجھایہ جائے کہ شفاعت کا نظام اور قانون کیا ہے؟ وہ سمجھ آ جائے تو تمام لاینحل نکتے حل ہو جاتے ہیں۔

شفاعت کا قانون سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت بھی پڑھ لی جائے (النسا:85):

مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا

''جو شخص نیکی بڑھانے والی سفارش اختیار کرے اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے''۔

''يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ'' کی تفسیر

اس جملہ کی تفسیر میں مفسرین کے پانچ اقوال ہیں:

- پہلا قول مجاہد، عطا اور سدی کا ہے۔ علامہ قرطبی نے اسے بیان کیا کہ مراد ان کے دنیا کے امور ہیں۔ وہ ان سے آگے ہیں یعنی پہلے واقع ہیں اور ''وَمَا خَلۡفَهُمۡ'' سے مراد اُن کے امورِ آخرت ہیں کہ وہ پیچھے آنے والے ہیں۔
- دوسرا قول ضحاک کا ہے، جسے علامہ فخر الدین رازی نے بیان کیا: وہ پہلے قول کا عکس مراد لیتے ہیں یعنی پہلی جگہ امورِ آخرت رکھ دیں اور دوسری جگہ امورِ دنیا رکھ دیں۔
- تیسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جسے عطا نے نقل کیا کہ ''مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ'' سے مراد آسمانوں سے زمین تک اور ''وَمَا خَلۡفَهُمۡ'' سے مراد آسمانوں میں پائی جانے والی مخلوق ہے۔
- چوتھا قول رازی ہی نے بیان کیا کہ ہاتھوں کے آگے سے مراد موت سے بعد کے امور ہیں اور ''وَمَا خَلۡفَهُمۡ'' سے مراد موت سے پہلے کے امور ہیں۔
- پانچواں قول یہ ہے کہ ''مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ'' سے مراد وہ اچھے یا بُرے اعمال ہیں جو وہ کر چکے ہیں اور ''وَمَا خَلۡفَهُمۡ'' سے مراد وہ اعمال ہیں جو بعد میں ان سے سرزد ہونے والے ہیں۔

آیت الکرسی کا تفہیمی مدعا اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں یقین اور اعتقادِ راسخ پیدا کرنا ہے کہ قاریٔ قرآن اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر وثوق قلبی اور وثوق روحانی کا حامل ہو جائے اور اللہ کے سوا ہر مخلوق کو ایسی قدرت اور علم سے تہی جانے۔ اس میں کیا شک ہے۔ وہ شخص جو اللہ کے علم کو ایسا محیط کل جانے وہ جرائم اور تفسیدی اعمال سے گلوخلاصی حاصل کر سکتا ہے؟ اس طرح یہ جملہ عقیدہ بھی ہے اور عقیدۂ راسخ کی دعوت بھی ہے اور ذہنی، قلبی اور روحانی تطہیر و تربیت کا عملی اقدام بھی ہے۔

علامہ روزبہان بقلی نے خوبصورت لکھا:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

''اللہ تعالیٰ ان کے سامنے جو خطرات ہوں گے انہیں بھی جانتا ہے اور ان کے بعد جو مشکلات ہوں گی ان سے بھی باخبر ہے۔ ان کے پہلے مقامات اور ان کے پچھلے حالات سب اُس کے علم میں ہیں، یہاں تک کہ ان کی پیدائش سے پہلے اس کے علم میں ہوتا ہے کہ ان کے ارادے کیا ہوں گے اور ان کے ارادوں سے مقرون افعال کے راز اور حکمتیں کیا ہوں گی اور مقام عبادت میں ان کے مقدر میں جلوے کیسے ہوں گے اور ان کی قسمت میں زلات کتنی ہوں گی''۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

تعبیرات میں کرسی کی بحث

قرآن مجید کا یہ جملہ کہ اس کی کرسی آسمانوں زمینوں کو وسیع ہے، تعبیر کا تقاضا کرتا ہے کہ غور و فکر کر کے معلوم کیا جائے کہ کرسی سے مراد کیا ہے؟ اس مقصد کے حصول کے لیے ہم پہلے کرسی کی لغت پر بحث کریں گے۔

کرسی کا لغوی معنیٰ

''الکرس'' جمع ہونا اور جمع کر دینا ہوتا ہے۔ زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ اصل اور بنیاد کو بھی ''الکرس'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ ایسی زمین جہاں درختوں کی جڑیں ایک دوسرے میں گھس جائیں اور شاخیں اور پتے ایک دوسرے سے پیوستہ ہو جائیں یہ ''اکراس'' ہوتا ہے۔ بڑے سر اور مضبوط سوچیں رکھنے والے لوگ ''کروس'' کہلاتے ہیں۔

وہ صحیفہ جس میں علم ہو ''کراسة'' کہلاتا ہے۔ جدید عربی میں نوٹ بک کو ''کراسة'' کہتے ہیں۔ ''تکریس'' اوراق کو ملا کر جمع کر دینا ہوتا ہے۔ کاپی کرنا بھی ''تکریس'' ہوتا ہے۔ ابن شمیل نے لکھا کہ شدید ہونا ''اکراس'' ہے۔ وہ مقام جہاں عیسیٰ علیہ السلام رہتے، بیٹھتے تھے اس کا نام بھی ''کرسی'' تھا۔ یہ بھی شاید حواریّین کو جمع کرنے کی مناسبت سے ہو۔ اس سے مجازاً بیٹھنے کی جگہ کو ''کرسی'' کہہ دیتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا کہ بکریوں کی مینگنیاں ''کراسی'' کہلاتی ہیں۔ اس میں بھی دانش یہ کہ بکریوں کی مینگنیاں جڑی ہوتی ہیں۔ بنیادی معنیٰ ملنا اور جمع کرنا ہی ہوتا ہے۔ زبیدی نے موتیوں کے ہار بنانا بھی اس کا معنیٰ لکھا۔ زمخشری نے کہا کہ گنجان آبادیاں ''مکرسات'' کہلاتی ہیں

اس لیے کہ ان میں گھر اُوپر نیچے چڑھے ہوتے ہیں۔ جوہری نے کہا کہ ''کرس'' باب تفصیل ہو تو اس کا مفہوم لپیٹ لینا ہوتا ہے۔

بیضاوی کی رائے

علامہ بیضاوی انوار التنزیل میں لکھتے ہیں کہ ''کرسی'' سے مراد حقیقی کرسی نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی بیٹھنے والا ہے بلکہ یہ فقط ایک مثال بن گئی ہے۔ آیت الکرسی میں اس سے مراد ربّ تعالیٰ کی عظمت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آراء

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''کرسی'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے جو زمینوں اور آسمانوں پر محیط اور اوسع ہے۔ مجاہد نے بھی حضرت سے یہی رائے نقل کی۔ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو راجح قول نقل کیا۔ تفسیر مظہری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی موجود ہے۔ بے شک سات آسمانوں کو کرسی میں ڈال دیا جائے تو ایسے ہی ہوں گے جیسے ایک ڈھال میں سات درہم ڈال دیے جائیں۔

علامہ فخر الدین رازی کا ایک قول

''کرسی'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور قدرت ہے کیونکہ بغیر سلطنت اور قدرت کے معبود ہونا متصور ہو ہی نہیں سکتا۔ رازی نے ''کرسی'' سے مراد علم رکھنا اور بادشاہ ہونا بھی مراد لیا ہے۔

ابن کثیر کی روایات

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

> ''اے ابوذر! سات آسمانوں اور سات زمینوں کی تمام
> چیزوں کو کرسی سے ایسی نسبت ہے جیسے ایک انگوٹھی کو جنگل
> میں ڈال دیا جائے تو اُسے جو جنگل سے نسبت ہے، پھر
> عرش کو کرسی پر اسی طرح وسعت اور فضیلت حاصل ہے''۔

کرسی کہاں ہے؟

علامہ قرطبی نے لکھا کہ کرسی عرش کے نیچے ہے اور اللہ تعالیٰ کرسی کو عرش پر رکھنے والا ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ کرسیاں دو ہیں: ایک عرش کے نیچے ہوگی اور ایک عرش کے اُوپر۔

آلوسی کی عمدہ رائے

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ کرسی کا ذکر متشابہات سے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بیٹھنے سے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

پاک ہے، اس کی ذات بلند و بالا ہے اور وہ جسم ہونے سے بھی پاک ہے، اس لیے اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے، وہی اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ قرآن کے طالب علم کو صرف کرسی کے ہونے پر ایمان رکھنا چاہیے۔ صوفیاء نے اسی عقیدہ پر زور دیا ہے اور ان کی نگاہ آسمانوں کے آگے تک دیکھتی ہے۔

تعبیر آیت کا آخری منظر

آیت الکرسی کا آخری حصہ یہ بتاتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اور نگرانی اللہ کے لیے کسی مشکل کا باعث نہیں۔ وہ قادر و قدیر ہے، علیم و بصیر ہے اور غالب و قاہر ہے۔ وہ مخلوق اور بندوں کی طرح نہیں کہ محتاج ہونے کی بنا پر جیسے وہ تھک جاتے ہیں اللہ تھک جائے۔ وہ حیی و قیوم ہے اور اس کی قدرت لامحدود ہے۔ کرسی جتنی وسیع ہو، آسمان جتنے بڑے ہوں اور زمینیں جتنی بھاری ہوں، وہ العلی ہے اور وہ العظیم۔ سب کچھ اُس کے دست قدرت میں ہے۔ وہی ان وسیع جہانوں کی تدبیر کرنے والا ہے اور اس کا علم سب پر محیط ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ‌ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ‌ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ
بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا
انْفِصَامَ لَهَا‌ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾
اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ‌ؕ
وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَى
الظُّلُمٰتِ‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾

(256) دین میں کوئی سختی نہیں خوب واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے اور جو شخص دین کے خلاف سرکش قوتوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے بے شک اُسی نے ایسی گرہ پکی کر لی ہے جسے کبھی کھلنا ہی نہیں اور اللہ سُننے والا بہت جاننے والا ہے

(257) اللہ ایمان والوں سے بے حد پیار رکھتا ہے، انہیں وہ اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا رہتا ہے اور جو کافر لوگ ہیں ان کی دوستیاں ان تمام قوتوں سے ہوتی ہیں جو سرکشی دکھائیں اور وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالے رکھتے ہیں۔ وہ سارے ہی دوزخی ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اسی میں رہنا ہے

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

''دین میں کوئی سختی نہیں خوب واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے اور جو شخص دین کے خلاف سرکش قوتوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے بے شک اُسی نے ایسی گرہ پکی کر لی ہے جسے کبھی کھلنا ہی نہیں اور اللہ سُننے والا بہت جاننے والا ہے''۔

آیت کا شانِ نزول

علامہ رشید رضا نے تفسیر المنار میں لکھا کہ مدینہ میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام حصین تھا اور وہ مسلمان تھا۔ دو تاجر عیسائیوں نے حصین کے دولڑکوں کو ورغلا لیا اور انہیں عیسائی بنا لیا۔ حصین بہت پریشان ہوئے اور پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع بھی دی اور اجازت چاہی کہ وہ جبراً بیٹوں کو مراجعت پر مجبور کر لیں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ میں انہیں حالت عیسائیت میں برداشت کر لوں۔ میری آنکھوں کے دیکھتے دیکھتے کیا وہ دوزخ کی آگ میں جل جائیں۔ اس پر محل بحث آیت کا نزول ہوا۔

شانِ نزول کی دوسری روایت

ابن جریر طبری نے روایت کیا کہ اسلام سے قبل انصار میں جس عورت کی اولاد نہ ہوتی وہ نذر مان لیتی اگر مجھے اولاد عطا ہو تو میں اُسے یہودی دین پر قائم کر دوں گی۔ جب بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا تو ان میں انصار کے کئی بچے بھی موجود تھے اس لیے وہ اڑ گئے کہ ہم اپنے بچوں کو بنو نضیر کے ساتھ نہیں جانے دیں گے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول کی تیسری روایت

علامہ قرطبی نے یہ روایت نقل کی کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ اگر جزیہ دے دیں تو ان پر کوئی جبر و اکراہ نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھی نصرانیہ سے کہا اے بڑھی! اسلام قبول کر لے تاکہ تو سلامتی میں رہے۔ اللہ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

بوڑھی بولی!

لیکن عمر میں بوڑھی ہوں، موت قریب ہے اب دین بدلنے کا کیا فائدہ؟

مفردات

لَآ: نہیں
اِكۡرَاهَ: جبر و اجبار یا سختی اور شدت
فِى: میں
الدِّيۡنِ: دین، مراد دین اسلام ہے
قَدۡ: بے شک
تَّبَيَّنَ: واضح ہو گئی، کھل گئی
الرُّشۡدُ: ہدایت
مِنَ: سے
الۡغَىِّ: ٹیڑھا پن
فَمَنۡ: سو جو
يَّكۡفُرۡ: نہ مانے
بِالطَّاغُوۡتِ: طاغوت کو، سرکش ڈھیٹ، منکرین یا شیاطین
وَيُؤۡمِنۡۢ: اور ایمان لائے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
فَقَدِ: تو بے شک
اسۡتَمۡسَكَ: اُس نے مضبوط پکڑ لیا
بِالۡعُرۡوَةِ: محکم کڑا
الۡوُثۡقٰى: مضبوط
لَا انْفِصَامَ: ٹوٹنا نہیں
لَهَا: اس میں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
سَمِيۡعٌ: بہت سننے والا
عَلِيۡمٌ: بہت ہی زیادہ علم والا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے!

اے اللہ تو گواہ رہ پھر آپ نے ''لا اکراہ'' والی آیت پڑھی یعنی آپ نے جبر نہ کیا۔

شان نزول کی چوتھی روایت

علامہ قرطبی ہی نے لکھا کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ وہ جبراً مسلمان ہوئے ہیں اس لیے کہ دین میں جبر اور اکراہ تو ہے ہی نہیں۔

''رشد'' کی کھلی پہچان

آیت اعلان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم اور اپنے نبی کی دعوت کے ذریعہ انحراف کا ہر راستہ اور پگڈنڈی واضح کر دی ہے۔ ''رشد'' لغت میں واقع اور حقیقت تک پہنچنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ قطعی بندوبست فرما دیا ہے کہ ''رشد اور غیّ'' دو الگ الگ راستے نظر آئیں۔ ایک پیغمبروں کی راہ ہے اور دوسری راہ انحراف کی پگڈنڈی ہے۔ لوگوں کی فکر اور روح میں استدلال اور برہان کے ساتھ یہ یقین سمو دیا گیا ہے۔ اسلام ہی رشد ہے، یہی صدق ہے، یہی سیدھا راستہ ہے، یہی پختہ شعور ہے، فلہٰذا جبر اور اجبار کی ضرورت ہی نہیں۔ منطق واستدلال ہی وہ حرارت ہے جو موصل منزل ہونے کا اعزاز پا سکتی ہے۔

طاغوت کا انکار

ہر وہ سرکش، فریبی اور اضلال کی ڈھٹائی جو صراط مستقیم سے لوگوں کو برگشتہ کرے وہ طاغوت ہے۔ شیطان طاغوت ہے، سحر وساحری طاغوت ہے اور ہر وہ جدید خدع جو دین سے دور کرنے والا ہو وہ سرگشتہ فتنہ طاغوت ہی ہے۔ عصر جدید میں اس کی صورتیں گھناؤنی ہیں۔ تلبیسیّت نے ان عقارب کے زہر کو عام کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے طواغیت کا نہ صرف انکار کریں بلکہ ان کے مٹانے کے لیے جہادی کوششوں کو بروئے کار لائیں۔

''عروَةِ الۡوُثۡقٰى'' کی تشریح

''عروَةِ الۡوُثۡقٰى'' کا لغوی معنیٰ مضبوط کڑا ہوتا ہے لیکن ابن کثیر نے اس کی تشریح وتعبیر میں جو کچھ لکھا وہ خوبصورت ہے:

> ''مضبوط کڑا تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن باللہ ایسا شخص ہوتا ہے جو دین مبین کے قوی اور اعلیٰ اسباب سے خود کو مضبوطی کے ساتھ پابند بنا لیتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو نہ ٹوٹتی ہے اور نہ پھٹتی ہے۔ ''عروَةِ الۡوُثۡقٰى'' سے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

مراد ایمان، اسلام، توحید باری، خدا، قرآن کی راہ میں
ٹوٹ کر محبت کرنا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ہی کے
لیے دشمنی کرنا ہے۔ یہ ایمان اور عقیدہ کا وہ کڑا ہے جو کبھی
نہیں ٹوٹے گا''۔

قرآن مجید کی مثالیں کتنی بلیغ اور بیانات کتنے وسیع اور اشارات کتنے لذیذ ہوتے ہیں۔ جس وقت طاغوت پر ایمان اور تسلیم کو بیان کیا تو فرمایا یہ لوگ ایک مکڑے کے جالے کی طرح کمزور اور ضعیف ہیں، جیسے تار عنکبوت اضعف اور کمزور ہوتی ہے ایسے ہی شرک کے متوالے جو عقیدوں کے جال بنتے ہیں وہ سب بکھر جانے والے ہوتے ہیں، جب کہ ایمان باللہ ''**عروۃ الوثقٰی**'' ہے، مضبوط کڑا ہے، اتنا محکم ہے کہ اس میں ٹوٹ پھوٹ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ۬ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾

''اللہ ایمان والوں سے بے حد پیار رکھتا ہے، انہیں وہ اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا رہتا ہے اور جو کافر لوگ ہیں ان کی دوستیاں ان تمام قوتوں سے ہوتی ہیں جو سرکشی دکھائیں اور وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالے رکھتے ہیں وہ سارے ہی دوزخی ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اسی میں رہنا ہے''۔

آیت کا اسلوب

قرآن مجید کی اس آیت میں قرآن مجید کے صوری محاسن آسمانی ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ خطابی، باقلانی اور جرجانی کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاغت کے لیے ضروری ہے کہ لفظوں میں مقصدیت اور افادیت کی روشنی تیز ہو۔ مترادف الفاظ کی بھرمار نہ ہو کہ تخیل، شعور اور فہم کی رفتار سست ہو جائے۔ یہاں اس آیت میں الفاظ کی موزونیت سے فہم و شعور کو اتنی قوت دی گئی ہے کہ ایسے لگتا ہے اللہ نے اپنے بندوں سے دوستی کا ایسا رشتہ جوڑ لیا ہے جہاں قادر و قدیر دوست نے مدد کے دروازے کھول دیے ہیں۔ کیا مجال کہ شیطان اللہ کے دوستوں کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ ان کا سفر روشنی کی طرف اتنا تیز کر دیا گیا ہے کہ محسوس ہو رہا ہے کہ کرگس کا جہاں اور ہے اور شاہین کا جہاں اور۔

واللہ اعلم

اَللّٰهُ: اللہ
وَلِیُّ: دوست، مددگار، قریب، نوازنے والا ہم راز وغیرہ
الَّذِیۡنَ: ان کا جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
یُخۡرِجُهُمۡ: نکالتا ہے انہیں
مِّنَ الظُّلُمٰتِ: اندھیروں سے
اِلَی النُّوۡرِ: نور کی جانب
وَالَّذِیۡنَ: اور وہ لوگ
کَفَرُوۡۤا: جنہوں نے کفر کیا
اَوۡلِیٰٓـُٔهُمُ: دوست ان کے
الطَّاغُوۡتُ: سرکش شیطان ہیں
یُخۡرِجُوۡنَهُمۡ: نکالتے ہیں انہیں
مِّنَ النُّوۡرِ: نور سے
اِلَی الظُّلُمٰتِ: اندھیروں کی جانب
اُولٰٓئِکَ: یہی لوگ ہیں
اَصۡحٰبُ النَّارِ: آگ والے
هُمۡ: وہ
فِیۡهَا: اسی میں
خٰلِدُوۡنَ: ہمیشہ رہنے والے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لفظ ولایت پر رازی کی نکتہ سنجیاں

لفظ ''وَلِیٌّ'' کی اصل قرب ہے۔ وزن اس کا فعیل ہے۔ محبت کرنے والا ولی ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ قریب ہوتا ہے۔ مددگار بھی ولی کہلاتا ہے اس لیے کہ وہ مدد کرنے کے لحاظ سے قریب ہوتا ہے۔ اس معنوی قرب کی وجہ سے ولی بمعنیٰ والی بھی آتا ہے، اس لیے کہ وہ امور حسنہ کی تدبیر کرتا ہے۔ ولی کے یہ تمام معانی اور مطالب ''مولیٰ'' لفظ میں پائے جاتے ہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علی بھی اس کا مولیٰ ہے''۔

اللہ والوں کے لیے انعامات

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ولایت کا رشتہ مومنوں کے وجود میں ایک طاقت، ایک شعور اور ایک حرارت کے ساتھ تحریک پیدا کرتا ہے۔ ایسی تحریک جس میں معاشرے کی ہر چیز واضح ہو جاتی ہے۔ ولایت کی روشنیاں پہلے ضمیر کے اندر انقلاب پیدا کرتی ہیں پھر ان کا ظہور قلوب اور مشاعر کے اندر ہوتا ہے، یہیں سے اعمال صالحہ کی نہضت ہوتی ہیں۔ اللہ کی دوستی اور ولایت کی روشنی جس کی اساس محض اور محض ایمان ہے، ایمانی ماحول میں ذرہ برابر بھی ظلمت کو نہیں چھوڑتی۔ اللہ تعالیٰ کی ولایت ایک موہوبی مدد ہوتی ہے جو ہر میدان میں مومن کو مستولیٰ کر دیتی ہے۔ اللہ کا یہ ولی اللہ کے سوا ہر ایک کا والی ہو جاتا ہے جو محسوس ہوتا ہے۔

''نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو''

اللہ کی دی ہوئی روشنیاں ان کے روشن جہاں میں ہر سو محسوس ہونے لگ جاتی ہیں۔ اللہ اپنی ولایت کی خوشبو سے دلوں کے امراض کو شفاء سے بدل دیتا ہے، اسی مقام پر اللہ اپنے بندوں کو حقائق الاشیاء کا علم عطا کر دیتا ہے، اسی ماحول کے نورانی انسانوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے دیے ہوئے نور
کی روشنی میں سب کچھ دیکھ لیتا ہے''۔

ولایت کا چشمہ حیوان

اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو خلعت ولایت سے نوازتا ہے تو اُس کی مدد یں، اُس کی کارسازیاں اور توفیقات نوازیاں کس شکل میں نمودار ہوتی ہیں؟ اور ولایت کے چشمہ حیوان سے زندگی کیسے پھوٹتی ہے؟

سورۂ یونس کے مطابق ولایت مومن کو لاخوف بنا دیتی ہے۔ حزن وملال، خوشیوں اور روحانی مسرتوں میں بدل جاتے ہیں۔ ''لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ'' کا تاج اولیاء اللہ کے سر سجا دیا

جاتا ہے اور آسمانِ معرفت سے ''وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ'' کی رحمتیں برسنے لگ جاتی ہیں۔صدیقین، شہدا اور انبیاء و مرسلین کی تو جہات روحوں میں کھبنے لگ جاتی ہیں اور صالحین کی رفاقت میسر آ جاتی ہے۔زبانوں سے محبت الٰہیہ کے نغمے ٹپکنے لگ جاتے ہیں۔شیطانی پندار کے خول ٹوٹ جاتے ہیں۔نیکیوں کی طرف عاشقانہ میلان تڑپنے لگ جاتا ہے۔روحانی آوازوں کی اذانیں وجود انسان میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں۔اتفاقات روحانی، توفیقات ایمانی کے روشن نشانات بن کر تقدیر بدلنے لگ جاتے ہیں۔قدم مسجدوں کی طرف اٹھتے ہیں۔اموال اللہ کی راہ میں لٹتے ہیں۔اخلاقیات سیرت کے اشجار سے خنکی لے لیتے ہیں اور معاملات میں حسن کے گلستان اعمال سے نسیم عطا کی خوشبوئیں بانٹنے لگ جاتے ہیں۔زندگی کے دامن پر کوئی میلا دھبہ نظر نہیں آتا بلکہ صدق و دعا کی دھنک رنگ بکھیرتی رہتی ہے۔حق و حقیقت کی ہیبتیں اور دبدبے شیطانوں کو لنگڑا اور لُولا بنا کر بھگا دیتی ہیں۔اللہ کی ولایت ان فطری عطیات کے چشموں سے اتنا قرب بخش دیتی ہے کہ ظلمت اور اندھیرے روشنیوں کے لشکروں سے ڈر کر خودکشی کر لیتے ہیں اور ہر سُو نور ہی نور کا ماحول ضوفشاں دکھائی دینے لگ جاتا ہے۔اللہ سے دوستی کی منزل کتنی میٹھی ہے۔۔۔۔۔!

ہردم اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ۔۔۔۔۔!!!!!

''طاغوت'' پر مفسرین کی بحث

''طاغوت، طاغیۃ'' سے ہے۔ ہر وہ سرکش، ڈھیٹ اور ظالم قوت جو دین کو مٹانا چاہے، دین دار لوگوں کو کمزور کرنا چاہے اور شعور کے لحاظ سے باطل ہو ''طاغوت'' ہے۔یہ بت اور صنم بھی ہو سکتے ہیں، سرکش جنات اور شیاطین بھی ہو سکتے ہیں اور باطل نظام جاری کرنے والے حکمران بھی ہو سکتے ہیں۔

- روح المعانی نے لکھا کہ ہر بت اور صنم جس کی پوجا کی جائے وہ طاغوت ہے۔
- تفسیر کبیر نے لکھا کہ جنات اور انسانوں میں ہر وہ باطل پرست جو اللہ کے نظام کے خلاف سرکشی کرے۔
- اللہ کے سوا جو بھی کسی چیز کے معبود ہونے کا دعوٰی کرے وہ طاغوت ہے۔یہ قول ابن جریر طبری کا ہے۔
- ابو حیان اندلسی البحر المحیط میں لکھتے ہیں: طاغوتیت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کی عبادت کی جائے یا ماسوی اللہ کی عبادت کی تائید کی جائے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ
قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ
قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ
الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

(258) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے ربّ کے بارے میں اللہ نے اسے اقتدار جو دے دیا تھا، یاد کرو ابراہیمی پکار تو یہ تھی کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اُس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا ''بے شک اللہ ہی ہے جو سورج کو مشرق سے لاتا ہے تُو ذرا اُسے مغرب سے لے آ'' اس کے بعد تو منکرِ حق کے ہوش اُڑ گئے اور اللہ راہ یاب بھی نہیں فرماتا کسی ایسی قوم کو جو ظلم کا ارتکاب کرنے والی ہو

مفردات

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ‌ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ‌ۚ ﴿۲۵۸﴾

''کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے ربّ کے بارے میں اللہ نے اسے اقتدار جو دے دیا تھا، یاد کرو ابراہیمی پکار تو یہ تھی کہ میرا ربّ تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اُس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا'' بے شک اللہ ہی ہے جو سورج کو مشرق سے لاتا ہے تُو ذرا اُسے مغرب سے لے آ'' اس کے بعد تو منکرِ حق کے ہوش اُڑ گئے اور اللہ راہ یاب بھی نہیں فرماتا کسی ایسی قوم کو جو ظلم کا ارتکاب کرنے والی ہو''۔

اس آیت کی تفہیم میں چند لطائف روحانی ہیں جو پڑھنے والے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں:

پہلا لطیفہ جو باعث کشش ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کا مخاطب ہے۔مفسرین نے کہا ہے کہ وہ نمرود بن کنعان تھا جو وسیع سلطنت کا حاکم تھا اور بیسیوں قومیں اس کے زیر نگین تھیں لیکن آیت مستطاب میں اس کا نام مذکور نہیں جب کہ ابراہیم علیہ السلام کا اسم گرامی تین مرتبہ مذکور ہے۔آیت کا اسلوب بتاتا ہے کہ بادشاہ نمرود ملک تھا یا کمینہ اور کم ظرف گذر رہا تھا، قرآن کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں، قرآن کا سارا زور ابراہیم فہمی کے ساتھ ہے اور اس عظیم عقیدہ کے ساتھ ہے جو ابراہیم کی دعوت سے ظاہر ہو رہا ہے۔قرآن مجید کی وہ تفسیری اور تعبیری تحریک جس سے بادشاہ تو کوئی چیز نظر آئے۔اس کے مکالمے میں اس کی پھبتیوں کی اہمیت ہو اور اس کے عقیدۂ باطلہ کی تبلیغ ہو اور ابراہیم علیہ السلام کی پُرجوش دعوت، فضیلت مآب تبلیغ اور والہانہ اظہار گوشہ گیر دکھائی دے، لائق تحسین نہیں۔قرآنی آیت میں غور و فکر کرنے والا شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ آیت میں جو کچھ ہے وہ ابراہیم اور اس کی مخلصانہ دعوت ہی ہے۔قرآن اسی کی وضاحت کرتا ہے اور اسی کو اہمیت دیتا ہے اور قرآن پڑھنے والے کو بھی صحرا سے مچھلیاں پکڑنے کی عبث کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ واقعیت پسندی کو اختیار کرنا چاہیے اور خود سمجھ لینا چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیت میں تین مرتبہ ہے اور بادشاہ کا ذکر نام لے کر ایک مرتبہ بھی نہیں۔

اَلَمۡ: کیا نہیں
تَرَ: دیکھا آپ نے
اِلَى: کی طرف
الَّذِىۡ: اُس شخص
حَآجَّ: جس نے جھگڑا کیا، بحث کی، مناظرہ جوڑا، تبادلۂ دلائل کیا، لفظ میں معنیٰ کی منفیت زیادہ ہے اور اثبات کم
اِبۡرٰهٖمَ: ابراہیم
فِىۡ: میں
رَبِّهٖۤ: اُس کے ربّ کے بارے میں
اَنۡ: یہ کہ
اٰتٰٮهُ: دیا اُس نے اُسے
اللّٰهُ: اللہ
الۡمُلۡكَ: سلطنت، اقتدار، ریاست
اِذۡ قَالَ: جب کہا اُس نے
اِبۡرٰهٖمُ: ابراہیم
رَبِّىَ: میرا ربّ
الَّذِىۡ: وہ ہے جو
يُحۡىٖ: وہ زندہ کرتا ہے
وَيُمِيۡتُ: اور وہ مارتا ہے
قَالَ: کہا اُس نے
اَنَا اُحۡىٖ: میں بھی زندہ کرتا ہوں
وَاُمِيۡتُ: اور میں مارتا ہوں
قَالَ اِبۡرٰهٖمُ: کہا ابراہیم نے
فَاِنَّ اللّٰهَ: تو بے شک اللہ
يَاۡتِىۡ: لاتا ہے
بِالشَّمۡسِ: سورج کو

مفردات

مِنۡ: سے
الۡمَشۡرِقِ: مشرق
فَاۡتِ: پس تو لے آ
بِهَا: اسے
مِنَ: سے
الۡمَغۡرِبِ: مغرب
فَبُهِتَ: تو مبہوت ہو گیا
الَّذِىۡ: وہ جو
كَفَرَ: وہ جس نے کفر کیا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
لَا: نہیں
يَهۡدِى: ہدایت دیتا
الۡقَوۡمَ: قوم
الظّٰلِمِيۡنَ: ظلم کرنے والوں کی قوم

یہ انداز فکر درست نہیں

قرآن مجید کی گرفت اندازِ فکر کی غلطی پر ہے کہ میں بھی زندگی عطا کرتا ہوں اور میں بھی مارتا ہوں۔ دنیا میں اس انداز فکر کی حامل کوئی جماعت ہو یا کوئی فرد، علم کا کوئی شعبہ ہو یا سائنس ہو، حاکم ہو یا کوئی بادشاہ، سیکھنے سمجھنے والی بات یہ ہوتی ہے کہ زندگی نواز محض اور محض اللہ تعالیٰ ہے اور موت بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ابوکلام آزاد نے بڑا زور دیا ہے کہ ابراہیمی دور میں یہ کسی معین بادشاہ کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ معاشرے کی غلط روش تھی کہ وہ بادشاہوں کو دیوتا تصور کرتے تھے۔ ابوکلام آزاد گدلے پانی سے سوئیاں تلاش کرتے رہے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن توحید اور صفات توحید کو نکھار کر بیان کرتا ہے۔ عمود آیت تو عقیدہ کا وضوح ہے کہ اللہ ہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔

بادشاہ کی لن ترانیاں

قرآن مجید تیسرا لطیفہ اپنے قاری کے سامنے لاتا ہے کہ وہ شخص جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا وہ بادشاہ بھی بن جائے تو بھی بے وقوف اور احمق ہی ہوتا ہے۔ عقیدہ کا رسوخ اور روشنی عقل کو بھی منور کر دیتی ہے اور سوچوں کو منظم بھی کر دیتی ہے۔ انسان کا مدارِ فکر درست ہو جاتا ہے۔ قرآن پڑھنے والے کی تربیت مقصود ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ ہمہ دم قرآن کی کچہری میں حاضر رہے۔ رویّے کا یہ اثبات بڑے بڑے مسائل اُس کے لیے آسان کر دے گا اور اگر اندر روشنی نہ آئی تو نمرود بھی ہو تو وہ بھی پاگل بچہ محسوس ہوگا، دیکھتے نہیں ابراہیم علیہ السلام کے سامنے وہ ملک کیا محسوس ہو رہا ہے۔

درست انداز فکر

ابراہیم علیہ السلام نے توحید باری کی دلیلیں اس اسلوب سے مرتب فرمائیں کہ مناظرانہ ذہن رکھنے والوں کی منطقی تشفی بھی ہو گئی اور بادشاہ مبہوت بھی ہو گیا اور سوچنے والے دل کو شفاء بھی مل گئی۔ جس طرح ایک طبیب صادق اور حکیم حاذق کو مقصود مریض کی شفاء ہوتی ہے۔ وہ دوائیں بدل بدل کر دیتا ہے اور بیمار کی کڑوی کسیلی باتیں بھی سنتا ہے لیکن علاج سے صَرفِ نظر نہیں کرتا۔

ابراہیم علیہ السلام نے بھی دلائلِ توحید دوا کی طرح تجویز فرمائے۔ کسی ایک دوا کو اپنے مخاطب کے ذہن میں نہ ڈالا بلکہ غذا اور دوا میں تکرر لا کر روحوں اور دلوں کے روگ کو دور کرنا چاہا اور الحمد للہ آیت کا اسلوب اس کی تائید کرتا ہے۔

کفر کا مبہوت ہونا

''بہت'' کا معنیٰ ہوتا ہے حیرت زدہ ہو جانا۔ ایسا سکوت جو کسی چیز کے تسلیم کیے جانے کے بعد

طاری ہو۔ گرفت میں آجانا۔ بہتان لفظ بھی اسی مادہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ایسا الزام لگانا ہوتا ہے جو لوگوں پر حیرت طاری کر دے، البتہ بہتان ناروا اور شنیع کام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور مبہوت ہونا ایسا سکوت ہوتا ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی چیز سے انکار نہ کیا جا سکے۔ یہاں آیت میں کفر کے مبہوت ہو جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سچی بات کے روح میں محکم طریقے سے اُتر جانے کے بعد کفر ہکا بکا رہ گیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل کی جو دوا دی وہ کام کر گئی۔ مسلمان ہونا نہ ہونا ایک دوسری بات ہے۔ دل اور روح کے لیے گنجائش نہ رہی کہ اللہ کی توحید سے صَرفِ توجہ کر سکیں۔

مکالماتی ہدایت کی تقریب

داعیین الی اللہ کو اس آیت سے دعوتی حکمتیں سیکھنی چاہییں:

- داعی الی اللہ کے ذہن پر مخاطب کے مقام اور منصب کا دباؤ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ چیز نمرود کا نام تک نہ لینے سے سیکھی جا سکتی ہے۔
- دعوت کا معیار اجلا، صاف، محکم اور نا قابل شکست ہونا چاہیے جیسے کہ آیت کے مشمولات ہیں۔ مدرسینِ حقیقت عام طور پر اس چیز کا خیال نہیں کرتے۔
- دعوت الی اللہ مجادلہ اور مناظرہ نہیں ہوتی کہ جس چیز پر اڑ جاؤ پیچھے نہ ہٹو۔ دعوت میں طبیب کی طرح دوائیں بدلی جا سکتی ہیں۔
- داعی الی اللہ کو خیال کرنا چاہیے کہ جھوٹ سچ کے ساتھ آمیزہ نہ بن جائے، سچ کو سچ ہی رہنا چاہیے۔
- نصاب دعوت جتنا فطری ہوگا مؤثر ہوگا اس لیے گفتگو کو فطری حسن سے مزین کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
- داعیین کو مخلص معالج کی طرح اپنے مریض کی کٹ حجتی برداشت کرنی چاہیے۔
- مکالمتی اسلوب سے داعی الی اللہ استفادہ کر سکتا ہے۔ اس انداز گفتگو سے مخاطب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
- ڈھیٹ مخاطبین بعض اوقات بے جا اور ناروا باتیں بھی کر جاتے ہیں۔ داعی الی اللہ کو سنجیدگی اور متانت کا دامن ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ابراہیم علیہ السلام کے مخاطب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں بھی ''محی اور ممیت'' ہوں لیکن ابراہیم علیہ السلام نے اپنی گفتگو کا فکری ہدف قائم رکھا اور مخاطب کی ضد کی پرواہ نہ کی۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

❁ دعوتی گفتگو میں کلام مختصر اور موثر ہونا چاہیے۔ بے جا طوالت اور ترادف کا بوجھ شعور اور فہم کی رفتار کو سست کر دیتا ہے۔ داعی الی اللہ کے لیے ان حقائق سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

❁ اس آیت میں کلام کا نتیجہ یوں بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو منزل تک رسائی نہیں دیتا۔

اس سے مفہوم یہ متبادر رہا کہ دعوت صالحانہ ہونی چاہیے، ظالمانہ نہیں ہونی چاہیے۔

بے منزل مسافر ہمیشہ راہ ہی میں رہتا ہے۔ دعوت الیٰ اللہ کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں داعی اپنی منزل کو گم نہیں ہونے دیتا۔ یہ نکتہ قیمت کے اعتبار سے قیمتی موتیوں کی طرح ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ معلم صلی اللہ علیہ والہ وسلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ
هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ
كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ
مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى
حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ
نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

(259) یا اُس شخص کی طرح جوگزرا ایک ایسی بستی پر جوگری پڑی تھی اپنی چھتوں پر کہا اللہ کیونکر اس کوموت کے بعد زندگی عطا فرمادے گا تو اللہ نے اسی کوسو سال تک موت کی حالت میں رکھا اس کے بعد پھر اسے زندہ کیا فرمایا تو کتنی مدت ٹھہرا رہا؟ اس نے عرض کی ''دن یا دن کا بھی کچھ حصہ'' فرمایا بلکہ تم سو سال تک ٹھہرے رہے، دیکھو تو سہی اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو کہ باسی نہ ہوئیں اور غور سے دیکھو اپنے گدھے کو (کہ وہ کس حالت میں پڑا ہے) یہ اس لیے ہے کہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشانی بنا رہے ہیں اور دیکھتے جاؤ ہڈیوں کو ہم کیسے انہیں جوڑتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں یُوں جب ان پر بات کھلی تو وہ پکار اُٹھے، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

مفردات

اَوۡ: یا
کَالَّذِیۡ: اس شخص کی طرح
مَرَّ: وہ گزرا
عَلٰی: پر
قَرۡیَۃٍ: دیہات
وَّھِیَ: اور وہ
خَاوِیَۃٌ: گرا پڑا تھا
عَلٰی: پر
عُرُوۡشِھَا: مکانوں کی چھتوں
قَالَ: کہا اُس نے
اَنّٰی: کیسے وہ
یُحۡیٖ: زندہ کرے گا
ھٰذِہِ: اسے
اللّٰہُ: اللہ
بَعۡدَ: اور بعد
مَوۡتِھَا: اس کی موت
فَاَمَاتَہُ: پس مار دیا اسے
اللّٰہُ: اللہ نے
مِائَۃَ: سو
عَامٍ: سال
ثُمَّ: پھر
بَعَثَہٗ: اسے اٹھا دیا
قَالَ: فرمایا
کَمۡ: کتنا
لَبِثۡتَ: تم رہے
قَالَ: عرض کی
لَبِثۡتُ: میں رہا

اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِھَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِھَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُھَا ثُمَّ نَکۡسُوۡھَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۵۹﴾

’’یا اُس شخص کی طرح جو گزرا ایک ایسی بستی پر جو گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر کہا اللہ کیونکر اس کو موت کے بعد زندگی عطا فرما دے گا تو اللہ نے اسی کو سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اس کے بعد پھر اسے زندہ کیا فرمایا تو کتنی مدت ٹھہرا رہا؟ اس نے عرض کی ’’دن یا دن کا بھی کچھ حصہ‘‘ فرمایا بلکہ تم سو سال تک ٹھہرے رہے، دیکھو تو سہی اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو کہ باسی نہ ہوئیں اور غور سے دیکھو اپنے گدھے کو (کہ وہ کس حالت میں پڑا ہے) یہ اس لیے ہے کہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشانی بنا رہے ہیں اور دیکھتے جاؤ ہڈیوں کو ہم کیسے انہیں جوڑتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں یوں جب ان پر بات کھلی تو وہ پکار اُٹھے، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے‘‘۔

قرآن مجید کی یہ آیت اسرارِ حیات سے پردہ ہٹا دیتی ہے اور ان ضرورتوں کو پورا کرتی ہے جو ’’داعی الی اللہ‘‘ کے لیے اہم اور فضیلت مآب ہوتی ہیں۔ قرآن اپنے قاری کے سامنے ایک بستی لے آتا ہے جو اپنی چھتوں پر اوندھی گری پڑی ہوتی ہے۔ یہاں اس بستی کو دیکھ کر ایک دردمند ذہن، متحرک شعور اور کائنات میں حیات اور موت کے رازوں سے آگاہ ہونے والی متمنی روح سوچوں کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے اور افکار باطنی سوال بن کر سرزمین تخیل پر رینگنے لگ جاتے ہیں کہ یہ ویران بستی دوبارہ زندگی سے کیسے ہمکنار ہو سکتی ہے؟ قرآن مجید کا تفسیری عمود یہاں سے کیفیات کا موسم بہار اپنے اندر سمو کر نمودار ہوتا ہے کہ موت زندگانی کا اختتام نہیں۔ غافل، نابلد اور بے درد لوگ موت کو فنا سے تعبیر کر دیتے ہیں اور زندگی ان کی نظر میں موت کی آغوش میں پہنچ کر تمام لذتوں، ذائقوں اور راحتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ قرآن اس آیت میں زندگی اور موت دونوں کو عارضی مرحلوں سے تعبیر کر دیتا ہے اور داعی الی اللہ کو سمجھاتا ہے کہ موت کا خوف عقیدۂ توحید کو مجروح کرتا ہے، اس لیے ایک زندہ اور سمجھ دار روح

مفردات

يَوۡمًا: ایک دن
اَوۡ: یا
بَعۡضَ: کچھ حصہ
يَوۡمٍ: دن کا
قَالَ: فرمایا
بَلۡ لَّبِثۡتَ: بلکہ آپ رہے
مِائَةَ عَامٍ: پورے سو سال
فَانۡظُرۡ: پس دیکھیے
اِلٰی: کی طرف
طَعَامِكَ: اپنے کھانے کو
وَشَرَابِكَ: اور اپنے مشروب کو
لَمۡ يَتَسَنَّهۡ: وہ باسی نہیں ہوا
وَانۡظُرۡ: اور دیکھیے
اِلٰی: کی طرف
حِمَارِكَ: اپنے گدھے کو
وَلِنَجۡعَلَكَ: اور تا کہ ہم بنائیں تجھے
اٰيَةً: نشانی
لِّلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَانۡظُرۡ: اور دیکھیے
اِلَی: کی طرف
الۡعِظَامِ: ہڈیوں
كَيۡفَ: کیسے
نُنۡشِزُهَا: ہم جوڑتے ہیں اسے
ثُمَّ: پھر
نَكۡسُوۡهَا: اس پر چڑھائیں گے
لَحۡمًا: گوشت
فَلَمَّا: پس جب

کو تربیت حاصل کرنی چاہیے کہ وہ زندگی کے مزوں کو محسوس کر کے مسکرا بھی سکے اور موت کا جام پی کر اگلے مرحلے کی دہلیز تک پہنچنے کے لطف سے مدہوش بھی ہو سکے۔

علامہ ڈاکٹر اقبال نے کتنے خوبصورت اشعار کہے ہیں:

ہم چو کافر از اجل ترسندہ ای
سینہ اش فارغ ز قلب زندہ ای
مرگ را چو کافراں داند ہلاک
آتشِ او کم بہا مانندِ خاک

''مسلمان کافروں کی طرح موت سے ڈرتے ہیں اور
ان کے سینے بیدار دل کی دولت سے محروم ہیں اور سمجھتے
ہیں کی موت ہلاک کر کے رکھ دیتی ہے اور یہ برباد کر کے
خاک بنا دیتی ہے''۔

تیری نجات غمِ مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خاکی

قرآن مجید ایک مرد خدا کے تجسّس کو جو مردہ اور ویران بستی سے متعلق پیدا ہوتا ہے کہ یہ بستی جو بنیادوں پر گری پڑی ہے، دیواریں اور چھتیں ریزہ ریزہ ہو چکی ہیں، دوبارہ زندگی کی صبح یہاں کیسے طلوع ہوگی؟ اسی بستی کو مشاہدگاہ الفت اور تاریخی تجربہ گاہ بنا دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سائلِ محبت موت کی آغوش میں جا سوتا ہے اور یہ کیفیت ایک دن یا ایک سال کی نہیں ہوتی۔ مکمل سو سال اسی حال میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندگی کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ یہاں قاریٔ قرآن کو یہ بات دل میں سنبھال لینی چاہیے کہ جو فہم اور شعور روحانی تجربے عطا کرتے ہیں وہ عقل و منطق اور برہان و وجدان سے حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

''قرآن مجید کے مطابق سو سال کی لذت مرگ سے
آشنائی کے بعد مرنے والے سے پوچھا جاتا ہے بتاؤ تو
سہی تم کتنی مدت اس حالت میں پڑے رہے؟ وہ جواب
دیتے ہیں ایک دن یا دن کا بھی بعض حصہ، قرآن مجید
نے گرہ لگائی کہ نہیں نہیں!! تم سو سال اس حالت میں

مفردات

تَبَيَّنَ: کھول دیا، وضاحت کردی
لَهٗ: اس کے لیے
قَالَ: فرمایا
اَعۡلَمُ: میں جانتا ہوں
اَنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
عَلٰى كُلِّ: ہر ایک پر
شَیۡءٍ: چیز
قَدِيۡرٌ: قدرت رکھنے والا

پڑے رہے''۔

یہاں سے توحید پر ایمان کا شعور ہفتِ آسماں کی سیر مکمل کر لیتا ہے۔ سفلیت علویت کے مزاج سے آشنا ہو جاتی ہے کہ سو سال کی فنا کے تام کے باوجود جسم نہ گلا نہ سڑا۔ قرآن مجید نے کہا صرف اتنا ہی نہیں اپنے کھانے اور پینے کو بھی دیکھ لیں ان میں کوئی تغیّر واقع نہیں ہوا۔

قرآن مجید نے برقی رفتار سے بھی سرعت کے ساتھ شعور اور عقل اور حواس اور احساسات کے سامنے دوسرا منظر لا کھڑا کیا، اپنے گدھے کو بھی ذرا دیکھ لیجیے ہم ہڈیوں کے اس پنجر کو زندہ گوشت کی پوشش سے نواز دیتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے ہڈیاں جڑنے لگ گئیں اور ان پر گوشت پوست چڑھنے لگ گیا۔ مادیت کے قالب میں دو قسم کی تصویریں ابھر گئیں، سو سال کھانا خراب نہیں ہوا اور گدھے کا کچھ بچا نہیں اور معجزہ رونما ہوا اور گدھا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ایمان اور تسلیم والی بات یہ ہے کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی مشیت کو کوئی قید نہیں کر سکتا۔ موت، حیات، نیند، بیداری اور زماں مکاں کے فلسفے کچھ نہیں، نظام خدا اللہ کی چاہت کا نام ہے اس کی قدرت ہر ایک پر حاوی ہے۔

روضۃ الواعظین میں پیرایۂ بیان کی نیرنگی اور دلچسپی ملاحظہ ہو:

> ''حضرت عُزیر اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر سفر پر نکلے۔ ان کی اہلیہ حاملہ تھیں اور خود ان کی عمر پچاس سال تھی۔ اللہ نے انہیں سو سال تک مردہ رکھا، پھر زندہ کیا وہ گھر لوٹے تو ان کی عمر پچاس تھی اور ان کے بیٹے کی عمر سو سال ہو گئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے کہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی ہے کہ باپ پچاس سال کا اور بیٹا سو سال کا''۔

و اللہ اعلم

لذت تکرار

آیت کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو تین مرتبہ عزیر علیہ السلام کو کہا گیا دیکھیے اپنے طعام اور مشروب کو، پھر کہا گیا دیکھیے اپنے گدھے کو، پھر تیسری مرتبہ کہا گیا دیکھیے ہم ہڈیوں کو کیسے جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت کی پوشش دے دیتے ہیں۔ اصل میں مشاہدہ براہین عقلی سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، اس لیے اللہ اپنے

پیاروں کو عقلی، وجدانی، روحانی، وہبی اور مشاہداتی دلائل سے نوازتا ہے تا کہ یقین کی منزلوں سے وہ کامیابی سے گزر جائیں۔

آیت میں ''الَّذِیْ'' سے مراد

یہاں آیت میں نبی کا نام نہیں لیا گیا البتہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''کَالَّذِیْ'' میں اشارہ حضرت عُزیر علیہ السلام کی طرف ہے۔ آپ کی بعثت پانچویں صدی قبل مسیح میں ہوئی۔ تاریخ میں آپ کی شہرت کاتبِ توریت ہونے کی ہے۔ ایک قول ارمیاہ نبی کے بارے میں بھی ہے۔ آیت میں ''قَرْیَۃٍ'' سے مراد یروشلم ہے۔ اس شہر کو بخت نصر بابلی نے تباہ و برباد کیا تھا۔

عُزیر علیہ السلام کا مشروب اور طعام

علامہ اسماعیل حقی نے لکھا کہ حضرت عُزیر علیہ السلام نے انجیر اور انگور اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ آپ سو سال حالت وصال میں رہے لیکن انجیر خراب ہوئی نہ انگور کا نچوڑ خراب ہوا۔ یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

وحید الدین کی خوبصورت تحریر

انبیاء خدا کی طرف سے اس لیے مقرر ہوتے ہیں کہ لوگوں کو غیبی حقائق سے باخبر کریں۔ اس لیے ان کو غیبی چیزیں بے پردہ کر کے دکھا دی جاتی ہیں۔ وہ چیزیں جن پر اسباب کا پردہ ہوتا ہے، یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو غیبی حقائق بتاتے ہوئے کہہ سکیں یہ سب کچھ ہمارا دیکھا ہوا ہے۔ انبیاء سچے لوگ ہوتے ہیں اس لیے وہ ہر غیب پہلے دیکھتے ہیں پھر بیان کر دیتے ہیں۔

نبی لوگوں کے لیے آیت ہوتا ہے

قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ حیرت ناک اور ایمان آزما حالات آپ کو اس لیے پیش آئے ہیں کہ ہم آپ کو لوگوں کے لیے آیت اور نشانی بنا دینا چاہتے تھے۔ آپ کو سو سال حالت وصل میں رکھنا لیکن آپ کا یہی سمجھنا کہ ایک مکمل دن یا اس کا بعض حصہ آپ پر گزرا، کسی کے لیے وقت کا سمٹ جانا اور کسی کے لیے پھیل جانا۔ طعام اور مشروب کی نسبت بھی نبی کی طرف کی کہ اپنے کھانے اور جوس کو دیکھ لیجیے۔ سو سال میں کسی وجود کا بکھر جانا اور کسی وجود کا باسی تک نہ ہونا۔ قرآن مجید نے پھر کہا کہ دیکھیے! ہم ہڈیوں کو کس طرح جوڑتے ہیں۔ اس میں ایک فعل کا مشاہدہ کرایا گیا کہ ہم جو چاہتے ہیں اس پر قدرت رکھتے ہیں لیکن یہ محیر العقول واقعات کوچۂ نبوت سے اس لیے گزارے جاتے ہیں کہ لوگ مقام نبوت کی عظمت اور فضیلت کو جان لیں۔ اگر عظمتیں اور فضیلتیں عُزیر علیہ السلام کے کھانے پینے اور آپ کی سواری

سے ظاہر ہوسکتی ہیں تو قرآن پڑھنے والو! اپنے نبی کا مقام اوران کا شرف جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کون کون سی خوبیاں عطا نہ کی ہوں گی۔

یہ واقعہ لوگوں کے لیے آیت کیسے ہوا؟

ضحاک نے لکھا کہ عُزیر علیہ السلام جب دوبارہ زندگی پانے کے بعد اپنے کنبے قبیلے کی طرف گئے تو آپ کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے، جب کہ آپ کے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ پیری کا جوانی کی روپ میں آجانا ایسی نشانی تھی جسے سب لوگ دیکھ سکتے تھے۔تورات کا مکرر احیاء اور انشاء عُزیر علیہ السلام کے وسیلہ سے ہوا۔تورات کی حفاظت مقصد ہو تو یہ معجزے ظاہر ہو سکتے ہیں،قرآن حکیم کے لیے کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔ بات توسمجھ کی ہے کہ قرآن حکیم کو مقصد زیست بنالینا تفسیری دعوت کی ضیاء اور نور ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ
قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ
فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ
یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾
مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ
سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ
یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾

(260) اور یاد میں لاؤ جب ابراہیم نے عرض کی ''اے میرے پالنے والے! مجھے مردہ زندہ کرنے کی کیفیت تو دکھلا دے'' اللہ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے عرض کی کیوں نہیں لیکن یہ اس لیے کہ میرا دل خوش ہو جائے فرمایا تو چار پرندے پکڑ و اور انہیں اپنے پیار میں مائل کر لیجیے پھر ذبح کر کے ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھیے پھر انہیں آپ خود بلایئے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آجائیں گے اور یقین رکھیے اللہ غالب اور بڑی حکمتوں والا ہے

(261) اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں بالکل اُس دانے کی مثال سے ملتی جلتی ہے جو سات بالیں اُگائے ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے خوب بڑھاتا ہے اور اللہ بڑا ہی وسعت نواز بہت علم والا ہے

مفردات

وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰى
وَلٰـكِنۡ لِّيَطۡمَٮِٕنَّ قَلۡبِىۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّيۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ ثُمَّ
اجۡعَلۡ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ
عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶۰﴾

''اور یاد میں لاؤ جب ابراہیم نے عرض کی ''اے میرے پالنے والے! مجھے مردہ زندہ کرنے کی کیفیت تو دکھلا دے'' اللہ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے عرض کی کیوں نہیں لیکن یہ اس لیے کہ میرا دل خوش ہوجائے فرمایا تو چار پرندے پکڑو اور انہیں اپنے پیار میں مائل کر لیجیے پھر ذبح کر کے ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھیے پھر انہیں آپ خود بلائیے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آجائیں گے اور یقین رکھیے اللہ غالب اور بڑی حکمتوں والا ہے''۔

قرآن مجید علوم اور معارف کا بحرِ بے پایاں ہے۔ اس عظیم اور عمیق کلام کی یہ آیۂ تمجید اور جملۂ تبریک اور موضوع تشویق معرفت کے عجب عجب رازوں کو آشکار کرتا ہے۔ پہلے تو میں مفسرین کی تحقیقات کی خوشبو قارئین تفسیر تک پہنچانا چاہوں گا۔

ملا واحدی نے التفسیر البسیط کے اندر لکھا کہ حسن، ضحاک اور قتادہ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں لکھا کہ آپ کا یہ سوال کسی تردّد یا شک کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت کہ وہ زندگی نواز ہے اس کی جلوہ نمائی کا مشاہدہ کرنا تھا۔

ملا واحدی نے خوبصورت لکھا کہ اہل عشق جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شوق رکھتے ہیں۔ اس رویت کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ یقیناً یہ ان کا یقین ہی ہے جو رویت اور زیارت کے لیے بے تابیاں پیدا کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی سوال ''رویت احیاء'' کا کیا تھا اور ایسا سوال شک نہیں ہوتا شوق ہوتا ہے (483)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سدی اور سعید بن جبیر نے قول کیا کہ ملک الموت نے ربّ سے اجازت چاہی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دیں کہ اللہ نے انہیں اپنی خلّت کے لیے چن لیا ہے۔ اجازت کے لیے حاضری ہوئی، خوشخبری دی گئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی حمد کی اور پوچھا اس کی نشانی کیا ہے؟ وضاحت ملی کہ اللہ آپ کی دعا کو مستجاب کرے گا اور آپ کے ایک سوال پر مُردوں کو زندہ کرنے کی جلوہ نمائی ہو گی۔ ابراہیم علیہ السلام نے سوال کر دیا تا کہ ربّ کریم کی مشیت کی جلوہ نمائی اور ابراہیم علیہ السلام کے شوق کی منزلیں طے ہوجائیں (484)۔

وَ: اور
اِذۡ: جب
قَالَ: کہا
اِبۡرٰهٖمُ: ابراہیم نے
رَبِّ: اے میرے ربّ
اَرِنِىۡ: مجھے دکھلا دے
كَيۡفَ: کیسے
تُحۡىِ: تو زندہ کرتا ہے
الۡمَوۡتٰى: مُردوں کو
قَالَ: فرمایا
اَوَلَمۡ: کیا نہیں؟
تُؤۡمِنۡ: تو یقین رکھتا
قَالَ: عرض کی
بَلٰى: ہاں
وَلٰـكِنۡ: اور لیکن
لِّيَطۡمَٮِٕنَّ: اس لیے کہ مطمئن ہوجائے
قَلۡبِىۡ: میرا دل
قَالَ: فرمایا
فَخُذۡ: تو پکڑ تو
اَرۡبَعَةً: چار
مِّنَ: سے
الطَّيۡرِ: پرندے
فَصُرۡهُنَّ: تو انہیں پھر ریزہ ریزہ کر کے باہم ملا لو
اِلَيۡكَ: اپنی جانب
ثُمَّ: پھر
اجۡعَلۡ: رکھو

مفردات

عَلٰى كُلِّ: ہرایک پر
جَبَلٍ: پہاڑ
مِّنۡهُنَّ: ان میں سے
جُزۡءًا: ایک حصہ
ثُمَّ: پھر
ادۡعُهُنَّ: ان کو پکارو
يَاۡتِيۡنَكَ: آئیں گے وہ آپ کے پاس
سَعۡيًا: دوڑتے ہوئے
وَاعۡلَمۡ: اور جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
عَزِيۡزٌ: غالب
حَكِيۡمٌ: حکمت والا

تفسیر کا تیسرا رخ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں شک تھا۔ جس کا دھیرے دھیرے ازالہ کردیا گیا۔ طبری نے اپنی تفسیر میں یہ بات عنوان بنا کر ذکر کی کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں شک اور تردد سا موجود تھا جس کا ازالہ کرنے کے لیے آپ نے ربّ سے سوال کیا۔ اس عجیب تر تاویل کو تفسیر قرطبی نے عطا ابن ابی رباح کے حوالے سے نقل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں بعض وہ کچھ داخل ہوگیا جو لوگوں کے دل میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے حریمِ ربوبیت میں عرض کی، اے میرے پروردگار! تو مُردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے (485)۔

المحرّر الوجیز میں ابن عطیہ نے اس بات کو بڑی شدّ ومدّ سے نقل کیا (486)۔ ہمارے نزدیک اس رائے پر علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین کا تعاقب محمود ہے (487)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شوقِ عشق، خدا پرستی، روحانی اسفار اور امواج محبت میں ڈوبی ہوئی طبیعت سے بہت بعید ہے کہ وہ عقیدۂ توحید کے حوالے سے کسی کمزور شئی میں مبتلا ہوں۔ آتش نمرود میں بے خطر کود جانے والے کبھی عقل کی نارسائیوں کا شکار نہیں ہوسکتے۔

بات شوق کی ہے اُسے سمجھ لیا جائے

آیت میں ''قَالَ'' کا لفظ زندہ، بیدار اور بے قرار تمنا کا کلماتی اظہار ہے۔ ''رَبِّ'' کہنے میں استغاثہ کی تڑپ ہے۔ طالب اور مطلوب کا وہ قرب ہے جسے مفسرین نے کم کم سمجھنے کی کوشش کی ہے ''اَرِنِيۡ'' میں مشاہدات کی صورت میں شوق کی تکمیل کے لیے بے قراری ہے۔ عاشق معشوق کی کسی ادا کا جلوہ آنکھوں سے دیکھنے کے لیے تڑپے تو اُسے معشوق کی کسی صفت میں اور خوبی کے اندر شک نہیں ہوتا وہ حسن افعال کے سمندر میں معنوی تلاطمات اور مقناطیسی امواج سے لطف مند ہونا چاہتا ہے۔ سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ ابراہیم ربّ سے ہم کلام ہیں اور ربّ ابراہیم سے ہم کلام ہیں۔ ابراہیم کے لیے اس سے بڑا شرف کوئی اور ہوسکتا تھا؟ ایمان کے اس جلوہ سے بڑھ کر کوئی اور فضلیت مآب شئی ہوسکتی تھی؟ اس روحانی معراج کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شک اور تردّد روح و دل میں پل سکتا تھا؟ بات صرف اتنی سی تھی کہ چاہنے والے کا دل اور آنکھ محبوب کا جلوہ دیکھنے سے تھکتے نہیں۔ شوق کے سوالات کبھی ختم ہوسکتے نہیں۔ اصل کیفیت اس آیت میں کیف میں استغراق ہے۔ جس سمندر اور دریا میں تیر کر کسی ہیر نے رانجھے تک پہنچنا ہو اُس سے بے نیازی ممکن نہیں ہوسکتی۔ کچے گھڑے پر بھی تیرنا پڑے تو عشق کا تقاضا پورا کرنا پڑتا ہے۔ بات ''تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى'' کی تو ہے ہی لیکن اصل کہانی کا مزہ کیف میں ہے۔ سب سے زیادہ مزیدار لفظ مجھے سید قطب کے محسوس ہوئے (488):

''آیت میں ایک امنگ اور تمنا کا اظہار ہے۔ ایسی امنگ جس کا تعلق ایمان یا ایمان کی پختگی کے ساتھ نہیں ہے۔ اس اُمنگ کے ذریعے حضرت ابراہیم کوئی دلیلِ توحید نہیں تلاش کر رہے تھے اور نہ ہی انہیں ایمان کی کمزوری کا مداوا کرنا تھا۔ ایمان اور یقین کا ورثہ تو پہلے ہی ابراہیم علیہ السلام کے پاس موجود تھا۔ اصل میں کچھ راز تھے جن تک رسائی مقصود تھی، گویا معاملہ صرف روحانی شوق اور عشق کی تسکین کا تھا اور اس سمندر کا کوئی کنارہ نہیں''۔

آیت میں اطمینان قلبی سے مراد کیا ہے؟

ابن جریر طبری نے آیت میں اطمینان قلب سے مراد محفوظ ہونا لیا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے سوال اسی غرض سے کیا کہ دل اندیشوں سے محفوظ ہو جائے۔ جو چیز مشاہدے میں آ جاتی ہے وہ یقین افزائی کا سبب بن جاتی ہے(489)۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اطمینان دل کا معنیٰ ہی یقین میں اضافہ ہو جانے کا لیا ہے(490)۔

ابن عطیہ نے اطمینان سے مراد یقین اور سکون کا پراگندہ نہ ہونا لیا ہے(491)۔

سدی نے کہا کہ اطمینان قلب سے اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ دعاؤں کے مستجاب ہونے کا یقین پیدا ہو جائے گا(492)۔

بقلی نے محبوب کے لیے دل میں یکسوئی ہو جانے کو اطمینان کہا ہے(493)۔

علامہ اسماعیل حقی نے یقین کے مدارج میں اضافہ ہو جانے کو اطمینان لکھا ہے یعنی قلب و روح کا علم الیقین سے نکل کر عین الیقین کے مدار میں داخل ہو جانا(494)۔

مخدوم جہانیاں نے جامع العلوم میں اطمینان کا معنیٰ شوق کی منزلیں طے ہو جانا لکھا ہے(495)۔

آیت میں ''صرھن'' کی معنوی تفصیل

''صرھنّ'' ''صار الشیٔ'' سے ماخوذ ہے۔ اس کا مادہ صاد، واؤ اور را ہے۔ ''ص و ر'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ابو عبیدہ نے اس کا معنیٰ قطع کر دینا اور کاٹ دینا لکھا ہے۔ ابوالاسود الدؤلی نے لکھا کہ اس لفظ کی اصل سریانی ہے اور اس کا معنیٰ چٹنی بنانا، ریزہ ریزہ کرنا ہوتا ہے۔ ضحاک نے لکھا کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ کاٹ دینا ہوتا ہے۔ ابن منظور نے ملا دینا اور جمع کر دینے کا معنیٰ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

بھی نقل کیا ہے۔ گردن جھکا کر چلنے والا شخص ''رجل اصور'' ہوتا ہے۔

قرطبی نے لکھا کہ پہلے کسی کو مائل کرنا پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ''اصوار'' ہوتا ہے۔ ''صرّ ھالد نانیر'' کا مطلب ہوتا ہے وہ بٹوا جس میں دینار جمع کر دیے جائیں۔ وہ خوشبو جو طبیعت کو مسحور کر دے ''صوار'' ہوتی ہے۔ ''صارہ'' وہ زمین ہوتی ہے جس میں اتنے درخت ہوں جنہیں گنا نہ جاسکے۔ جبڑوں کو ''صوارین'' اس لیے کہتے ہیں کہ ہونٹوں کو آپس میں ملایا بھی جاتا ہے اور جبڑے بند کر کے منہ کے اندر طعام کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا ہے۔ ''صور'' تصویریں بھی ہوتی ہیں شاید اس لیے کہ تصویر بھی اپنی اصل سے کٹی ہوئی ہوتی ہے۔ پہاڑی چھوٹے چھوٹے چشمے بھی ''صیرین'' کہلاتے ہیں۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوجانا ''صیرورت'' ہوتی ہے۔ ''صیر'' کنارے کو بھی کہتے ہیں۔ ''صیور'' بھوسے کو بھی کہہ دیتے ہیں شاید اس لیے کہ وہ چورہ بن گیا ہوتا ہے۔ اب اس لغوی بحث سے مفسرین کی دونوں آراء کو جمع کیا جاسکتا ہے۔ پہلے مائل کرنا پھر ذبح کر کے قیمہ بنا دینا (496)۔

ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھیے

چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت باہم ملا کر چار حصّوں میں تقسیم کر لیجیے پھر ایک ایک حصّہ ایک ایک پہاڑ پر رکھیے پھر آواز ماریے۔ پرندوں کو آواز کے ذریعے بلائیے وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوجائیں گے۔ مقصد یہ تھا کہ ابراہیم حشر ونشر اور مُردوں کے اجزائے بدن کے بکھر جانے کے بعد زندہ ہونے کا منظر مشاہدہ کرلیں۔

ایک لطیف رمزیت

بعض مفسرین نے ''صرھن'' کا ترجمہ مانوس اور مائل کرنا لیا اور بعض نے ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا مراد لیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر دونوں معانی یکجا کر لیے جائیں تو ایک تیسرا مفہوم تفسیری آیت میں ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ابراہیم پہلے آپ پرندوں کو مانوس کرلیں پھر ذبح کر کے پہاڑوں پر ان کے اجزاء رکھ دیں پھر آپ آواز دیں تو وہ پرندے دوڑتے ہوئے تیرے پاس آجائیں گے۔ معنیٰ یہ کہ مُردے ویسے زندہ نہیں ہوتے حکم اللہ کا ہوتا ہے، آواز کی کشش پیغمبر کی نسبت کا لمس لیتی ہے اور جب کٹے پھٹے پرندوں کے اجزاء پر اُس آواز کا ورود ہوتا ہے تو اللہ ان میں بھی روح ڈال دیتا ہے، گویا آیت میں صرف حشر ونشر کا اعتقادی مسئلہ ہی حل نہیں کیا جاتا بلکہ پیغمبر کی اطاعت کے معجزانہ اثرات بھی بیان کیے جارہے ہیں، کتنے مزے کی ترکیب ہے۔

پس آپ پکڑ لیجیے!

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

مَثَلُ: مثال
الَّذِيۡنَ: ان لوگوں کی
يُنۡفِقُوۡنَ: وہ خرچ کرتے ہیں
اَمۡوَالَهُمۡ: اپنے اموال
فِىۡ: میں
سَبِيۡلِ: راستہ
اللّٰهِ: اللہ
كَمَثَلِ: جیسا کہ مثال
حَبَّةٍ: دانہ
اَنۡۢبَتَتۡ: جو اُگائے
سَبۡعَ: سات
سَنَابِلَ: بالیں
فِىۡ كُلِّ: ہر ایک میں
سُنۡۢبُلَةٍ: بال، سٹہ
مِّائَةُ: سو
حَبَّةٍ: دانے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يُضٰعِفُ: دوگنا کر دیتا ہے
لِمَنۡ: جس کے لیے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
وَاسِعٌ: وسعت والا
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ جاننے والا

بعد ازاں آپ انہیں خود سے گرویدگی دے دیں
پھر آپ انہیں ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں
پھر آپ ہر پہاڑ پر ایک ایک حصہ رکھ دیں
پھر آپ انہیں آواز دے کر بلائیے آپ کوئی اور نہیں
وہ آپ کے پاس دوڑ کر پہنچ جائیں گے گویا اُڑ کر نہیں
چل کر ادب کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔

چار پرندے

مفسرین نے لکھا کہ پرندوں کی تعداد چار تھی ۔ ابن عطیہ ، طبری ، بغوی ، اسماعیل حقی ، رازی ، جمل وغیرہ نے لکھا کہ یہ مور ، مرغ ، کبوتر اور کوّا تھے ۔ بعض نے گدھ اور سارس کا ذکر بھی کیا (497) ۔ اگر پہلے چار ہی جمہور کے قول پر مراد لیے جائیں تو کہا جاتا ہے ، مور جہاں حسن اور زیبائی کی علامت ہوتا ہے وہاں اس میں تکبر اور غرور ایسی بری عادت بھی ہوتی ہے ۔ مرغ جنسی شہوات کا گرویدہ ہوتا ہے لیکن بہادری اور انسان دوستی اس کی اچھی خصلت مشہور ہے ۔ کبوتر لہو و لعب اور کھیل کود کا مظہر ہوتا ہے جب کہ کوّا لمبی چوڑی آرزوؤں اور تمناؤں کا مظہر ہوتا ہے ۔ امام قشیری فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے قلبی اطمینان کی تمنا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے چار پرندوں کے ذبح کرنے کی طرف اشارہ کیا (498) اس میں تربیت یہ تھی کہ ان پرندوں کو ذبح کرو یعنی ان کی بری خصلتوں کو خود سے دور رکھنا قلب کی زندگی ہے ۔ اگر کوئی عقل کا غلام یہ کہے کہ ان پرندوں کو جب زندہ کر دیا گیا تو کیا ان کی بری خصلتیں ان کے ساتھ زندہ نہ ہو گئیں ، جواباً کہا جا سکتا ہے کہ یہ پرندے پہلے باب نبوت سے دور تھے اس لیے بری خصلتیں ان میں موجود تھیں جب پیغمبر کی دعوت پر زندہ ہوئے تو ظہور اچھی خصلتوں کا ہو گیا اصل چیز تو پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہنا ہے ۔

مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۶۱﴾

”اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں بالکل اُس دانے کی مثال سے ملتی جلتی ہے جو سات بالیں اُگائے ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے خوب بڑھاتا ہے اور اللہ بڑا ہی وسعت نواز بہت علم والا ہے“ ۔

ایمانی شعور کی بیداری

قرآن مجید جس نظام کی طرف دعوت دیتا ہے اُس کا آغاز محبت ، ایمان ، نیکی اور صدق کی بنیادوں

پر تبدیلی کی تحریک سے ہوتا ہے۔ وہ معاشرہ جس میں تعاون اور تکافل کے ٹھوس اصول اور ذرائع موجود نہ ہوں وہ ناپائیدار شاخ کی طرح ہوتا ہے۔ جس پر زیادہ وزن نہیں ڈالا جاسکتا۔ عملی معاشرے کے بغیر مذہب فلسفے بن جاتے ہیں جو فلسفیوں ہی کے اندر گھومتے رہتے ہیں۔ انسانی امامت اور رہبری کا کام وہی دین کرسکتا ہے جس میں انسانی کفالت اور تولیت کا نظام موجود ہو۔ سورۂ بقرہ میں اس آیت سے لے کر آخر تک صرف معاشی مسائل بیان ہوئے ہیں تاکہ قاریٔ قرآن کی تربیت کی جائے کہ اسلامی معاشرہ اقتصاد میں حسن اور توازن ہی کی بنیاد پر منظم کیا جاسکتا ہے۔ اسلام دینے والے اور خرچ کرنے والے ہاتھوں ہی سے محبت کرتا ہے۔ دین میں باقاعدہ یہ تربیتی سبق دیا جاتا ہے کہ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی یہی مسلسل، ٹھوس، فعال اور متحرک دعوت ہے جو مسلمانوں کو اس عظیم اور خوشبو خوشبو شعور سے نوازتی ہے۔

ایک لطیف سبق

اس آیت سے پہلے قرآن مجید نے جو واقعات بیان کیے ہیں ان کا تعلق مُردوں کے زندہ ہونے کے ساتھ ہے۔ بلاشبہ ان میں حشر و نشر کا منظر نامہ قرآن پڑھنے والوں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے لیکن یہ عجیب اور لطیف بات نہیں کہ ان دونوں واقعات کے بعد کردار میں سے جو بات بیان ہوئی وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انفاق کے بغیر معاشرے زندہ نہیں ہوتے۔ اللہ کی رضا کی یہ وہ راہ ہے جس پر مال خرچ کر کے ہی کرامتیں ظہور میں لائی جاسکتی ہیں۔

قابل توجہ امر

وہ لوگ جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کرنے کو ایک پُر برکت دانے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے ایک خوبصورت، زرخیز، مستعد اور پیاری زمین میں ڈالا جائے اور زمین لیتے ہوئے ایک دانہ لے، جو ہر طرف جڑیں اور شاخیں پھیلائے پھر اُس دانے سے سات سات سنبل اور خوشے اُگیں، ان میں سے ہر خوشے میں سو دانے ہوں، یوں زمین ایک دانہ لے کر سات سو دانے واپس کردے۔

تعبیر کا انداز زندہ اور تابندہ ہے۔ یہ مثال پڑھ کر انسانی شعور میں ایک قسم کا جوش و خروش پیدا ہوتا ہے اور انسانی ضمیر میں حرکت اور بیداری پیدا ہوجاتی ہے اور انسان آسانی کے ساتھ اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔

تعبیر کا ایک دوسرا انداز

قرآن مجید کی اس آیت میں عموم کو اگر تعبیر کی ''ظاہریت'' ہی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ایک

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

اور مفہوم اُجاگر ہوتا ہے کہ تعریف دراصل خرچ کرنے والے لوگوں کی کی گئی ہے۔ وہ ہاتھوں کے سخی اور کریم لوگ ایک پُر برکت دانے کی طرح ہوتے ہیں، جیسے ایک دانہ پل بڑھ کر سات سو دانوں تک پہنچ جاتا ہے۔ معاشرے میں ایک شخص اپنے معاشرتی عمل سے کئی انسانوں کی کفالت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھالیتا ہے۔ آیت میں خرچ کرنے والے لوگوں کی دانہ سے تشبیہ جاذب نظر ہے۔ مرغی بھی انڈے دے کر فیض بار ہوتی ہے۔ وہ شخص قرآن کی نظر میں محمود نہیں ہو سکتا جو اپنے تمام اموال کو بخل اور کنجوسی کی قبر میں دفنا دے اور خود طفیلیوں کی زندگی بسر کرے۔ قرآن مجید معاشرے میں ایسے لوگوں کو دیکھنا چاہتا ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں نہ صرف اس اخلاقِ حسین کے حامل ہوں بلکہ وہ ایک تحریک اور انجمن کی حیثیت رکھتے ہوں۔

ایسے زندہ اور عظیم انسانوں کی موجودگی ہی میں اسلام کا تخم دلوں کی کھیتیوں میں فیض بار ہو سکتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی کا اندازِ تعبیر کچھ ایسا ہی ہے۔

خرچ کرنے کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (499):

''مومن کا صدقہ اُسے آفات دنیا، فتنۂ قبر اور عذاب آخرت سے بچاتا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے (500):

''جو شخص اپنی پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرے اللہ اُسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اُسے صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتا رہتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (501):

''سخاوت ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑیں جنت میں ہیں اور اس کی شاخیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو شخص اس کی ایک شاخ کو بھی پکڑے گا وہ اسے جنت میں لے جائے گی''۔

ایک اور حدیث میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (502):

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

''وہ شخص جو بیوہ اور مسکینوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ وہ اللہ
کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہوتا ہے''۔

مسند امام احمد بن حنبل کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اُونٹنی خریدی اور خیرات کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (503):

''یہ شخص بروز قیامت سات سو نکیل والی اُونٹنیاں پائے
گا''۔

مسند احمد ہی کی حدیث ہے کہ نماز، روزہ اور اللہ کا ذکر انفاق فی سبیل اللہ کی وجہ سے سات سو گنا بڑھ جاتے ہیں (504)۔

ابن کثیر نے یہ حدیث روایت کی کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں: ایک تو وہ جسے اللہ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور اُسے اُس کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق عطا فرمائی (505)۔

ایک عجیب بحث

مفسرین نے اس آیۂ کریمہ میں ایک عجیب بحث شروع کر دی کہ دنیا میں سات سو دانے رکھنے والا کوئی سٹہ یا بالیں موجود ہی نہیں۔ اس پر یہ بھی لکھا گیا کہ باجرے کا سٹہ یا بال ہزاروں دانوں پر مشتمل ہوتا ہے (506)۔ موسم اچھا ہو، ہوائیں خوشگوار ہوں، زمین زرخیز ہو، فصل کاشت بر موقع کی گئی ہو، مٹی خوشبودار ہو، کسان اہل ہو، فضا سازگار ہو، پانی فراواں ہو تو چار چار ہزار دانوں والی بالیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اصل میں تو قرآن کی زبان سے برکتوں کا وفور بیان کیا گیا ہے۔ سوچنے، دیکھنے اور ایمان بنانے والی چیز تو یہی ہے۔ یہ سوچ فخر الدین رازی کے مطابق ہے، اس لیے کہ باجرے کے سٹے والا جواب انہوں نے کمزور لکھا ہے (507)۔

قابل غور نظم قرآن کا ہے

قرآن مجید نے ہر بال میں سات سو دانے کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ نظم قرآن میں غور کیجئے قرآن تو ہر دانے سے سات بالیں اُگنے کی بات کرتا ہے اور پھر ہر بال میں سو دانہ اُگنے کی مثال دیتا ہے اور پھر آگے جا کر ''یُضٰعِفُ'' کا مادہ استعمال کر دیتا ہے جو کئی گنا بڑھ جانے کا مفہوم دیتا ہے۔ اگر ہم باجرے اور رائی کی بات نہ بھی کریں تو قرآن کا اسلوب بلیغ اور فصیح ہے جو اپنے موضوع سے متعلقات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بیان ہوئیں: ایک وسعت والا ہونا اور دوسرا بہت زیادہ علم والا ہونا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنانے کی بات کی جائے تو یہاں کردار اور اخلاق کی سہ گانہ صورت سامنے آتی ہے:

- اللہ کی راہ میں اموال خرچ کرنا
- طبیعت میں وسعت کا ہونا
- اور علم کے حصول کی سچی تڑپ اور لگن

کنز العثیمین کے اسباق

علامہ ابن عثیمین نے اس آیت سے یہ اسباق سیکھے ہیں (508) جو ہر قاریٔ قرآن کے لیے مفید ہو سکتے ہیں:

1۔ فہم اور شعور میں سرعت، تیزی اور مقصدیت لانے کے لیے ضرب الامثال کا کلام میں استعمال انتہائی مؤثر اسلوب ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی لیے جابجا امثال بیان کی ہیں۔
2۔ قرآن حکیم افصح کلام ہے ان خوبیوں تک اصحابِ عقل ہی رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔
3۔ اللہ کی راہ میں اموال کا خرچ کرنا افضل اور اعلیٰ کام ہے۔
4۔ آیت میں فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ یہ چیزیں اخلاص اور خلوص کی فضیلت اور اہمیت بیان کرتی ہے۔
5۔ فی سبیل اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اموال شریعت کے موافق خرچ کرنے چاہییں۔ خلاف شریعت مال خرچ کرنا جرم ہے۔
6۔ اموال کی ملکیت اسلام کے منافی نہیں ہے ''اَمْوَالَهُمْ'' کہنے سے اموال پر ملکیت ثابت ہوتی ہے۔
7۔ دانے سے تشبیہ دینے میں وجہِ تشبیہ یہ ہے کہ خوشے جیسے جسم کی غذا ہوتے ہیں انفاق فی سبیل اللہ دلوں اور روحوں کی خوراک ہوتی ہے۔
8۔ کسی عمل کرنے والے کے عمل سے اللہ ثواب اور جزا زیادہ عطا فرماتا ہے۔
9۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔
10۔ ہر ایک پر اللہ کی سلطنت محیط ہے کوئی نفس بھی اس سے خارج نہیں۔
11۔ ''وَاسِعٌ'' اور ''عَلِيْمٌ'' بھی اللہ کے اسماء میں سے ہیں۔

واللہ اعلم

❀❀❀❀❀

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا
مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ
حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾

(262) جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں وہ اپنے انفاق کے پیچھے ہی نہیں پڑ
جاتے ہیں احسان جتلاتے ہوئے اور نہ ایذا دیتے ہوئے، ایسے عظیم لوگوں کا اجران کے
ربّ کے ہاں محفوظ ہوتا ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے

(263) بات اگر اچھی اور خوبصورت ہو اور ساتھ عیب اور نیکی چھپانے کا اہتمام تو وہ ایسے
صدقے سے اچھا ہے جس کے بعد ایذا اور تکلیف دی جائے اور اللہ بے نیاز بہت حلم والا ہے

مفردات

اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ
اَذًى ۙ لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۶۲﴾

''جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں وہ اپنے انفاق کے پیچھے ہی نہیں پڑ جاتے ہیں احسان جتلاتے ہوئے اور نہ ایذا دیتے ہوئے، ایسے عظیم لوگوں کا اجر ان کے ربّ کے ہاں محفوظ ہوتا ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

گزشتہ آیت اللہ تعالیٰ کی جن صفات کے بیان پر ختم ہوئی تھی ان میں سے ایک اللہ کا ''وَاسِعٌ'' ہونا تھا۔ اب اس آیت میں تربیت یہ دی جاری ہے کہ مال خرچ کرنا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ خرچ کیے ہوئے مال کو بھول جانا بھی وسعت ظرفی کی دلیل ہوتی ہے۔ کمینہ شخص ہی اپنے خرچ کیے ہوئے مال کو دوسروں کی ذلت کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ احسان جتلانا ایک گھٹیا، مکروہ اور پست حرکت ہوتی ہے۔ قارون مزاج شخص پہلے تو مال خرچ نہیں کرتا اگر کرے تو وہ چاہتا یہ ہے کہ لوگ اُسے کندھے پر اُٹھا کر پھرتے رہیں۔ وہ اپنے منہ سے تعلیوں کی جھاگ اُگلتا رہے۔ ایسا کمینہ خصلت انسان اپنے اموال کے ذریعے لوگوں کے دل اور روح مجروح کرتا رہتا ہے، وہ کسی کو خوش نہیں کر سکتا، دکھ ہی دیتا رہتا ہے۔ اہل اللہ کبھی اس روگ کا شکار نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ وہ اموال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں، جب وہ اموال کو اپنا سمجھتے ہی نہیں تو نتیجۃً وہ عطا و عنایت سے خراب بھی نہیں ہوتے، نہ وہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ وہ کسی کو اذیت دیتے ہیں۔

شان نزول

''حضرت حسن المجتبیٰ کی طبیعت نے بھوک محسوس کی۔ گھر اشرفیوں اور دنانیر سے خالی تھا۔ غلام نے عرض کی حضور کچھ پرانے اور بوسیدہ کپڑے ہیں ان کے عوض چھ درہم ملے ہیں، چنانچہ طعام خریدنے کا حیلہ ہو گیا لیکن ایک گداگر نے سوال کا کشکول سامنے رکھ دیا۔ آپ نے عنایت اور کرم کا دروازہ کھولا اور بھوکا رہنا پسند کر لیا اور سائل نوازی فرما دی۔ بعد ازاں ایک اونٹنی خریدی اور قیمت ادھار کر لی اور ایک اور شخص کو منافع پر بیچ دی۔ قیمت ملی تو بائع کو تلاش کیا تاکہ رقم کی ادائیگی ہو جائے۔ تلاش کی لیکن وہ شخص نہ ملا۔ ماجرا نانا جان ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سائل رضوان جنت تھے، اونٹنی کے بائع میکائیل تھے اور جبکہ مشتری جبرائیل تھے''، رنگ عزیمت بکھرا تو یہ آیت اتری۔ سبحان اللہ!!! (509)۔

تفسیر بغوی میں ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی (510)۔

اَلَّذِيۡنَ: وہ لوگ جو
يُنۡفِقُوۡنَ: خرچ کرتے ہیں
اَمۡوَالَهُمۡ: اپنے مالوں کو
فِىۡ: میں
سَبِيۡلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ کی
ثُمَّ: پھر
لَا: نہیں
يُتۡبِعُوۡنَ: پیچھے پڑ جاتے
مَاۤ: جو
اَنۡفَقُوۡا: انہوں نے خرچ کیا ہوتا ہے
مَنًّا: احسان کرتے ہوئے
وَّلَاۤ: اور نہ
اَذًى: تکلیف دیتے ہوئے
لَّهُمۡ: ان کے لیے
اَجۡرُهُمۡ: ان کا اجر ثابت ہے
عِنۡدَ: پاس
رَبِّهِمۡ: ان کے ربّ
وَلَا خَوۡفٌ: اور نہ خوف
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
وَلَا هُمۡ: اور نہ وہ
يَحۡزَنُوۡنَ: غمگین ہوں گے

تفسیر کبیر میں رازی نے لکھا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اُونٹ مع سامان اور ایک ہزار دینار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا دی:

یا رب عثمان رضیت عنه فارض عنه

''اے عثمان کے ربّ! میں اُس سے خوش ہوں تو بھی
اُس سے راضی ہوجا''۔!!!

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر چار ہزار دینار کا نذرانہ پیش فرمایا تھا(511)۔

''مَنّ'' کا لغوی معنیٰ

علامہ فخر الدین رازی نے ''مَنَ'' کا معنیٰ لکھا ''انعام دینا''۔

قد من الله علی فلان

''اللہ نے فلاں پر انعام کیا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما من الناس احد امن علینا فی صحبته و لا ذات یده
من ابن ابی قحافه

''لوگوں میں ابوبکر سے بڑھ کر ہم پر کوئی صحبت کے لیے
سخی اور مال خرچ کرنے والا کوئی نہیں''(512)۔

''من'' کا دوسرا معنیٰ رازی ہی نے حق میں کمی کرنا لکھا ہے۔ اسی سے موت کو منون سے تعبیر کر دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ عمروں میں کمی کرتی ہے اور عذروں کو ختم کرتی ہے۔ لغوی معنیٰ اس کا منقطع کرنا ہوتا ہے(513)۔

تاج العروس میں زبیدی حنفی نے احسان اور انعام کے علاوہ یہ معانی لکھے(514):

''من'' تھکا دینا، لاغر کردینا اور کمزور کردینا۔

''منین'' کا مطلب ہوتا ہے کمزور رسی ''ثوب منین'' کا مطلب ہوتا ہے بوسیدہ کپڑا۔ ''المننه'' مکڑی کو کہتے ہیں۔

ابن فارس نے اس لفظ کے اساسی معانی کاٹنا اور احسان کرنا لکھے ہیں۔ فیض اور کرم کا مسلسل جاری رہنا یعنی اُس کا منقطع نہ ہونا ''تمنین'' ہوتی ہے۔ لسان العرب میں ابن منظور نے لکھا ''من'' کا معنیٰ متضاد واقع ہوا ہے۔ کمزور ہونا اور قوی ہونا ''المنه'' قوت کو کہہ دیتے ہیں۔ ''من'' کو ''من'' اس لیے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

کہہ دیتے ہیں کہ اُسے چھوٹے ترازو پر تولا نہیں جا سکتا۔

قرآن مجید نے ''من'' کا لفظ آسمان سے اترنے والی ترنجبین یا حلوہ کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔اس سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہوگا کہ آسمانی اور الہامی رہبری سے لوگوں کو شناسا کرنا ''تمنین'' ہے(515)۔

احسان جتلانا بھی اس لفظ کا معنیٰ اخذ کیا گیا ہے۔عربوں میں یہ مشہور کہاوت ہے کہ لا تتزوجن منانة ولا حنانة ''احسان جتلانے والی اور مکر سے رونے والی عورت سے شادی نہ کرو''۔

''منانتته'' اس شخص کو کہہ دیتے ہیں جو قضا حاجت ایک ہی مرتبہ نہ کرے بلکہ آتا جاتا رہے۔اس سے یکے بعد دیگرے احسانات کو دہراتے رہنے کا معنیٰ لیا جا سکتا ہے(516)۔

''ریب المنون'' کا معنیٰ ہوگا زمانے کی اضطرابی کیفیتیں، گردش زمانہ اور حوادث روزگار منون ہوتے ہیں۔صاحب لطائف اللغہ نے ''من'' کا مطلب بذات خود الدھر یعنی زمانہ لکھا ہے۔''من اور سلوٰی'' کا مفہوم ہوگا ''میٹھا اور نمکین''۔اس اعتبار سے میٹھی چیز ''من'' ہوتی ہے(517)۔واللہ اعلم

آیت کا مرکزی نکتہ

قرآن مجید کی اس آیت کا مرکزی نکتہ انفاق فی سبیل اللہ کے روحانی اور نفسیاتی آداب ہیں۔یہ آداب انسانی روح اور دماغ دونوں میں یہ تصور راسخ کرتے ہیں کہ کوئی دینے والا تعلّی اور تفوق میں مبتلا نہ ہو اور کوئی لینے والا احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔احسان جتلاتے رہنا کردار کی گندگی بھی ہے اور جس پر مال خرچ کیا ہے اُس کو دکھ دینے والی بات بھی ہے۔اسلام جاہلی معاشروں کی خسیس باتوں کو پروان چڑھانے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ ایک نئے اور تازہ اسلوب سے کردار کے مسئلے کو حل کرتا ہے اور ان اسباب کا بھی ازالہ کرتا ہے جن کی وجہ سے معاشرے تباہ ہو جاتے ہیں(518)۔

علامہ فخر الدین رازی نے یہ بات ٹھیک اور درست لکھی ہے کہ محتاج اور فقیر جب صدقہ لے کر اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔اب اگر اُس پر مال خرچ کرنے والا احسان جتلائے گا تو محتاج شخص کا دل مزید ٹوٹ جائے گا(519)۔

منفقین اور محسنین احسان جتلانے میں اگر اپنی زبانیں لمبی کرلیں گے تو یہ رویہ صدقہ قبول کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرے گا اس طرح کوئی شخص صدقات قبول ہی نہیں کرے گا۔

تیسرا یہ کہ ''توکل علی اللہ اور اعتماد علی اللہ'' کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی اور ایسی شہ خرچیوں اور بد انفاقیوں کا کیا فائدہ جس سے ایمان بالتوحید والصفات ہی خراب ہونے لگ جائے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ احساس برتری تقویٰ اور کردار کی عمارت کو دھڑام سے منہدم کر دیتی ہے۔وہ شخص

مفردات

جولوگوں کو تکلیف دیتے ہوئے خود کو بڑا منوانے کی کوشش کرتا ہے، پوری سوسائٹی کو سولی چڑھا دیتا ہے، اس لیے انفاق کے روحانی اور اساسی آداب کا خیال رکھنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔

ایک خوبصورت حکایت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں حکایت نقل کی جاتی ہے کہ آپ کے پاس پانچ ہزار بکریوں کا ایک ریوڑ تھا اور ان کی نگرانی ایسے کتے کرتے تھے جن کے گلوں میں سونے کے ہار ڈالے گئے تھے۔ اللہ کا فرشتہ بھیس بدل کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوا اور بکریوں اور کتوں کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ فرشتے نے شان وشوکت دیکھی تو اللہ کے ذکر میں ڈوب گیا۔

سبوح قدوس رب الملئکة والروح

ابراہیم علیہ السلام نے مہمان سے کہا کتنا خوبصورت ذکر تم نے اپنی زبان سے کیا۔ میری جان بکریوں کے ریوڑ سے میں آدھا تجھے عطا کرتا ہوں۔ صورت بشری میں مہمان فرشتہ نے پھر ذکر اللہ کے کلمات دہرائے۔ ابراہیم علیہ السلام وجد میں آگئے اور آپ نے فرمایا: تم یوں ہی یہ ذکر کرتے رہے اور میری ساری بکریاں تمہارے نام ہیں قبول کرلو۔ فرشتہ نے تعجب کیا اور کہا کہ یہ شان اللہ کے خلیل ہی کی ہوسکتی ہے۔ بے شک یہ اس لائق ہیں کہ ان کا ذکر ہر زمانے اور ہر ملت میں ہوتا رہے (520)۔

یکے از نکات بنام دوستاں

انفاق فی سبیل اللہ اور اس کے آداب بجالانے والوں کے لیے اللہ نے جو جزا بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی خوف کا موقع نہ ہوگا یعنی انہیں کوئی خطرہ نہ ہوگا کہ ان کے ساتھ کوئی دشمنی ہوگی اور انہیں یہ اندیشہ بھی نہ ہوگا کہ وہ غریب ہوجائیں گے اور ان کے لیے یہ امکان بھی نہ ہوگا کہ ان کا اجر ضائع ہوجائے گا اور یہ بھی کہ ان کے لیے کوئی رنج وتعب کا بھی کوئی موقع نہ ہوگا یعنی دنیا میں بھی کوئی رنج نہ ہوگا اور اللہ انہیں آخرت میں بھی انجام بد کی پریشانی سے محفوظ کرے گا۔ مزید بات یہ ہے کہ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے یہی جزا اپنے دوستوں اور اولیائے کرام کی بیان کی ہے (521)۔

سبحان اللہ

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ

قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ ﴿۲۶۳﴾

''بات اگر اچھی اور خوبصورت ہو اور ساتھ عیب اور نیکی چھپانے کا اہتمام تو وہ ایسے صدقے سے اچھا ہے جس کے بعد ایذا اور تکلیف دی جائے اور اللہ بے نیاز بہت حلم والا ہے''۔

قَوۡلٌ: بات، کلمہ، قول
مَّعۡرُوۡفٌ: بھلا، اچھی بات، اخلاق اور آداب کے اندر کی جانے والی بات
وَّ: اور
مَغۡفِرَةٌ: ذرا سی چشم پوشی، یہ کہنا کہ معاف کر دیجیے
خَيۡرٌ: بہتر ہے
مِّنۡ: سے
صَدَقَةٍ: خیرات
يَّتۡبَعُهَاۤ: جس کا پیچھا کیا جائے
اَذًى: دکھ اور تکلیف کے ساتھ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
غَنِىٌّ: غنی، بے نیاز، بے پروا، سب کو نوازنے والا
حَلِيۡمٌ: بردباری سے نوازنے والا، دوسروں کی تکلیفیں دور کرنے والا، حوصلہ نواز اور تحفیف پیدا کرنے والا

''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ'' کی تشریح

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا: ''العرف'' خوشبو ہوتی ہے۔ معرفت اور عرفان اسی سے ماخوذ ہیں۔ کسی شئ کا تفکر اور تدبر سے اس کے اثرات کی وجہ سے ادراک کر لینا ''عارف، عریف اور ''عروف'' اسی معنیٰ میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ''عریف'' قافلہ شناس شخص کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ قدیم زمانے میں ہر قبیلہ ایک ''عریف'' مقرر کرتا جو شاعر اور عالم ہوتا۔ وہ اپنے قبیلے کے چھوٹے بڑے تمام لوگوں کو جانتا ہوتا اور بوقت ضرورت وہ خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا۔ بریق ہذلی لکھتے ہیں کہ اچھی خوشگوار اور مسرور کردینے والی خوشبو ''عرف'' ہوتی ہے۔ گندی بو کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ کسی شئ کا کسی پر مخفی نہ رہنا بھی ''عرفان'' ہوتا ہے۔ ہتھیلی پر جو آبلہ آجاتا ہے وہ ''عُرفہ'' کہلاتا ہے، شاید اس لیے کہ وہ بہت زیادہ سفید اور نمایاں ہوتا ہے۔ جوہری نے لکھا کہ ہر وہ فعل جس کا حسن عقل اور شریعت سے معلوم ہوا سے ''معروف'' کہہ دیتے ہیں۔ ''عراف'' نجومی کو کہہ دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ بلند ستاروں کی مدد سے علم حاصل کرتا ہے اور قیافہ سے بلند تر معلومات اخذ کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اساسی معنیٰ ابن فارس نے بلند اور اونچا ہونا بھی لکھا ہے۔ اعراف مقام کو ''اعراف'' بلندی ہی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ ریت کا اونچا ٹبہ ''العروف'' کہلاتا ہے۔ سمندری موجیں ''عرف'' کہلاتی ہیں۔ شہد کی مکھیاں جو بہت زیادہ میٹھا شہد بنائیں انہیں بھی ''العرف'' کہہ دیتے ہیں۔ اونٹ جس کی سنام اونچی ہو ''عرفا'' کہلاتا ہے۔ تاج العروس کے مطابق میٹھے پانی کے چشمے، گھنگھور گھٹائیں، موسلا دھار بارش اور رواں دواں چشمے ''العروف'' ہوتے ہیں۔ ''العرافہ'' امور کی مصلحتیں جاننے والا ہوتا ہے۔ گھوڑے کی ایال ''معروف'' ہوتی ہے۔ قانون شناس شخص بھی ''اعروف'' ہوتا ہے(522)۔

مفسرین اور ائمہ لغت کی تشریح اور تاویل کے مطابق ''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ'' کا معنیٰ ان صورتوں میں کیا جا سکے گا:

1۔ میٹھی بات

2۔ بلیغ کلام

3۔ خوشبو خوشبو کلمہ

4۔ وہ بات جس میں دائمی فیض ہو

5۔ بلندی رکھنے والی بات اور تعریض

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

6۔ ایسا کلام جس میں علم اور عرفان موجود ہو

7۔ وہ کلام جس میں فیض رسانی سمندر کی موجوں کی طرح ہو

8۔ مسلسل فیض رساں کلمہ

9۔ دلوں کو موہ لینے والا کلام

10۔ ایسا قول جس کی ادائیگی سے پہلے سامع کی نفسیات جان لی جائے

11۔ وہ بات جو میزان عقل پر پوری اترتی ہو

12۔ ہواؤں کی طرح پھیل جانے والی بات

13۔ پانی کے چشموں کی طرح روحوں کو ٹھنڈا کرنے والا کلام

14۔ ایسی بات جو دستور اور قانون کے مطابق ہو

15۔ ترکیب کلامی جس میں عظمت شخصیت معلوم ہو سکے

16۔ مقصدیت سے لبریز کلمہ

17۔ شریعت کے مطابق دعوت اور نصیحت

18۔ جوڑنے والا کلام

19۔ مرغ کی کلغی اور تاج کو ''عرف الدیک'' کہتے ہیں، معروف بات وہی ہوگی جس میں اللہ کا ذکر ہو

20۔ نفع بخش کلام

21۔ رس والا قول

22۔ موزوں اور مناسب ترتیب حروف

23۔ پاکیزہ کلمہ، حضور ﷺ نے فرمایا: ''پاکیزہ کلمہ صدقہ ہے''

24۔ وہ بات جو سننے والے کو خوش کر دے

25۔ کشادہ روئی اور خوش روئی سے جو کلام صادر ہو

26۔ وہ بات جس پر آخرت میں اجر ہو

27۔ جو نیکی کے نظام کو قوت دے

28۔ سنت کے مطابق کلام

29۔ ایسا کلام جس سے کفر ٹوٹے

30۔ انسانیت نواز کلام

مغفرت کا مفہوم

مغفرت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں (523) کہ آیت میں مغفرت سے مراد محتاج کی بُری حالت اور خصلت کا چھپانا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنیٰ سائل کو معاف کر دینا جب وہ اصرار کرے اور جھگڑالو بن کر بد اخلاقی پر اتر آئے۔اس پر ایسا صدقہ کرنے سے بہتر ہے جس کے ساتھ وہ احسان جتلائے اور اسے اذیت دے اور نحاس وغیر ہم نے یہ لکھا (524) کہ وہ فعل جو مغفرت تک پہنچا دیتا ہے وہ اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ پہنچانا ہو۔ان باتوں کو کھولا اس طرح جا سکتا ہے کہ جس صدقہ اور خیرات کے بعد نادار کو اذیت دی جائے ایسے صدقات کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ایسے موقعوں پر تو معافی ہی مانگ لی جائے تو کم از کم محتاج اور مسکین آدمی کا دل تو ٹوٹنے سے بچ جائے گا۔خواجہ حسن بصری کا یہ قول احسن ہے کہ سائل کے ہر رویّے سے تجاوز کر جانا اور کوشش کرنا کہ اُسے چوٹ نہ لگے اور اس کے رویّوں پر پردہ ہی پڑ جائے یہ مغفرت ہے (525)۔

وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ

نفوس انسانیہ کی تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفتوں کو بیان کیا کہ وہ غنی ہے، بے نیاز ہے، عطا کرنے والا ہے، منعم ہے، ہر ایک اس کے دستر خوان سے فیض یاب ہوتا ہے، وہ عطاؤں کے بعد کسی کو کسی دکھ میں مبتلا نہیں فرماتا، انسانوں کے لیے اعلیٰ اخلاق، اخلاق الٰہیہ ہی ہو سکتے ہیں۔دیکھتے نہیں کہ وہ سب کو دیتا ہے لیکن سب اُس کا شکر ادا نہیں کرتے لیکن پھر بھی وہ حلیم بردبار ہے، وہ کسی کو بلا وجہ عذاب میں مبتلا نہیں کرتا ہے۔

وہ انسان جو اللہ کو اپنا مالک سمجھتا ہے اُس سے وہ محبت کرتا ہے۔اپنے دل کی دھڑکنوں میں اُس نے اُس کا نام اتارا ہوا ہے۔اپنے دل کی تختی پر وہ ہر وقت اس کا ''پاک اسم'' لکھ لکھ کر محبت کی ریاضت میں لگا رہتا ہے۔اُسے سمجھنا چاہیے اللہ غنی بھی ہے اور حلیم بھی ہے۔مقدر کے بادشاہ کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سمندر سے چلّو اُلچ کر ثبوت تو فراہم کرنا چاہیے کہ میں موجوں کے فیض سے محروم نہیں۔اللہ غنی اور اللہ حلیم ماننے والوں کو زندگی میں تھوڑا سا بردبار اور انسان نواز ہونے کا فیض بھی ظاہر ہونے دینا چاہیے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ
يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

(264) اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دُکھ دے کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور یوم آخرت پر وہ ایمان نہیں رکھتا ہوتا اُس کی مثال کے لیے تو ایسے چکنے پتھر کی مثل دی جا سکتی ہے جس پر مٹی ہو اُسے تیز بارش پہنچے تو وہ صاف پتھر ہی رہنے دے (ایسی صورت میں) وہ اپنے کمائے مال میں سے کسی بھی چیز پر قدرت نہیں رکھیں گے اور اللہ منزل رِسا کسی ایسی قوم کو نہیں فرماتا جو منکر حق ہو

مفردات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰىۙ كَالَّذِىۡ يُنۡفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا‌ؕ لَا يَقۡدِرُوۡنَ عَلٰى شَىۡءٍ مِّمَّا كَسَبُوۡا‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۶۴﴾

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دُکھ دے کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور یوم آخرت پر وہ ایمان نہیں رکھتا ہوتا، اُس کی مثال کے لیے تو ایسے چکنے پتھر کی مثل دی جا سکتی ہے جس پر مٹی ہو اُسے تیز بارش پہنچے تو وہ صاف پتھر ہی رہنے دے (ایسی صورت میں) وہ اپنے کمائے مال میں سے کسی بھی چیز پر قدرت نہیں رکھیں گے اور اللہ منزل رسا کسی ایسی قوم کو نہیں فرماتا جو منکرِ حق ہو''۔

آیت کا آغاز

قرآن مجید کی یہ آیت شروع ہوتے ہی صاحب ایمان کے وجود کو روشن کر دیتی ہے۔ زندگی سے نوازنے والے کی آواز ایمان اور عقیدہ کے سمندر کو متلاطم کر دیتی ہے۔ آگے آنے والی مثال نصیحت کو مکمل واضح کر دیتی ہے اور مشاہدے کے اعتبار سے مومن کی زندگی کا منظر نامہ لطیف اور لذیذ دکھائی دینے لگ جاتا ہے۔ آیت میں مثال ایک ریا کار شخص کی جس کا دل پتھر کی طرح ہو مجسم کر کے بیان کی جاتی ہے۔ قاریٔ قرآن ''اے ایمان والو!'' کی آواز سن کر ہی سمجھ جاتا ہے۔ بندہ بندگی میں صحیح ہو جائے تو اس کا الٰہ اس سے دور نہیں رہتا وہ اس سے باتیں کرتا ہے۔ معبود عابد کو سمجھاتا ہے۔ اس طرح کہ کبھی آیت کے مطالب اور معانی جذبات کے ساتھ متجاذب ہو جاتے ہیں اور کبھی آیت کے مفاہیم عقل کے چشمۂ حیات سے جگر ٹھنڈا کر لیتے ہیں اور آیت کی آواز وجود انسانیت میں عمل اور روحانیت کی تحریک کا سبب بن جاتی ہے۔ کتنی خوبصورت آواز ہے اور کتنا میٹھا فیض کا چشمہ ہے۔ روح آواز سننے کے ساتھ ہی ''**لبیک اللھم لبیک**'' کا ورد گنگنانے لگ جاتی ہے۔

صدقات کو برباد نہ کریں

صدقات اہل ایمان کے معاشرے میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں یہ صرف معاشی کفالت کی اساس نہیں ہوتے بلکہ روحانی، عمرانی اور معاشرتی استحکام کا سبب ہوتے ہیں۔ یہ اگر کسی معمولی

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
لَا تُبۡطِلُوۡا: نہ ختم کرو، نہ باطل کرو
صَدَقٰتِكُمۡ: اپنے صدقات کو
بِالۡمَنِّ: احسان جتلانے کے ساتھ
وَالۡاَذٰى: اور دکھ
كَالَّذِىۡ: اُس شخص کی طرح
يُنۡفِقُ: جو خرچ کرتا ہے
مَالَهٗ: اپنے مال کو
رِئَآءَ: دکھلاوے کے لیے
النَّاسِ: لوگوں کے
وَلَا يُؤۡمِنُ: اور وہ ایمان نہیں رکھتا
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ: اور پچھلے دن کے ساتھ
فَمَثَلُهٗ: تو مثال اُس کی
كَمَثَلِ: جیسے مثال ہو
صَفۡوَانٍ: چٹیل پتھر
عَلَيۡهِ: اس پر
تُرَابٌ: مٹی یا خاک
فَاَصَابَهٗ: تو پہنچے اُس کو
وَابِلٌ: تیز بارش
فَتَرَكَهٗ: تو چھوڑ دیا اُسے
صَلۡدًا: سخت صاف چٹان
لَا يَقۡدِرُوۡنَ: قدرت نہیں رکھتے
عَلٰى: پر
شَىۡءٍ: کسی چیز

مفردات

مِمَّا: میں سے
كَسَبُوْا: جوانہوں نے کمایا
وَاللّٰهُ: اوراللہ
لَا: نہیں
يَهْدِي: ہدایت دیتا
الْقَوْمَ: قوم
الْكٰفِرِيْنَ: منکرین

بداحتیاطی کی وجہ سے برباد ہو جائیں تو روحانیت اور قلبی مسرتوں کا سفینہ بحرِ اضطراب میں ہچکو لے کھانے لگ جاتا ہے۔ علامہ بغوی اور علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں (526) کہ صدقات باطل کرنے کا مطلب ثواب ضائع کر دینا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے خامہ فرسائی فرمائی اور لکھا (527) صدقات کو باطل کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ تم صدقہ کو باطل طریقہ سے بجانہ لاؤ وہ یوں کہ تم صدقہ سے ریا کاری اور دکھلاوا کی نیت کرو۔ دوسرا احتمال رازی نے یہ لکھا کہ صدقہ ایسے طریقے سے نہ کیا جائے جو موجب ثواب نہ ہو۔

تفسیر ابن کثیر کا مختصر خطبہ

صحیح مسلم نے یہ حدیث روایت کی کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت کلام نہ فرمائے گا اور نہ انہیں نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا بلکہ ایسے لوگوں کے لیے الم ناک عذاب ہوگا:

- ایک تو وہ شخص جو کسی کو کچھ دے اور پھر احسان جتلائے
- دوسرا وہ شخص جو تہبند باندھے اور اُسے ٹخنوں سے نیچے لٹکائے
- اور تیسرا وہ شخص جو سودا بیچنے کی غرض سے جھوٹی قسمیں کھانے والا ہو (528)۔

ابن ماجہ کی حدیث ہے:

''ماں باپ کا نافرمان، صدقہ کر کے احسان جتلانے والا،
شراب نوشی کرنے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں
داخل نہ ہوگا'' (529)۔

لطیف کلمات کی معنوی تعبیرات

آیت میں لفظ ''صَفْوَانٍ'' استعمال ہوا ہے۔ اس کا مادہ ''صاد، فا اور واؤ'' ہے۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ ''صَفْوَانٍ، صفوانہ'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنیٰ بڑا، سخت اور چکنا پتھر ہوتا ہے۔ ممکن ہے ''صَفْوَانٍ'' بڑی چٹان کو کہتے ہوں اور ''صفوانہ'' اس کے ایک چھوٹے حصے کو کہہ دیا جاتا ہو۔ ''اصطفا'' لفظ بھی اسی مادہ سے استعمال ہوتا ہے۔ چنا ہوا ہونا، صاف ہونا اور دوسروں سے الگ کوئی فضیلت رکھنا اور مضبوط اور مستحکم ہونا۔ ''صفا'' اور ''مروہ'' پہاڑیوں کو شعائر قرار دیا گیا۔ یہ صفا بھی چکنے اور بڑے پتھر ہونے کی وجہ سے صفا کہلاتے ہیں۔ ممکن ہے اشارہ اس طرف ہو کہ ان پر ستھرے لوگ کھڑے ہوئے۔ ''الصفیہ'' مال کا وہ حصہ ہوتا ہے جو امیر اپنے لیے منتخب

کرے(530)۔

آیت میں دوسرا کلمہ ''وَابِلٌ'' لایا گیا ہے۔اس لفظ کا اساسی معنیٰ صاحب تاج نے شدید، سخت، چوٹ مارنا اور مسلسل کوئی کام کرنا لکھا ہے۔''وَابِلٌ'' اور ''وَبِلٌ'' میں تھوڑا سا فرق بھی لکھا گیا ہے۔ گھنگھور گھٹائیں جن میں بادل پانی سے لدے ہوں ''وَابِلٌ'' ہوتے ہیں اور بارش موسلا دھار برس جائے تو ''وَبِلٌ'' ہوتی ہے۔کبھی کبھار یہ الفاظ ترادفات میں ایک دوسرے کے مفہوماتی اظہارات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔نقارہ بجانے والی چھوٹی لاٹھیاں ''وبیل'' کہلاتی ہیں۔شاخِ تر جو مارنے کا کام دے سکے وہ ''میبل'' ہوتی ہے۔موٹے موٹے قطروں والی بارش کو بھی ''وَابِلٌ'' کہہ دیتے ہیں۔ عرب شعرأ نے دستی موٹے ان گھڑے عصا کو بھی ''وبیل'' لکھا ہے۔فصل جس وقت اپنی ڈنٹھلوں پر کھڑی ہوجائے اُسے ''موبلات'' کہہ دیتے ہیں(531)۔

ریاکاری کا وبال

آیت میں صدقات کے باطل ہونے کو ایک ریاکار شخص کے عمل سے تشبیہہ دی گئی اور اس سے بھی زیادہ تعمق فکری کا مقام یہ ہے کہ آیت کے آخر میں کہا گیا:''اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت عطا نہیں فرمائے گا''۔مقام فکر یہ ہے کہ ریاکار شخص کے مفسدات کی روح کافرلوگوں کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(532):

> ''مجھے تمہارے معاملے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ''شرک اصغر ''ریا'' ہے۔یوم الجزا کو اللہ تعالیٰ ریاکار لوگوں سے کہے گا تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو تم دِکھا دِکھا کر عمل کیا کرتے تھے''۔

❁❁❁❁❁

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ
فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾
اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ
ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

(265) اور مثال اُن لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضا ڈھونڈنے اور اپنی دل جمعی کے لیے خرچ کرتے رہتے ہیں ایک باغ کی سی مثال ہے جو اونچی جگہ ہو اور اسے خوب بارش پہنچے اور وہ دُونے پھل لائے اور اگر تیز بارش نہ بھی ہو تو اس کے ثمر بار ہونے کے لیے شبنم ہی کافی ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

(266) کیا تم میں سے کوئی چاہے گا کہ اُس کی ملکیت میں کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں (یہی نہیں بلکہ) اس کے اس باغ میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں اور اُسے بڑھاپا پہنچ جائے اس حال میں کہ اُس کی اولاد بھی ضعیف ہو پھر اُس کے باغ پر گرم لُو چلے جس میں آگ ہو جو اسے جلا کر رکھ دے، اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرنے لگ جاؤ

مفردات

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾

''اور مثال اُن لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضا ڈھونڈنے اور اپنی دل جمعی کے لیے خرچ کرتے رہتے ہیں ایک باغ کی سی مثال ہے جو اونچی جگہ ہو اور اسے خوب بارش پہنچے اور وہ دُو دُونے پھل لائے اور اگر تیز بارش نہ بھی ہو تو اس کے ثمر بار ہونے کے لیے شبنم ہی کافی ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے''۔

قرآن مجید اصحاب محامد و فضیلت کی ایک اور قسم سے روشناس کراتا ہے۔ ایسے لوگ جنہیں کردار سازی کے ایک نورانی جہاں سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ وہ ہمہ دم اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں اور ان کی روحوں میں وحی کا تازہ جھونکا یہ لطیف حقیقت ڈال دیتا ہے کہ وہ عارفین جو اپنے اموال کو اللہ کی رضا طلبی میں کھپا دیتے ہیں انہیں یہ روحانی منزل ضرور مل جاتی ہے۔ قرآن مجید ان حقائق کو ایک لطیف منظر کی صورت میں اپنے قاری کے سامنے لے آتا ہے کہ وہ شخص جس کا دل یقین، اعتماد، سرشاری، تروتازگی اور ایمان سے بھرا ہو وہ اُس دل سے قطعاً جدا ہوتا ہے جس میں ریا ہو، دکھلاوا ہو اور تصنع ہو۔ مومن، منفق اور سخی شخص کا دل ایک باغ کی طرح ہوتا ہے جس کی زمین زرخیز ہو اور پھر وہ باغ ہو بھی اُونچی جگہ پر جہاں موسلا دھار بارش برستی رہتی ہوں اور سورج کی کرنیں بھی اس مقام رفیع کو ہر وقت روشنی سے نہلاتی رہتی ہوں۔ وہاں ثمر آوری اور فیضان باری کا عالم کیا ہوگا۔ اگر یہاں بارش نہ بھی برسے تو بھی شبنم ہی روئیدگی کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ ماحول کی شگفتگی اور تازگی پھلوں کو دوگنا اور چوگنا کر دیتی ہے۔

تفہیم اصلی آیت میں یہ ہے کہ بارش جس طرح باغوں کو اپنے فیض سے مہکا دیتی ہے۔ صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شخصیت، نفس اور روح کو صاف ستھرا بنا دیتا ہے۔ قرآن مجید کی آیت اپنے خوبصورت اسلوب کے ساتھ زمین پر فطری اور تکوینی نشوونما کے نظام کو انسانوں کے روحانی نظام تربیت کے ادراک سے قریب کر دیتی ہے۔ آیت میں سمجھنے والی شئ یہی ہے۔

آیت میں قابل توجہ فوائد

❁ پہلا فائدہ

اللہ کی راہ میں خرچ اور انفاق اسی وقت ثمر بار ہو سکتا ہے جب پاکیزہ مال کو اللہ کی رضا طلبی

وَمَثَلُ: اور مثال
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کی
يُنْفِقُوْنَ: خرچ کرتے ہیں
اَمْوَالَهُمُ: اپنے اموال کو
ابْتِغَآءَ: تلاش کرنے کے لیے
مَرْضَاتِ: رضا اور خوشی
اللّٰهِ: اللہ
وَتَثْبِيْتًا: اور مضبوطی کے لیے
مِّنْ: سے
اَنْفُسِهِمْ: اپنے دلوں یا اپنے نفوس کی
كَمَثَلِ: جیسے مثال ہو
جَنَّةٍ: ایک باغ کی
بِرَبْوَةٍ: اُونچی جگہ پر ہونا
اَصَابَهَا: اسے پہنچی
وَابِلٌ: زوردار بارش
فَاٰتَتْ: تو وہ لائے
اُكُلَهَا: اپنی کھانے پینے کی چیزیں
ضِعْفَيْنِ: دوگنی
فَاِنْ لَّمْ: پس اگر نہ
يُصِبْهَا: پہنچی اُسے
وَابِلٌ: زوردار بارش
فَطَلٌّ: تو شبنم ہی کافی ہے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
بِمَا: جو کہ
تَعْمَلُوْنَ: تم کرتے ہو
بَصِيْرٌ: دیکھنے والا

میں کھپایا جائے۔

❁ دوسرا فائدہ

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی شخص کو بھی غریب نہیں بنایا۔ ہر شخص کو اُس نے کوئی نہ کوئی مال عطا فرمار کھا ہے۔ انفاق کا عمل اپنی دولت اور مال سے آگاہی کے بعد ہی بروئے عمل لایا جا سکتا ہے۔ آیت میں اموال کہا گیا ہے مال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرمایا ہوا ہے۔

❁ تیسرا فائدہ

مال کا خرچ کرنا نیت کے مطابق روحانیت میں اثر پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حسن نیت کی فضیلت اللہ کی رضا طلبی ایسے کلمات میں بیان فرمائی ہے۔

❁ چوتھا فائدہ

انفاق فائدہ اُسی صورت میں مترتب کرتا ہے جب وہ شریعت کے مطابق ہو۔

❁ پانچواں فائدہ

عظمت شخصیت اس میں ہے کہ "انفاق" کراہت نفسی ایسی گندگی نہ رکھتا ہو۔ اگر اس گند سے بندہ صاف ہو جائے تو" تثبیتِ روحانی" کی دولت میسر آتی ہے جو اولیائے کاملین کا خاصہ ہے۔

❁ چھٹا فائدہ

انسان کا مطمئن ہو کر کوئی کام کرنا اس کام کی قبولیت کی دلیل ہوتی ہے۔ اعمال واسوہ میں دل جمعی کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔

❁ ساتواں فائدہ

کسی فعل، عمل یا کردار کی کوئی جہت مثال دے کر بیان کرنا طبیعتوں میں سکون، ثبات اور اطمینان پیدا کرتی ہے۔ تمثیلات کا فصاحت و بلاغت میں اہم اور مؤثر کردار ہوتا ہے۔

❁ آٹھواں فائدہ

تعلیم میں جو چیزیں معقول محسوس ہوں وہ زیادہ مؤثر ہوتی ہیں، جیسے آیت میں ایک باغ سے مثال دی گئی جو اپنے اُونچے مقام پر ہو اور اس پر تیز بارش برستی ہو۔

❁ نواں فائدہ

مثالیں عام طور پر وہ دی جاتی ہیں جو نفع خیزی میں فوراً عقل میں اتر جاتی ہیں، جیسے باغ

مفردات

اَيَوَدُّ: کیا پسند کرے گا
اَحَدُكُمۡ: تم میں سے کوئی ایک
اَنۡ: یہ کہ
تَكُوۡنَ: ہو
لَهٗ: اُس کے لیے
جَنَّةٌ: باغ
مِّنۡ: سے
نَّخِيۡلٍ: کھجوروں
وَّاَعۡنَابٍ: اور انگوروں
تَجۡرِىۡ: جاری ہو
مِنۡ تَحۡتِهَا: اس کے نیچے
الۡاَنۡهٰرُ: نہریں
لَهٗ: اس کے لیے
فِيۡهَا: اس میں
مِنۡ: سے
كُلِّ: ہر ایک
الثَّمَرٰتِ: پھلوں
وَاَصَابَهُ: اور پہنچے اسے
الۡكِبَرُ: بڑھاپا
وَلَهٗ: اور اس کے لیے
ذُرِّيَّةٌ: اولاد
ضُعَفَآءُ: کمزور اور ناتواں
فَاَصَابَهَآ: تو پہنچے اُسے
اِعۡصَارٌ: بگولہ
فِيۡهِ: سے
نَارٌ: اس میں ہو آگ
فَاحۡتَرَقَتۡ: تو جلا دے

میں ثمرات کا دوچند ہو جاتا ہے۔

❁ دسواں فائدہ

آیت سے ضمنی طور پر بارش کے بابرکت ہونے کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

❁ گیارہواں فائدہ

زمین اگر اچھی تیار کی گئی ہو نفع خیزی کے لیے اس میں تھوڑا پانی بھی فائدہ دے جاتا ہے۔ عمل کا جذبہ ہو تو تھوڑا علم بھی انقلاب بڑا بپا کر دیتا ہے۔

❁ بارہواں فائدہ

اللہ کے لیے علم اور اس کے عموم کا اثبات ہے۔ بندگی میں اللہ پر یہ ایمان کردار ساز ثابت ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الۡكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾

”کیا تم میں سے کوئی چاہے گا کہ اُس کی ملکیت میں کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں (یہی نہیں بلکہ) اس کے اس باغ میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں اور اُسے بڑھاپا پہنچ جائے اس حال میں کہ اُس کی اولاد بھی ضعیف ہو پھر اُس کے باغ پر گرم لُو چلے جس میں آگ ہو جو اسے جلا کر رکھ دے، اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرنے لگ جاؤ“۔

رازی کی خوبصورت بات

علامہ فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ”اَيَوَدُّ“ میں ہمزہ استفہام انکاری کے لیے ہے اور ”ود“ کا مطلب صرف محبت یا معمولی چاہنا نہیں ہوتا بلکہ کامل، مکمل اور شدید محبت ہوتا ہے۔ مثال میں سمجھایا یہ جاتا ہے، محبت میں کمال کا تقاضا ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص پھلوں سے لدے ہوئے اپنے باغ کو آگ میں جلتا دیکھے جب کہ اولاد بھی کمزور ہو اور بندہ ہو بھی بوڑھا جیسے محبت یہ کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال بھی ریاکاری، احسان جتلانے اور ایذا رسانی کے ساتھ تباہ نہیں کیا جا سکتا (533)۔

مفردات

كَذٰلِكَ: یوں ہی
يُبَيِّنُ: بیان کرتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
لَكُمُ: تمہارے لیے
الْاٰيٰتِ: آیتیں
لَعَلَّكُمْ: تاکہ تم
تَتَفَكَّرُوْنَ: سوچو سمجھو

سمجھنے کے لیے ایک خاص نکتہ

آیت میں کہا گیا کہ ایک باغ ہو جو کھجوروں اور انگوروں سے وہ لدا پڑا ہو اور باغ کا مالک بوڑھا ہو چکا ہو اور اس کے بچے ناتواں اور کمزور ہوں۔ اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ راہ خدا میں بخشش کرنا اور ضرورت مندوں کو نوازنا کھجوروں کے باغ کی طرح ہے جس کے پھلوں سے انسان خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی بہرہ مند ہوتی ہے، جب کہ احسان جتلانا وغیرہ محرومیوں کا سبب بننے والی چیزیں ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ریاکار اور کمینہ خصلت انسان اپنی نسلوں کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ مثال سے یہ بھی پتہ چلا کہ آئندہ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کے اعمال روحانی کے باغ سے فیض یاب ہوتی رہتی ہیں اور انہیں برا انداز زندگی خراب بھی کر سکتا ہے (534)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر القرآن کے باب میں یہ روایت نقل کی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو ایک دن جمع کیا اور اُن سے زیر تفسیر آیت کے بارے میں پوچھا کہ اس آیت کے بارے میں تم کیا رائے رکھتے ہو، یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔

انہوں نے جواب دیا:

''اللہ ورسولہ اعلم''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر فرط جلال سے فرمانے لگے، تم یوں کہو:

''ہم جانتے ہیں یا ہم نہیں جانتے ہیں''

اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی میرے دل میں ایک شئ آ رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بھتیجے کہو اور خود کو حقیر نہ جانو''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بلا تکلف بولے:

''یہ ایک عمل کی مثال بیان کی گئی ہے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''وہ کون سا عمل''؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''یہ غنی اور سخی آدمی کے عمل کی بات کی گئی ہے جو وہ اللہ کی اطاعت اور پیروی میں کرتا ہے''۔

اور پھر اللہ اس کے پاس ایک شیطان بھیج دیتا ہے جو اُس کو مال میں گناہ کروا کر اسے تباہ کر دیتا ہے (535)۔

دوسری روایت میں ہے (536):

''جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچا تو موت اس سے قریب آ گئی تو بدبختی کے اعمال میں سے کسی عمل پر اس کا خاتمہ ہو''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے خوش ہوئے اور فرمایا:

''یہ ایک مثال ہے جو ایسے انسان کی بیان کی گئی ہے جو عمل صالح کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ آخری عمر کو جا پہنچتا ہے اس وقت وہ برائی اور گناہ کا عمل کر لیتا ہے''۔

لغت کے معرکے

''اِعْصَارٌ'' کیا ہے۔ خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یخ بستہ ہوائیں ہیں۔ زجاج نے کہا ''اِعْصَارٌ'' وہ ٹھنڈی ہوا ہے جو زمین سے آسمان کی طرف عمودی اُٹھے اور دائرے بناتی جائے۔ اس ہوا کو ''الزوبعه'' بھی کہا جاتا ہے۔ جوہری نے کہا کہ ''الزوبعه'' جنات کا سردار ہے۔ اس کے نام پر ٹھنڈی ہوا کا نام رکھا گیا ہے۔ قرطبی نے لکھا کہ غبار اُڑانے والی ہوا کو ''اِعْصَارٌ'' کہہ دیتے ہیں۔ اسی ہوا کو ''معصر'' بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول نظر سے گزرا۔ آپ فرماتے ہیں: تپش والی ہوا ''اِعْصَارٌ'' ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ٹھنڈی اور گرم دونوں ہواؤں کو ''اِعْصَارٌ'' کہہ دیتے ہیں (537)۔

آیت کا آخری حصہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو سمجھو''۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام محرومیوں، تہی دامانیوں اور بدبختیوں کا سرچشمہ یہ ہے کہ غور و فکر سے نہ کام لیا جائے۔ آیت میں جن چیزوں کو محل ذم میں بیان کیا گیا ہے۔ دیکھا جائے وہ تمام چیزیں بے وقوف لوگ ہی کرتے ہیں، ریاکاری کرنا، احسان جتلانا، لوگوں کو اذیت دینے کے لیے ان کے پیچھے پڑ جانا، یہ سب وہ کمینہ خصلتیاں ہیں جو احمق اور بے وقوف لوگوں میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ یہ بنیادی بات سمجھ لینے کے بعد آیت کا آخری حصہ کتنا علم نواز اور کردار ساز محسوس ہوتا ہے اور لوگوں کے اندر غور و فکر کی خصلتیں پیدا کرتا ہے تاکہ وہ عقل اور شعور کی مدد سے دین کو سمجھ سکیں اور سفلہ کاریاں چھوڑ دیں۔

واللہ اعلم

❀❀❀❀❀

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا
لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ
بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾
اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ
مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۖۙ ﴿۲۶۸﴾

(267) اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور اُن چیزوں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالیں اور گھٹیا چیزوں میں سے تو تم خرچ کرنے کا ارادہ تک نہ کرو، تم خود اس قسم کا مال قبول کرنے والے نہیں ہوتے جب تک کہ تم اس میں لاپرواہی نہ برتو اور جان رکھو اللہ بے نیاز خوب حمد کیا گیا ہے

(268) شیطان تمہیں ڈراتا رہتا ہے کہ تنگ دست ہو جاؤ گے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا رہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور خاص فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعتوں کا مالک اور خوب جاننے والا ہے

مفردات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِيۡهِ ‌ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ﴿۲۶۷﴾

''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور اُن چیزوں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالیں اور گھٹیا چیزوں میں سے تو تم خرچ کرنے کا ارادہ تک نہ کرو، تم خود اس قسم کا مال قبول کرنے والے نہیں ہوتے جب تک کہ تم اس میں لاپرواہی نہ برتو اور جان رکھو اللہ بے نیاز خوب حمد کیا گیا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت پہلے مضامین دعوت ہی کی تکمیل ہے اور وہ تذکیرات جو اس آیت کا عمود بن کر ابھر رہی ہیں اُن کا تعلق انفاق فی سبیل اللہ میں اموال کی نوعیت کے ساتھ ہے۔ اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اچھی اور پاکیزہ چیزیں خرچ کریں۔ ''طیبات'' ایمان اور اسلام کا خاص عنوان ہے۔ تربیتی اعتبار سے رشتوں ناطوں میں انتخاب ہو یا دوستیوں میں رفاقتوں کا چناؤ ہو، کھانے پینے میں ماکولات اور مشروبات میں لطف اندوزی ہو یا پھر کمائیوں میں سے تقسیم اموال کے مراحل ہوں، یہاں تک کہ باتیں کرنے میں حروف وسخن کا استعمال ہو، طیب اور طیبات مومنانہ زندگی کا قرآنی معیار جسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یہاں اس آیت میں بھی زور اسی بات پر دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کیا جائے وہ مال عمدہ، مفید، قیمتی اور پاکیزہ ہونا چاہیے اور یہ بھی کہ وہ ہر قسم کے شبہ اور آلودگی سے بھی مبرا ہونا چاہیے۔

تفہیمات میں نفسیاتی تحریکات

قرآن مجید کی اس آیت میں فکری اعتبار سے قابل فہم فطری اور نفسیاتی تحرکات ہیں، مثلاً پہلے کہا گیا جو تم کمائی کرتے ہو اس میں سے پاکیزہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو، ساتھ ہی انسان کو ہلا دیا گیا، تم اور تمہاری کمائی چیز بھی کیا ہے۔ ذرا غور کرو ہم نے تمہارے لیے زمین میں سے کیا کیا پیدا کر دیا ہے، گویا ہم نے تمہیں دینے میں کوئی بخل نہیں کیا، تم اپنی کمائی سے خرچ کرنے میں کنجوسی کیوں کرتے ہو۔ اس طرح احاطۂ دماغ میں فکری گل پاشی کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیا کہ جو ہم نے تمہیں زمین سے نکال کر عطا کیا ہے اس میں سے بھی پاکیزہ انواع اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ محبوب کے نام بھنگ نہیں گلاب ہی نذر کیے جاتے ہیں۔ جب محبوب کو گندی چیز نہیں دی جا سکتی تو معبود کے لیے گندی چیز کیسے

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ لوگو!
اٰمَنُوۡۤا: ایمان لائے ہو
اَنۡفِقُوۡا: خرچ کرو
مِنۡ: سے
طَيِّبٰتِ: پاکیزہ چیزوں
مَا كَسَبۡتُمۡ: جو تم نے کمائی ہیں
وَمِمَّاۤ: اور اس میں سے
اَخۡرَجۡنَا: جو ہم نے نکالا یا پیدا کیا
لَكُمۡ: تمہارے لیے
مِّنَ: سے
الۡاَرۡضِ: زمین
وَلَا: اور نہ
تَيَمَّمُوا: ارادہ کرو تم
الۡخَبِيۡثَ: گندی چیزیں
مِنۡهُ: اُس میں سے
تُنۡفِقُوۡنَ: تم خرچ کرتے ہو
وَلَسۡتُمۡ: حالانکہ تم نہیں
بِاٰخِذِيۡهِ: لینے والے
اِلَّاۤ: سوا اس کہ
اَنۡ تُغۡمِضُوۡا: کہ چشم پوشی کرلو
فِيۡهِ: اس میں
وَاعۡلَمُوۡۤا: اور جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَنِىٌّ: غنی بے نیاز
حَمِيۡدٌ: بہت تعریف والا

خرچ کی جاسکتی ہے۔

شان نزول کے تفسیری انطباقات

فخر الدین رازی نے حضرت حسن بصری کے حوالے سے شان نزول میں یہ بات نقل کی کہ لوگ اپنے پھلوں اور مالوں میں سے ردی اور گھٹیا پھل صدقہ کرتے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی (538)۔

مجمع البیان میں مرحوم طبرسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت سے حضور ﷺ کا ایک ارشاد نقل کیا (539):

''یہ آیت ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو خرچ کرتے وقت خشک، کم مادہ اور غیر مرغوب کھجوریں اچھی کھجوروں میں ملا کر خرچ کرتے، اس آیت میں انہیں حکم ہوا کہ اس کام سے اجتناب کریں''۔

طبرسی اور رازی دونوں کا حوالہ اس لیے دیا کہ معلوم ہو جائے کہ متذکرہ تفسیری مفہوم پر سنین اور شیعین سب متفق ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی ایک دن خالی کھجور کی ٹہنی لے کر آ گیا اور اس نے مالِ صدقہ میں رکھ دی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بئس ما صنع صاحب هذا

''اس شخص نے بہت بُرا عمل کیا''۔

اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی (540)۔

''اغماض'' کا لغوی معنیٰ

آیت کا مرکز جن معانی اور مطالب کے رش سے لبریز ہے، ان تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ ''اغماض'' کے معنوں میں غور و فکر کر لیا جائے۔ علامہ فخر الدین رازی کی تحقیق بھی قابل قدر ہے لیکن ہم چاہیں گے کہ بلا واسطہ لغت کی امہات کتب کی طرف رجوع کریں (541)۔

لغت میں ''اغماض'' کا معنیٰ نظروں کو جھکا دینا ہوتا ہے۔ ''غموض'' پوشیدگی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تاج اور المفردات وغیرہ نے لکھا کہ ''غموض'' اور ''غماض'' وغیرہ الفاظ نشیبی زمین کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ''الغمض'' نیند کے جھونکے کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ ابن فارس نے

مفردات

لکھا کہ کسی چیز کا اندر کو گھسا ہوا ہونا ''اغماض'' ہے۔ جوہری اور ابن منظور نے لکھا کہ ''اغماض'' کا مفہوم ڈھیل دینا ہوتا ہے۔ نرمی پیدا کرنا، تغافل، تساہل اور چشم پوشی بھی اس مادے کے معانی میں سموئے جاتے ہیں۔ بیع میں کسی عیب دار چیز کی قیمت میں کمی کا مطالبہ کرنا ''غموض'' ہوتا ہے۔ ایسا مکان جو لب شارع نہ ہو اسے ''البیت الغامض'' کہہ دیتے ہیں۔ ''غمیضه'' عیب دار چیز ہوتی ہے۔ تلوار کی دھار کو باریک کرنا بھی ''اغماض'' ہے۔ ''مغمضات'' وہ گناہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بندہ کو حقیر سمجھا جانے لگے۔ رازی لکھتے ہیں کہ آیت میں ''اغماض'' چشم پوشی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی کسی چیز کو ناپسند کرتے ہوئے اُس پر نظر نہ ڈالنا، پھر ہر تجاوز اور درگذر کے لیے بھی اغماض برتنا استعمال ہونے لگ گیا یعنی جن صدقوں کو تم خود قبول نہیں کرتے ہاں مگر جب تم چشم پوشی کرو وہ دوسروں کو نہ دو۔ دوسرا معنیٰ ''اغماض'' متعدی ہونے کے معنیٰ میں ہے، یعنی گندی چیز کوئی قبول نہیں کرتا جب تک تم اس کی آنکھیں بند نہ کر دو (542)۔

''غَنِيٌّ حَمِيۡدٌ'' کا معنیٰ

علامہ فخر الدین رازی نے ''غَنِيٌّ'' کا معنیٰ لکھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے صدقات سے بے نیاز ہے۔ اُسے کسی بھی قسم کی کوئی احتیاج نہیں، وہ اپنے عطا کردہ انعامات پر قابل حمد بھی ہے اور محمود بھی ہے (543)۔

تفسیر کی یہ جہت بھی پسندیدہ ہے کہ ''حَمِيۡدٌ'' کا مطلب تعریف کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ اس معنیٰ میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ہے تو غنی، بے پرواہ اور بے نیاز لیکن ایسے نہیں کہ وہ کسی کے صدقے، ایثار اور قربانی کی پرواہ ہی نہ کرے۔ وہ اچھے کاموں پر اپنے بندوں کی تعریف بھی کرتا ہے اور اجر و ثواب بھی عطا کرتا ہے (544)۔

اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۲۶۸﴾

''شیطان تمہیں ڈراتا رہتا ہے کہ تنگ دست ہو جاؤ گے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا رہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور خاص فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعتوں کا مالک اور خوب جاننے والا ہے''۔

قرآن مجید میں شیطان کا اطلاق

فخر الدین رازی نے اس میں چار احتمالات نقل کیے ہیں (545):

1۔ شیطان سے مراد ابلیس ہے

اَلشَّيۡطٰنُ: شیطان
يَعِدُكُمۡ: تمہیں اندیشہ دلاتا ہے
الۡفَقۡرَ: محتاجی کا
وَيَاۡمُرُكُمۡ: اور حکم دیتا ہے تمہیں
بِالۡفَحۡشَآءِ: بے حیائی کا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَعِدُكُمۡ: وعدہ فرماتا ہے تم سے
مَّغۡفِرَةً: بخشش کا
مِّنۡهُ: اپنی طرف سے
وَفَضۡلًا: اور فضل کا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
وَاسِعٌ: وسعت والا
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ علم والا

2۔ بعض نے کہا ابلیسی لشکر میں شامل دیگر شیاطین ہیں

3۔ تیسرا قول یہ ہے کہ انسانوں اور جنات میں سے جو شیطان ہیں وہ مراد ہیں

4۔ اور چوتھا قول برائی کا حکم دینے والا نفس مراد ہے

''وعد''اور''یعد'' کی تفسیر

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ یہ مادہ خیر اور شر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو خیر ہی کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور شر کے لیے''اوعد'' کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ یہاں اس آیت میں یہ لفظ اللہ کے لیے بھی لایا گیا ہے اور شیطان کے وسوسوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ ہر موقع پر استعمال ہو جاتا ہے۔ ترجمانی میں قرینۂ استعمال دیکھا جائے گا (546)۔

سوچوں میں شیطانی وسوسہ کاریاں

مال، دولت اور زر کی ہوس انسان کو ڈھیروں ڈھیر مال جمع کرنے کی منزل سے ایسے ہم کنار کر دیتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چٹی لگنے لگ جاتا ہے۔ دل ہی دل میں یہ اندیشے جنم لینے لگ جاتے ہیں کہ یہ شہ خرچیاں اور انفاق مجھے مفلس بنا دیں گی۔ آہستہ آہستہ میرا سارا مال ختم ہو جائے گا۔ میری اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کیا بچے گا۔ قرآن مجید نے بڑے بلیغ اسلوب میں یہ تعلیم دی کہ اس قسم کے خیالات شیطانی وسوسے ہیں۔ انسان کو ان برق سوزیوں سے بچنا چاہیے اور اللہ کی محبت اور اس پر اعتماد و ایمان کے سکون کے ساتھ راہ خدا میں قربانیاں دیتے آگے بڑھنا چاہیے۔ مال خرچ کرنے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے۔

شیطانی وسوسوں کا دوسرا ہدف

قرآن مجید کی اس آیت نے شیطانی دسیہ کاریوں کی چند لفظی توضیح کر دی ہے:

ایک اللہ کے دین کی ترویج کے لیے مال خرچ کرنے کو مسدود کر دیا جائے

اور دوسرا ہر فحاشی کا پرچم سر بلند کیا جائے اور نیکی اور حیاء کے علم سرنگوں کر دیے جائیں۔

اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ فحاشی اور فحشا ہے کیا؟

شیطانی قوتیں اس کی دل دادہ جو ہیں تو اُن کے اندر کون سی گندی بو ہے جسے سونگھ کر بڑے بڑے شیطان خوش ہوتے ہیں۔

تفسیر کلبی میں ہے کہ فحاشی کا اطلاق ہر شدید بُرائی اور ہر بُری خصلت پر ہوتا ہے (547)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

تاج العروس نے بھی یہی لکھا کہ گناہوں اور معاصی میں سے ہر گندگی کی جب انتہا ہو جائے اسے ''فحش'' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے(548)۔

زبیدی حنفی نے یہ بھی رقم کیا کہ اقوال اور افعال میں سے ہر برا کلمہ اور ہر بری خصلت فحاشی ہوتی ہے(549)۔

لسان العرب اور المفردات کے مؤلفین نے لکھا کہ معاشیات میں بخل اور کنجوسی کو فحش ہونے سے تعبیر کر دیا جاتا ہے(550)۔

علامہ جصاص رازی نے لکھا کہ عرب عام طور پر بخل ہی کو فحاشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عاشور نے بھی اس کی تائید کی۔ زمخشری نے لکھا کہ ایسا بخل جو نیک کاموں میں مانع ہو اُسے فحش سے تعبیر کر دیتے ہیں(551)۔

واللہ اعلم

وسیع عطاؤں کا مالک

انسان ایمان، عمل صالح، تقویٰ اور انفاق فی سبیل اللہ کی ریاضتوں میں جب بلند تر حقیقتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے تو اس کا شعور اُسے رفعتوں کی منزل کی طرف عام انسانوں سے بہت مختلف سریع السفر بنا دیتا ہے۔ روحانیت کی راہوں کا یہ مسافر اتنا دور تک دیکھنے لگ جاتا ہے کہ اُسے غنی وحمید اور واسع اور علیم ربّ اپنے نور کی سطح پر لا کر اُس کے لیے محدودیت کا جہاں سمیٹ دیتا ہے۔ یہاں ربّ کریم اپنی وسعت اور فراخ دستی سے اتنا عطا فرماتا ہے کہ دلوں کے خلجانات دور ہو جاتے ہیں اور بندے کے حصے میں فضیلت و مغفرت کا انعام لکھ دیا جاتا ہے۔ اس روحانی مقام پر فہم و فراست مومن کی متاع عظیم بن جاتی ہے۔

آیت میں اسباق

آیت سے اسباق اخذ کرنے کے سلسلہ میں الکنز العثیمین سے استفادہ کیا جا رہا ہے(522)۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین اور مفتی احمد یار خان صاحب کے فوائد تفسیری بھی پیش نظر رہے(553):

1۔ شیطان اپنے خدع وفریب سے بنی آدم کو بام عروج سے گرا کر قعر مذلت میں جا پٹختا ہے، فلہٰذا اس کی چالوں سے بچنے کے لیے خدائی مددوں سے روحانی استفادہ کرتے رہنا چاہیے۔

2۔ شیطان انسانی قافلوں کو اقدام واحجام سے لوٹتا رہتا ہے۔ اقدام زناء اور اس کے

دواعیات میں انسانوں کو الجھاتا ہے اور اجام بخل، کنجوس اور معاشی نقصانات کے اندیشوں میں گرفتار کرلیتا ہے۔اس بیماری کا علاج اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے اور تزکیہ کے لیے حضور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے مستفید ہونا ہے۔

3۔ شومیٔ قسمت کہ دروازوں کی چابیاں شیطانوں نے پکڑ رکھی ہیں۔مسلمانوں کو احتیاط سے زندگی گزارنی چاہیے۔

4۔ شیطان انسان کا دشمن ہے اسے کسی بھی صورت میں دوست سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔

5۔ بخل بھی ایک قسم کی فحاشی اور بے حیائی ہے۔

6۔ فضول خرچی اور انفاق سے امساک دونوں شیطانی کام ہیں۔

7۔ خرچ کرنے والے شخص کو اس آیت میں مغفرت ذنوب کی بشارت دی گئی ہے۔

8۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ انفاق کی راہ چلنے والا روحانی شخص دنیا میں بھی تکریمات اور آخرت میں فضیلتوں کے جہاں کا شہریار بن جاتا ہے۔

9۔ فقر اللہ سے جوڑ لے تو وہ محمود ہوتا ہے اور بے بسی، غربت اور افلاس اللہ سے دور کریں تو یہ شیطانیت ہوتی ہے۔

10۔ آیت میں اللہ کے دو صفاتی نام لائے گئے ہیں: واسع اور علیم ہونا۔تربیت میں وسعت نوازی اور معاملہ کو سمجھنا اور جاننا اساسی اصول ہیں۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا
كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾
وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾
اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾

(269) حکمت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور وہ جسے حکمت دے دی جائے تو سمجھو کہ اُسے خیرِ کثیر دے دی گئی اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر وہی جنہیں عقل دی گئی ہو

(270) اور جو بھی تم نے خرچ کی جانے والی چیزوں میں سے خرچ کیا یا نذر مانی کسی شئی کی تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے

(271) اور اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو وہ کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور ایسا کرنا تمہارے گناہوں کو تم سے جھاڑ دے گا اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے

مفردات

يُؤۡتِي: دیتا ہے
الۡحِكۡمَةَ: حکمت
مَنۡ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَمَنۡ: اور جو
يُّؤۡتَ: دیا گیا
الۡحِكۡمَةَ: حکمت
فَقَدۡ: تو بے شک
اُوۡتِيَ: اُسے ملی
خَيۡرًا: بھلائی، دولت اور نیکی
كَثِيۡرًا: بہت زیادہ
وَمَا يَذَّكَّرُ: اور نہیں نصیحت پاتے
اِلَّآ: مگر
اُولُوا: جو مالک ہیں، جو رکھتے ہیں جنہیں مل گئی ہیں
الۡاَلۡبَابِ: عقلیں، یہ ''لب'' کی جمع ہے

يُؤۡتِي الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِيَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝٢٦٩

''حکمت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور وہ جسے حکمت دے دی جائے تو سمجھو کہ اُسے خیر کثیر دے دی گئی اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر وہی جنہیں عقل دی گئی ہو''۔

حکمت کیا ہے؟ اس پر سب سے خوبصورت قول ابن کثیر کا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن کی معرفت ہے۔ ابن کثیر ہی نے رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو حکمت سے تعبیر کیا۔

آپ لکھتے ہیں (554):

''حکمت سے مراد علوم قرآن اور معارف سنت میں مہارت حاصل کرنا ہے۔ اس طرح کہ ناسخ منسوخ، محکم، متشابہ، حلال حرام اور مقدم مؤخر کا کامل علم حاصل ہو جائے''۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ ایسا نافع علم جو انسان کو عمل صالح تک پہنچا دے، حکمت ہے، بلاشبہ حکمت کا اثر قرآن حکیم نے خود بھی اس آیت میں یہی بیان فرمایا کہ سعادت ابدی تک پہنچانے والے علم کو حکمت کہہ دیتے ہیں۔ یہ بات ''خیر کثیر'' کے سمجھنے پر موقوف ہے کہ کون اس گوہر تابدار تک رسائی پالیتا ہے (555)۔

مفسر سدّی نے حکمت کا اطلاق نبوت پر کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ نبوت تعلیم حکمت ضرور ہے لیکن ہر حکمت کو نبوت نہیں قرار دیا جاسکتا ہے (556)۔

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ''الحکمت'' کا لغوی معنیٰ گھوڑے کی لگام ہوتا ہے بلکہ وہ رسی جو گھوڑے کے دونوں جبڑوں کو کس لے وہ بھی ''حکمت'' ہوتی ہے۔ روکنا، قابو میں لینا اور منع کرنا (557) اس مادے کے بنیادی معانی ہیں۔ زبیدی حنفی نے ''حکمت'' کا معنیٰ لکھا فیصلہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا۔ ''حکیم'' وہ شخص ہوتا ہے جو ہر چیز کو صحیح توازن اور تناسب کے ساتھ رکھے، ہر تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے انجام دے اور اس کے فعل میں اتقان اور مضبوطی ہو (558)۔ ابن منظور نے لکھا کہ افعال میں دانائی اور دانش لے آنا ''حکمت'' ہے (559)۔ جوہری نے کہا کہ کسی فعل یا عمل کا صحیح مقام پہچان لینا ''حکمت'' ہے۔ ''حکیم'' اس مرد دانا اور بہادر کو کہہ دیتے ہیں جو اپنی جگہ پر قائم ہو اور اس کے فیصلے اٹل اور محکم ہوں جنہیں بدلنا کسی صورت میں درست نہ ہو (560)۔

ابن زید نے کہا ''العقل فی الدین'' حکمت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''التفکر فی امر اللہ'' اللہ کے احکام اور اوامر میں غور وفکر کرنا حکمت ہے (561)۔

مجاہد کہتے تھے کہ ''الاصابہ فی القول و العمل''

''قول وعمل میں درست اور صحیح تک پہنچ جانا حکمت ہے'' (562)۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نفیس خطبہ

اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیے ہیں۔ دیتا تو اللہ اپنے دوستوں کو بھی رہتا ہے اور دشمنوں کو بھی، ہاں دین وہ صرف اپنے دوستوں کو دیتا ہے، جسے دین مل جائے وہ اللہ کا محبوب ہے۔

''والذی نفسی بیدہ'' کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک اُس کا دل اور زبان نہ مسلمان ہو جائے اور اُس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے پڑوسی اُس کی ایذا سے بے خوف نہ ہو جائیں۔۔۔۔!!!

حکمت کا مصدر اللہ کی عطا ہے

آیت کا عمودی اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور اُس کے فضل سے مسلمان کی زندگی پر جو اثرات ہوتے ہیں وہ صاحب حکمت شخص ہی جان سکتا ہے۔ اسی طرح شیطانی نحوستیں فحاشی اور امساک اور بخل کے ذریعے جو گند پھیلاتی ہیں انہیں سمجھنے کے لیے بھی حکمت درکار ہوتی ہے اور یہ اللہ ہی ہے جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔ اس طرح وہ خوش بخت لوگ جو حکمت کے شیریں چشمے سے فیض یاب ہوتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ کم دولت رکھنے والے لوگ ہیں۔ ایسے خوش بختوں کو اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیے، اس لیے کہ انہیں خیر کثیر سے نواز دیا گیا ہے۔

تذکر عقل کی جان ہے

اس آیت کے آخری حصے میں عقل والوں کی تعریف کی گئی اور کہا گیا کہ جو عقل والے ہیں اُن کی فضیلت یہ ہوتی ہے۔ کہ ''یاد آوری'' اور روح میں علوم اور دانائیوں کی حفاظت ایسی خیر کثیر کے وہ مالک ہوتے ہیں۔ آیت میں عقل کے لیے لفظ ''لب'' استعمال ہوا جو مغز کا مفہوم رکھتا ہے اور مغز ہر چیز کے بنیادی، ضروری اور بہترین حصے کو کہتے ہیں۔ آیت نے اعلان کر دیا کہ ''حقائق الاشیاء'' کا عرفان اور تذکرہ صرف دو لوگ پا سکتے ہیں۔ ایک اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور فحاشی سے رکنے والے، قارئین! تصوف سارے کا سارا اس آیت میں سمو دیا گیا۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس

مفردات

وَ: اور
مَآ: جو (موصولہ)
اَنْفَقْتُمْ: تم خرچ کر بیٹھے ہو
مِّنْ: سے
نَّفَقَةٍ: خرچ کرنے کی چیز
اَوْ: یا
نَذَرْتُمْ: تم نے نذر کیا ہے
مِّنْ: سے
نَّذْرٍ: نذر کے اموال
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
يَعْلَمُهٗ: اُسے جانتا ہے
وَمَا: اور نہیں
لِلظّٰلِمِيْنَ: ستمگروں کے لیے، ظالموں کے لیے
مِنْ: سے
اَنْصَارٍ: مدد کرنے والوں میں سے کوئی

حدیث سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں''۔

علوم و معارف کا ہر رنگ اور سخاوت کا ہر معنیٰ اخلاق و کردار کے ان مصادر میں دیکھا جاسکتا ہے لیکن بینائی سے محروم لوگ سچائیوں کا چہرہ کبھی بھی نہیں دیکھ سکتے اللہ تعالیٰ ''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ'' کے عذاب سے محفوظ رکھے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

''اور جو بھی تم نے خرچ کی جانے والی چیزوں میں سے خرچ کیا یا نذر مانی کسی شئی کی تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت کا مکمل معنیٰ اس کے آخری حصہ میں مضمر ہے کہ ظالمین کے لیے نصرت اور مدد کا ہر سر چشمہ خشک ہو جاتا ہے۔ ظلم کی موجودگی میں کوئی فصل نہیں پک سکتی۔ ظالم کی تباہی کے لیے اس کا ظلم ہی کافی ہوتا ہے۔ قرآن مجید اپنے قاری کی روح اور دل میں یہ حقیقت اتار دینا چاہتا ہے کہ نفقات اور انذار کا روحانی نظام بھی عادلین کی ترقی کی ضمانت دیتا ہے۔ اللہ کے علم میں ہے کہ کس کا پیسہ حلال اور کس کی کمائی حرام میں کھپتی ہے۔ کون اپنے مال کو کہاں خرچ کرتا ہے اور نذر کی وساطت سے روحانی مددوں کا استحقاق کون رکھتا ہے۔

اس مختصر آیت سے بھی دس مسائل سیکھے جاسکتے ہیں:

- پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انفاق تھوڑا ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ثواب دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔!!!
- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ جب بھی وہ قلیل یا کثیر خرچ کرنا چاہے اللہ کی رضا کی خاطر خرچ کرے، اس نیت سے کہ اُس کے اس عمل کو اللہ دیکھ رہا ہے۔۔۔۔۔!!!
- تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نذر کہتے ہیں دل کا کسی امر پر مضبوط ہو جانا اور شریعت میں ہر اُس نیک کام پر التزام کرنا جس کی شریعت میں نظیر موجود ہو، نذر کہلاتی ہے۔۔۔۔۔!!!
- چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ بخاری کی حدیث نمبر 6608 سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر سے حضور ﷺ نے منع کیا ہے جواب یہ ہے کہ انشا نذر ٹھیک نہیں لیکن منت جب مان لی جائے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔۔۔۔۔!!!

مفردات

اِنۡ: اگر
تُبۡدُوا: تم ظاہر کرو، کھلے بندوں صدقہ کرو
الصَّدَقٰتِ: صدقات
فَنِعِمَّا: تو اچھا ہے
هِىَ: وہ
وَاِنۡ: اور اگر
تُخۡفُوۡهَا: تم چھپاؤ
وَتُؤۡتُوۡهَا: اور دو تم
الۡفُقَرَآءَ: غریبوں کو
فَهُوَ: تو وہ
خَيۡرٌ لَّكُمۡ: تمہارے لیے بہتر ہے
وَيُكَفِّرُ: اور دور کرتا ہے وہ
عَنۡكُمۡ: تم سے
مِّنۡ: سے
سَيِّاٰتِكُمۡ: تمہارے گناہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
بِمَا: اُس سے
تَعۡمَلُوۡنَ: تم جو کرتے ہو
خَبِيۡرٌ: خبر رکھنے والا

- پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ انسان کوئی کام کرے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی نیت اچھی ہو یا بری اور وہ جہاں بھی کیا جائے، خلوت میں یا جلوت میں اللہ کے علم میں ہوتا ہے ۔۔۔۔۔!!!
- چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان فرقوں کا رد موجود ہے، جو انسانی عمل میں انسان کو مستقل سمجھتے ہیں۔ انسان کے ہر عمل کا علم اللہ کو پہلے سے ہوتا ہے۔
- ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ ظالموں کے ساتھ کسی بھی صورت میں نہیں چلنا چاہیے۔ ظالم تنگِ دین ہوتا ہے، اس کے لیے نرم دل رکھنے والے ایک دن خود ظالم بن جاتے ہیں۔ دیکھتے نہیں، دیکھتے دیکھتے ''یزیدیت'' کتنی جری ہوگئی۔ اب تو یزید کے وکیل کھلے عام دندناتے پھرتے ہیں۔ اللہ ان کی شر کو جڑ سے کاٹے۔ شرفاء کے دشمنوں سے اللہ زمین کو صاف فرمائے۔ یہ خبیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو اذیت پہنچاتے ہیں ۔۔۔۔۔!!
- آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ ظالم کے لیے کی جانے والی دعا مقبول نہیں ہوتی، اس لیے کہ دعا ایک قسم کی مدد ہے جو اللہ نے ظالم سے روک دی ہے۔ ظالموں کے بارے میں اللہ نے صاف فرمادیا ہے کہ ان کے لیے فلاح نہیں ۔۔۔۔۔!!!
- نواں مسئلہ یہ ہے کہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا اس پر ثواب ضرور ہوتا ہے ۔۔۔۔۔!!!
- دسواں مسئلہ یہ ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ چلنے والوں کے لیے بے شمار مدد یں ہیں۔ جیسے ظالموں کے لیے ہر چشمہ خشک ہے، عادلوں کے لیے ہر فیض اور مدد کا ہر چشمہ رواں دواں کردیا گیا ہے۔

واللہ اعلم

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ‌ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾

''اور اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو وہ کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور ایسا کرنا تمہارے گناہوں کو تم سے جھاڑ دے گا اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں صدقات کے ظہور اور اخفا کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ظہور میں سب سے بڑی حکمت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں مال خرچ کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس تہمت سے بھی

بچت ہوجاتی ہے کہ فلاں شخص بڑا کنجوس یا بخیل ہے۔ گویا لوگوں میں انفاق کی تبلیغ کا یہ مؤثر طریقہ ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف مخفی صدقہ کرنے میں ریا کاری کی گنجائش نہیں ہوتی۔ خلوص کے بیج سے اچھی فصل پیدا کی جاسکتی ہے۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ اظہار اور اخفا کے اپنے اپنے حالات ہوتے ہیں جو بدلتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات تشویق زیادہ مؤثر ہوتی ہے اور بعض اوقات ریا کاری سے بچنا تربیت نفوس کے لیے ضروری ہوتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض فقراء کو ظاہر کرکے دیں یا اخفا سے عطا کریں، ان کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن ایسے فاقہ مست فقراء بھی ہوتے ہیں جن کی بے نیازی آسمان تک بلند ہوتی ہے۔ ایسے سفید پوشوں کے لیے صدقہ میں اخفا ہی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

آیت میں زور اس بات پر دیا گیا کہ انفاق جس راہ پر بھی ہو اور اس کا لباس جس رنگ کا ہو گناہوں کی بخشش میں وہ مؤثر ہے، اس لیے انفاق سے یہ روحانی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ گناہوں کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔ رات اور دن میں جیسے اپنے اپنے فوائد ہیں ایسے ہی اظہار و اخفا کی اپنی اپنی حکمتیں ہیں اس لیے کبھی اظہار کی منفعتیں لوٹ لینی چاہییں اور کبھی اخفا کی روحانیت سے مستفید ہولینا چاہیے۔

مفسرین نے اس آیت میں یہ فوائد نقل کیے ہیں (563):

1۔ صدقہ کرنے کی ترغیب اور تشویق دلائی گئی برابر ہے کہ انفاق میں اظہار ہو یا اخفا ہو۔
2۔ صدقہ کا اخفا بزرگوں نے ''ابدا'' سے افضل لکھا ہے لیکن اظہار میں مصلحت ہو تو وہ بھی بہتر ہے۔
3۔ صدقہ فقراء کے پاس پہنچ کر ہی معتبر ہوتا ہے اس سے پہلے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔
4۔ بعض اعمال بعض اعمال سے افضل ہوتے ہیں۔
5۔ صدقہ گناہوں سے بخشش کا ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔
6۔ گناہوں کے آثار شخصیات پر مرتب ہوتے ہیں جو صدقہ سے زائل کیے جاسکتے ہیں۔
7۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت خبیر لائی گئی ہے۔ بندے جو بھی کریں اللہ اس کی خبر رکھتا ہے۔
8۔ شریعت کے معاملہ میں احتیاط سے زندگی گزارنی چاہیے۔
9۔ بندے کو خود بھی اپنے اعمال کا احتساب کرنا چاہیے۔ اس نیت سے کہ اللہ اس کے ہر عمل کا علم رکھتا ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي
الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

(272) اور انہیں مقصود حیات تک پہنچانا آپ کے ذمہ نہیں ہے یہ تو اللہ ہے جسے چاہتا ہے راہ یاب کر دیتا ہے اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تو اس کا نفع تمہیں خود پہنچے گا اور تمہیں اللہ کی رضا اور خوشنودی کے سوا مال خرچ نہیں کرنا چاہیے اور جو مال بھی تم (اُس کی راہ میں) خرچ کرو گے وہ تمہیں پورے کا پورا ملے گا اور تم ظلم نہیں کیے جاؤ گے

(273) اُن فقیروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں طاقت نہیں رکھتے کہ زمین میں کاروبار کے لیے چلیں پھریں، بے خبر اُن کی شخصی عظمت کی وجہ سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں تم انہیں علامتوں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم خیرات میں جو بھی خرچ کرو گے تو بے شک اللہ اُس کا جاننے والا ہے

مفردات

لَیۡسَ عَلَیۡكَ هُدٰىهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾

''اور انہیں مقصود حیات تک پہنچانا آپ کے ذمہ نہیں ہے یہ تو اللہ ہے جسے چاہتا ہے راہ یاب کر دیتا ہے اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تو اس کا نفع تمہیں خود پہنچے گا اور تمہیں اللہ کی رضا اور خوشنودی کے سوا مال خرچ نہیں کرنا چاہیے اور جو مال بھی تم (اُس کی راہ میں) خرچ کرو گے وہ تمہیں پورے کا پورا ملے گا اور تم ظلم نہیں کیے جاؤ گے''۔

شانِ نزول

آیۂ کریمہ کا شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں بیان فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان لانے کے بعد بہت حساس ہو گئے تھے۔ وہ شرک سے نفرت کرتے تھے۔ اس لیے مشرک رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ اس باب میں صحیح رویہ کیا ہے تو یہ آیت اتری اور حسن سلوک کی ہر شخص کے ساتھ رخصت دے دی گئی (564)۔

دوسری روایت نقاش کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صدقات لائے گئے۔ ایک یہودی نے آپ سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیرے لیے مسلمانوں کے صدقہ میں سے کوئی شئی نہیں۔ محفل سے یہودی ابھی نکلا ہی تھا کہ یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس یہودی کو بلا لیا اور آپ نے اُسے مال عطا فرمایا (565)۔

تیسری روایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ہے۔ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی ہیں۔ عمرۃ القضا کے سفر میں وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھیں۔ ان کی ماں اور دادی آپ کی تلاش میں تھیں۔ ایک روایت میں حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی آیا ہے۔ ان لوگوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مدد مانگی لیکن ان کے مشرک ہونے کی وجہ سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا۔ اس پر آیت اتری اور حسن سلوک کو ہر ایک سے روا کر دیا گیا (566)۔

چوتھی روایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ دورِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمان ذمیوں پر صدقہ کر لیتے تھے۔ جس وقت مسلمانوں میں فقرا کی کثرت ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (567):

''تم صدقہ نہ کرو مگر اپنے اہل دین پر۔۔۔۔۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور صدقہ ہر ایک کے لیے مباح ہو گیا۔ طبری نے لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

لَیۡسَ: نہیں ہے
عَلَیۡكَ: آپ پر
هُدٰىهُمۡ: ان کو ہدایت تک رسائی دینا
وَلٰكِنَّ: اور لیکن
اللّٰهَ: اللہ ہی ہے
یَهۡدِیۡ: ہدایت دیتا ہے
مَنۡ: جسے
یَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَمَا: اور جو
تُنۡفِقُوۡا: تم خرچ کرو گے
مِنۡ: سے
خَیۡرٍ: مال سے
فَلِاَنۡفُسِكُمۡ: تو تمہارے نفسوں کے لیے ہے
وَمَا: اور نہیں
تُنۡفِقُوۡنَ: تم خرچ کرو گے
اِلَّا: مگر
ابۡتِغَآءَ: تلاش کرتے ہوئے
وَجۡهِ: چہرہ، رضا
اللّٰهِ: اللہ کی
وَمَا: اور جو
تُنۡفِقُوۡا: تم خرچ کرتے ہو
مِنۡ خَیۡرٍ: مال سے
یُّوَفَّ: پورا ملے گا
اِلَیۡكُمۡ: تمہیں
وَاَنۡتُمۡ: اور تم لوگوں کے لیے
لَا تُظۡلَمُوۡنَ: ذرہ بھر کمی نہیں کی جائے گی

ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ کافرین اسلام قبول کرنے کی طرف رجوع کریں ''لیس علیک ھداھم'' کا جملہ اسی مفہوم سے مربوط ہے (568)۔

فقہی ابحاث کی تلخیص

قرطبی لکھتے ہیں کہ صدقات کی تحریص نفلی صدقات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جہاں تک فرض زکوۃ کا تعلق ہے۔ گویا وہ کسی کافر کو دینا جائز نہیں ہے (569)۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے (570):

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے خوش حال لوگوں سے
صدقات وصول کروں اور انہیں تمہارے فقراء کی طرف لوٹا دوں"۔

مہدوی نے رخصت کا قول کیا لیکن ابن اعطیہ نے اسے مردود قرار دیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ صدقہ فطر کے بارے میں فقہاء کے اختلاف نقل کیے گئے ہیں (571)۔

تفصیلی بحث ان شاء اللہ ''مولفۃ القلوب'' کے فقہی احکام میں ملاحظہ کی جاسکے گی۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

تفسیر آیت

مدنی معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے موجود تھے جن کی قساوتِ قلبی اور انفاق سے پہلو تہی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آزردہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبی سکون اور روحانی تسکین کی خاطر یہ آیت اتاری گئی کہ یہ آپ کی محبوب ذمہ داری ہی نہیں کہ کسی کو جبری ہدایت کے ذریعے منزل مقصود تک پہنچا دیں۔ آپ کا کام پیغام کا پہنچا دینا ہے، حجت پوری کردینا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اُس کو توفیق ایمان کے دروازے تک پہنچا دیتا ہے ''لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات کی نفی نہیں آپ پر کرم اور عنایت کی تصویر کا حسن بے نقاب کیا گیا ہے۔ یہ رنگ اور اسلوب صرف اور صرف تسکین وتکریم کی فراوانی بیان کرتا ہے۔ بعض نیک بخت مفسرین نے خواہ مخواہ یہاں ایمانِ ابی طالب کی بحث چھیڑ دی ہے۔ برتی برف دیکھ کر اُسے روئی سمجھ لینا اور دیوانہ وار اسے دھننا شروع کردینا دانائی نہیں ہوتی۔ آیت معارف میں تقلیل یا تحدید کے لیے نہیں اتری، تسکین اور تکریم کے لیے نازل ہوئی۔

وسطِ کلام کی لطافت

وسطِ کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینے کے بعد دوبارہ ایمان والوں سے خطاب ہوتا ہے کہ انفاق کی بار بار دعوت کا یہ معنیٰ ہرگز نہ لیا جائے کہ دعوت دہندہ کا شاید اپنا کوئی مفاد ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جو تم مال خرچ کرو گے اُس کا فائدہ اور نفع تمہارے اپنے ہی لیے ہے۔

مفردات

لِلۡفُقَرَآءِ: فقراء کے لیے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اُحۡصِرُوۡا: بند کر دیے گئے
جن کا محاصرہ ہوگیا، حالات نے اُن کو بے کسی کی زنجیروں میں کس دیا
فِيۡ: میں
سَبِيۡلِ: راستہ
اللّٰهِ: اللہ
لَا: نہیں
يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ: طاقت نہیں رکھتے
ضَرۡبًا: سفر کرنے اور چلنے کی
فِي: میں
الۡاَرۡضِ: زمین
يَحۡسَبُهُمُ: گمان کرتا ہے انہیں
الۡجَاهِلُ: ناواقف آدمی
اَغۡنِيَآءَ: مال دار لوگ
مِنَ: سے
التَّعَفُّفِ: سوال نہ کرنے کی بنا پر
تَعۡرِفُهُمۡ: تو پہچانتا ہے
بِسِيۡمٰهُمۡ: ان کے چہرے اور علامتوں سے
لَا: نہیں
يَسۡـَٔلُوۡنَ: وہ سوال کرتے
النَّاسَ: لوگوں سے
اِلۡحَافًا: چمٹ چمٹ کر
وَمَا: اور جو
تُنۡفِقُوۡا: تم خرچ کرو گے
مِنۡ خَيۡرٍ: مال سے

حسن کا ایک جلوہ

قرآن مجید کی اس آیت نے روحانی منزلوں کی مسافت کم کر دی اور چہروں کی قیمت سے آگاہی بخشی۔ مال خرچ کرتے ہوئے لوگ اکثر چہرے دیکھ کر گرہ کھولتے ہیں۔ ربّ کریم نے فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے صحبت نبوی کا مزا پالیا ہے، وہ "وجہ اللہ" کے عاشق ہوتے ہیں۔ اللہ کا وجود مادی نہیں اس لیے یہاں مراد اللہ کی ذات ہی ہوگی۔ آیت میں لفظ کا استعمال بطور کنایہ ہوا ہے، ایک تو انفاق میں عشقیہ نسبت نے خرچ کرنے کو آسان بنا دیا ہے اور دوسرا یہ تسلی دی گئی ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ واپس پورے کا پورا تمہیں پلٹا دیا جائے گا۔

انفاق کی روحانی برکات

انفاق کی لذتوں سے جو شخص ہم کنار ہو جاتا ہے اس میں عفو و عنایت، دوستی اور یگانگت اور اخوت اور بھائی چارے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مادی اور روحانی دنیا کی ہر کامیابی کو انفاق فی سبیل اللہ سے جوڑ دیا ہے۔ انفاق وہ عمرانی وسیلۂ ظفر ہے جس کی برکت سے معاشرہ میں طبقاتیت کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور اس عمل سے انتقام و عداوت کی آتش کو بھی ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے (572)۔

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِي الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۷۳﴾

"اُن فقیروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں طاقت نہیں رکھتے کہ زمین میں کاروبار کے لیے چلیں پھریں، بے خبر اُن کی شخصی عظمت کی وجہ سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں تم انہیں علامتوں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم خیرات میں جو بھی خرچ کرو گے تو بے شک اللہ اُس کا جاننے والا ہے"۔

ایک مستند روایت

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ آج رات صدقہ کروں گا۔ رات جب پوری طرح چھا گئی تو وہ شخص مال لے کر نکلا اور ایک عورت کو دے کر چلا گیا۔ صبح لوگوں میں یہ پروپیگنڈا ہونے لگا کہ کوئی شخص رات کو ایک بدکار عورت کو مال صدقہ دے کر غائب ہوگیا۔ صدقہ کرنے والے نے بھی یہ بات سنی اور اللہ کا شکر ادا کیا اور عزم مصمم کر لیا کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا، چنانچہ شب دیجور میں مال مٹھی میں رکھا اور ایک مال دار شخص کو ہی عدم علم کی بنا پر صدقہ تھما آیا۔ صبح باتیں چل نکلیں کہ رات کو کوئی شخص صدقہ کا مال اس مال دار آدمی کو دے کر چلا گیا۔

مفردات

فَاِنَّ اللّٰہَ: تو بے شک اللہ
بِہٖ: اُس سے
عَلِیۡمٌ: جاننے والا

صدقہ کرنے والے نے پھر ارادہ کرلیا کہ آج رات بھی میں تیسرا صدقہ دوں گا۔ جب مال دے کر چلا گیا تو صبح معلوم ہوا اس مرتبہ اُس نے ایک چور کو صدقہ کا مال دے دیا۔ صبح جب حقیقت معلوم ہوئی تو صدقہ کرنے والے نے اللہ کی تعریف کی اور شکر بجالایا چلو کسی طرح صدقہ دے تو دیا۔ کیا ہوا جو بدکار عورت، مال دار شخص اور چور کو صدقہ تھما دیا۔

اگلے روز خواب میں دیکھا کہ فرشتہ اُسے کہہ رہا ہے تمہارے تینوں صدقے قبول ہوگئے۔ ممکن ہے بدکار عورت تیرے مال کی وجہ سے بدکاری سے رک جائے اور مال دار کو عبرت حاصل ہو جائے اور شاید چور مال پاکر چوری کی عادت ترک کردے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''مال صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر ہجرتیں کیں، وطن چھوڑے اور کنبوں قبیلوں سے منہ موڑا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آگئے۔ یہ لوگ معاشی ذرائع سے محروم ہیں اور روزی کمانے کے لیے سفر سے بھی عاجز ہیں''۔

یہ آیت انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی (573)۔

علامہ ابوحیان اندلسی کی روایت

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ یہ فقرا جن کا حال آیت میں بیان ہوا ''اہل صفہ'' ہیں وہ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ذکر، علم حاصل کرنے اور عبادت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ مال اور دولت سے یکسر محروم تھے، ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی۔ صحابہ نے کہا کہ قریش کے فقرا مہاجرین تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جہاد کی راہوں میں زخمی ہو کر اپاہج بن جانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ سدی نے کہا کہ محصور فی سبیل اللہ لوگ تھے۔ محمد بن فضل نے کہا: ''یہ وہ خوددار اور بے نیاز مجاہدین تھے جو دعائیں کرتے تھے لیکن کسی سے سوال نہیں کرتے تھے''۔ زمخشری نے کہا کہ یہ مشغول فی الجہاد ہونے کی وجہ سے تجارت کے لیے زمین میں سفر کرنے سے عاجز تھے (574)۔

درمنثور کی روایت

محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئی۔ ان لوگوں کا مدینہ میں کوئی گھر نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی (575)۔ واللہ اعلم

فقر غیور رکھنے والوں کے محامد

قرآن مجید کی اس آیت میں غیرت مند فقراء کی پانچ صفات بیان کی گئیں:

- پہلی صفت یہ کہ یہ لوگ فنونِ جنگ کی تعلیم، دینی علوم کی تحصیل اور راہ حق میں مشغولیت کی وجہ سے محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ روزی کمانے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔
- دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نعمتوں کی تلاش میں سفر کرنے سے عاجز ہیں۔
- تیسری صفت یہ ہے کہ لوگ ان کی حقیقت حالت سے نا آگاہ ہیں بلکہ لوگ ان کی خودداری، عزت نفس اور پاکدامنی کی وجہ سے گمان کرتے ہیں کہ خوش حال لوگ ہیں۔
- چوتھی صفت یہ ہے اُن کے چہروں پر ان کی عظمت حالات کے روشن نشان ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بارے میں کچھ بات نہیں کرتے لیکن ان کے دکھوں کی کہانی ان کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔
- پانچویں فضیلت یہ ہے کہ وہ چمٹ چمٹ کر کسی سے سوال نہیں کرتے۔

گداگری کی ممانعت

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ، جس طرح اور لوگ مانگ کر لا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ جو شخص سوال کرنے سے بچے گا اللہ بھی اُسے سوال سے بچا لے گا اور جو شخص بے پروائی برتے گا اللہ اُسے فی الواقع بے نیاز بنا دے گا۔ جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا، وہی چمٹ چمٹ کر مانگنے والا سوالی ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت زیادہ کی ہے۔ ایک اونٹنی ہمارے غلام کے پاس ہے وہ بھی پانچ اوقیہ سے بہتر ہے۔ پس میں یوں ہی سوال کیے بغیر واپس آ گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ واقعہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جو لوگوں سے کنارہ کرے گا اللہ اُسے خود ہی کافی ہو جائے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہو گا''۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان کی اُونٹنی کا نام ''یاقوتہ'' تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے (576)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے فاقہ یا اپنے گھر والوں کے فاقہ کے بغیر سوال کرے قیامت کے دن اُس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر فاقوں کا دروازہ کھول دے گا۔ جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا (577)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (578):

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

''جس شخص نے بلا ضرورت سوال کیا قیامت کے دن
اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا (579):

''جس شخص نے مال بڑھانے کے لیے سوال کیا وہ صرف
انگاروں کا سوال کررہا ہے، کم سوال کرے یا زیادہ''۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا (580):

''جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال
نہیں کرے گا میں اُس کے لیے جنت کا ضامن ہوں''۔

طبرانی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا (581):

''کہ تم حرص کرنے سے بچو کیونکہ حرص ہی فقر ہے اور اس
بات سے تم بچو کہ تم سے معذرت کی جائے''۔

لفظوں میں معانی کا سمندر

''احصار، حصور'' سے ماخوذ ہے اس کا معنیٰ رک جانا ہوتا ہے۔ اصطلاح فقہاء میں بیماری، حاجت یا خوف کی وجہ سے مقصود سے رک جانا ''احصار'' ہے۔ وہ حاجی جو ادائے حج سے رک جائے اُسے ''محصر'' کہہ دیتے ہیں۔ مفتی احمد یار خان نے لکھا کہ زندگی سب کی گذرتی ہے لیکن جو زندگی اللہ کے نام ہو جائے وہ محمود ہے۔ ''محصرین'' وہ ہوتے ہیں جو اللہ کے نام پر وقف ہو جائیں۔ ان پر پیسہ خرچ کرنا زیادہ ثواب ہے۔ جو زمین مسجد کے نام پر وقف ہو جائے اس کی فضیلت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح اصحابِ کہف کا کتا اللہ کے پیاروں کے لیے وقف ہوا تو اُسے حیات جاودانی کا عطیہ مل گیا (582)۔

''سیما'' سمت سے ہے جس کی اصل ''وسم'' ہے۔ اس کا معنیٰ علامت اور بلندی کا ہوتا ہے۔ اس کا مادہ مفسرین نے سین، واؤ اور میم بھی لکھا ہے۔ اس لفظ کا معنیٰ تلاش کرنا اور جستجو کرنا ہوتا ہے۔ گھوڑے پر نشان لگانا ''تسویم'' ہوتی ہے۔ ''مسومین'' نشان دار گھوڑے ہوتے ہیں۔ اچھے نشان انسان کا تعارف بن جاتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی چاک دامانی پاک دامانی کی دلیل بن گی۔ سجدوں کے نشان قلبی ایمان کی دلیل ٹھہرتے ہیں (583)۔

لفظ ''الحاف'' اور رازی کی بالا بیانی

رازی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور نہ مانگنے والوں کو پسند

فرماتا ہے اور فحش کہنے والے گندے اور چمٹ کر سوال کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اگر اُسے زیادہ مل جائے تو وہ تعریف میں مبالغہ کرتا ہے اور اگر تھوڑا دیا جائے تو مذمت کرے(584)۔

''اِلۡحَافًا'' پر رازی کی پانچ تفسیری جہتیں

- ''الحاف، لحاف'' سے ہے، چمٹ جانا معنیٰ یہ ہے کہ یہ آرام سے سوال نہیں کرتے چمٹ کر کھردرے اندازِ حاجات میں مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ زمخشری کا اندازِ فہم ہے لیکن رازی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے کہ آیت خود تو اس جملے سے وضاحت کر رہی ہے کہ ان سے ناآشنا لوگ انہیں تونگر سمجھتے ہیں۔ ان کے سوال نہ کرنے کی عادت کی بنا پر قابل فہم نکتہ ہے(585)۔
- دوسری تفسیر آیت کے پہلے حصہ میں کہا گیا کہ وہ سوال سے بچتے ہیں۔ اب دوسرے حصے میں کہا چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔ دونوں کو ملا کر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ بالکل سوال کرتے ہی نہیں، البتہ آیت میں ضمناً تربیت کر دی گئی۔ چمٹ چمٹ کر سوال کرنا اچھا طریقہ نہیں۔ بے نیازی، حسن ادب اور جمالیاتی اظہارات غلط چیزوں میں بھی حسن لا سکتے ہیں(586)۔
- تیسری تفسیر یہ ہے کہ چمٹ کر سوال کرنے والا اکثرت تلطف سے مال نکلوا لیتا ہے، کسی کو تنگ کر کے یا مسکے لگا کر کسی بھی طرح مال ہتھیا لینا درست نہیں ہے اس لیے کہ دینے والا دونوں صورتوں میں حسن نیت سے محروم ہو جاتا ہے(587)۔
- چوتھی تفسیر یہ ہے کہ آیت سے پہلے فقراء کی شدید حاجتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور شدت، عسرت اور مشکل وقت میں ترک سوال دشوار ہوتا ہے، اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ یہ لوگ اپنے اوپر کنٹرول کرتے ہیں لیکن اس کنٹرول کرنے کی وجہ سے وہ دشواری اور مشکل میں ہوتے ہیں گویا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ شدت برداشت کر کے ہی سوال کرتے ہیں(588)۔
- پانچویں تفسیر یہ ہے۔ یہ لوگوں سے سوال کرتے ہیں تو گڑگڑاتے نہیں، گویا نفی ''الحاح'' کی ہے نہ مانگنے کی عادت کا بیان تو آیت کے پہلے حصے میں ہو چکا ہے۔ لوگوں کے لیے ''الحاف و الحاح'' ایک مستقل بیماری ہے جس سے بچنا ضروری ہے(589)۔

واللہ اعلم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ
اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾
اَلَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِىۡ يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا‌ۘ
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا‌ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ
فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ
النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾

(274) وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے اموال کو رات میں بھی اور دن میں بھی چُھپا کر بھی اور کھلے طور پر بھی اُن کے لیے اُن کے ربّ کے حضور اجر ہے اور نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے

(275) ایسے لوگ جو سود کھائیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اُس شخص کے کھڑے ہونے کی طرح جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا بنا دیا ہو، یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے یہ کہا کہ تجارت اور سُودی لین دین برابر ہیں حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال قرار دیا اور سُود کو حرام، سو جس کے پاس اپنے ربّ کی نصیحت آ گئی تو وہ رک گیا تو اُس کے لیے ہو گیا جو ہو گیا اور اُس کا معاملہ اللہ کے سپُرد اور وہ جو لوٹ آیا وہ آگ والوں میں سے ہوگا اور ہمیشہ اُسی میں رہے گا

مفردات

اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾

''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے اموال کو رات میں بھی اور دن میں بھی چُھپا کر بھی اور کھلے طور پر بھی اُن کے لیے اُن کے ربّ کے حضور اجر ہے اور نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (590):

پچھلی آیت میں صدقات کا مصرف بیان ہوا تھا، اب اس آیت میں بہترین اوقات اور حالات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ پہلے فقیروں کی صفات بیان ہوئیں اب سخی اور کریم لوگوں کے اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ آیت کا نشان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس چار درہم آئے اور آپ نے ایک رات کو، ایک دن میں اور ایک چھپا کر اور ایک آشکارا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیے۔ اس پر حضور ﷺ نے آپ سے پوچھا: آپ نے یہ کام اس طرح کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے وعدہ کا خود کو مستحق بنانے کے لیے ایسا کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''لک ذالک'' یہ سب تیرے لیے لازم ہو گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (591)۔

تفسیر کبیر کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم نے جہاد کے لیے گھوڑے پالے جن کی دن رات وہ خدمت کرتے تھے، اس پر یہ آیت اتری۔

علامہ آلوسی نے لکھا کہ ''غزوہ ذات العسرۃ'' کے موقع پر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر حصہ ڈالا تو یہ آیت ان کی مدح میں اتری (592)۔

تفسیر خازن میں ہے کہ آدھی آیت حضرت عبدالرحمان بن عوف اور آدھی آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی جب دونوں نے اصحاب صفہ کے لیے اناج بھیجا (593)۔

علامہ محمد بن صالح عثیمین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں صدقات اور انفاق کے عمومی طور طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ انسان اپنی زندگی کو جاری و ساری رکھنے کے لیے مال اور دولت سے بالکل بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ کمانے والوں کو ہر طرح خرچ کرنے کی بھی سعی کرنی چاہیے (594)۔

اَلَّذِيۡنَ: جو لوگ
يُنۡفِقُوۡنَ: خرچ کرتے ہیں
اَمۡوَالَهُمۡ: اپنے مالوں کو
بِالَّيۡلِ: رات کو
وَالنَّهَارِ: اور دن کو
سِرًّا: چھپا کر
وَّعَلَانِيَةً: اور ظاہر کر کے
فَلَهُمۡ: تو ان کے لیے
اَجۡرُهُمۡ: ان کے اجر
عِنۡدَ: پاس
رَبِّهِمۡ: اپنے ربّ
وَلَا: اور نہیں
خَوۡفٌ: خوف
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
وَ: اور
لَا: نہ
هُمۡ: وہ
يَحۡزَنُوۡنَ: غمگین ہوں گے

مفتی احمد یار خان بدایونی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں (595):

"نیکی کرنے میں چھوٹی اور بڑی نیکی کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اللہ مال کا تھوڑا ہونا یا زیادہ ہونا نہیں دیکھتا بلکہ اخلاص دیکھتا ہے۔ بندے کو صبح شام اس راہ میں کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ مفتی احمد یار خان نے خوب لکھا کہ لوگ بعض اوقات صدقہ کرنے کے لیے جمعہ یا رمضان کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ بندے کو نیکی کرنے میں جلدی کرنا چاہیے، رات یا دن کا انتظار نہیں کرنا چاہیے"۔

اس آیت میں صدقہ خیرات کرنے والوں کو اجر کی نوید سنائی گئی اور بشارت دی گئی کہ اندیشے ان سے دور کر دیے جاتے ہیں اور صدقوں کی برکت سے غم غلط ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک خطبہ دیا جس کے مشمولات غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں (596):

"طمع اور لالچ افلاس اور پسماندگی ہے اور بعض معاملات میں نا اُمید ہو جانا غنا ہے۔ تم لوگ اتنا مال جمع کرتے ہو جتنا کھا نہیں سکتے اور وہ اُمیدیں سجا لیتے ہو جو پا نہیں سکتے۔ یاد رکھو! بخل، منافقت اور نفاق کا ایک حصہ ہے۔ پس سخاوت اختیار کرو اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی"۔

قارئین!

رات ظلمتوں کا ظرف ہوتا ہے اور ظلمتیں تکلیفوں کے لیے مجاز ہیں۔ وہ شخص کردار کے لحاظ سے بلند، عظیم اور صاحبِ فضیلت بن جاتا ہے جس کی راتیں غریب نوازی اور انسان پروری میں بسر ہوتی ہوں اور رات اگر دکھ کے لیے استعارہ ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ عظیم وہی ہوتا ہے جو اپنے دکھ بھول کر دوسروں کے دکھ میں کام آئے اور اگر کوئی شخص اپنے ذہن کے مطابق رات کی ظلمت کو اپنے گناہوں کا غلاف تصور کرے تو اس کے لیے بھی انفاق اور غریب نوازی گناہوں کی بخشش کا وسیلہ بن سکتی ہے، بشرطیکہ

مفردات

اَلَّذِيۡنَ: جولوگ
يَاۡكُلُوۡنَ: کھاتے ہیں
الرِّبٰوا: سود
لَا يَقُوۡمُوۡنَ: نہیں اٹھیں گے وہ
اِلَّا: مگر
كَمَا: جیسا کہ
يَقُوۡمُ: اُٹھتا ہے
الَّذِىۡ: وہ شخص
يَتَخَبَّطُهُ: جس کے حواس زائل کر دیے ہوں، مخبوط بنا دیا ہو
الشَّيۡطٰنُ: شیطان نے
مِنَ: سے
الۡمَسِّ: چھوکر
ذٰلِكَ: یہ حالت اُس کی
بِاَنَّهُمۡ: سبب یہ ہے کہ وہ
قَالُوۡۤا: کہتے ہیں یا کہا انہوں نے
اِنَّمَا: نہیں ہے سوا اس کے
الۡبَيۡعُ: تجارت
مِثۡلُ: مانند
الرِّبٰوا: سود کے ہے
وَاَحَلَّ: اور حلال کیا
اللّٰهُ: اللہ نے
الۡبَيۡعَ: تجارت کو
وَحَرَّمَ: اور حرام کیا
الرِّبٰوا: سود کو
فَمَنۡ: تو جس کو
جَآءَهٗ: آئی اُس کے پاس یا پہنچی اس کے پاس

توبہ سچے دل سے ہو۔

احباب کرام!

دن روشن ہوتے ہیں اور روشنی خوشی کا استعارہ ہوتی ہے۔ وہ شخص جو سکھوں کی روشنی میں دکھوں کی ظلمتیں یاد کر کے کسی تاریک بخت شخص کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے بھی روشنی میں لے آئے، ''بڑی بات ہے''۔ ایسے شخص کو بھی سلام، آیت ایسے عظیم البخت شخص کے کردار کو بھی مشعل انسانیت بنا دیتی ہے۔

ملتمسین قرآن!

''سِرًّ'' راز ہوتا ہے، بھید ہوتا ہے اور بند الماری کی طرح ہوتا ہے۔ کوئی شخص اپنے صندوق میں کسی کو ہاتھ نہیں مارنے دیتا ہے لیکن اللہ والوں کی بات ہی کیا وہ اپنے مخفی خزانوں میں بھی حضور ﷺ کی اُمت کا حصہ رکھتے ہیں۔

حروف قرآن پر نظر رکھنے والے دوستو!

''عَلَانِيَةً'' لفظ تو لگتا ہے عربوں کے ساتھ ساتھ ہم گونگوں کو بھی مخاطب بنالیا گیا۔ آسمانی رنگ زمین پر آ گئے ہیں۔ اب کوئی چیز مخفی نہیں رہی، کردار کا ہلال بدر منیر کی طرح روشنیاں دینے لگ گیا اور قرآنی کردار سے مستفید ہونے والا صحن سے چھلانگ لگا کر چھت پر چڑھ گیا۔ جو کچھ خلوتوں، راتوں اور آشکار دنوں میں جمع کیا تھا وہ حضور ﷺ کی اُمت کے فقراء میں بانٹنے لگ گیا۔ جیسے دولہا کے رشتہ دار پالکی پر مال نچھاور کرتے ہیں۔ دین جس وقت دل میں کھب کر بدن سے عمل بن کر نمودار ہوتا ہے پھر مال دار شخص اپنا کچھ بھی نہیں سمجھتا، سب کچھ فقیروں مسکینوں میں بانٹ دیتا ہے۔ ہاں اس کا صرف چھوٹا سا مطالبہ ہوتا ہے۔ میرے محبوب کے حسن کا ایک ''گھونٹ'' ہی لبوں سے نچھاور کر دو، درود پڑھ دو میں اور میرا مال سب کچھ تمہارے سچے عقیدوں اور مجذوبانہ اعمال کی ویل ہے۔ جل جائیں منکر سارے، وسدا رہوے سجن دا ڈیرہ۔ اللھم امین

اَلَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِىۡ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾

''ایسے لوگ جو سود کھائیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اُس شخص کے کھڑے ہونے کی طرح جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا بنا دیا ہو، یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے یہ کہا کہ تجارت اور

مفردات

مَوۡعِظَةٌ: نصیحت
مِّنۡ رَّبِّهٖ: اپنے ربّ کی طرف سے
فَانۡتَهٰى: تو باز آ گیا وہ
فَلَهٗ: تو اُس کے لیے
مَا سَلَفَ: جو پہلے گذر گیا
وَاَمۡرُهٗۤ: اور امر اس کا
اِلَى اللّٰهِ: اللہ کے حوالہ ہے
وَمَنۡ: اور جو
عَادَ: لوٹ کر آیا
فَاُولٰٓئِكَ: تو وہی ہیں
اَصۡحٰبُ النَّارِ: دوزخ والے
هُمۡ فِيۡهَا: وہ اس میں
خٰلِدُوۡنَ: ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

سُودی لین دین برابر ہیں حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال قرار دیا اور سُود کو حرام، سو جس کے پاس اپنے ربّ کی نصیحت آ گئی تو وہ رک گیا تو اُس کے لیے ہو گیا جو ہو گیا اور اُس کا معاملہ اللہ کے سپُرد اور وہ جو لوٹ آیا وہ آگ والوں میں سے ہوگا اور ہمیشہ اُسی میں رہے گا''۔

''ربوا'' کا لغوی معنیٰ

تاج العروس، المفردات، الصحاح، لسان العرب اور التحقیق کی مدد سے ''ربوا'' کا لغوی معنیٰ اور مختلف اطلاقات نقل کیے جاتے ہیں (597):

1۔ یہ لفظ بڑھنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بڑھوتری اور زیادت کا ہر مفہوم اس میں سمویا جاسکتا ہے۔
2۔ ستو''ربوا'' کہلاتے ہیں اس لیے کہ وہ پھول کر بڑھ جاتے ہیں۔
3۔ راغب نے لکھا کہ راس المال پر جو مال بڑھا دیا جائے وہ ''لِرّبٰو'' ہے۔
4۔ ہر وہ قرض جو بڑھوتری کے ساتھ واپس کیا جائے۔
5۔ ''ربوا'' کا مادہ بھی یہی ہے۔ اس کا معنیٰ اُونچی جگہ ہوتا ہے۔
6۔ برکت والی چیز کو''رباوہ'' کہتے ہیں
7۔ ریت کے اُونچے ٹیلے''روابی'' کہلاتے ہیں۔ یہی ٹیلے قدرے سخت ہو جائیں تو ''دکداکہ'' کہلاتے ہیں۔
8۔ وہ سبزی جو ریت والی زمین میں پیدا ہو۔ زمین اور سبزی دونوں کو''روابی'' کہہ دیتے ہیں۔
9۔ کسی چیز کو نشوونما دینا، پالنا اور بڑھانا۔ تربیت صلاحیتوں کا بڑھانا ہوتا ہے۔
10۔ ہر چیز کی اصلیت کے مطابق اس میں اضافہ کرنا ہے۔
11۔ پھوڑا پھنسی جو پیپ سے بھر کر اُبھر جائے''ربیہ'' پھولا ہوا پھوڑا۔
12۔ ''ربیت'' کا معنیٰ ہوتا ہے سنگترہ یا لیموں کو شہد کے ساتھ کھانا یا گلاب کی پتیاں شیرے کے اندر ملا کر کھانا۔
13۔ کسی کا کسی پر احسان ہونا''ربّہ'' کہلاتا ہے۔
14۔ ''اربیہ'' ران جہاں سے شروع ہوتی ہے یعنی پیٹ جہاں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔
15۔ چچا یا تائے کی اولاد''اربّیہ'' ہوتی ہے۔
16۔ ''الربوہ'' دس ہزار درھم کا پیکٹ ہوتا ہے۔

17۔ کسی چیز کی مقدار زیادہ ہونا۔

18۔ بڑی جماعت ''الرِّبٰوا'' کہلاتی ہے

19۔ بدن پر جیکٹ کا ہوا سے پھول جانا۔

20۔ بڑھوتری کی وہ حد جس کے بعد زوال شروع ہوجائے۔

''الرِّبٰوا'' کا اصطلاحی مفہوم

قرآن مجید جس ''ربوا'' یا سود کو حرام قرار دیتا ہے حضور ﷺ کے زمانے میں اس کی دو صورتیں تھیں: ایک کا تعلق قرض سے تھا اور دوسرے کا تعلق اجناس کے باہم تبادلے کے ساتھ تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (598) کہ ایک شخص کسی پر کچھ فروخت کرتا اور قیمت کی ادائیگی کا ایک وقت متعین ہوجاتا۔ ادائیگی کا وقت جب آپہنچتا تو مدیون یعنی ثمن ادا کرنے والے کے پاس پیسے نہ ہوتے تو قرض خواہ میعاد میں اضافہ کردیتا لیکن ساتھ ہی زرِثمن میں بھی اضافہ کردیتا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں (599):

> '' جاہلیت میں ایسی صورت پیش آتی کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ قرض ہوتا تو قرض دار قرض خواہ کے سامنے تجویز رکھتا کہ آپ قرض میں تاخیر کردیں اور اس کے عوض آپ کو اتنی رقم ادا کی جائے گی چنانچہ قرض خواہ مخصوص رقم کے عوض مہلت دے دیتا۔''

حضرت ابوبکر الجصاص رازی نے ان روایات سے نتیجہ اخذ کیا کہ جاہلیت میں ربا یا سود کی حقیقت یہی تھی کہ وہ ایک قرض ہوتا تھا اور اس میں ایک مقرر شرح کے عوض میعاد مقرر ہوتی تھی اور شرح سود اس میعاد کا معاوضہ ہوتا تھا جو مدیون کو دی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا (600)۔

امام فخر الدین رازی کے الفاظ سہل اور آسان ہیں (601):

> ''معیادی سود زمانہ جاہلیت کی ایک اقتصادی رسم تھی۔ ہوتا یوں کہ جب کوئی شخص اپنا مال دوسرے پر فروخت کرتا اور سودا ادھار کا ہوتا۔ زرِثمن اپنی جگہ قائم رکھا جاتا لیکن ہر مہینہ شرح سود مقرر کرکے وصول کی جاتی۔ گویا سرمایہ اور میعاد دونوں میں اضافہ کرکے مجبور کی مجبوری

سے فائدہ اُٹھایا جاتا''۔

ربا اور سود کی دوسری صورت

سود کی دوسری صورت اجناس کے باہم تبادلہ میں تفاضل سے پیدا ہوتی ہے، اسی لیے اسے ربائے فاضلہ بھی کہتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (602):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سونا سونے کے عوض

چاندی چاندی کے بدلے

گندم گندم کا بدل

جو جو کا تبدل

کھجور کھجوروں کے مقابلے میں

اور نمک نمک کے ساتھ

برابر برابر ہوں گے اور دستی ہوں گے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس برنی کھجور لے کر آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا! بلال یہ کہاں سے لے کر آئے ہو؟

عرض کی ہمارے پاس رڈی قسم کی کھجوریں تھیں تو ہم نے ایک صاع کے بدلے دو صاع کے ساتھ تبادلہ کر دیا۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ تو سیدھا سود ہے۔ ایسا نہ کیا کرو اگر تمہیں کبھی بدلنے کی
ضرورت پڑے تو ردی کھجوروں کو الگ سے فروخت کرو
اور پھر اس رقم کے عوض اچھی والی خرید لو'' (603)۔

سید قطب کا تجزیہ

یہ حقیقت ہے کہ ربائے فاضلہ میں ''ہم جنس'' تبادلہ میں آنے والی اشیاء کی نوعیت اور قیمت میں بنیادی طور پر فرق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اضافہ کا تقاضا پیدا ہوتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ

میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ انہوں نے دو رڈی صاع کھجوریں دے کر ایک صاع برنی اچھی کھجوریں لیں لیکن دو قسم کی کھجوریں چونکہ ہم جنس ہیں اور دونوں پر کھجور کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے ان میں اضافہ سودی کاروبار کا شبہ پیدا کرتا ہے کیونکہ کھجور کے بدلے کھجور ہی آتی ہے، اس لیے اسے حضور ﷺ نے ربا سمجھا ہے اور اس سے منع فرمادیا ہے تا کہ بظاہر بھی سودی کاروبار کا اندیشہ نہ رہے، اسی طرح ایسے تبادلے میں یہ شرط بھی لگائی گئی کہ ایک تو مقدار برابر ہو اور دوسرا سودا دستی ہو یعنی اس سلسلہ میں کوئی میعاد مقرر نہ ہو اور قبضہ فوری ہو اس لیے کہ مدت اور میعاد سودی کاروبار کا اہم جزو ہے(604)۔

بخاری اور مسلم کی حدیث

بخاری اور مسلم کی حدیث سے دورِ جدید کے بعض ماہرین اقتصادیات نے سود کی چند شکلوں کو باہر نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ واقعۃً مغرب کے اقتصادی نظام سے مرعوب ہونے کی دلیل ہے۔ باقی رہ گئی یہ حدیث کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''سود صرف میعاد میں ہوتا ہے'' یہ کہ ان ذہنوں کو تقویت اس لیے نہیں دیتا کہ قرآن اور حدیث کا مطالعہ آیات اور احادیث کو بکھیر کر کرنا مجرمانہ ذہنیت کی علامت ہوتی ہے۔ ہر حدیث کو دوسری حدیث کے آمنے سامنے رکھ کر ہی احکام کی تفصیل جاننا ممکن ہوسکتا ہے(605)۔

سود میں حرمت کی شدت

درمنثور میں جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(606):

''سود کھانے والے، کھلانے والے، سود پر گواہی دینے والے اور سود کے لکھنے والے پر لعنت ہے''۔

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔

حاکم نے مستدرک میں روایت لکھی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(607):

''اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ چار آدمیوں کو جنت میں داخل نہ فرمائے اور انہیں وہاں کی نعمتوں سے لذت کام نہ ہونے دے، عادی شرابی، سود کھانے والا، یتیم کا مال

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ناحق کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (608):

''سود کے ستر گناہ ہیں اور ان میں سے سب سے ہلکا یہ
ہے کہ کوئی اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (609):

''جس قوم میں سود کی کثرت ہوتی ہے اس قوم پر قحط مسلط
کر دیا جاتا ہے اور جس قوم میں رشوت بڑھ جاتی ہے اس
پر رعب طاری کر دیا جاتا ہے''۔

سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (610):

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سود کھانے
سے بچ نہیں سکے گا۔ جو شخص سود نہیں کھائے گا سود کا غبار
اُسے بھی پہنچ جائے گا''

طبرانی کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (611):

''انسان سود میں ایک درہم جو وصول کرتا ہے وہ اللہ کے
نزدیک دین میں تینتیس بار زنا کرنے سے سخت ہے''۔

مسند ابویعلیٰ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (612):

''جس قوم میں زنا اور سود کی کثرت ہو جاتی ہے اس قوم
پر اللہ کا عذاب حلال ہو جاتا ہے''۔

سود کی اقتصادی تباہ کاریاں

ایک ایسا نظام جس میں عدل و حقیقت کی خوشبو محسوس کی جا سکتی ہو اس میں منافع جات کو یقینی بنایا جاتا ہے پھر اس کے بعد انہیں کسی معاہدے کے تحت سرمائے اور محنت کے درمیان تقسیم کیا جاتا

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ہے، جب کہ سودی نظام میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں سرمایہ نفع دے یا نہ دے صاحب سرمایہ کو ہر صورت میں منافع مل جاتا ہے۔ یہی چیز ہے جو بیع اور ربوٰا میں فرق کر دیتی ہے۔ سود عدل و انصاف کی اقدار کو تباہ کر دینے والا نظام ہے۔

سودی نظام میں قرض لینے والوں کو تین صورتوں میں سے ایک صورت میں نفع مل سکتا ہے جب کہ قرض دینے والوں کو ہر صورت میں منافع حاصل ہوتا ہے۔ یہ نفع زیادہ تر قرض دینے والے کو ملتا ہے اور قرض لینے والے بے چارے کے پاس کچھ نہیں بچتا۔

جدید سودی نظاموں کے اندر عوام پر ہر روز نئے ٹیکسوں کا اضافہ سود ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور صنعت کاری سود میں صارفین پر بوجھ کی وجہ سے پورا معاشرہ بوجھ تلے دبا ہوتا ہے۔ اس نظام کے تحت غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ دولت سرکولیشن سے نکل کر سود خوروں کے پیروں تلے آجاتی ہے۔ آج اس استحصالی نظام ہی کی وجہ سے قوموں میں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں رہی اقتصادی، عسکری، سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں درندہ صفت استعماری قوتوں کی بالادستی قائم ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ سود کی لعنت سے بچا ہوا نہیں۔

بیع اور سود میں فرق

بیع اور سود میں فرق پر الکوثر کے مؤلف کا تجزیہ خوبصورت ہے(613):

1۔ تجارت میں تاجر اپنے مال کو بازار میں پیش کرتا ہے اور منافع کی شرح بازار کے اُتار چڑھاؤ کے مطابق مقرر کرتا ہے اور بازار میں زیروزبر حالات کبھی منافع دیتے ہیں اور کبھی دیوالیہ کر دیتے ہیں، اس لیے تاجر اور گاہک دونوں ہوشیار رہتے ہیں جب کہ سودی نظام میں ایسا نہیں ہوتا۔

2۔ تجارت میں بائع اور مشتری دونوں فائدہ لیتے ہیں۔ مشتری خریدی ہوئی چیز کا اور بائع فروخت شدہ مال کا فائدہ لیتا ہے جب کہ سودی معاملہ میں پیسہ لگانے والے کو یقینی فائدہ ہی پہنچتا رہتا ہے۔

3۔ تجارت میں فروخت کرنے والا مشتری سے ایک بار نفع کماتا ہے جب کہ سود میں نفع کا سلسلہ لگاتار ہو جانے کی وجہ سے مقروض کے تن کے کپڑے بھی اتر جاتے ہیں اور سکونت سے بھی وہ محروم ہو جاتا ہے۔

4۔ تجارت میں سرمائے کے ساتھ محنت بھی صرف ہوتی ہے جب کہ سود میں اپنی ضرورت

سے زائد رقم دے کر دوسرے کی محنت اور مشقت پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔

5۔ تجارت میں فریقین کاروبار اور منصوبے میں شریک ہوتے ہیں اس لیے ذمہ داریاں دونوں پر ہوتی ہیں اور دونوں نفع اور نقصان میں شریک ہوتے ہیں، جب کہ سودی نظام میں پورا بازار سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔

6۔ سودی نظام میں سرمایہ محنت پر مسلط ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ محنت اگر سرمائے پر مسلط ہو جائے تو وہ نظام بھی غیر عادلانہ ہوگا۔

سود کے لیے کھانے کی نسبت

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں لکھتے ہیں (614) سود کے لیے کھانے کی تعبیر اس لیے کی گئی ہے کہ اموال کے کسب سے اعلیٰ اور معظم مقصود کھانا ہی ہوتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ سودی معاملات کا زیادہ پھیلاؤ کھانے کی اشیاء میں ہوتا ہے، اس لیے تعبیر میں کھانے سے اسے منسوب کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہے اس لیے بھی ہو کہ قرآن مجید پیش پا اُفتادہ سزاؤں کو افعال میں تعبیر کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن پیٹوں میں سانپوں کا ہونا، پیٹوں کا سڑا ہونا، سود خوروں کا روندا جانا اور آگ وغیرہ کا نکلنا سود لینے کے لیے کھانے کی تعبیر میں سمو دیے گئے ہیں۔

سوچوں کا ایک اور پر لطف منظر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سود کھانے والا شخص اموال میں اصل زر کو کسی مظلوم، مجبور اور مقہور کو پھنسانے کے لیے بطور جال استعمال کرتا ہے اور وہ رقم تو تارِ عنکبوت کی طرح کسی کو پھنسانے کے لیے ہوتی ہے۔ اصل میں تو وہ کھاتا صرف سود ہے۔ قرآن حکیم نے اس کے مال کی اصلیت کو کوئی اہمیت نہیں دی، وہ جو کھاتا ہے اُسے اہمیت دی ہے اور کہا ہے کہ وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے شیطانوں اور اڑیل جنوں نے انہیں مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔

تفسیر مظہری کی ایک نفیس بات

پانی پتی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ربا کے متعلق پانچ مقامات پر وعید نقل کی ہے (615):

1۔ پہلی وعید تخبط کی صورت میں ہے۔ جب اللہ نے فرمایا کہ وہ کھڑے نہیں ہوتے مگر اُس آدمی کی طرح جسے شیطان نے مجنون بنا دیا ہو۔

2۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں دخول۔ جب فرمایا: ''جس نے حد سے تجاوز کیا وہ جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

3۔ سود کو مٹا دیا جاتا ہے۔ فرمایا اللہ ربوٰا کو مٹاتا ہے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

4۔ اسے کفر کی طرف منسوب کیا جب کہا باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

5۔ جنگ کا نام دے کر وعید سنائی جب فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا اعلان کرو''۔

سود خور کے لیے قرآن حکیم کی مثال

سود خور کا چال چلن دیوانوں، مخبوط الحواس جن چڑھوں اور مرگی کے بیماروں ایسا ہوتا ہے۔ خبط کا معنیٰ ہوتا ہے راہ چلتے ہوئے یا اٹھتے ہوئے بدن کو اعتدال پر نہ رکھ سکنا۔ سود خور کے لیے یہ تشبیہ لطیف، معلمانہ اور دلچسپ ہے۔ جیسے جن چڑھے شخص اور مرگی کے بیمار کو اپنے فائدے اور نقصان کی پہچان نہیں رہتی۔ ایسے ہی دولت کا عشق ان کو دماغ سوزی تک پہنچا دیتا ہے۔ ان میں تعاون، ہمدردی، انسان دوستی اور خادمانہ جذبے کی حس ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بے مہر اور پتھر دل لوگ دولت کو جمع کرنے کے نشے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ نشے ان میں عقل کو بھی ختم کر دیتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی نے کہا کہ یہ تعبیر حشر و نشر کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ یعنی یہ اس وقت ہوگا جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو میدان محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ سود خور پیٹ بھاری ہو جانے کی وجہ سے گر جائیں گے۔ پیٹ پھول جانے کی وجہ سے بھاری ہو جائیں گے اس لیے ان کا دوڑ نا مشکل ہو جائے گا (616)۔

تجارت اور سود خوری ایک جیسے نہیں

قرآن حکیم فرقان مجید نے ایسے شخص کو مخبوط الحواس قرار دیا جو بیع کو سود اور سود کو بیع کی طرح کی چیز تصور کرتا ہے۔ سود تو ایک گندی چیز ہے۔ اصل ماجرا یہ ہے کہ قرآن نے بیع کو جو لوگ سود کی طرح کی چیز سمجھتے ہیں انہیں مرگی کے مریضوں کی طرح بدفکر قرار دیا ہے۔ شاید وہ اس لیے کہ بیع پر نظام دنیا چل رہا ہے۔ وہ ایک حلال منفعت کا سوتا ہے اُسے غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جیسے حلالی اور حرامی برابر نہیں ہو سکتے ایسے ہی حلال اور حرام بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ یوں ہی عقیدہ بنا لیا جائے کہ تجارت اور سودی لین دین دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ فخر الدین رازی کی تاویلات قابل مطالعہ ہیں (617) لیکن سادی توجیہہ یہی ہے کہ اسلوب قرآنی نے سود کی مضرتوں اور بیع کی منفعتوں کو بڑے احسن اسلوب میں بیان کر دیا۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ ﴿۲۷۶﴾
اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ
مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۷۸﴾
فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ
رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾

(276) مٹاتا رہتا ہے اللہ سُود کو اور بڑھاتا رہتا ہے صدقات کو اور اللہ کسی بھی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا

(277) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے اور نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے

(278) اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو سُود کی وہ رقم جو کسی نے ادا نہیں کی اگر تم مومن ہو

(279) اگر تم نے یہ نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ

مفردات

يَمۡحَقُ: مٹا دیتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
الرِّبٰوا: سود کو
وَيُرۡبِي: اور بڑھاتا ہے
الصَّدَقٰتِ: صدقات کو، یہاں خیرات کرنا مراد ہے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا
كُلَّ: ہر
كَفَّارٍ: ناشکرا
اَثِيۡمٍ: گناہ گار

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ ﴿۲۷۶﴾

''مٹاتا رہتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا رہتا ہے صدقات کو اور اللہ کسی بھی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا''۔

لغت میں ''المحق'' کا معنی کسی شئی کا آہستہ آہستہ ناقص ہوجانا ہوتا ہے(618) مہینہ کے آخری ایام میں جب چاند گھٹتے گھٹتے اندھیروں میں اتر جاتا ہے، عرب کہتے ہیں ''المحاق فی الھلال'' چاند تاریک ہوکر ناقص ہوگیا۔ جب لکڑی تپش پا کر سکڑ جائے تو اُسے بھی ''محقہ'' کہتے ہیں۔ ''ربا'' تدریجاً بڑھنا ہوتا ہے اور ''محاق'' تدریجاً گھٹنا ہوتا ہے(619)۔

قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ سود کو اللہ مٹا دیتا ہے اور صدقات کو وہ تدریجاً بڑھاتا رہتا ہے۔ سود خور چونکہ اپنی دولت کے ذریعے محنت کش طبقے کے پسینے کی کمائی سمیٹتا ہے اور بعض اوقات وہ ان کے وجود ہی کو ہلاک کر دیتا ہے۔ معاشرے میں تدریجاً نابودی جنم لے لیتی ہے۔ اس کے مقابلے میں صدقات کے پیچھے انسانی احترام کا جذبہ موجود ہے۔ ہمدردی اور غم خواری برکتوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس راہ میں صلاحیتیں صحیح کام کرتی ہیں، اس لیے مثمرات مثبت ہوتے ہیں۔ سود ایک غلط نظام کو قوت دیتا ہے جب کہ صدقات معاشرتی توازن پیدا کرنے والی چیز ہوتی ہے۔

سود کس طرح ختم کر دیتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سود اگرچہ کثیر ہو نتیجۂ وہ قلیل ہو جاتا ہے''۔

سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ یہ انسان کو افلاس کے گڑھے میں جا پھینکتا ہے۔

اخلاقیات کا چشمہ خشک ہو جاتا ہے

سود خور کے ہاں زوالِ امانت، سقوطِ عدالت اور انجمادِ احساس کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ احساس، عدل اور امانت کے چشمے جب خشک ہو جائیں تو بولہبیت ہی باقی بچتی ہے۔ فسق، بدنامی اور مذمت کی ظلمتیں سود خور کو تباہ کر دیتی ہیں۔

سود دینے والوں کی بددعائیں

وہ شخص جو مجبوری سے سود پر پیسہ لیتا ہے۔ ہر محفل میں وہ سود خور کو ذلیل کرتا رہتا ہے۔ اصل میں تو اُسے قرض اتارنے کی جلدی ہوتی ہے لیکن سود خور کی عزتوں کو وہ در بدر آگ لگا دیتا ہے۔

مفردات

اللہ اور رسول کی ناراضگی

سودخور پر اصل افتاد اللہ کی ناراضگی کی پڑتی ہے اور اُس کا مال بڑھنے کی بجائے گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔

آخرت میں سودخوری کا نقصان

- پہلی صورت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سودخور کا نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ جہاد، حج اور صلہ رحمی قبول کرتا ہے۔
- دوسری صورت اغنیاء جنت میں فقراء سے پانچ سو سال بعد داخل ہوں گے۔
- تیسری صورت یہ ہے کہ موت کے ساتھ ہی سود دہندہ مال کو دبوچ لیتے ہیں لیکن سودخوری ایسے جرم پر لعنت باقی رہتی ہے (620)۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے اور نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے"۔

قرآن مجید کا خوبصورت اسلوب

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں فطری حسن کی آبشاریں گرتی رہتی ہیں۔ جہاں کہیں قرآن مجید کردار کی زشتی اور خرابی بیان کرتا ہے، وہاں آگے پیچھے فطری جذبوں اور پاکیزہ سوچوں کو زندہ کرتا ہے تا کہ کتاب اللہ کی تربیت میں رہنے والے مسلمان کو محامد اور فضائل کے چمن تک پہنچا دیا جائے۔ گزشتہ آیات میں ناشکرے، سنگ دل، گناہ گار سودخوروں کا ذکر تھا، اب اس آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ دنیا میں ایسے عظیم الفطرت لوگ بھی موجود ہیں جو خود پرستی اور سنگ دلی سے دور بہت دور فطری جذبوں کی خوشبو میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا رابطہ اپنے اللہ سے موجود رہتا ہے۔ وہ نماز قائم کرنے کی عادت سے مزین ہوتے ہیں اور ضرورت مندوں اور مفلسوں کے کام آتے رہتے ہیں۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اعمال صالحہ ان کی فطرت کو معصوم بنا دیتی ہے۔ وہ نازک احساس کے لوگ اپنی روزی کو میلا نہیں ہونے دیتے۔ اُن کی زندگی بہاراں بہاراں ہوتی ہے۔ اُن کی ادائیں اور عملی گواہیاں اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتی ہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے پاس عظیم اجر موجود ہے۔ احساسات و جذبات کی طہارت انہیں ہر معاملہ میں لاخوف کر دیتی ہے۔ کوئی فکر اور کوئی اندیشہ ان کی روح کو زخمی نہیں کرتا ہے۔ وہ اللہ کے دوستوں ایسی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایسے عظیم اصحاب ایمان لوگوں کے لیے

اِنَّ: بے شک
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
وَعَمِلُوۡا: اور عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ: اچھے
وَاَقَامُوا: اور قائم کی انہوں نے
الصَّلٰوةَ: نماز
وَاٰتَوُا: اور ادا کی انہوں نے
الزَّكٰوةَ: زکوٰۃ
لَهُمۡ: ان کے لیے
اَجۡرُهُمۡ: ان کا اجر ہے
عِنۡدَ: نزدیک
رَبِّهِمۡ: ان کے ربّ
وَلَا خَوۡفٌ: اور خوف نہیں ہے
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
وَلَا هُمۡ: اور نہ وہ
يَحۡزَنُوۡنَ: غمگین ہوں گے

مفردات

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ لوگ جو
اٰمَنُوا: ایمان لائے ہو
اتَّقُوا: ڈرو تم
اللّٰهَ: اللہ سے
وَ: اور
ذَرُوۡا: چھوڑ دو
مَا: جو
بَقِىَ: باقی رہ گیا
مِنَ: سے
الرِّبٰٓوا: سود
اِنۡ: اگر
كُنۡتُمۡ: تم ہو
مُّؤۡمِنِيۡنَ: ایمان والے

اضطرابات اور پریشانیوں کے عوامل پیدا نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۲۷۸

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو سُود کی وہ رقم جو کسی نے ادا نہیں کی اگر تم مومن ہو''۔

شانِ نزول

اس آیت کا سببِ نزول علامہ واحدی نے التفسیر البسیط میں نقل کیا کہ سود کی حرمت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قرض داروں سے سود لینا چاہا، اس پر ممانعت کی یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے صرف اصل زر واپس لے لیا اور سود چھوڑ دیا۔ یہ قول عطا اور عکرمہ کا ہے (621)۔

دوسری روایت وہ ہے جو مقاتلان نے روایت کی ہے۔ ایک مقاتل بن سلیمان ہیں اور دوسرے مقاتل بن حیان ہیں۔ ان کی شہرت ابو بسطام النبطی الخزاز سے بھی ہے کہ بنو ثقیف میں چار بھائی تھے، وہ سودی لین دین کرتے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں جلوہ فروز ہوئے۔ اللہ نے انہیں اسلام نصیب کر دیا۔ انہوں نے بنو مغیرہ سے سود طلبی کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر نازل فرمائی (622)۔

ایمان والوں کو تقویٰ کا حکم

یہ آیت بتاتی ہے کہ تقویٰ کا تعلق صرف سجدوں اور رکوعوں ہی سے نہیں اقتصادی دنیا سے بھی ہے۔ وہ شخص جو کسی کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھائے اور سنگ دلی سے اپنا خودغرضی کا تنور گرم کرتا رہے۔ اس کا ایمان کیا اور اس کا تقویٰ کیا ہوا۔ ایمان اور تقویٰ تو دو رابطوں کے درست کرنے کا نام ہے۔ اللہ سے ربط اور اللہ کی مخلوق سے ربط اور ربط بھی وہ جس میں ذاتی منفعتوں ہی کی آگ نہ روشن کی جائے بلکہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم ارشاد

یہ آیت نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آگاہ رہو کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے تمام سودی معاملات اور مطالبات چھوڑ دیے جائیں اور سب سے پہلے میں عباس بن عبد المطلب کے سودی مطالبات ترک کرنے کا اعلان کرتا ہوں''۔

مفردات

فَاِنۡ: پھر اگر
لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا: نہیں چھوڑتے
فَاۡذَنُوۡا: تو تیار ہو جاؤ
بِحَرۡبٍ: لڑائی کے لیے
مِّنَ اللّٰہِ: اللہ سے
وَ رَسُوۡلِہٖ: اور اس کے رسول سے
وَ اِنۡ: اور اگر
تُبۡتُمۡ: تم توبہ کرتے ہو
فَلَکُمۡ: تو تمہارے لیے ہے
رُءُوۡسُ: اصل
اَمۡوَالِکُمۡ: تمہارے مالوں کا
لَا تَظۡلِمُوۡنَ: نہ تم کسی پر ظلم کرو
وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ: اور نہ تم پر ظلم کیا جائے

تفسیر نمونہ کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زمانۂ جاہلیت کے سودی مطالبات پر سرخ قلم پھیر رہے تھے تو آپ نے یہ کام اپنے رشتے داروں سے شروع کیا۔ اصل انقلاب وہی ہوتا ہے جو خود اور رشتہ داروں سے شروع ہو (623)۔

اسلاف کی تاریخی اور یادگار احتیاطیں

حضرت امام ابو حنیفہ نے کسی کا قرض ہزار کھوٹے سکّوں کی صورت میں دینا تھا، اس نے جب قرض واپس کیا تو ہزار کھرّے سکے ادا کیے۔ ابو حنیفہ فرمانے لگے: میں ویسے ہی کھوٹے سکے لوں گا۔ جیسے میں نے دیے تھے۔ خطرہ ہے کہ میرا لین دین کہیں سود میں داخل نہ ہو جائے (624)۔

امام ابو حنیفہ ہی کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ آپ کسی شخص کے دروازے پر دستک دیتے اور پھر دھوپ میں آ کر انتظار کرتے۔ اس کا سبب جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''کہ میرا اس شخص کے ذمہ قرض ہے جب کہ شریعت نے روکا ہے کہ قرض میں سے نفع گیری نہ کی جائے۔ میں نہیں پسند کرتا کہ میں اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ سے نفع اٹھاؤں یا اس کے قریب ہو کر سود کی لعنت میں داخل ہو جاؤں''۔

حضرت بایزید بسطامی نے ایک مرتبہ ہمدان سے ''حب القرطم'' خریدا۔ جب آپ واپس بسطام پہنچے تو سامان دیکھا تو بیچ میں چیونٹیاں پھر رہی تھیں۔ آپ وہاں سے پھر ہمدان پہنچے۔ جہاں سے سامان خریدا تھا وہاں چیونٹیوں کو چھوڑا اور اللہ کا شکر ادا کیا (625)۔

''اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ'' کی تفسیر

''اگر تم مومن ہو'' اس جملہ کی تشریح میں فخر الدین رازی نے چار صورتیں نقل کی ہیں (626):

1۔ یہ الفاظ اس محاورہ کے مطابق ہیں ''ان کنت اخاً فاکرمنی'' اگر تو بھائی ہے تو میرا احترام کرو، اشارہ اس طرف ہے جو مومن ہو گا پہلے کے سودی مطالبات ضرور ترک کر دے گا۔

2۔ معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہو تو تم پر تمہارا ایمان یہ لازم کرتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور قرآن کا حکم سنو۔

3۔ مفہوم تفسیری یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ دائمی مومن رہو تو اس حکم پر عمل کرو۔

4۔ اے زبان سے ایمان کا قول کرنے والو باقی سود چھوڑ دو اگر تم دل سے ایمان لائے ہو۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ۚ وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾

''اگر تم نے یہ نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور اگر

تم توبہ کرلو تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ''۔

شانِ نزول

جب یہ آیت نازل ہوئی تو قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ ہم صرف اصل زر لیں گے، جو ہمارا حق ہے۔

آیت کا لب ولہجہ

قرآن مجید کی اس آیت میں اسلوب شدت پکڑ گیا لیکن یہ باعث حیرت بات نہیں کہ اگر کسی کا بچہ کنویں میں چھلانگ لگا رہا ہو تو اُسے ماں باپ سختی سے جھنجھوڑ کر دور جا پھینکتے ہیں۔ یہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ خسارے سے بچ جائیں۔ سودخور معاشرہ مضرات اور اقتصادی اموات کا کنواں بن جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اُس میں کود کر خودکشی کرنا چاہتا ہے تو قرآن اس کے خلاف روحانی اور فوجی قوت استعمال کرنے کا اعلان کرتا ہے اور اعلان ہوتا ہے اگر کوئی شخص سودی دھندہ جاری رکھنے کا تہیہ کر لیتا ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیے وہ اللہ اور رسول کے خلاف اعلان جنگ کر رہا ہے۔ قرآن کسی بھی صورت میں مجبور اور مظلوم لوگوں کا خون چوستے رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول

ایک مرتبہ آپ نے ایک سودخور کے بارے میں سنا کہ وہ بڑی جرأت سے سود کھاتا ہے اور اُس نے اس کا نام ''لبا'' رکھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اگر مجھے اس شخص پر دسترس حاصل ہو جائے تو میں اسے جان سے مار ڈالوں۔ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کی اس آیت کے منکر ہوں'' (627)۔

آیت کا عمود

''وَاِنۡ تُبۡتُمۡ'' کا مفہوم ہے کہ اگر تم نے توبہ کر لی ہے۔

فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں (628):

- پہلی صورت یہ ہے کہ اگر تم نے معاملۂ سود سے توبہ کر لی ہے۔
- اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر تم نے سود کو حلال جاننے سے توبہ کر لی ہے تو تم اپنا اصل مال لے لو اور سودی لین دین کو چھوڑ دو تاکہ اس طرح تم بھی کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ اور تمہیں بھی کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تم مقروض سے اصل رقم پر اضافہ طلب کر کے ظلم نہ کرو اور نہ اصل رقم میں کمی کر کے تم پر ظلم کیا جائے۔

❁❁❁❁❁

وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ‌ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ
لَّـكُمۡ‌ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾
وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ‌ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ
وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۱﴾

(280) اور اگر وہ تنگدست ہے تو مہلت دے دو جب تک کہ وہ سہولت سے ادا کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تم قرض معاف ہی کر دو تو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو

(281) اور ڈرو اس دن سے کہ تمہیں پھیر دیا جائے گا اس میں اللہ کی طرف پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے

مفردات

وَ: اور
اِنْ: اگر
کَانَ: ہے وہ
ذُوْعُسْرَةٍ: تنگی والا، مفلس، حالات میں پسا ہوا
فَنَظِرَةٌ: تو مہلت ہے
اِلٰى: تک
مَيْسَرَةٍ: سکھی ہونے تک
وَاَنْ: اور یہ کہ
تَصَدَّقُوْا: قرض معاف کرو
خَيْرٌلَّكُمْ: تمہارے لیے بہتر ہے
اِنْ: اگر
كُنْتُمْ: تم ہو
تَعْلَمُوْنَ: تم جانتے ہو

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

''اور اگر وہ تنگدست ہے تو مہلت دے دو جب تک کہ وہ سہولت سے ادا کرنے کے قابل ہوجائے اور اگر تم قرض معاف ہی کردو تو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو''۔

اسلامی نظام کا یہ خوبصورت آئینہ ہے۔ اس میں دینی احکام کی حکمتیں شفاف تصویر کی صورت میں دیکھی جا سکتی ہیں ۔ یہ پُرثمر درخت کی وہ چھاؤں ہے جس میں ہر وہ شخص پناہ لے سکتا ہے جسے خودغرضی، بخل، مال پرستی، تکاثر، زراندوزی، لالچ اور مفاد پرستی نے تھکا دیا ہو۔ اس آیت کی روشنی میں اسلام کا مزاج بدرجۂ احسن پڑھا جا سکتا ہے۔ قرض دار ہونا پسماندگی کی علامت ہے اور قرض کی بازگزاری دولت پسندی کی تپش ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اصولوں کی وہ رحمت بانٹتی ہے کہ قرض دار اور قرض خواہ دونوں برکت اور سکون کے ماحول میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔

دورِ حاضر کے وحشیانہ سودی نظام تو غریب ضرورت مندوں کے سامنے قرض کی رقم رکھ کر ان کے گوشت کی بوٹیاں نوچنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں جب کہ اسلام اس آیت کی روشنی میں تربیت دیتا ہے کہ مشکلات اور تنگی میں گھرے ہوئے مفلس قرض دار کو مہلت دو، اُسے مہلت دینا، اس کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، اُن کے لیے سکون کی سوچ سوچنا یہ اسلام ہے۔ آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر قرض کو صدقہ ہی بنا کر عالی ظرفی کا مظاہرہ کر سکو تو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ یہاں نظام الاخلاق آسمان کو چھونے لگ جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

> ''جس شخص نے اپنے تنگ دست مقروض کو مہلت دی یا اُسے قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کی تکلیفوں سے نجات عطا فرمائے گا'' (629)۔

ایک دوسری حدیث

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''جس کا کسی پر قرض ہو اور قرض لینے کی میعاد آ پہنچی ہو ایسی حالت میں مقروض کے لیے جو مہلت دے گا اس کا

اگلا ہر روز گویا صدقہ دینے میں گزرے گا''(630)۔

روح البیان کی ایک روایت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(631):

کہ تین اعمال ایسے ہیں جو بھی انہیں قیامت والے دن لائے گا، جنت کا ہر دروازہ اس کے لیے کھول دیا جائے گا، جس سے چاہے وہ داخل ہو اور جنتی حوروں سے چاہے نکاح کرلے:

1۔ قاتل کو معافی دینے والا شخص

2۔ ہر فرض نماز کے بعد گیارہ مرتبہ اخلاص سورت پڑھنے والا شخص

3۔ اور ضرورت مند کو قرض دینے والا شخص

ایک خوبصورت حکایت

عباد بن ولید فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد علم کی راہ میں نکلے اور ارادہ ہوا کہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث کی سماعت کریں۔ سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں یادداشتوں کا ایک دفتر تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ غلام اور آقا نے ایک ہی جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ میرے والد نے انہیں دیکھ کر عرض کی! چچا محترم آپ تو اس وقت غصے میں نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میری بات غور سے سنو!

فلاں شخص پر میرا قرض تھا جس کی میعاد ختم ہوگئی۔ میں قرض طلبی کے لیے ان کے پاس گیا اور سلام کیا اور گھر والوں سے پوچھا کیا وہ گھر میں ہیں؟ جواب ملا وہ اس وقت نہیں مل سکتے۔ اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا سا بچہ باہر آیا میں نے اُس سے پوچھا تمہارے والد کدھر ہیں؟ بچہ کہنے لگا آپ کی آواز سن کر وہ چارپائی کے نیچے گھس گئے۔

میں نے زور سے آواز ماری میرے مقروض تمہارا گھر میں ہونا مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ چھپو نہیں باہر آؤ۔ جب وہ باہر آئے تو میں نے کہا تم نے یہ کیا کیا؟ وہ کہنے لگے میں نے تمہارا قرض دینا تھا، ادائیگی کے لیے رقم نہیں تھی، جھوٹ بول نہیں سکتا تھا اور وعدہ کرلوں تو وہ توڑ نہیں سکتا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں آپ سے کذب بیانی یا وعدہ شکنی کیسے ہوسکتی تھی۔

میں نے اُن سے پوچھا حلفاً کہو تمہارے پاس قرض واپس کرنے کے لیے رقم نہیں۔

میں نے اُن کا نام دفتر سے کاٹ دیا اور پھر کہا:

سنو! جو میں بیان کرنے لگا ہوں۔ میری دونوں آنکھوں نے دیکھا، دونوں کانوں نے سنا

مفردات

اور میرے دل نے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

’’جو شخص کسی تنگی والے کو ڈھیل دے یا معاف کرے تو بروز قیامت اللہ اُسے اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا‘‘(632)۔

طبرانی کی حدیث ہے کہ جو شخص کسی مفلس پر رحم کھا کر اپنے قرض کی وصولی میں اُس پر سختی نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اُسے گناہوں پر پکڑے گا نہیں، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے(633)۔

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۱﴾

’’اور ڈرو اس دن سے کہ تمہیں پھیر دیا جائے گا اس میں اللہ کی طرف پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے‘‘۔

نزول کے اعتبار سے آخری آیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے۔ اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اس آیت کے نزول کے اکتیس روز بعد میں ہوا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آیت کے نزول کے نو دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا(634)۔

شاہ رفیع الدین نے لکھا کہ آیت کے نزول کے تین دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا (635)۔

ایک اہم بات

قرآن مجید کی پہلی اترنے والی آیت ’’اِقۡرَاۡ‘‘ سے شروع ہوتی ہے اور سب سے آخر میں اُترنے والی آیت تقویٰ کا حکم لیے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے ’’علوم اور معارف‘‘ دبستان نبوی کا پہلا چشمہ ہے جس سے تعمیر کائنات کی جاسکتی ہے بشرطیکہ علوم سارے کے سارے ’’اسم باری‘‘ کی روشنیوں میں آجائیں۔ جہالتوں کے ختم کرنے کی سبیل بھی یہی ہے۔ اسی طرح تعمیر ذات کے لیے تقویٰ ضروری ہے۔ انسان کے اندر دونوں ستارے موجود ہیں لیکن انسان علم سے تقویٰ تک پہنچنے تک اکثر ٹھوکریں کھاتا ہے، جب کہ یہ منزل طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی مخلص، دانا اور دردمند مرشد منزل کے حسن کو دیکھنے کے لیے عشق رسالت کا سرمہ آنکھوں میں لگا دے۔

وَاتَّقُوۡا: اور تقویٰ اختیار کرو اور ڈرتے رہو اور بچتے رہو اس اہم دن کے لیے
يَوۡمًا: دن
تُرۡجَعُوۡنَ: تم لوٹائے جاؤ گے
فِيۡهِ: اس میں
اِلَى اللّٰهِ: اللہ کی طرف
ثُمَّ: پھر
تُوَفّٰى: پورا دیا جائے گا
كُلُّ: ہر ایک
نَفۡسٍ: جان
مَّا كَسَبَتۡ: جو اُس نے کمایا
وَهُمۡ: اور وہ
لَا يُظۡلَمُوۡنَ: ظلم نہ کیے جائیں گے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

بازگشت کا دن

قرآن مجید اپنے قاری کے ذہن میں اس عظیم دن کی فضیلت اور اہمیت اتارتا ہے جس میں اللہ کی طرف بازگشت ہوگی۔ جو مسلمان ہیں ان کے دل میں اس دن کی بڑی ہیبت ہے۔ مومنوں کے ضمیروں کی گہرائی میں احتساب کا نقشہ موجود ہوتا ہے اسی لیے قرآن مجید کا آخری سبق کڑے احتساب کی یادیں ہری کر دیتا ہے تاکہ زندگی کا تصفیہ ہو سکے۔ سید قطب نے یہ ٹھیک لکھا ہے کہ تقویٰ اور خدا خوفی وہ چوکیدار ہے جو ضمیر میں فطرت نے خود بٹھا دیا ہے اس لیے کہ مومن کے لیے فرار کی کوئی راہ نہ بچے (636)۔

قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر کہا جا سکتا ہے "اِقْرَاْ" علوم الٰہیہ کے ہبوط و نزول کا اعلان ہے اور "وَاتَّقُوْا" معارف قرآنی کا وجود مومن میں داخل ہو جانے کا نام ہے۔

معاشرتی اصلاح اور فلاح کے لیے ایک ٹھوس اور جامع نصیحت

معاشرہ کی اصلاح کے لیے صرف کسی قانون کا نفوذ کافی نہیں ہوتا۔ اس قانون کی فلاحی تعبیر پر ذہنی، قلبی اور روحانی تیاری اور آمادگی بھی ضروری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کی آخری آیت بالکل عملی نوعیت کی ہے۔ آیت کا ایجاز اور اختصار حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے لیکن ایمان، تقویٰ اور آخرت پر یقین ایسے اسباق مسلمانوں کے باطن کو مضبوط کرتے ہیں جس سے معاشرہ کا پاکیزہ ہونا سمجھ میں آنے لگ جاتا ہے۔

اسماعیل حقی کی خوبصورت باتیں

روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی خامہ فرسائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام آسمانی کتابوں کی تلخیص جاننا چاہے تو دو ہی باتیں ہیں جن کا ادراک کر لیا جائے (637):

1۔ درکات سفلیہ سے نجات

2۔ اور درجات علیا میں کامیابی

درکات سفلیہ یہ ہے:

1۔ کفر

2۔ شرک

3۔ جہالت

4۔ معاصی

5۔ اخلاق مذمومہ

6۔ اوصاف کے منفی درکات مثلاً خود پسندی

7۔ نفس کے حجابات

درجات علیا آٹھ ہیں:

1۔ معرفت باری

2۔ توحید

3۔ العلم

4۔ طاعات اخلاق حمیدہ

5۔ جذبات الحق

6۔ انانیت سے پاکیزہ ہونا

7۔ ہویت کی بقا

8۔ فنا کے بعد بقا کا حصول

مراجعت الی اللہ کے تین معانی

- پہلا معنیٰ یہ ہے کہ انسان اپنی موت کے بعد اسی حالت میں منتقل ہو جاتا ہے جو ولادت سے پہلے ہوتی ہے۔
- دوسرا معنیٰ ثواب اور عتاب کے اعتبار سے اس حالت کی طرف منتقل ہونا جہاں یہ سب کچھ ہوگا۔
- اور تیسرا معنیٰ عملاً زندہ ہو کر اللہ کی کچہری میں کھڑا ہو جانا ہے(638)۔

واللہ اعلم

ابن جنّی کا خوبصورت مفہوم

ابن جنّی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے ساتھ اس بنا پر مہربانی اور نرمی فرمائی کہ وہ ان کی طرف رجعت کے ذکر کے ساتھ متوجہ ہوا کیونکہ یہ ان میں سے ہے جس کے ساتھ دل پھٹنے لگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ڈرنے کا ذکر کیا پھر اللہ کی طرف رجعت کا ذکر کیا جو سراسر نرمی ہے(639)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ
يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ
الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ
بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا
مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ
تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا
شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ
اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٢﴾

(282) اے ایمان والو! جب تم کسی معیّنہ مدّت کے لیے لین دین کرنے لگو تو اسے لکھ لیا کرو
اور لکھنے والے کو چاہیے کہ وہ تمہارے درمیان عدل کے ساتھ لکھے اور کوئی بھی لکھنے والا
لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو تعلیم دی، وہ بھی لکھے اور لکھائے وہ شخص
جس پر کہ حق ہے اور وہ ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور کسی بھی قسم کی کمی نہ
کرے ہاں وہ شخص جس پر حق ہے اگر بے سمجھ یا ناتواں ہو یا لکھ نہ سکتا ہو تو اس کا والی
عدل کے ساتھ لکھوادے اور اپنے مَردوں میں سے دو گواہوں کی گواہی بھی کرالو پھر اگر
دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں لے لو ان گواہوں میں سے جن پر تم راضی ہو اور دو
عورتیں اس لیے تاکہ ایک اگر بھول جائے دو میں سے تو ایک دوسری کو یاد کرادے اور
گواہ انکار نہ کریں جب وہ بلائے جائیں اور لکھنے میں سُستی نہ کیا کرو معیادی معاملہ چھوٹا
ہو یا بڑا، اللہ کے نزدیک انصاف کو قائم رکھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے اور یہ نظامِ
شہادت کا پاسبان بھی ہے اور زیادہ قریب ہے کہ تمہیں شک میں پڑنے سے بچائے ہاں
معاملہ اگر ایسی تجارت کا ہو جو نقد ہو جسے تم دست بدست پھیرتے ہو تو تمہارے لیے کوئی
حرج نہیں کہ نہ لکھو اور گواہ کرلیا کرو جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو اور لکھنے والے کو
ضرر میں نہ ڈالا جائے اور نہ ہی گواہ کو تکلیف دی جائے اور اگر تم نے ایسا کیا تو بے شک
تمہاری یہ نافرمانی ہوگی اور ڈرو اللہ سے اور وہی تمہیں تعلیم دیتا ہے اور اُسی کا علم ہر چیز پر
محیط ہے

مفردات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: اے ایمان والو
اِذَا: جب
تَدَايَنْتُمْ: جب تم قرض کا لین دین کرو
بِدَيْنٍ: قرض کا
اِلٰٓى: تک
اَجَلٍ: میعاد، مدت
مُّسَمًّى: مقرر اور معین
فَاكْتُبُوْهُ: تو اُسے لکھ لیا کرو
وَلْيَكْتُبْ: اور لکھے
بَّيْنَكُمْ: تمہارے درمیان
كَاتِبٌ: لکھنے والا
بِالْعَدْلِ: عدل اور انصاف کے ساتھ
وَلَا: اور نہ
يَاْبَ: انکار کرے
كَاتِبٌ: لکھنے والا
اَنْ: یہ کہ
يَّكْتُبَ: وہ لکھے
كَمَا: جیسا کہ
عَلَّمَهُ: سکھایا ہے اُسے، کاتب کو
اللّٰهُ: اللہ
فَلْيَكْتُبْ: تو چاہیے کہ وہ لکھے
وَلْيُمْلِلِ: اور املا کرائے
الَّذِيْ: وہ شخص
عَلَيْهِ: اس پر
الْحَقُّ: حق ہے
وَلْيَتَّقِ: اور ڈرے وہ
اللّٰهَ: اللہ سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ
وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ
كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ
وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا
اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا
يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

”اے ایمان والو! جب تم کسی معینہ مدّت کے لیے لین دین کرنے لگو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ وہ تمہارے درمیان عدل کے ساتھ لکھے اور کوئی بھی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو تعلیم دی، وہ بھی لکھے اور لکھائے وہ شخص جس پر کہ حق ہے اور وہ ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور کسی بھی قسم کی کمی نہ کرے ہاں وہ شخص جس پر حق ہے اگر بے سمجھ یا ناتواں ہو یا لکھ نہ سکتا ہو تو اس کا والی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے مَردوں میں سے دو گواہوں کی گواہی بھی کرا لو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں لے لو ان گواہوں میں سے جن پر تم راضی ہو اور دو عورتیں اس لیے تا کہ ایک اگر بھول جائے دو میں سے تو ایک دوسری کو یاد کرا دے اور گواہ انکار نہ کریں جب وہ بلائے جائیں اور لکھنے میں سُستی نہ کیا کرو معیادی معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ کے نزدیک انصاف کو قائم رکھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے اور یہ نظام شہادت کا پاسبان بھی ہے اور زیادہ قریب ہے کہ تمہیں شک میں پڑنے سے بچائے ہاں معاملہ اگر ایسی تجارت کا ہو جو نقد ہو جسے تم دست بدست پھیرتے ہو تو تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ نہ لکھو اور گواہ کر لیا کرو جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو اور

مفردات

رَبَّهٗ: اس کا ربّ
وَلَا: اور
يَبْخَسْ: کم کرے
مِنْهُ: اس میں سے
شَيْـًٔا: ذرّہ بھر
فَاِنْ: پھر اگر
كَانَ: وہ ہو
الَّذِيْ: شخص
عَلَيْهِ: جس پر کہ
الْحَقُّ: حق ہے
سَفِيْهًا: ناسمجھ، کم عقل
اَوْ: یا
ضَعِيْفًا: کمزور
اَوْ: یا
لَا يَسْتَطِيْعُ: طاقت نہیں رکھتا
اَنْ: یہ کہ
يُّمِلَّ: وہ املا کرائے
هُوَ: وہ
فَلْيُمْلِلْ: تو املا کرائے وہ
وَلِيُّهٗ: اُس کا وارث
بِالْعَدْلِ: انصاف کے ساتھ
وَاسْتَشْهِدُوْا: اور گواہیاں قائم کرے
شَهِيْدَيْنِ: دو مرد گواہ
مِنْ: سے
رِّجَالِكُمْ: تمہارے مردوں
فَاِنْ: پھر اگر
لَّمْ: نہ

لکھنے والے کو ضرر میں نہ ڈالا جائے اور نہ ہی گواہ کو تکلیف دی جائے اور اگر تم نے ایسا کیا تو بے شک تمہاری یہ نافرمانی ہوگی اور ڈرو اللہ سے اور وہی تمہیں تعلیم دیتا ہے اور اُسی کا علم ہر چیز پر محیط ہے''۔

قرآنی تربیت کی پہلی جولانگاہ

قرآن مجید کی اس آیت میں ایمان والوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے احساسات اور ادراکات پر تخاطب کی چوٹ مار کر بیداری پیدا کی گئی۔ وہ سود خوری، ذخیرہ اندوزی، بخل، کنجوسی ایسے امراض کا وبال جان چکے ہیں۔ اب ان کے محتاط ہونے کا عملی اہتمام معاشرتی، اقتصادی اور عمرانی زندگی میں ہونا چاہیے اور تجارتی دستاویزات کی تحفیظ انہیں اپنے دین کا حصہ سمجھنا چاہیے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ افکار و نظریات کی دنیا میں مسلمان لاپروائی سے اپنے کردار کو کہیں کالا نہ کرلیں۔ انہیں زور دے کر لین دین کے طریقے سمجھائے گئے، احتیاطیں تلقین کی گئیں اور لکھنے کی نعمت سے مستفید ہونے کی ہدایات دی گئیں۔

علامہ قرطبی کی ایک دلچسپ حکایت

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد بتائی کہ دیکھیں کیسے کیسے ہیرے اللہ آپ کو عطا فرمائے گا۔ ایک شخصیت پر بابا کی نظر پڑی، ان کا نور ہر طرف عیاں دکھائی دے رہا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی میرے پروردگار یہ کون ہیں؟

ربّ کریم نے فرمایا: ''یہ تیرا بیٹا داؤد علیہ السلام ہے''

آدم نے عرض کی!

میرے ربّ ان کی عمر کتنی ہوگی؟

فرمایا: ''ساٹھ برس''

آدم علیہ السلام نے عرض کی مولا! اس کی عمر میں اضافہ فرمادے۔

ربّ نے فرمایا: اگر آدم اپنی عمر میں سے کچھ انہیں ہبہ کر دیں تو پھر ممکن ہے

آدم علیہ السلام نے عرض کی:

''میرے ربّ میری عمر کتنی ہے''

ربّ نے فرمایا: ''ہزار برس''

آدم علیہ السلام نے عرض کی! ربّ کریم میں نے چالیس برس انہیں عطا کیے''

اللہ نے اس پر ملائکہ کو حکم دیا:

''اس پر تحریر ہوجائے اور تم گواہ بھی بن جاؤ''

قرطبی لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا وقت وصال آیا تو عرض کی میرے پروردگار ابھی چالیس سال باقی ہیں۔

فرشتوں نے عرض کی وہ تو آپ داؤد علیہ السلام کو ہبہ کر چکے ہیں

آدم علیہ السلام کو جب بات یاد نہ پڑی

تو فرشتوں نے تحریر بابا کو تھما دی

جامع ترمذی کی حدیث کے مطابق اللہ نے اپنے فضل سے آدم کی عمر ہزار سال اور داؤد علیہ السلام کی سو سال مکمل فرما دی۔

قرطبی اس حکایت سے تحریر کا مؤثر ہونا اور "اقوب الی الاحتیاط" ہونا ثابت کرتے ہیں (640)۔

"دَین" کیا ہے؟

عربی زبان میں "دَین" کا لفظ وسیع معانی کا حامل ہے۔ اس کا اطلاق عام قرضوں پر بھی ہوتا ہے اور اصطلاحاً ہر اُس معاملت پر بھی ہوتا ہے جس کے معاوضہ کا ایک جز فی الفور ادا نہ ہوتا ہو۔

ابن عربی لکھتے ہیں کہ "دَین" ہر اُس معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک عوض نقد ہو اور دوسرا عوض ادھار میں ذمہ ہو، عربوں میں جو حاضر ہو وہ نقد اور عین ہوتا ہے جو فوری نہ ہو غائب ہو وہ "دَین" ہوتا ہے (641)۔

عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں (642):

"ادھار معاملت کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ چیز ابھی خریدی اور قیمت کے لیے طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد دیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قیمت اُسی وقت دے دی اور چیز کے لیے یہ طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد دے دی جائے گی۔ شرعاً دونوں صورتیں درست ہیں"۔

تفصیلات فقہ کی امہات کتب میں موجود ہیں۔

قرضہ کے معاملہ میں مدت بالکل صاف اور متعین ہونی چاہیے تا کہ بات مجمل اور گول مول نہ ہو۔ ایسے نہ کہا جائے جاڑے کے موسم میں، ربیع کے اندر یا برسات میں، ابہام کی بجائے صراحت ہونی چاہیے۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ قرآن حکیم نے یہ "آیت دَین" عرش کے پاس سے لائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

مفردات

يَكُوۡنَا: ہوں وہ دونوں
رَجُلَيۡنِ: مرد
فَرَجُلٌ: تو ایک مرد
وَّامۡرَاَتٰنِ: اور دو عورتیں
مِمَّنۡ: اُن میں سے
تَرۡضَوۡنَ: جن پر تم راضی ہو
مِنَ: سے
الشُّهَدَآءِ: گواہوں
اَنۡ: یہ کہ
تَضِلَّ: بھول جائے یا پھسل جائے
اِحۡدٰٮهُمَا: ان دونوں میں ایک
فَتُذَكِّرَ: تو یاد کروا دے
اِحۡدٰٮهُمَا الۡاُخۡرٰى: دونوں میں سے دوسری
وَ: اور
لَا: نہ
يَاۡبَ: انکار کریں
الشُّهَدَآءُ: گواہ
اِذَا: جب
مَا دُعُوۡا: انہیں بلایا جائے
وَلَا تَسۡـَٔمُوۡۤا: اور سستی نہ کرو
اَنۡ: یہ کہ
تَكۡتُبُوۡهُ: اُسے تم لکھو
صَغِيۡرًا: معاملہ چھوٹا ہو
اَوۡ: یا
كَبِيۡرًا: بڑا ہو
اِلٰٓى: تک
اَجَلِهٖ: مدت تک

''یہ آیت خاص کر بیع سلم کے بارے میں نازل ہوئی ہے''(643)۔

قرطبی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ وہ تمام عقود اس آیت میں شامل ہیں جن میں قرض اور دین وغیرہ ہوتا ہے(644)۔

احکام آیت کی روح

فقہاء اور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی موشگافیاں کی ہیں اور باریک باریک نکات بارش کی طرح برسائے ہیں، خصوصاً ''دین'' اور ''اَجَلٍ مُّسَمًّى'' پر سوسو مسائل تنقیح کے بعد رقم کر ڈالے لیکن قرآن پڑھنے والوں کو سب کچھ پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ان سب احکام کی روح یہ ہے کہ جب لین دین کرو تو لکھ لیا کرو۔ تحریریں ثبت کرنا نزاعات اور اختلافات کی ظلمت کو ختم کرتا ہے اور کردار میں واشگاف ہونے کی اداؤں پر محافظت برتنے کی تحریص دلاتا ہے۔ جو قوم پٹوار خانوں کی لکیروں کی حفاظت کر لیتی ہو وہ اپنے روحانی صحیفوں کو ضائع نہیں ہونے دے سکتی۔ قرآن حکیم نے تو پہلی پانچ آیتوں ہی میں پڑھنے اور قلم کے تقدس کا ذکر کر کے ایمانی اور اسلامی قدروں کی شناخت دے دی تھی۔ اب رہی تعمیل تو مسلمانوں کی نسلوں پر ہے کہ وہ کیسے اپنی روحانی تاریخ اور الہامی ادب کی حفاظت کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ ''الٓمّٓ'' سے شروع ہوتی ہے یہ کہیں اس طرف اشارہ نہ ہو جب قوم کمپیوٹر کی نادیدہ رسیوں میں جکڑی جائے گی ایمان والو! تم نے ''الٓمّٓ'' لکھ کر علم کو محفوظ کرنے کی مشق کرتے رہنا ہے۔ واللہ اعلم

اطمینان کا حصول منزل ہے

اس آیت کریمہ میں لکھنے کا عمل کاتب کو تفویض کرنے کی تحریص دی گئی ہے۔ یہ دراصل طرفین کے دلوں میں اطمینان کے حصول کے لیے کیا گیا ہے کہ دستاویز کوئی تیسرا شخص لکھے لیکن اس کو مطلق نہیں چھوڑا گیا۔ کاتب کو ہدایت کی گئی کہ وہ ہر معاملہ ''حق'' کو پیش نظر رکھ کر لکھے اور عدل برتے۔ حق اور عدل دونوں کو ایک ہی جملے میں سمو دیا گیا۔ قرآن مجید کی طویل ترین آیت نے عرش اور کرسی کے جلوے اپنے اندر سمو لیے۔ جب عدل اور حق کو قلم اور زبان کا نور بنا دیا۔

جملے میں معانی کی بارات

معاشی احکام کی اس آیت میں افکار کی تزئین بڑی خوبصورتی کے ساتھ قرآن پڑھنے والوں کے سامنے کر دی گئی ہے۔ ذوق جمال کی آئینہ داری مطالب کی نوع انوعی سے ایسے سلیقے کے ساتھ کی گئی

مفردات

ذٰلِکُمۡ: ایسا کرنا تمہارے لیے
اَقۡسَطُ: زیادہ انصاف والا
عِنۡدَ: نزدیک
اللّٰہِ: اللہ کے
وَاَقۡوَمُ: اور زیادہ پختہ
لِلشَّہَادَۃِ: گواہی کے نظام کے لیے
وَاَدۡنٰۤی: اور زیادہ قریب
اَلَّا: کہ تم نہ
تَرۡتَابُوۡۤا: تردد میں نہ پڑو
اِلَّاۤ: مگر
اَنۡ تَکُوۡنَ: اگر ہو
تِجَارَۃً: سودا
حَاضِرَۃً: دست بدست نقد
تُدِیۡرُوۡنَہَا: آپس میں پھیرتے ہو
بَیۡنَکُمۡ: آپس میں
فَلَیۡسَ: پس نہیں
عَلَیۡکُمۡ: تم پر
جُنَاحٌ: کوئی گناہ
اَلَّا: یہ کہ نہ
تَکۡتُبُوۡہَا: تم اسے لکھو
وَاَشۡہِدُوۡۤا: اور گواہ بناؤ
اِذَا: جب
تَبَایَعۡتُمۡ: تو آپس میں بیع کرو
وَلَا: اور نہ
یُضَآرَّ: ضرر دیا جائے
کَاتِبٌ: لکھنے والا
وَّلَا شَہِیۡدٌ: اور نہ گواہ

مفردات

وَاِنْ: اور اگر
تَفْعَلُوْا: تم کرو گے (ایسا)
فَاِنَّهٗ: تو یہ
فُسُوْقٌ: سخت گناہ کی بات ہے
بِكُمْ: تم پر
وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور ڈرو اللہ سے
وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ: اور اللہ تعلیم دیتا ہے تمہیں
وَاللّٰهُ بِكُلِّ: اور اللہ ہر
شَيْءٍ: چیز
عَلِيْمٌ: بہت زیادہ جاننے والا

ہے جیسے پھولوں کی رنگت، لطافت اور نزاکت کا کسی نے آمیزہ تیار کر رکھا ہے۔

کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے۔

یہاں لکھنے کی اہمیت کو مذہبی فریضہ بنا دیا گیا پھر کہا گیا لکھے جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی۔ یہاں لالہ قلب میں یہ خوشبو انڈیلی گئی کہ سچی اور سُچی تعلیم کا مخزن اللہ کے پاس ہوتا ہے۔ ادھر تعلق رکھنے والوں ہی کا علم کردار ساز بن سکتا ہے۔

آیت میں پھر برجستگی کے ساتھ حق کی بات کر کے احساس کو تیز کر دیا گیا ہے۔ احساس العلم کی بنیاد ہوتی ہے۔ یہاں چاند کے نور سے زیادہ ''احساس'' کو چاندنی سے نواز دیا گیا ہے۔

آیت کے اگلے الفاظ میں یوں محسوس ہوتا ہے احساس کی چاندنی کے ساتھ قاریٔ قرآن کو تقویٰ کے چمن میں اتار لیا گیا ہے۔ جہاں مالک گلستان تقویٰ کی بنیاد پر فکر و عمل کو اُستوار کرنے کی مہک قاریٔ قرآن کی کوششوں کا حصہ بنا دیتا ہے۔ تعلیمات اور دراسات کا نچوڑ یہ ہے کہ ڈنڈی نہ ماری جائے۔ عدل وانصاف اپنی روح کے ساتھ نافذ العمل رہے۔

''املا'' اور ''املال'' میں فرق

مفسرین نے لکھا کہ ''املال'' کے معانی وہی ہیں جو ''املا'' کے ہیں۔ قرآن حکیم نے ان دونوں لفظوں کو استعمال کیا ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا کہ لکھوانے کے لیے اصل لفظ تو ''املا'' ہی ہے، صوتی مشابہت کی وجہ سے ''املال'' انہی معنوں میں استعمال ہوجاتا ہے وگرنہ ''املال'' کے مادے میں لکھوانے کے لیے کچھ موجود نہیں ہے (645)۔

یاد رکھنے کے قابل یہ چیز ہے ''اَملَلتُ'' کا مادہ ''م ل ل'' ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ لکھوانا ہوتا ہے۔ ''طریق ملیل'' اُس واضح راستے کو کہتے ہیں، جس پر آمدورفت کثرت سے ہو (646)۔

''مَلَّة'' اُس جگہ کو کہہ دیتے ہیں جہاں روٹی پکائی جائے ''المَلَّة'' اُس ریت کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کی گرمی اور تپش پر کوئی چیز پکائی جاسکے۔ ''ملال'' وہ کوفت جو تسلسل کے ساتھ کوئی کام کرنے سے طبیعت کو لاحق ہوجائے (647)۔

''املا'' کا مادہ ''م ل و'' یا ''م ل ی'' ہے۔ ''ملاوہ من الدھر'' طویل مدت کے لیے استعمال ہوجاتا ہے۔ اُونٹ کی پیکری میں وسعت پیدا کرنا ''املا'' ہوتا ہے۔ دونوں مادوں میں غور و فکر کرنے سے ''املا'' اور ''املال'' میں جو فرق سمجھ آتا ہے۔ وہ یہ ہے ''املأ'' کا مفہوم رَف لکھوانا ہوتا ہے۔ ایسی تحریر جس کی نک سک بعد میں سنواری جائے جب کہ ''املا'' خوبصورت دستاویزی تحریر ثبت کرنے کو کہتے ہیں (648)۔

گواہیوں کا محکم نظام

قرآن مجید نے حکم دیا کہ معاہدوں کو مضبوط اور محکم کرنے کے لیے تم اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی گواہی کرالو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اُسے یاد کرا دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہییں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔

قرآن مجید نظامِ عدل پر معاشرہ کو استوار کرتا ہے اور عدل کے لیے گواہیاں بہرحال ضروری ہوتی ہیں۔ آیت گواہوں کے لیے تین باتوں کا حکم دیتی ہے: ایک یہ کہ گواہ تمہارے مردوں میں سے ہوں۔ تمہارے سے اشارہ مسلمان ہونے کی طرف ہے۔ دوسری چیز ''رِّجَالِكُمۡ'' سے یہ سمجھ آتی ہے کہ گواہ معاشرے کے حاضر باش لوگ ہونے چاہییں۔ ایسے لوگ نہ ہوں جو اجنبیت کے پردوں میں چھپے ہوں۔ تیسری چیز ''مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ'' سے یہ سمجھ آتی ہے کہ گواہ پسندیدہ اخلاق رکھنے والے ہوں اور ثقہ، معتبر، معتمد اور ایمان دار ہوں۔ انہی صفات کی گواہیاں نظام کو محکم اور مضبوط کرسکتی ہیں۔

خواتین کی گواہی کا خاص رنگ

قرآن مجید کی اس آیت سے بات سمجھ آتی ہے کہ عدالتیں اور گواہیاں اسلامی معاشرہ میں عموماً مردوں ہی کے سپرد کی گئی ہیں لیکن ضرورت کے وقت یہ آیت نظام میں وسعت برتتی ہے اور سکھلاتی ہے کہ مرد اگر موجود نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں وثیقہ اور دستاویز کو گواہیوں سے مؤکد کر دیں۔ قرآن مجید نے محض قانون ہی نہیں دیا بلکہ سبب کی بھی نشان دہی کر دی کہ یہ اس لیے ہے کہ ایک عورت اگر بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلا دے۔ اصل بات یہ ہے کہ عورت نے بچوں کی اور اولاد کی نگہداشت کرنی ہوتی ہے، گھر کو سنبھالنا ہوتا ہے، اُسے اگر مقدمات میں الجھا دیا جائے تو نظام الاسلام کا وہ شعبہ متاثر ہوتا ہے، جس کا تعلق سراسر قوموں کی نشوونما اور تربیت کے ساتھ ہوتا ہے۔

عورت کی گواہی میں دوسری عورت کو مددگار بنانا اس کی تحقیر نہیں ہوتی، اس کے ساتھ مدد ہوتی ہے۔ مقدمات میں مبتلا ہونا بذاتِ خود تھکا دینے والی مشق ہوتی ہے۔ عورت طبعاً کمزور اور منفعل مزاج ہوتی ہے اس لیے اُسے شہادت کی ادائیگی کو بہتر بنانے کے لیے ایک دوسری عورت بھی دی جاتی ہے تا کہ عدالت کا نظام محکم اور مضبوط رہے۔

لکھنے سے گریزاں ہونا اچھا نہیں

لکھنے کے فضائل اور فوائد کو قرآن مجید نے پھر استقلال کے ساتھ ذکر کیا ''لکھنے والا انکار نہ کرے'' یہ تاکید بھی ہے اور تشویق بھی ہے نیز یہ اور نکتے کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جیسے اللہ نے اُسے تعلیم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

دی ہے۔ انتہائی حد تک وہ عدل اور ایمان داری کو ملحوظ رکھے اور اصطلاح کے مطابق ''بینہ و بین اللہ'' دستاویز کو انتہائی سوچ بچار سے ترتیب دے (649)۔

سستی نہ کرو

سید قطب نے لکھا کہ جب نفس انسانی محسوس کرتا ہے کہ کسی کام کی مشقت اس کی قدر و قیمت سے زیادہ ہے تو اس وقت نفس انسانی متاثر ہو کر وہ کام کرنے سے کتراتا ہے۔ قرآن حکیم اس سے اچھی طرح باخبر ہے اسی لیے وہ کہتا ہے کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو معیاد کی تعیّن کے ساتھ اسے لکھوانے میں سستی نہ کرو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے، اس لیے کہ کسی معاملے میں زبانی شہادت کے مقابلے میں دستاویزی شہادت کی اساس پر زیادہ سہولت کے ساتھ انصاف کیا جا سکتا ہے (650)۔ عمود حکم تو حقوق کا تحفظ اور عدل و انصاف کا قیام ہے۔

قانون نافذ کرنے والے خیال رکھیں

کسی لکھنے والے یا کسی گواہ کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچنے دیا جائے، وہ جب اللہ کے قانون کے مطابق اپنا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ درحقیقت کاتب اور گواہ دونوں کی قرآن مدد کر رہا ہے۔ انہیں سیکورٹی فراہم کر رہا ہے کہ اسلامی ریاست کو چاہیے کہ وہ گواہوں اور لکھنے والوں کو تحفظ فراہم کرے، اس لیے کہ یہ لوگ اکثر مقدمہ کے فریقین میں سے کسی ایک کے غیظ و غضب کا شکار ہوتے رہتے ہیں، اس لیے انہیں تحفّظ اور ضمانت ہونی چاہیے کہ انہیں دکھ اور تکلیف نہیں پہنچنے دی جائے گی۔

آیت کا آخری حصہ

قرآن مجید انسان کے دل کو کسی وقت بھی تقوی سے خالی نہیں رہنے دیتا تا کہ نفس انسانی پورے شعور کے ساتھ اطاعت کے لیے بیدار رہے۔ اقتصادی امور میں نفوس میں آمادگی اور اطاعت عموماً مشکل سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے قرآن حکیم نے روحانی طاقتوں کے سوتے جاری کر کے نفوس کی مدد کی کہ یہ پابندیاں پولیس اور کچہریوں تک ہی ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ ان کا نفوذ میدان محشر تک جا پہنچتا ہے۔ قرآن مجید کے سہ نوعی بیانات روحانی مثمرات کی جنت بنتے نظر آتے ہیں۔

1۔ اور اللہ سے ڈرو یعنی اس کے غضب سے بچو

2۔ وہ تمہیں علم سے نوازتا ہے

3۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾
لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ
تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

(283) اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے لیا کرو پھر اگر تم میں سے بعض کو بعض پر امین بنایا جائے تو امین شخص کو چاہیے کہ امانت جس کی ہے اُسے ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اُس کا پروردگار ہے اور گواہی کو چھپایا نہ کرو اور جو اسے چھپاتا ہے تو گویا اس کا گناہ اس کے دل تک جا پہنچتا ہے اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اُس کا جاننے والا ہے

(284) اللہ ہی کے لیے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اُسے چھپاؤ اللہ اُس پر تمہارا محاسبہ کرے گا سو بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے وہ چاہے گا اور اللہ ہر چیز پر پوری قُدرت رکھتا ہے

مفردات

وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ
بَعۡضًا فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكۡتُمُوا
الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸۳﴾

''اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے لیا کرو پھر اگر تم میں سے بعض کو بعض پر امین بنایا جائے تو امین شخص کو چاہیے کہ امانت جس کی ہے اُسے ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اُس کا پروردگار ہے اور گواہی کو چھپایا نہ کرو اور جو اسے چھپاتا ہے تو گویا اس کا گناہ اس کے دل تک جا پہنچتا ہے اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اُس کا جاننے والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت گزشتہ آیت میں بیان ہونے والے احکام کا تتمہ ہے۔ لین دین کے وقت ہونے والے عہد و وعدہ میں وثوق اور رسوخ پیدا کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ کاتب اگر میسر نہ ہو تو قرض لینے والا دوسرے کی تسلی کے لیے کوئی چیز گروی دے دے۔ یہ بات درست ہے کہ یہ گروی رکھنے والا قانون بادی النظر میں سفر سے متعلق نظر آتا ہے لیکن مکمل آیت یہ بھی روشنی دے رہی ہے کہ اس قانون سے اقامت کے زمانے میں بھی مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

بخاری کی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس بیس صاع جو کے عوض گروی رکھی تھی۔ جو آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے لیے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا تو یہ زرہ اُس یہودی کے پاس گروی تھی (651)۔

مقبوضہ سے اشارہ

قرآن مجید نے رہن کے ساتھ مقبوضہ لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے واضح اشارہ مل رہا ہے کہ رہن حتمی طور پر قرض لینے والے کے پاس رہنا چاہیے۔ یہ قرض دینے والے کے اطمینان اور قلبی تسلی کے لیے ہے۔ وہ رہن رہن نہیں ہو سکتی جو طلب گار کی تحویل میں نہ ہو، البتہ رہن سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا تفصیلی احکام فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

''فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ'' کی تشریح

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کے اس حصے سے پہلے والے حکم کو منسوخ کر دیا

وَ اِنۡ: اور اگر
كُنۡتُمۡ: تم ہو
عَلٰى: بمعنیٰ میں
سَفَرٍ: سفر
وَّلَمۡ: اور نہ
تَجِدُوۡا: پاؤ تم
كَاتِبًا: لکھنے والا
فَرِهٰنٌ: تو گروی رکھنا ہے
مَّقۡبُوۡضَةٌ: قبضے میں
فَاِنۡ: پھر اگر
اَمِنَ: امانت پر یقین ہوا
بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا: بعض تمہارے بعض
فَلۡيُؤَدِّ: تو ادا کرے
الَّذِى: وہ شخص
اؤۡتُمِنَ: جس کے پاس امانت رکھی گئی
اَمَانَتَهٗ: اپنی امانت کو
وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ: تو وہ اللہ سے ڈرے
رَبَّهٗ: جو اُس کا پالنے والا ہے
وَلَا تَكۡتُمُوا: اور نہ چھپاؤ
الشَّهَادَةَ: گواہی
وَمَنۡ: اور جو
يَّكۡتُمۡهَا: اُسے چھپائے گا
فَاِنَّهٗۤ: تو بے شک وہ
اٰثِمٌ: گناہ گار ہے
قَلۡبُهٗ: اُس کا دل
وَاللّٰهُ بِمَا: اور اللہ اُس سے جو
تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ: تم کرتے ہو علم رکھنے والا

مفردات

لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
مَا: جو
فِي: میں
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَمَا: اور جو
فِي: میں
الْاَرْضِ: زمین
وَاِنْ: اور اگر
تُبْدُوْا: ظاہر کرو گے
مَا: جو
فِيْٓ: میں
اَنْفُسِكُمْ: تمہارے نفسوں میں
اَوْ: یا
تُخْفُوْهُ: تم اسے چھپاؤ گے
يُحَاسِبْكُمْ: محاسبہ کرے گا تمہارا
بِهِ: اس کا
اللّٰهُ: اللہ
فَيَغْفِرُ: تو بخش دے گا
لِمَنْ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہے گا
وَيُعَذِّبُ: اور عذاب دے گا
مَنْ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہے گا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰى كُلِّ: ہر ایک پر
شَيْءٍ: چیز
قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا

گیا۔ شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نہ دینے کا خوف نہ ہو تو نہ لکھنے اور گواہ نہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جسے امانت دی جائے تو اُسے خوف خدا تو رکھنا ہی چاہیے (652)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (653):

''ہر ہاتھ پر لازم ہے کہ جو لیا وہ ادا کرے گواہیوں کو ہرگز نہ چھپاؤ اور نہ ہی ان میں خیانت کرو اور نہ ہی گواہی کا اظہار کرنے سے روکو۔۔۔۔۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں (654):

''جھوٹی گواہی دینی یا گواہی کو چھپانا گناہ کبیرہ ہے''۔

گناہ گار دل ہوتے ہیں

شہادت اور گواہی کو چھپالینا اور موقع اور ضرورت کے مطابق اس کا اظہار نہ کرنا چونکہ دل کی مرضی اور نیت کے ساتھ ہی مربوط ہوتا ہے اس لیے یہاں قرآن حکیم نے گناہ کی نسبت دل کی طرف کر دی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس کا دل گناہ گار ہے۔ یہ اسلوب مفاہیم آیت کے لیے تاکید کا فائدہ دے رہا ہے۔

آخر آیت میں ''کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا جاننے والا ہے'' کہنا نفسیاتی لحاظ سے طبیعتوں میں بیداری، احتیاط اور توجہ پیدا کرنے کے لیے ہے۔ مالی معاملات میں امانتوں کی ادائیگی کا جذبہ، خوف خدا اور تقویٰ اور آمادگی اور عزم ہی انسان کو کردار کے آسمان تک پہنچانے والی چیزیں ہیں۔

واللہ اعلم

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾

''اللہ ہی کے لیے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اُسے چھپاؤ اللہ اُس پر تمہارا محاسبہ کرے گا سو بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے وہ چاہے گا اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

قرآن مجید کی سورتیں اپنے مضامین کے ساتھ اس طرح ابھرتی ہیں جیسے درخت جڑ سے اُگ کر تناور درخت بننے کی منزل طے کر لیتا ہے۔ سورت جب آخر کو پہنچتی ہے تو درخت پر پھل آنے لگ جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ آخری مراحل میں داخل ہو رہی ہے۔ یہاں تمام مضامین کی شاخوں پر پکا ہوا پھل

دکھائی دینے لگ گیا ہے۔ آیت مذکورہ میں پیچیدہ احکام کا سلسلۂ بیان سمٹ کر تربیتی اسباق کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اسلام کی وجدانی اور اخلاقی رہنمائی پکے ہوئے پھل کی صورت میں دکھائی دے رہی ہے ۔ کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی حکومت اور قدرت میں ہے ۔ انسانوں کو احساس دلایا جا رہا ہے کہ وہ اسی کُل کا جُزو ہیں۔ اگر یہ بڑے بڑے ستارے اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو چھوٹا سا انسان اللہ کی مٹھی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کی طرف بڑھے۔ اللہ ہی کی وہ اطاعت کرے، اُسی کا خوف دل میں جمائے۔

محاسبہ کی شاخ ترہلا دی گئی

گناہوں، خطاؤں اور لغزشوں کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ گناہ ہیں جو ظاہری طور پر محسوس ہوتے ہیں اور دوسرے وہ ہوتے ہیں جن کی نوعیت داخلی ہوتی ہے۔ یہ آیت رہنمائی کرتی ہے کہ محاسبہ بھی دونوں قسم کے گناہوں پر ہوتا ہے۔ احتساب دراصل سزا سے زیادہ اصلاح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ آیت میں احساسات کو تیز اور بیدار کیا جا رہا ہے تا کہ لوگ اپنے بارے میں غافل اور بے فکر نہ بنے رہیں۔

ابن کثیر کی روح پرور روایت

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا ہے۔ زید! تم پہلے شخص ہو جس نے مجھ سے آج آیت کی تفسیر پوچھی۔ سن رکھو! اس سے مراد بندے کو پہنچنے والی تکلیفیں ہیں، جیسے بخار وغیرہ لاحق ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک شخص ہے مثلاً اُس نے ایک جیب میں نقدی رکھی ہے، اُس کا خیال ہو کہ نہیں اُس نے نقدی دوسری جیب میں رکھی ہوئی ہے۔ اُس نے ہاتھ ڈالا تو نقدی وہاں سے نہ نکلی۔ اُس کے دل پر جو ہلکی سی چوٹ پڑی کہ وہاں سے اُسے نقدی نہ ملی جہاں ہاتھ ڈالا، اُسے نقدی تو دوسری جیب سے مل گئی لیکن لمحہ بھر کے لیے جو اُس کو پریشانی ہوئی اللہ اس پر بھی بندے کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہ یوں ہی معاف فرماتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتے ہیں جیسے خالص سرخ سونا صاف ہوتا ہے (655)۔

بحر رحمت کی تلاطم خیزیاں

مسلمانوں کا ایک قافلہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ ایک شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر سوال پوچھا:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

حضور! آپ نے رحمت عالم ﷺ سے سرگوشی کے بارے میں کیا سن رکھا ہے؟

آپ فرمانے لگے:

سر محشر اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلالے گا یہاں تک کہ اپنا دست کرم اس پر رکھ کر اُس سے پوچھے گا؟

''میرے بندے!''

تونے فلاں فلاں گناہ کیا؟

گناہ کا وقت یہ تھا

اور فلاں دن تونے یہ اور یہ کیا!!!!!

وہ بندۂ غریب اقرار کرتا جائے گا۔ جب بہت سے گناہوں کا وہ اقرار کرلے گا، اللہ کی رحمت میں تلاطم اُٹھے گا اور اللہ فرمائے گا:

''میرے بندے!''

''سن رکھ''

دنیا میں بھی میں تیرے عیبوں کو چھپاتا رہا اور اب آج کے دن میں ان گناہوں کو بخش دینے کا اعلان کرتا ہوں۔

یوں نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔

وہ وقت منافقوں اور کفار کی رسوائی کا وقت ہوگا، وہ جنہوں نے ربّ پر جھوٹ باندھا۔

آواز لگے گی: ان ظالموں کے لیے اللہ کی پھٹکار ہے (656)۔

تفویض ہی مسائل کا حل ہے

اسلامی احکام وشرائع کی اساس عقیدۂ توحید ہے۔ سورۂ بقرہ کے آخر میں اُمت مسلمہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ خود کو کامل اور مکمل طور پر اللہ کے سپرد کریں۔ یہ تفویض ہی اُن کے روحانی اور مادی مسائل کا مکمل حل ہے۔ خوف، اُمید، قدرت اور تفویض انسان کو مصنوعی سہاروں سے کاٹ کر اللہ کی دہلیز کے ساتھ مربوط کر دینے والے ذرائع ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا خوف اور مفہوم آیت کی وضاحت

علامہ خازن لکھتے ہیں: حضرات شیخین، عبدالرحمن ابن عوف اور معاذ بن جبل رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لرزاں وترساں آیت متذکرہ کے بارے میں عرض کرنے لگے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

کہ آیت میں جو حکم ہے وہ ہماری طاقت سے زیادہ ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم کیا پہلے لوگوں کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو 'سمعنا وعصینا'' تم لوگ یوں عرض کرو: ''ہم نے سن لیا اور اطاعت کی''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کہا لیکن زبانیں خوف سے کانپ رہی تھیں اور لفظ صحیح ادا نہ ہو رہے تھے۔ اگلی آیات اس واقعہ کے ایک سال بعد نازل ہوئیں (657)۔

درمنثور میں حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو ہم سب بہت غمگین ہوئے کہ دل میں پیدا ہونے والے خطرات پر بھی احتساب ہے تو ہم میں سے کون شخص گرفت وگیر سے بچ سکے گا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی (658)۔

آیت کے تفسیری اسباق

1۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مکمل یقین اسلامی تعلیمات کی جان ہے۔
2۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت میں ہے۔
3۔ نفوس انسانی جو کچھ چھپائیں یا ظاہر کریں اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت سب پر محیط ہے۔
4۔ محاسبہ ضرور ہوگا۔
5۔ وسواس پر معافی کی طرف اسلوب کلام اشارہ کر رہا ہے لیکن انسان کو خوف اور تقویٰ کے سائے میں زندگی گزارنی چاہیے۔
6۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت ذنوب کی اُمید رکھنی چاہیے۔
7۔ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔
8۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔
9۔ ہر چیز کا مرجع خدا ہی ہے۔
10۔ اللہ سے محبت اور شعوری تعلق اسرار سربستہ سے آگاہی دینے والی ریاضت ہے۔

❁❁❁❁❁

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ
وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۟
وَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ٭۫ غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۲۸۵﴾

(285) رسولِ معظّم نے ہر وہ جو اُن کے ربّ کی طرف سے اُن پر نازل ہوا اس کی تصدیق کی اور سارے مومن بھی ایمان میں اور پختہ ہو گئے ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں پر (اُن کا حسنِ ایمان ملاحظہ ہو کہ کہتے ہیں) ہم اُس کے رسولوں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور وہ بولے! ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، پروردگار ہمارے! ہم تجھ سے بخشش کے طلب گار ہیں اور تیرے ہی حضور لوٹنا ہے

مفردات

اٰمَنَ: مانا ہوا ہے
الرَّسُوۡلُ: رسول نے
بِمَاۤ: وہ جو
اُنۡزِلَ: اترا
اِلَيۡهِ: ان کی طرف
مِنۡ: سے
رَّبِّهٖ: ان کے ربّ کی طرف سے
وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ: اور ایمان والوں نے
كُلٌّ: سب کے سب
اٰمَنَ: ایمان لائے
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ: اور فرشتوں پر
وَكُتُبِهٖ: اور کتابوں پر
وَرُسُلِهٖ: اور رسولوں پر
لَا نُفَرِّقُ: ہم فرق نہیں ڈالتے
بَيۡنَ: درمیان
اَحَدٍ: ایک کے بھی
مِّنۡ رُّسُلِهٖ: رسولوں میں سے
وَقَالُوۡا: اور بولے
سَمِعۡنَا: ہم نے سن لیا ہے
وَاَطَعۡنَا: اور اطاعت کی ہم نے
غُفۡرَانَكَ: تیری بخشش چاہتے ہیں
رَبَّنَا: ربّ ہمارے
وَاِلَيۡكَ: اور تیری ہی طرف
الۡمَصِيۡرُ: لوٹ کر جانا ہے

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ٭ غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۲۸۵﴾

''رسولِ معظّم نے ہر وہ جو اُن کے ربّ کی طرف سے اُن پر نازل ہوا اس کی تصدیق کی اور سارے مومن بھی ایمان میں اور پختہ ہو گئے ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں پر (اُن کا حسنِ ایمان ملاحظہ ہو کہ کہتے ہیں) ہم اُس کے رسولوں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور وہ بولے! ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، پروردگار ہمارے! ہم تجھ سے بخشش کے طلب گار ہیں اور تیرے ہی حضور لوٹنا ہے''۔

آیت کا شانِ نزول

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ''اِنۡ تُبۡدُوۡا'' والی آیت جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ منیر پر نازل ہوئی تو اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ایک مختصر سی جماعت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری وفائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ہم نے احکام مانے ہیں لیکن دل کے وسوسے قابو میں نہیں رہتے۔ایسی حالت میں نجات کی راہ کیا ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تربیت کا نور ان کے دلوں میں انڈیل دیا کہ تم پہلے لوگوں کی سی بات نہ کرو بلکہ عرض گزار ہو''ہم نے بات سن لی اور اطاعت کی''اس پر پہلی آیت کا یہ تتمّہ نازل ہوا اور ایمان کی وجدانی کیفیت کو آیت میں سمو دیا (659)۔

آیت میں نصاب ایمان کی تفصیل

پہلی قابل وضاحت بات یہ ہے کہ کتاب الٰہیہ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے ذکر رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوا۔اس سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ ایمان و اطاعت کا کام خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔کسی مملکت کا فرماں روا اپنے ہی دستور کو نہ مانے تو دوسرے لوگ کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایمان لانے کی نسبت یوں ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں: ''انا اول المومنین'' اور ''انا اول المسلمین'' آپ کی نسبتِ ایمان سے غلاموں کے ایمان لانے کی تحریک میں جو روشنی اور خوشبو آ جاتی ہے وہ قرآنی اسلوب سے آگاہ شخص ہی محسوس کر سکتا ہے۔

آیت میں دوسرا قابلِ فہم نکتہ یہ ہے کہ غلامانِ رسول کی ایمانی حالت ویسی نہیں جو پہلی اُمتوں کی باقیات میں بنی ہوئی ہے۔ وہ لوگ صرف اپنے ہی رسولوں اور کتابوں کو مانتے پھرتے ہیں جب کہ حضور ﷺ کے نوکروں کو اللہ نے یہ فضیلت دی ہے کہ وہ تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں، حسد ان کا دھندا نہیں، یہ تمام فرشتوں کو بھی دل وجان سے تسلیم کرتے ہیں، البتہ کمالِ رتبہ کی آخری منزل مسلمان، قرآن اور رسول پاک ﷺ ہی کے لیے تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے ادیان سماوی کی حالت طلوع ہوتے ہوئے چاند کی سی ہے اور اسلام بدرِ منیر کی طرح پوری کائنات کو ضوفشاں کر رہا ہے۔ آیت میں خفیف سا اشارہ اس طرف بھی موجود ہے کہ پہلے لوگ حسد اور بغض کے کوٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مرض سے بچا رکھا ہے۔

تیسری چیز جس میں غور وفکر ضروری ہے وہ ''لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ'' کی تفہیم ہے۔ اس باب میں ہم نے بیضاوی، آلوسی اور اسماعیل حقی سے استفادہ کیا ہے۔ اکابر خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ یہ جملہ محذوف فعل ''یقولون'' کا مفعول بہ ہے جو ''اٰمَنَ'' کے فاعل کا ''حال'' یا ''کل'' کی دوسری خبر کی حیثیت سے واقع ہو رہا ہے۔ ''لَا نُفَرِّقُ'' میں جس تفریق کا ذکر ہے وہ فرق اعتقادی ہے ''فرق رتبی'' نہیں۔ تفسیر اس کی یہ ہے کہ فضیلتوں میں فرق ماننا منافیٔ ایمان نہیں، نبوت ہی کی تسلیم میں ڈنڈی مارنے کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن مجید غلامان رسالت مآب ﷺ کے بارے میں وضاحت دے رہا ہے کہ یہ عظیم لوگ تمام رسولوں کی رسالت کو مانتے ہیں، ماننے میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ گویا یہ تعصب اور بغض سے مبرا قوم ہے۔ تمام آسمانی کتابوں، رسولوں اور فرشتوں پر، خاص کر توحید پر ایمان لانے والے ہیں (660)۔

''غُفۡرَانَكَ'' کی خوبصورت تفسیر

قرآن مجید کے اس حصّہ کی تفسیر حضرت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ روح البیان اور درمنثور کے مطابق جب یہ حصّہ حضور ﷺ کے دل پر اترا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا حبیب اللہ صلی اللہ! اس آیت میں آپ کی اور آپ کی اُمت کی بڑی تعریف فرمائی ہے لہٰذا آپ اپنے ربّ سے کچھ مانگیے تو حضور ﷺ نے اپنے ربّ سے دُعا مانگی جس دُعا کو ربّ نے صحیفۂ نور میں جوں کا توں شامل فرمالیا (661)۔

''غُفۡرَانَكَ'' یا تو ''قال'' سے پہلے محذوف ہے اور یا یہ جملہ مفعول بہ ہے۔ دونوں صورتوں میں دعا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

میں شدتِ محبت اور سوزِ دل پر دلالت کرنے والا اسلوب ہے۔خصوصاً جب ''غفران'' کے معانی ذہن میں اجاگر کر لیے جائیں کہ ''غفران'' اُس بخشش کو کہتے ہیں جس میں رحمت، عطا اور کرم گستری ڈھانپ لیتی ہے۔اُوپر سے کاف ضمیر کا ''مضاف الیہ'' کے محل پر لانا محبت اور طلب مغفرت کو ربّ کی دہلیز پر جنونی اور مجذوبانہ کیفیت پیدا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔اُس عاشق زار کو سلام جو اپنے محبوب کی چوکھٹ پر اقرار کرے ''اے میرے ربّ میرا سرمایہ تیری ہی بخشش ہے، اس لیے میں تجھ ہی سے بخشش کا منگتا اور سائل ہوں''۔ یہ لہجہ ہی قبولیتِ دُعا کا ایک موٴثر ذریعہ اور وسیلہ بن کر ابھرتا نظر آتا ہے۔

عقل سے لبریز دیوانگی

''وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ'' میں واوٗ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ عبارت کا معطوف ہے یعنی ''منک المبداو الیک المصیر'' یوں خبر کو مقدم کر دیا گیا ہے اور مبتدا کو موٴخر کر دیا گیا ہے۔ ''مصیر، صار یصیر'' سے مصدرِ میمی ہے۔لغوی معنیٰ ہوتا ہے لوٹ جانا اور ہو جانا۔مفہوم تفسیری اس جملے کا یوں ہوگا (662):

> ''اے ربّ! ہم نے تیرے احکام سن لیے ہم تجھ سے اطاعت ووفا کا عہد کرتے ہیں۔ تیری بارگاہ میں ہمارا التماس ہے کہ بخشش سے اور کرم سے ہمیں ڈھانپ لے، تیری بخشش ہمیں شعورِ بندگی سے ایسے نواز دے گی کہ ہر بات میں ہمارا رجوع تیری طرف ہو جائے گا پھر ہمارا عقیدہ زندگی بھر تجھ سے وفا کا اظہار کرتا رہے گا اور ہم کہتے رہیں گے کہ تجھ ہی سے ہماری ابتدا ہے اور تیری طرف ہی انتہا ہے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة
وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٨٦ ع

(286) اللہ کسی پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا، ہر نفس کے لیے وہی ہے جو اُس نے کمایا اور اس پر وہی ہوتا ہے جو وہ کما لیتا ہے، پروردگار ہمارے! نہ پکڑ ہمیں اگر ہم بھول جائیں یا ہم خطا کر بیٹھیں، پروردگار ہمارے! نہ ڈال ہم پر ایسا بوجھ جو اٹھایا نہ جاسکے جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، پروردگار ہمارے! نہ ڈال ہم پر ایسا بوجھ جس کے اُٹھانے کی ہم میں سکت نہ ہو اور درگزر فرما ہم سے اور معاف فرما دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر تُو ہمارا آقا ہے سو ہماری کافر قوم کے مقابلہ میں مدد فرما

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَیۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ ؕ رَبَّنَا لَا
تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَی
الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعۡفُ عَنَّا ٝ
وَاغۡفِرۡ لَنَا ٝ وَارۡحَمۡنَا ٝ اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۲۸۶﴾

''اللہ کسی پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا، ہر نفس کے لیے وہی ہے جو اُس نے کمایا اور اس پر وہی ہوتا ہے جو وہ کما لیتا ہے، پروردگار ہمارے! نہ پکڑ ہمیں اگر ہم بھول جائیں یا ہم خطا کر بیٹھیں، پروردگار ہمارے! نہ ڈال ہم پر ایسا بوجھ جو اٹھایا نہ جا سکے جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، پروردگار ہمارے! نہ ڈال ہم پر ایسا بوجھ جس کے اُٹھانے کی ہم میں سکت نہ ہو اور درگزر فرما ہم سے اور معاف فرما دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر تُو ہمارا آقا ہے سو ہماری کافر قوم کے مقابلہ میں مدد فرما''۔

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں

تفسیر مظہری میں مسلم شریف کی حدیث لائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب معراج کے جلووں سے نوازا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ یہ مقام چھٹے آسمان پر ہے۔ زمین کی جو چیز عروج کرتی ہے، وہ یہاں تک ہی پہنچتی ہے پھر اُسے قبض کر لیا جاتا ہے اور جو چیز اوپر سے نیچے آتی ہے وہ یہاں آ کر رک جاتی ہے، پھر اسے بھی قبض کر لیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر یہ آیت پڑھی:

اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہاں تین چیزیں عطا کی گئیں:

1۔ پانچ نمازیں
2۔ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں
3۔ اور جو شرک نہیں کرتا اس کے گناہ بخش دینے کی نوید (663)۔

ایک عرشی تحریر

''تفسیر بغوی میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اللہ نے ایک تحریر رقم کر دی تھی،

مفردات

لَا یُكَلِّفُ: وہ تکلیف نہیں دیتا
اللّٰهُ: اللہ
نَفۡسًا: کسی جان کو
اِلَّا: مگر
وُسۡعَهَا: اس کی وسعت کے مطابق
لَهَا: اس کے لیے ہے
مَا: جو
كَسَبَتۡ: اُس نے کمایا
وَعَلَیۡهَا: اور اس پر
مَا اكۡتَسَبَتۡ: جو جو اس نے کمائی کر لی
رَبَّنَا: پروردگار ہمارے
لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ: نہ پکڑ ہمیں
اِنۡ: اگر
نَّسِیۡنَاۤ: بھول جائیں ہم
اَوۡ: یا
اَخۡطَاۡنَا: ہم نے خطا کی
رَبَّنَا: ربّ ہمارے
وَلَا: اور نہ
تَحۡمِلۡ: ڈال تو
عَلَیۡنَاۤ: ہم پر
اِصۡرًا: بوجھ
كَمَا: جیسا کہ
حَمَلۡتَهٗ: بوجھ ڈالا تو نے
عَلَی: پر
الَّذِیۡنَ: ان لوگوں
مِنۡ: سے
قَبۡلِنَا: ہم سے پہلے

مفردات

رَبَّنَا: ربّ ہمارے
وَلَا تُحَمِّلْنَا: ہم پر بوجھ نہ ڈال
مَالَا: جس کی نہ ہو
طَاقَةَ: طاقت
لَنَا بِهٖ: ہم میں اس کی
وَاعْفُ: اور درگذر فرما
عَنَّا: ہم سے
وَاغْفِرْ لَنَا: اور بخش دے ہمیں
وَارْحَمْنَا: اور رحم کھا ہم پر
اَنْتَ: تو
مَوْلٰىنَا: ہمارا مالک ہے، آقا ہے یا مددگار ہے
فَانْصُرْنَا: سو ہماری مدد کر
عَلَى الْقَوْمِ: قوم پر
الْكٰفِرِيْنَ: منکرین

جس میں سے سورۂ بقرہ کی آخر والی دو آیتیں نازل فرما دیں۔ جس گھر میں یہ دونوں آیتیں تین رات پڑھی جائیں تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ شیطان اس کے قریب آسکے‘‘(664)۔

قرآن کا میزان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے وہ میزانِ قرآن ہے۔ تم لوگ اس کو سیکھو، اس کا سیکھنا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا باعثِ حسرت ہے۔ باطلین اس کی تاب نہیں لا سکتے‘‘۔

عرض کی گئی!

یا سیدنا یارسول اللہ! باطلین کون لوگ ہیں؟

فرمایا جادوگر۔۔۔(665)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت

حضرت علیؑ ’’مولائے اُمت‘‘ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص الخاص عرش تلے کے خزانے سے دیا گیا ہے(666)۔

آیت میں نفس کی وسعت کیا ہے؟

علامہ راغب لکھتے ہیں کہ آیت میں وسعت سے مراد طاقت اور قدرت ہے(667)۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ آیت عقلی اور شعوری حقیقتوں کی تائید کرتی ہے۔ انسانوں پر عائد ذمہ داریاں بشری طاقت سے ماوراء نہیں ہوسکتیں۔ اس لفظ سے خود بخود یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ شرعی احکام عقل کے منافی نہیں ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت سے نو چیزوں کی تکلیف اُٹھالی گئی ہے: سہو، غفلت، غلطی، بھول، جس پر مجبور کر دیا گیا ہو، جس کا جاننا ممکن نہ ہو، جس پر عمل ممکن ہی نہ ہو، بدشگونی، حسد، وسوسہ جب تک وہ زبان سے ظاہر نہ ہو۔ تفسیر مدارک التنزیل اور بیضاوی نے بھی وسعت میں طاقت اور قدرت میں داخل ہونے کی بات کی ہے(668)۔

عبدالماجد دریا آبادی کا استدراک

عبدالماجد دریا آبادی نے اس آیت کی تفسیر میں صوفیانہ سوچوں کی تائید میں خوبصورت لکھا ہے کہ

آیت سے ایک سبق تو یہ ملتا ہے کہ مجاہدہ میں سالک اور طالب کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہوتا ہے(669)۔

پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری جن دنوں مرشد کی تلاش میں کوہ دمن چھان رہے تھے، ایک بزرگ نے چکی پیسنے کا عندیہ دیا تو آپ نے فرمایا: مجھے کسی شہباز کی معیت چاہیے جو اپنی صحبت کی تاثیر سے شاہین بنا دے۔ آیت سے دوسرا نکتہ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ تجلیات کا ورود ونزول بھی طالب کی استعداد اور قدرت کے مطابق ہوتا ہے۔

کسب اور اکتساب میں فرق

- پہلی صورت یہ ہے کہ کسب نیک اعمال کے لیے استعمال ہوا ہے اور اکتساب بُرے اعمال کے لیے استعمال ہوا۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ کسب ان اعمال کے لیے عموماً استعمال ہوتا ہے جو بلا تکلف اور فطرت کے مطابق انجام دیے جاتے ہیں جب کہ اکتساب ان اعمال تعبیر کے لیے آتا ہے جن میں تکلف ہو اور تسہیل نہ ہو اور انسانی فطرت کے بھی مطابق نہ ہوں۔
- تیسری صورت یہ ہے کہ کسب ان کاموں کے لیے مخصوص ہے جن کا فائدہ فقط انسان کی اپنی ذات تک محدود نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہو اور اکتساب ان مواقع کے لیے بولا جاتا ہے جن میں عمل کا اثر خود تک محدود ہو۔
- چوتھی صورت یہ ہے کہ کسب میں تسہیل ہوتی ہے اور اکتساب میں تکلیف ہوتی ہے۔
- پانچویں صورت یہ ہوتی ہے کہ کسب میں حرج نہیں ہوتا اور اکتساب میں حرج ہوتا ہے۔
- چھٹی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسب میں رحمت ہوتی ہے اور اکتساب میں زحمت عتابی یا نکارت پر گرفت ہوتی ہے۔
- ساتویں صورت یہ ہے کہ کسب خوشیوں اور مسرتوں کے ماحول کی اساس ہوتی ہے اور اکتساب ایک قسم کا یادوں کا دھواں ہوتا ہے۔
- آٹھویں صورت یہ ہے کہ کسب میں محرومی نہیں "لَهَا" اس پر دلالت کرتا ہے اور اکتساب میں فوز وفلاح نہیں۔
- نویں صورت یہ ہے کہ کسب میں خلوص کا نور ہوتا ہے اور اکتساب میں ریا کا بارود پھٹ رہا ہوتا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

❁ دسویں صورت یہ ہے کہ کسب وہبی بھی ہوتا ہے اور اختیاری بھی لیکن اکتساب میں کسی نہ کسی پہلو سے نکارت نفسانی ہوتی ہے۔

جملوں کا تفسیری اطلاق

''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ'' یہ کلام مؤمنین اور رسول کا تتمہ اور ''قَالُوْا'' کا مقولہ ہے، مفہوم اس کا یہ ہوگا کہ مومنین نے جب دل وجان سے یہ اقرار کرلیا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی تو ساتھ ہی اللہ کی تعریف وثناء میں رطب اللسان ہوگئے۔ ہم کیوں نہ اللہ کی اطاعت کریں حالانکہ وہ کسی نفس کی طاقت سے بڑھ کر کسی کو کوئی حکم دیتا ہی نہیں۔ جب اس کے احکام میں سہولت بھی ہے اور اس کی محبت میں جلوے بھی ہیں تو ہم کیوں نہ اس کی ہر بات سنیں اور اطاعت کریں۔

بعض مفسرین نے یہ لکھا کہ یہ جملہ اللہ کی طرف سے اس بیان میں جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو میری اطاعت کرتے ہیں بجا کرتے ہیں۔ میں بھی ایسا نہیں ہوں جو کسی کی قدرت اور طاقت سے بڑھ کر حکم دوں۔ بندے اگر میری اطاعت کریں تو میرا کوئی فائدہ نہیں اور معصیت میں پڑ جائیں تو میرا کوئی نقصان نہیں۔ میرے ہر حکم میں نفع اور فائدہ میرے بندوں ہی کا ہے(670)۔

آیت کا عمودِ روحانی

سورۂ بقرہ کا اختتام دعا پر ہورہا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ سورہ اللہ سے ربط اعتقادی، ربط عملی اور ربط روحانی کا نوری عکس ہے۔ سورت کی شفاف اور فضیلت مآب تعلیمات بندے کو اللہ کی دہلیز سے جوڑ دیتی ہیں۔ ایسے وجد آور لمحات میں اللہ سے انعامات مانگ لینا بصیرت کا تقاضا ہوتا ہے، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ سورۂ بقرہ کا روحانی عمود اللہ سے مانگنا ہے۔ اس لیے ''رَبَّنَا'' ایسے الفاظ ایمان ساز، یقین پرور اور اعتماد افروز ہیں۔

فخر الدین رازی سے استفادہ

آیت میں عرض کی گئی کہ دعاؤں کی چار قسمیں ہیں۔ یہ بات فخر الدین رازی نے لکھی ہے (671)۔ تین مرتبہ ''رَبَّنَا'' کا تکرار ہے اور چوتھی مرتبہ ''رَبَّنَا'' کہے بغیر ہی تین چیزوں کے لیے دعا ہے۔ رازی فرماتے ہیں: عقلاء کا سب سے بڑا گروہ اس بات کا شدت سے قائل ہے کہ مقام عبودیت میں سب سے بڑا اور اہم مقام دعا کا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے جس کے لیے دُعا کا دروازہ کھولا گیا اس کے

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے''۔

آیت میں پہلی مرتبہ ''رَبَّنَا'' کہہ کر اللہ کو پکارنا ایمان والوں کی دُعا ہے جس میں وہ اپنی تقصیرات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ربّ کریم مقتضائے بشریت سے جو بھول چوک ہو جائے تو معاف فرمادے۔ اس میں تربیت ہے کہ عبادت گذاروں کو اپنی سمع واطاعت پر غرور نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری دُعا میں آیت نے قاریٔ قرآن کی تربیت فرمائی کہ تم سورۂ بقرہ کے مطالعہ سے اس قابل ہو گئے ہو کہ سمجھ لو کہ پہلی قومیں کس طرح تباہ ہوئیں؟ ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے جو شدائد ان پر ڈال دیے گئے، جن کا تحمل ان سے نہ ہو سکا۔ قاریٔ قرآن کو سکھایا گیا کہ وہ اپنے پروردگار سے مانگے کہ اس پر فرد کی حیثیت سے بھی اور جماعت کی حیثیت سے بھی شدائد اور سختی کا تحمل نہ کیا جائے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ سامنے رکھی جائے تو دعا میں یہ جذبہ بھی ابھارا گیا کہ پرودگار ہمارے! ہم پر غیر قوتوں کی غلامی کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا کہ بنی اسرائیل پر بوجھ ڈالا گیا۔

تیسری دُعا میں ایک اور ضرورت کو شعور میں لایا گیا۔ اس کے لیے سمجھا جائے کہ حمل اور تحمیل میں فرق کیا ہوتا ہے۔ حمل خود اُٹھانا ہوتا ہے اور تحمیل اٹھوانا ہوتا ہے۔ اس میں اس افتاد کی طرف اشارہ ہے جو طاقت اور قدرت میں نہ ہو اور اچانک سر آپڑے۔ روحانی اعتبار سے اللہ ہی بندے کی مدد کر کے اُسے بچا سکتا ہے۔

چوتھی دُعا قومی شعور سے بھی آگاہ کرتی ہے کہ منکرین کی غلامی میں رہنا بدترین عذاب ہوتا ہے، اس لیے ربّ نے یہ دُعا سکھا کر مسلمانوں میں آزادی کے لیے تڑپتی روح کا تحفہ دے دیا اور یہ الفاظ ان کی زبانوں پر جاری کر دیے کہ ربّ ہمارے منکر قوم کے مقابلہ میں ہمیں نصرت سے نواز۔ اس میں غلبہ کے انعام کی طرف بھی اشارہ ہے اور جہاں جہاں غلامی کی ظلمتیں ہوں وہاں اندھیروں سے خلاصی کی روح بھی موجود ہے۔

دعاؤں کے درمیان ایک جذبہ کی تطہیر

وہ شخص جو اللہ سے مانگتا ہے، اس کے سامنے جھولی پھیلاتا ہے اور اس کے سامنے سجدہ کناں ہو کر اپنے جذبوں اور احساسات کو بھی سربسجود کر دیتا ہے، یہ آیت اُسے اللہ سے قرب اور بُعد کا مفہوم خوب سمجھا دیتی ہے۔ جب تک دوری ہو بندہ معبود کو آوازیں مارتا ہے اور جب استغاثہ کرنے والے کو تسلی ہو جاتی ہے اور جسے وہ پکارتا ہے وہ اس کے دل میں تسکین کا انعام ڈال دیتا ہے تو دعا کرنے والے کے آنسو خشک ہو جاتے ہیں اور بُعد قرب میں بدل جاتا ہے، پھر چاہنے والا محبوب کو آواز نہیں دیتا اپنا دل

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

نکال کر اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس آیت میں بھی پہلے رَبَّنَا، رَبَّنَا اور رَبَّنَا کی تکرار ہے لیکن اچانک دعا کا اضطراب سکون کی جنت میں پہنچ جاتا ہے اور سالک چپکے چپکے اپنے مالک سے راز و نیاز کی باتیں شروع کر دیتا ہے۔

میری شہ رگ سے قریب

میرے معبود!

میرے محبوب!

میری جان اور میرے ارمان

ہم سے درگزر فرما

ہمارے گناہوں کو بخش دے اور پردہ پوشی فرما اور ہم پر رحم کر

اس طرح کہ

دنیا اور آخرت کے انعامات کی بارش ہو جائے

آیت میں ''اِصۡرًا'' کا مفہوم

لغت میں ''اِصۡرًا'' کا مطلب بوجھ اور شدت ہوتا ہے۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ عہد اور ذمہ کو بھی ''اِصۡرًا'' اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی بھاری اور ثقیل ہوتا ہے (672)۔

تاج وغیرہ نے لکھا کہ ترس کھانا اور رحم کھانا بھی ''اِصۡرًا'' ہے اس لیے کہ ترس کھانے والا بھی دل پر پہلے بوجھ محسوس کرتا ہے (673)۔ ابوحیان اندلسی وغیرہم مفسرین نے لکھا کہ قطع تعلقی بھی ''اِصۡرًا'' ہے۔ دعا میں آرزو یہ مچلتی ہے کہ اے اللہ ہم پر قطع رحمی کا بوجھ نہ ڈال۔ بعض حضرات نے شماتت اعدا کو بھی ''اِصۡرًا'' گنا ہے۔ یہ شماتت اعدا کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جب کسی کو تکلیف پہنچے تو دشمنوں کو خوشی ہوتی ہے وہ شماتت اعدا ہے۔ کہتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام جب آزمائشوں سے گزرے تو ان کے احباب میں سے کسی نے پوچھا آپ پر سب سے زیادہ کون سی چیز گراں گزری، آپ نے فرمایا شماتت اعدا سے بڑھ کر کوئی بوجھ نہیں دیکھا (674)۔

علامہ فخر الدین رازی نے ''اِصۡرًا'' کے مفہوم میں یہ چیزیں گنیں (675):

1۔ احکام و اوامر کی شدت جیسے یہود پر ہوئی

2۔ نمازیں پچاس فرض ہوئیں

3۔ زکوٰۃ میں پہلوں پر اموال کا چوتھا حصہ دے دینا فرض ہوا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

4۔ جب کپڑے پر نجاست لگتی تو اسے کاٹنے کا حکم ہوتا

5۔ جب وہ گناہ کرتے تو ان پر طعام کا بعض حرام ہو جاتا

6۔ قوم طالوت پر نہر کا پانی پینا حرام ہوا

7۔ پہلی قوموں کو عذاب دنیا ہی میں دے دیا جاتا رہا

عفو، مغفرت اور رحم کا التماس

مومنین، طالبین اور سالکین کو یہ دعائیہ امر تلقین کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ربّ سے تین چیزیں ضرور مانگیں۔ عفو مانگیں، ربّ ہمارے ہم سے درگزر فرما۔ عفو کا لغوی مفہوم یہی ہوتا ہے کہ کسی چیز کے اثر کو ختم کر دیا جائے۔ زیادہ تر یہ لفظ گناہ کے اثرات کو مٹانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دعا میں طبعی اثرات کے ختم ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور سزاؤں کو محو کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کتنی خوبصورت دعا مسلمانوں کی زبان پر جاری کر دی گئی کہ پروردگار ہماری! لغزشوں، خطاؤں اور گناہوں کے طبعی اور تکوینی مضرات کو تو محو فرما دے۔

دوسری دعا میں روحانی شعور انتہا پر پہنچا دیا جاتا ہے اس لیے کہ مغفرت لفظ میں ڈھانپ لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس میں گناہوں کی بخشش، پردہ پوشی اور کرم ورحمت سے ڈھانپ لینے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ مومن کی دعا معراج پالیتی ہے جب وہ کہتے ہیں **''فاغفر لنا''** ربّ ہمارے! ہمیں بخش دے، ہمیں اپنی رحمت اور کرم سے ڈھانپ لے، پروردگار ہمارے! ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما۔

دعا میں طلب کا تیسرا ابھار ہے جب بندہ اپنے اللہ اور ربّ کے سامنے جھولی پھیلا کر کہتا ہے کہ پروردگار ہمارے! ہم پر رحم فرما۔ اس میں انعامات خواہ مادی ہوں یا روحانی ان کی آرزو عرش تک پہنچا دی جاتی ہے اور یہ بھی کہ اشارہ مستقبل میں گناہوں سے بچانے کے التماس کی طرف ہوتا ہے۔

واللہ اعلم

''اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا''

سورۂ بقرہ میں قاریٔ قرآن کی آخری آواز جس میں وہ اپنے ربّ کو پکارتا ہے وہ ''اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا'' ہے۔ تو ہمارا کارساز ہے، تو ہمارا مددگار ہے، تو ہم سے قریب ہے، تو ہم سے دور نہیں، تجھ سے ہمارا رشتہ پیار کا ہے، محبت کا ہے، تو نے خود ہی ولایت کا نور ہمیں عطا کر دیا ہے اور ہم یہ ہدایت پا گئے ہیں کہ ہمارے پاؤں میں تیرے قرب کی زنجیریں ڈال دی گئی ہیں۔ ہم تیری دوستی کو تیری مالکیت کا اعتراف گردانتے ہیں۔ ہمیں تسلیم کی شراب طہور نے تیری محبت میں مستاں بنا دیا ہے۔ تیری طرف

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیۡلًا

ہے ہمارے لیے یہ سند افتخار کافی ہے کہ تو ہمارا مولا ہے، ہم کیا ہیں؟ وہ تو جانتا ہے ہم تو خود ہم سے بھی مطمئن نہیں، اسی لیے تو کہتے ہیں ہم سے درگزر فرما، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، اس لیے کہ تو ہی تو ہمارا ربّ ہے اور تو ہی ہمارا آقا، مالک اور مولیٰ۔ ایک بچے کو جس طرح قدم قدم پر مدد کی ضرورت ہوتی ہے، سہارا چاہیے ہوتا ہے، ٹیک درکار ہوتی ہے، وہ سہارے کے بغیر چل بھی نہیں سکتا۔ ربّ ہمارے! پروردگار ہمارے! پالن ہار ہمارے ''الٓمٓ'' سے ''الٓمٓ'' کی طرف لانے والے ہم تیرے تمام اسماء کو روح میں اتارتے ہیں۔ ہم تیرے ناموں کا ورد کرتے ہیں، ہم اپنے مرشد و مربی کی پہچان پا گئے۔ ''الٓمٓ'' میں الف تیرے نام کا حمد یہ گیت ہے۔ لام محبتوں کی آگ کا متلاطم سمندر ہے، اور میم مرشدِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ درود ان پر اور سلام ان پر، ہم نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ ہم قرآن کو لاریب ضابطہ مان گئے ہیں۔ ہمیں غیب کی حقیقت پر ایمان کا عشق ہے۔ ہمیں عشق کی نماز کی خوشبو بھی مل گئی ہے۔ ہمارے دلوں میں یہ جذبہ اتر چکا ہے کہ ہم نے اپنا سب کچھ تیری راہوں میں کھپانا ہے۔ ہمیں پہلے رسولوں اور صحیفوں کی تسلیم حاصل ہو چکی ہے۔ ہمارے پروردگار! تو ہمارا مولا ہے۔ ہمارے مولیٰ ہمیں تیرے کافروں سے کیا غرض، ان میں تو جمالیاتی سوتے خشک ہو گئے ہیں، دل بند، آنکھیں بے بصارت اور کان حق کی شنوائی سے محروم، ربّ ہمارے! مدد فرما کہ ہم دھوکہ بازوں اور مکاروں سے الگ رہیں۔ دل منافقت کے روگی نہ ہوں، دوغلا پن ہم سے دور رہے۔ ہماری بیعت مرشد کے ہاتھ پر ہے، ہم سمجھتے ہیں تو نے ان کے ہاتھ میں قرآن پکڑایا ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے فسادی نہیں ہوتے محبت باز ہوتے ہیں۔ ہمارے مولیٰ! اس راز کو کون سمجھے اور کون جانے۔ ربّ ہمارے! ہم سے درگزر فرما، ہمیں معاف فرما، ہم ٹھٹھے باز منتریوں کے چکر میں نہ پھنس جائیں اور نور کی تابندہ مشعلوں کی قدردانی نہ کر سکیں۔ مولیٰ ہم پر رحم فرما، یہ عذاب ہمیں نہ پکڑے کہ ہم اندھے بہرے اور گونگے ہوں۔ اسلام کی شوکت کے نشان بنے رہیں تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمیں عبادت سے نواز، شرک سے بچا، ہم پر حاوی غیر کے بند غلامی کو توڑ دے، ہم تو تیرے قرآن کی سورتوں کو بھی بے مثل جانتے ہیں اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بھی بے مثل جانتے ہیں۔

جنت اور دوزخ کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ آدم پر بیتی ہر کہانی سے تیری توحید کی خوشبو سونگھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ ہم نے پڑھ لی، جادوگروں کے مکروں سے ہم آگاہ ہو چکے ہیں۔ ہم اب ابراہیم و اسماعیل کی پیشوائی میں ہیں۔ ان کی دعاؤں نے ہمارے دل کی دھڑکنوں میں تیرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتار دیا ہے۔ اب ان کی اطاعت ہماری منزل بن چکی ہے۔ اب کعبہ ہی ہمارا قبلہ ہے۔ تیرے قرب کی

خوشبوئیں بھی مست ساز جلوے رکھتی ہیں، دل کی دھڑکنیں ذکر کی تسبیح بن جاتی ہیں۔زبان سے مدد مدد پکارتے بدن رو بہ کعبہ ہو جاتے ہیں۔نماز مدد کرنے لگ جاتی ہے۔باطن سے صبر کا سہارا میسر آتا ہے پھر سارے شہید محبت اچھے لگتے ہیں۔آزمائشیں خوف ہو یا بھوک، جانی نقصانات ہوں یا مالی خسارے، یہ سیڑھیاں ہوتی ہیں بام عروج تک پہنچانے کی مجھے نجانے کیا ہو گیا۔میرے جسم کا ریزہ ریزہ تجھے تلاش کرتے کرتے صفا و مروہ جا پہنچا۔کوئے جاناں کا طواف کتنے مزے کا ہوتا ہے وہ لوگ لعنتی ہیں جو تیری طرف آنے نہیں دیتے۔

انت المولیٰ

انت الحق

انت ربّ

وانت المحبوب

یا معبودی

تو ایک ہے۔تیرا کوئی شریک نہیں۔زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق میں، راتوں اور دنوں کے اختلاف میں، آسمانوں سے برستے پانی میں، پورب پچھّم سے چلتی مہکتی ہواؤں اور گرجتے برستے اور سجدے کرتے بادلوں میں، مولا تیری معرفت کی دائمی خوشبوئیں ہیں

انت المولیٰ

انت الحق

حق پروردگار تیری ہی طرف ہے

ہم شک والوں میں کیوں ہوں

تو ہمارا والی، تو ہمارا مولا، تو ہر چیز پر قادر

ہم نے منہ تیری طرف موڑ لیا

ہماری محبتوں کی راہوار پگڈنڈ دوڑ رہے ہیں

ہم کسی سے ڈرتے نہیں۔ہمیں تیرا تحفہ مل گیا۔رسول معظم ﷺ ہم ہی میں رہتے ہیں۔ہم شیطان کے پیچھے کیوں چلیں۔ان کے پیچھے تو وہ چلیں جن کا کوئی مولا نہ ہو۔تو ہمارا مولیٰ۔

نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ۔

تیری کتاب سے تیری آواز ہم نے سن لی ہے۔سوہنیا! ہم حرام، مردار، خون خنزیر کیوں کھائیں۔

تیرے سوا اپنے ذبیحوں پر کسی کا نام کیوں لیں؟ اب ہمارا کام نام سب کچھ تو ہی ہے، ہم ضدی تھوڑے ہی ہیں۔ پیارے! تو نے بڑا بڑا دستور دے دیا۔

نیکی تو اللہ کو ماننا ہے

آخرت پر یقین رکھنا ہے

اللہ کی محبت میں مال قریبیوں، مسافروں، یتیموں اور مسکینوں پر لگانا ہے۔ سائلین کو کبھی محروم نہیں کرنا، غلامی کے ہر باطل نظام کو ٹھکرا دینا ہے۔

عہد و وعد پورے کرنے ہیں۔ خوشی ہو یا غم ڈٹ کر رہنا ہے۔ صدق و تقویٰ کی راہ گم نہیں ہونے دینی۔

روزوں کی روحانی لذتوں سے ہمکنار رہنا ہے۔ حج، صیام، روزے، نمازیں اور مصطفوی نظام ہی کو ماننا ہے۔ ہمیں پتہ ہے تجھ سے مانگنا کیا ہے۔ دنیا میں حسنہ دے دے اور آخرت میں بھی حسنہ سے نواز دینا۔

یا اللہ! ہماری سانسیں اور ہماری روحیں یہ راز پا چکی ہیں کہ حیات دنیا کچھ بھی نہیں۔ دنیوی عزتیں خاک میں، تیرے نام سے غفلت نسلوں اور کھیتوں کی تباہی ہے۔ تجھے فسادی لوگ تو بھاتے ہی نہیں۔

یا ربّ! تیری آواز روحوں میں گونجنے لگ گئی ہے کہ فائز المرام تو وہی ہے جو تیری رضا تلاش کرتا رہتا ہے؟

مولا! تیری باتوں میں زندگی پوشیدہ ہے!!! نیکی جب خراماں خراماں سامنے آتی ہے تو پھر لپٹ لپٹ کر اسلام کے چمن میں زندگی وارنے کا دل کرتا ہے۔

پروردگار ہمارے! تیرے محبوب نے اپنی نگاہ نوازی سے کچھ ایسا خمار بخشا ہے اب کسی اور کو دیکھنے کا دل ہی نہیں کرتا۔

عرب کے صحراؤں میں مہاجرین کی آبلہ پائیاں ہمیں نظر آ گئیں۔ مولا ہمارے! ان خارہائے مغیلاں سے آبلہ پائی کی لذت ہمیں بھی عطا کر، ہمیں معاف کر کے ہمارا مال اور جان اپنی راہ میں قبول کر لے، ہمیں معلوم ہے تیری آواز جنت اور مغفرت کی طرف بلاتی ہے۔

قسمیں اچھی نہیں ہوتیں وگرنہ جی تو چاہتا ہے زمین پر بسنے والے ایک ایک انسان کے سامنے تیرے حسن کی قسمیں کھا کھا کر تجھ پر ایمان کی دھوم مچا دیں۔

مولا ہمارے! ہمارے تو نکاح طلاق بھی تیری رضا کی گلی سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ جب نمازیں

تیرے نام کی شروع کردی ہیں تو پھر مہر وعدت کے سبق بھی تیرے حبیب سے کیوں نہ سیکھیں۔

ربّ ہمارے!

جیسے تو نے پہلے ایک قافلے کو صبر وثبات سے نوازا تھا۔ ہم پر بھی صبر انڈیل دے۔۔۔۔۔

ہمارے قدموں کو بھی ثبات بخش۔ ہمیں متزلزل نہ ہونے دے۔ ہم تیرے رسول کے اُمتی ہے۔ ہمیں ان کی فضیلتوں کا اندازہ ہے۔ ان کے صدقے ہمیں انہی کے قافلے میں رکھ۔ ہم تیرے نام کی آیت الکرسی پڑھتے ہیں۔ ہمیں ظلمتوں سے روشنیوں میں لے آ۔

حق حق حق حق

سورہ بقرہ پڑھتے ہوئے ہمیں ایمان ملا کہ حضور ﷺ کی جدّ ابراہیم بھی تیرے محبوب تھے۔

ایک بادشاہ کو تو نے ان کے قدموں تلے روند دیا

بے شک بے شک بے شک

زندگی موت دینے والا تو ہی ہے۔ سو سو سال کے مرے گدھوں کو بھی تو زندگی کا جامہ پہنا دیتا ہے اور کبھی سو سو سال پیغمبروں کے کھانوں کو باسی بھی نہیں ہونے دیتا۔

تُو تو پھر تُو تو پھر تو ہے تُو پھر تو

انت الحق، انت المولیٰ، انت الحق، انت المولیٰ

پیاروں کو بھی تو کیسے راز عطا کرتا ہے

یہ چٹنی بنے پرندوں کو زندگی دے کہ پرواز بخش دیتا ہے تا کہ لوگوں کو تیرے پیاروں کا مقام سمجھ آ جائے۔ تو نے لین دین میں دیانت کو بڑا اعزاز بخشا ہے۔

مولیٰ! ایک چھوٹی سی خواہش ہے

ننھی سی آرزو

تُو تو بہت بڑا ہے۔ حی و قیوم ہے تیرا کوئی شریک نہیں

میری ننھی سی آرزو کو شباب دے دے

حباب سہی شباب دے دے

خوشی مثل گلاب دے دے

درد مثل کباب دے دے

انت المولیٰ دے دے

کرم کے معطی دے دے

رحمت موتی دے دے

سورۂ بقرہ کے بعد آل عمران کی تفسیر دے دے، تو جانتا ہے، خوابیدہ، مرغزاروں میں بھی میں نے تجھے ڈھونڈا ہے اور تاکستانوں میں بھی تجھے میں نے پکارا ہے

میں نے تجھے پہچان لیا ہے

تو گلابوں کے اندر خوشبوؤں کا ساقی ہے

تو جب چاہتا ہے برفستانوں میں بھی محبوب محل سجا دیتا ہے۔ میرے مولیٰ! میری آنکھوں سے ابھرے ٹپکتے آنسو گناہوں سے آلودہ سہی لیکن آخر میں تیرے محبوب ہی کا تو ہوں

مجھ سے درگزر فرما

مجھ پر رحم فرما

میری مدد کر، میری مدد کر، مولیٰ معاف کر، کچھ اور آوازیں بھی میری آواز کے سمندر میں آکر غوطہ زن ہوگئی ہیں

اب

ہم سے درگزر فرمایا ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

آمین

سورۂ بقرہ کے بعد آل عمران کے چمن میں تیری توفیق سے اتر رہا ہوں مدد فرما۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(1) الکنز الثمین فی تفسیر ابن عثیمین: محمد بن صالح عثیمین
(2) تاج العروس: زبیدی حنفی
(3) الجامع لا حکام القرآن: قرطبی
(4) محیط ولغات القرآن: پرویز
(5) روح البیان: اسماعیل حقی
(6) المیزان: طباطبائی
(7) تاج العروس: زبیدی حنفی
(8) لسان العرب: ابن منظور
(9) تاج العروس: زبیدی حنفی
(10) التحریر: ابن عاشور
(11) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(12) التفسیر البسیط: علامہ الواحدی
(13) تاریخ الکلمات: ابن جکنہ
(14) تاریخ الشعر: ابورکن
(15) فی ظلال القرآن: سید قطب
(16) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(17) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(18) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً رازی ایضاً نمونہ
(19) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(20) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(21) مفاتیح الغیب: رازی
(22) القرآن: سورۂ بقرہ: 128
(23) القرآن: سورۂ حج: 78
(24) الکوثر: محسن علی
(25) تاج العروس: زبیدی حنفی
(26) المفردات فی غریب القرآن: راغب
(27) لغات القرآن: پرویز
(28) الصحاح: جوہری
(29) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً لغات
(30) لسان العرب: ابن منظور ایضاً تاج ایضاً جمھرہ
(31) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(32) الجامع لا حکام القرآن: قرطبی ایضاً رازی ایضاً واحدی ایضاً کمالین ایضاً اکلیل ایضاً ابن عاشور ایضاً التفسیر الارسھا
(33) التفسیر البسیط: الواحدی ایضاً ابن کثیر ایضاً آلوسی ایضاً طبرسی ایضاً رازی ایضاً زحیلی ایضاً قرطبی
(34) تفسیر ابن جریر: طبری
(35) تفسیر ابن جریر: طبری
(36) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(37) تفسیر قفال: قفال مفسر ایضاً رازی ایضاً تدبر ایضاً طبری
(38) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً مواہب ایضاً سبیل الرشاد ایضاً ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً گلدستہ تفاسیر ایضاً تفسیر نعیمی ایضاً رازی ایضاً التفسیر المنیر
(39) ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ الازہری
(40) الجامع لا حکام القرآن: قرطبی ایضاً زاد المسیر ایضاً گلدستہ تفاسیر
(41) الجامع لا حکام القرآن: قرطبی ایضاً سنن الکبریٰ للبیہقی جلد دوم ص: 10
(42) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً تفسیر مظہری
(43) التفسیر البسیط: الواحدی ایضاً تفسیر ابن کثیر ایضاً وھبہ الزحیلی
(44) التفسیر البسیط: الواحدی ایضاً رازی ایضاً وھبہ الزحیلی
(45) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(46) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً الکلمات
(47) لغات القرآن: پرویز
(48) المفردات ایضاً تاج العروس ایضاً محیط
(49) تفسیر کبیر: رازی
(50) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات
(51) الجامع لا حکام القرآن: قرطبی
(52) الجامع لا حکام القرآن: قرطبی ایضاً ابن کثیر ایضاً فخر رازی
(53) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی ایضاً گلدستہ تفاسیر ایضاً جامع العلوم
(54) تفسیر کبیر: فخر رازی
(55) تفسیر کبیر: فخر رازی
(56) الدر المصون: شہاب الدین سمین حلبی
(57) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(58) الدر المصون: شہاب الدین سمین حلبی
(59) المفردات: راغب ص: 278

(60) روح البیان: اسماعیل حقی
(61) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(62) تاج العروس: زبیدی حنفی
(63) تفسیر طبری: ابن جریر
(64) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(65) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً سمین حلبی
(66) الدر المصوؔن: شہاب الدین حلبی
(67) الکشاف: زمخشری ایضاً الدر المصون ایضاً ابن عطیہ المحرر الوجیز
(68) تفسیر کبیر: رازی
(69) تفسیر کبیر: رازی
(70) تفسیر کبیر: رازی
(71) معانی القرآن: فرا
(72) التفسیر البسیط: الواحدی
(73) مفاتیح الغیب: رازی
(74) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(75) تاج العروس: زبیدی حنفی
(76) القرآن الحکیم سورۂ انعام: 150
(77) روح البیان: اسماعیل حقی
(78) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(79) تفسیر ابن جریر: طبری ایضاً رازی ایضاً واحدی ایضاً فرا ایضاً ثعلبی ایضاً معانی القرآن ایضاً ابن عاشور ایضاً نمونہ
(80) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً قرطبی ایضاً معارف القرآن
(81) رسالۃ المنبوہ: جاحظ مطبوعہ بیروت ص: 77، مجموعہ رسائل متعلق بہ اعجاز فراء
(82) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(83) المفردات: راغب ایضاً تاج ایضاً التحقیق ایضاً محیط
(84) المیزان: طباطبائی ایضاً طبرسی ایضاً نمونہ ایضاً قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(85) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی ایضاً نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور
(86) سورۂ رعد: 28
(87) سورۂ احزاب: 35
(88) سورۂ احزاب: 41_42
(89) سورۂ منافقون: 9
(90) سورۂ انفال: 45
(91) لاتحزن: ڈاکٹر عائض القرنی ص: 37
(92) لاتحزن: ڈاکٹر عائض القرنی
(93) تفسیر مظہری: قاضی ڈاکٹر ثناء اللہ پانی پتی ایضاً قرطبی ایضاً ابن کثیر
(94) لاتحزن: ڈاکٹر عائض القرنی
(95) القرآن: سورۂ نحل: 83
(96) تفسیر حقانی: مولوی عبدالحق دہلوی
(97) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی ایضاً مفتی احمد یار خان بدایونی
(98) تفسیر حقانی: مولوی عبدالحق دہلوی
(99) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً رازی ایضاً واحدی
(100) الخلفا: سید محمد معریٰ
(101) لاتحزن: ڈاکٹر عائض قرنی
(102) لاتحزن: ڈاکٹر عائض قرنی
(103) فی ظلال القرآن: سید قطب
(104) فی ظلال القرآن: سید قطب
(105) الجامع الصحیح: محمد بن اسماعیل بخاری جلد اول ص: 223
(106) روح البیان: اسماعیل حقی
(107) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً ابن کثیر ایضاً روح البیان
(108) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً التفسیر البسیط
(109) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً روح البیان ایضا گلدستہ تفاسیر ایضاً مواہب الرحمان ایضاً وھبہ ایضاً تفسیر حسنات ایضاً تفسیر نعیمی
(110) تفسیر الحسنات: سید ابوالحسنات شاہ
(111) حاشیہ روح البیان: علامہ اویسی ایضاً طبری ایضاً التفسیر البسیط
(112) الکوثر: محسن علی
(113) واصف علی واصف
(114) مداح لبید: الجاوی
(115) تفسیر ابن کثیر ایضاً مظہری
(116) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(117) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(118) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً گلدستہ تفاسیر

(119) القرآن سورۂ بنی اسرائیل:57
(120) نہج البلاغہ:ص:158
(121) نہج البلاغہ:کلمات قصار
(122) مجمع البیان:طبرسی
(123) تفسیر کبیر:فخر الدین رازی ایضاً تفسیر حسنات
(124) تفسیر کبیر:فخر الدین رازی ایضاً تفسیر مظہری
(125) تفسیر کبیر:فخر الدین رازی
(126) تفسیر کبیر:فخر الدین رازی ایضاً روح البیان
(127) گلدستہ تفاسیر:مولوی عبد القیوم
(128) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً تفسیر حسنات
(129) فی ظلال القرآن: سید قطب
(130) عرائس البیان فی حقائق القرآن: ابو محمد روز بہان فسوی مصری شیرازی
(131) تفسیر معالم التنزیل:بغوی ایضاً قرطبی ایضاً ابن جریر ایضاً ابن عاشور
ایضاً مظہری ایضاً طبرسی
(132) معالم التنزیل:بغوی
(133) دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد:20،ص:481
(134) تفسیر نمونہ ایضاً طبرسی ایضاً طباطبائی
(135) تاریخ اخبار مکہ: ازرقی مطبوعہ مکہ ص:22
(136) تاج العروس، لسان العرب، المفردات، المحیط، التہذیب، قاموس، التحقیق،
رازی، روح المعانی، بیضاوی، اسماعیل حقی، ابن عاشور، الصحاح، بغوی،
خطیب شربینی، لغات القرآن، ماوردی، ماتریدی اور جصاص رازی
(137) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی خان
(138) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(139) لباب النقول فی اسباب النزول: جلال الدین
(140) فی ظلال القرآن: سید قطب
(141) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب
(142) جامع العلوم: سید بخاری ایضاً تفسیر نمونہ
(143) روح المعانی: آلوسی ایضاً تفسیر کبیر ایضاً طنطاوی ایضاً جواہر القرآن ایضاً
ابن عاشور ایضاً ماتریدی
(144) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت ایضاً وھبہ
(145) تفسیر سمرقندی: بحر العلوم سمرقندی
(146) الوجیز: علامہ الواحدی
(147) گلدستہ تفاسیر: مولوی عبد القیوم
(148) نمونہ: قلمکاروں کی جماعت
(149) در منثور: جلال الدین سیوطی
(150) در منثور: جلال الدین سیوطی
(151) فی ظلال القرآن: سید قطب
(152) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(153) تفسیر ابن جریر: طبری
(154) تفسیر ابن جریر: طبری
(155) تفسیر ابن جریر: طبری ایضاً تبیان القرآن
(156) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً تبیان
ایضاً تفسیر جیلانی ایضاً طبری ایضاً نمونہ
(157) تفسیر مجمع البیان: طبرسی ایضاً لسان العرب ایضاً المفردات ایضاً پرویز
(158) تبیان القرآن: غلام رسول
(159) المیزان: طباطبائی
(160) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی
(161) مسلم شریف حدیث:2813 مطبوعہ لبنان کتاب صفۃ القیامہ والجنۃ
والنار ایضاً تفسیر مظہری ایضاً در منثور
(162) جامع ترمذی کتاب تفسیر القرآن: 2988 ایضاً مظہری وگلدستہ تفاسیر
ایضاً جامع البیان
(163) النکت والعیون: ماوردی
(164) مجمع البیان: طبرسی ایضاً تاج ایضاً لسان العرب
(165) صحیح مسلم: امام مسلم جلد اول ص:326 مطبوعہ نور محمد صحیح المطابع
(166) فی ظلال القرآن: سید قطب
(167) در منثور: جلال الدین سیوطی ایضاً ابو حیان اندلسی ایضاً شاہ ولی اللہ
(168) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً جامع البیان
(169) احکام القرآن: جصاص رازی ایضاً جامع البیان
(170) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً محیط ایضاً تہذیب ایضاً
رازی ایضاً ابن عاشور ایضاً بغوی ایضاً جوہری ایضاً التحقیق ایضاً لغات القرآن
(171) التحریر: ابن عاشور ایضاً مجمع ایضاً نمونہ ایضاً رازی ایضاً قفال
(172) التحریر والتنویر: ابن عاشور

(173) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(174) فی ظلال القرآن: سید قطب
(175) الجامع الصحیح: محمد بن اسماعیل بخاری جلد دوم ص:1018
(176) الاختیار: عبداللہ بن محمد موصلی بحوالہ تبیان البتہ امام شافعی کا مسلک یہ نہیں ہے
(177) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً ابن منظور ایضاً راغب ایضاً جوہری ایضاً ابن فارس ایضاً قرطبی ایضاً رازی ایضاً ابن عطیہ ایضاً آلوسی ایضاً محیط ایضاً تہذیب
(178) الکنز الثمین: علامہ محمد العثیمین
(179) تدبر القرآن: امین اصلاحی
(180) روح البیان: اسماعیل حقی
(181) المفردات: راغب اصفہانی
(182) تفسیر بغوی: علامہ بغوی
(183) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(184) مجمع البیان: طبرسی ایضاً روح البیان
(185) تفسیر کبیر: فخر الدین ایضاً بغوی ایضاً قرطبی ایضاً آلوسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً الکنز الثمین ایضاً ابن عاشور ایضاً وھبہ ایضاً مظہری ایضاً ابن کثیر
(186) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(187) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(188) الکوثر: محسن علی
(189) الترغیب والترھیب کتاب الصوم: منذری ایضاً صحیح بخاری
(190) احیاالعلوم کتاب الصوم: غزالی
(191) نہج البلاغہ: حضرت علی کلمات مصادر بحوالہ تفسیر نمونہ
(192) الترغیب والترھیب کتاب الصوم: منذری
(193) احیاء العلوم: غزالی ایضاً الترغیب والترھیب ایضاً جامع العلوم ایضاً روح البیان ایضاً مواہب وغیرہ
(194) روح البیان: اسماعیل حقی
(195) تفسیر نمونہ: قلم کاروں کی ایک جماعت
(196) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً قرطبی
(197) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً قرطبی ایضاً بغوی
(198) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً بغوی ایضاً ابن جریر طبری
(199) تفسیر بغوی: علامہ بغوی ایضاً رازی وغیرہ
(200) تاج العروس: زبیدی ایضاً طبرسی ایضاً محیط ایضاً الراغب ایضاً لسان العرب
(201) المفردات فی غریب القرآن: راغب اصفہانی ایضاً تفسیر نمونہ ایضاً رازی
(202) جمال فاقہ مستی: ظفر اقبال نوری
(203) جمال فاقہ مستی: ظفر اقبال نوری ایضاً غنیۃ الطالبین
(204) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً ڈاکٹر حمید اللہ ایضاً نقوش القرآن
(205) مکاشفۃ القلوب: غزالی ایضاً ظفر اقبال نوری
(206) تفسیر بغوی ایضاً گلدستہ ایضاً نمونہ
(207) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(208) تفسیر طبری: ابن جریر
(209) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(210) تفسیر بغوی: بغوی
(211) عرائس البیان: ابونصر بقلی
(212) عرائس البیان: ابونصر بقلی
(213) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(214) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(215) الکنز الثمین: محمد بن صالح العثیمین
(216) انجیل متی: 12/7
(217) فلسفہ دعا: پروفیسر فضل احمد عارف
(218) الامام الصادق: باقر الصدر العراقی
(219) فلسفۂ دعا: فضل احمد عارف
(220) دل دریا سمندر: واصف علی واصف
(221) المستدرک: 174:5
(222) کنز العمال جلد دوم حدیث: 3215
(223) نہج البلاغہ: 3، وصیت نامہ برائے حسن
(224) الکوثر: محسن علی
(225) الکوثر: محسن علی
(226) الکوثر: محسن علی
(227) رسالہ قشیریہ: امام قشیری باب الدعا
(228) حوالہ سابقہ
(229) رسالہ قشیریہ: قشیری باب الدعا
(230) روح البیان: اسماعیل حقی

(231) روح البیان: اسماعیل حقی
(232) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً رازی ایضاً ابن عاشور ایضاً طبرسی ایضاً نمونہ
(233) تفسیر صافی: بحوالہ تفسیر نمونہ فارسی
(234) روح البیان: اسماعیل حقی
(235) محاضرات قرآنی: محمود غازی
(236) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی
(237) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(238) فی ظلال القرآن: سید قطب
(239) لسان العرب: ابن منظور ایضاً لغات القرآن
(240) تاج العروس: زبیدی حنفی
(241) لغات القرآن ایضاً الصحاح ایضاً محیط
(242) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً المیز ان طباطبائی ایضاً لغات القرآن
(243) تفسیر بغوی: بغوی ایضاً مظہری ایضاً ابن کثیر ایضاً فی ظلال القرآن ایضاً روح ایضاً کنز الثمین ایضاً التفسیر المنیر ایضاً الدر المنثور: سیوطی
(244) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(245) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(246) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(247) زاد المسیر: ابن جوزی
(248) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(249) تاج العروس: زبیدی حنفی
(250) تفسیر قشیری: امام قشیری
(251) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی ایضاً در المنثور بحوالہ حاکم
(252) تفسیر ابن جریر: طبری
(253) الدر المنثور: جلال الدین سیوطی
(254) تاج العروس: زبیدی ایضاً راغب ایضاً محیط
(255) لسان العرب: ابن منظور ایضاً اقرب ایضاً لغات
(256) مسند امام احمد بن حنبل مترجم: امام احمد بن حنبل مطبوعہ لاہور
(257) القرآن سورۂ انفال: آیت 61
(258) القرآن سورۂ ممتحنہ آیت: 8
(259) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً روح البیان ایضاً بغوی
(260) روح البیان: اسماعیل حقی
(261) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً معارف القرآن ایضاً ابن عاشور
(262) فی ظلال القرآن اردو: سید قطب
(263) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(264) سنن ابی داؤد جلد دوم ص:136 مطبوعہ دہلی
(265) عرائس البیان: ابونصر بقلی
(266) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً روح البیان
(267) در المصون: سمین حلبی
(268) الکنز الثمین: محمد بن صالح عثیمین
(269) روح البیان: اسماعیل حقی
(270) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً فی ظلال القرآن ایضاً آلوسی
(271) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً وھبہ
(272) تفسیر طبری: طبری ایضاً ابن عاشور ایضاً مظہری ایضاً روح ایضاً فی ظلال ایضاً قرطبی ایضاً قرطبی ایضاً کمالین
(273) فی ظلال القرآن: سید قطب
(274) فی ظلال القرآن: سید قطب
(275) فی ظلال القرآن: سید قطب
(276) تفسیر طبری: ابن جریر طبری
(277) روح البیان: اسماعیل حقی
(278) روح البیان: اسماعیل حقی
(279) تفسیر طبری: ابن جریر
(280) جامع البیان: ثعلبی ایضاً طبری
(281) تبیان القرآن: سعیدی
(282) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(283) روح البیان: اسماعیل حقی
(284) مجمع البیان: طبرسی
(285) تفسیر نمونہ: شیعہ تفسیر
(286) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(287) روح المعانی: آلوسی
(288) تبیان القرآن: غلام رسول سعیدی
(289) مسند ابن شیبہ: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ایضاً المصنف
(290) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(291) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(292) مسند امام احمد بن حنبل: امام احمد
(293) تبیان القرآن: غلام رسول سعیدی
(294) جامع البیان: ابن جریر طبری
(295) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(296) زاد المسیر: ابن جوزی
(297) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(298) المفردات: راغب
(299) تدبر القرآن: امین اصلاحی
(300) عرائس البیان: ابونصر بقلی
(301) انوار التنزیل: بیضاوی
(302) روح البیان: اسماعیل حقی
(303) فی ظلال: سید قطب ایضاً رازی ایضاً وھبہ ایضاً خطیب
(304) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً جامع البیان ایضاً ابن عساکر ایضاً سیوطی ایضاً رازی ایضاً نظم الدرر ایضاً البحر المحیط
(305) جامع البیان: ابن جریر
(306) روح المعانی: آلوسی ایضاً ینابیع المودہ ایضاً شواھد التنزیل وغیرہ مسند امام احمد جلد اول ص:346، سیرت ابن ہشام جلد 2-291، تاریخ یعقوبی 2-29
(307) روح البیان: اسماعیل حقی
(308) روح البیان: اسماعیل حقی
(309) روح البیان: اسماعیل حقی
(310) روح المعانی: آلوسی
(311) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً مظہری
(312) الجامع لاحکام القرآن
(313) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً مظہری ایضاً قرطبی
(314) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(315) تفسیر قرطبی: قرطبی
(316) فی ظلال: سید قطب
(317) روح البیان: اسماعیل حقی
(318) القرآن سورۂ فجر: 22
(319) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً جمال القرآن
(320) تفسیر کبیر: رازی ایضاً بیضاوی ایضاً زمخشری
(321) الکوثر: سید محسن ایضاً تذکرات ایضاً اعجاز القرآن
(322) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(323) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(324) جامع البیان: ابن جریر طبری
(325) تاج العروس: زبیدی حنفی
(326) القرآن سورۂ روم: 8
(327) القرآن سورۂ محمد آیت: 12
(328) جامع البیان: ابن جریر
(329) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً معارف القرآن
(330) المفردات: راغب
(331) معالم التنزیل: خازن
(332) القرآن سورۂ یونس: 19
(333) القرآن سورۂ انبیاء: 92
(334) القرآن سورۂ مومنون: 52
(335) الجامع: قرطبی ایضاً معارف القرآن
(336) معارف القرآن: مفسر شفیع
(337) جامع البیان: ابن جریر ایضاً سیوطی ایضاً ابن عطیہ ایضاً ابن جوزی ایضاً مظہری ایضاً وھبہ ایضاً جمل ایضاً صاوی ایضاً الصافی وغیرہ
(338) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(339) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(340) جامع البیان: ابن جریر ایضاً ابن کثیر ایضاً ابن عطیہ ایضاً قرطبی ایضاً ابن عاشور رازی وغیرہ
(341) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(342) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار نعیمی ایضاً ابن کثیر ایضاً مظہری ایضاً قرطبی ایضاً جامع البیان ایضاً ابن عطیہ ایضاً زمخشری
(343) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(344) فی ظلال القرآن: سید قطب
(345) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(346) خزائن العرفان: نعیم الدین مراد آبادی
(347) روح البیان: اسماعیل حقی

(348) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(349) تاج العروس: زبیدی حنفی
(350) المفردات: راغب اصفہانی
(351) الامام الصادق عربی: محمد الکبیر ایضاً الکوثر جامع البیان
(352) القرآن سورۂ اعراف آیت:33
(353) القرآن سورۂ نساء آیت:43
(354) القرآن سورۂ مائدہ آیت:90
(355) معارف القرآن: محمد شفیع
(356) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(357) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(358) معارف القرآن: محمد شفیع
(359) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار نعیمی
(360) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(361) تاج العروس: زبیدی حنفی
(362) فی ظلال القرآن: سید قطب
(363) تاج العروس: زبیدی حنفی
(364) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی جماعت
(365) لسان العرب: ابن منظور افریقی
(366) درالمنثور: جلال الدین سیوطی ایضاً ابن کثیر ایضاً فخر الدین رازی ایضاً خطیب شربینی ایضاً وھبہ ایضاً جمل
(367) درمنثور: جلال الدین سیوطی ایضاً تبیان القرآن
(368) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً جامع البیان ایضاً ابن عطیہ
(369) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً ابن جریر طبری
(370) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار نعیمی
(371) سورۂ واقعہ:63-64
(372) سورۂ آل عمران:37
(373) مجمع البیان: طبرسی ایضاً بیضاوی ایضاً زمخشری ایضاً نمونہ
(374) تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر ایضاً آلوسی
(375) روح المعانی: آلوسی ایضاً نعیمی ایضاً نور القرآن
(376) انوار التنزیل: بیضاوی
(377) المفردات: راغب اصفہانی
(378) تاج العروس: زبیدی حنفی
(379) لسان العرب: ابن منظور
(380) ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ
(381) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(382) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(383) خزائن العرفان: نعیم الدین مراد آبادی
(384) تفسیر احمد: ملاجیون
(385) الجامع لاحکام: قرطبی
(386) تاج العروس: زبیدی ایضاً راغب ایضاً ابن الاعرابی ایضاً لسان
(387) تفسیر کبیر: فخر رازی
(388) روح المعانی: آلوسی
(389) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(390) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً جوہری ایضاً پرویز ایضاً لسان العرب ایضاً قرطبی
(391) تفسیر احمدی: ملاجیون ایضاً مفتی احمد یار خان
(392) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً تفسیر احمدی ایضاً نعیمی ایضاً طبری ایضاً درالمصؤن
(393) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً تاج ایضاً لسان ایضاً بیضاوی
(394) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(395) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً تاج ایضاً لسان
(396) فی ظلال القرآن: سید قطب
(397) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(398) الجامع لاحکام: قرطبی
(399) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(400) تفسیر مظہری: قاضی ثناءاللہ ایضاً قرطبی ایضاً مواہب ایضاً دارقطنی
(401) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً تاج ایضاً لسان وغیرہ
(402) فی ظلال القرآن: سید قطب
(403) فی ظلال القرآن: سید قطب
(404) جامع البیان: ابن جریر طبری
(405) النکت والعیون: ماوردی
(406) زاد المسیر: ابن جوزی

(407) الجامع لاحکام: قرطبی
(408) درمختار: علامہ شامی
(409) تفسیر الکبیر: فخر رازی ایضاً روح البیان ایضاً آلوسی ایضاً مظہری ایضاً ضیاء القرآن ایضاً الکوثر وغیرہ
(410) احیاالعلوم: غزالی باب فضیلت نماز
(411) احیاالعلوم: غزالی
(412) جامع البیان: ابن جریر طبری
(413) جامع لاحکام القرآن: قرطبی
(414) روح المعانی: آلوسی
(415) تفسیر مظہری: قاضی ثنااللہ پانی پتی
(416) روح المعانی: آلوسی ایضاً قرطبی ایضاً مظہری
(417) تفسیر مظہری: قاضی ثنااللہ پانی پتی
(418) تفسیر مظہری: قاضی ثنااللہ پانی پتی ایضاً جامع البیان ایضاً ابن عطیہ
(419) تفسیر مظہری: پانی پتی
(420) الجامع لاحکام: قرطبی
(421) الجامع لاحکام: قرطبی
(422) روح المعانی: آلوسی
(423) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(424) روح المعانی: آلوسی
(425) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(426) جامع ترمذی: امام ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد اول ص:5
(427) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد اول ص:237
(428) الجامع لاحکام: قرطبی
(429) تفسیر قرطبی: قرطبی
(430) فی ظلال القرآن: سید قطب
(431) جامع ترمذی کتاب الطلاق ایضاً تفسیر قرطبی
(432) تفسیر مظہری: ثناءاللہ ایضاً قرطبی
(433) درالمنثور: جلال الدین سیوطی ایضاً قرطبی ایضاً بغوی ایضاً جامع البیان ایضاً تبیان القرآن ایضاً نعیمی ایضاً مواہب الرحمٰن
(434) البحرالوجیز: ابن عطیہ
(435) جامع البیان: طبری
(436) الجامع لاحکام: قرطبی
(437) احکام القرآن: ابن عربی
(438) فی ظلال القرآن: سید قطب
(439) تفسیر قرطبی: قرطبی
(440) تفسیر ابن جریر: طبری
(441) تبیان القرآن: غلام رسول سعیدی
(442) تفسیر عیاشی: علامہ عیاشی
(443) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً گلدستہ تفاسیر ایضاً مجمع ایضاً رازی ایضاً وھبہ
(444) الجامع الصحیح للبخاری: امام بخاری ایضاً مسلم ایضاً پانی پتی
(445) تفسیر مظہری: ثناءاللہ پانی پتی
(446) تفسیر مظہری: ثناءاللہ پانی پتی
(447) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً ابن کثیر ایضاً مظہری ایضاً ابن عاشور ایضاً مواہب
(448) تفسیر مظہری: پانی پتی
(449) تفسیر مظہری: پانی پتی
(450) تفسیر قرطبی: قرطبی
(451) صحیح بخاری: محمد بن اسماعیل بخاری کتاب الجہاد، جلد اول
(452) تفسیر مظہری: قاضی ثناءاللہ پانی پتی
(453) ابن کثیر ایضاً جامع البیان ایضاً تفسیر بغوی ایضاً ابن عاشور ایضاً فخر رازی ایضاً ابن عساکر ایضاً ابن جوزی ایضاً درالمنثور ایضاً نعیمی ایضاً قرطبی ایضاً مظہری ایضاً نمونہ ایضاً مجمع البیان
(454) تفسیر ابن جریر: طبری
(455) تاریخ ابن عساکر: ابن عساکر
(456) سنن ابی داؤد کتاب الجہاد جلد اول ص:350
(457) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(458) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً قرطبی ایضاً لسان العرب
(459) تاریخ دمشق: ابن عساکر ایضاً قرطبی ایضاً سیوطی
(460) تفسیر مظہری: قاضی ثناءاللہ پانی پتی ایضاً ابن عساکر ایضاً سیوطی ایضاً طبری ایضاً ابن کثیر
(461) القرآن ایضاً ابن عاشور ایضاً درالمنثور ایضاً طبری ایضاً قرطبی ایضاً فخر الدین رازی ایضاً مجمع البیان ایضاً تفسیر نعیمی ایضاً خزائن العرفان ایضاً کمالین ایضاً جمل ایضاً اکلیل

(462) تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر
(463) تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر
(464) تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر
(465) تفسیر صاوی: علامہ صاوی، شرح جلالین
(466) تفسیر نجوم الفرقان: عبد الرزاق
(467) شرح مسلم: علامہ نووی ایضاً قرطبی
(468) تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر
(469) تفسیر بغوی: بغوی
(470) تفسیر بغوی: بغوی
(471) تفسیر بغوی: بغوی
(472) تفسیر مظہری: پانی پتی
(473) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً ابن عاشور اور سیوطی
(474) تفسیر المنیر: وھبہ ایضاً ابن عاشور ایضاً ابن کثیر ایضاً نمونہ ایضاً شنقیطی ایضاً شعراوی
(475) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً لسان ایضاً تاج وغیرہ
(476) انوار التنزیل: بیضاوی
(477) الجامع لاحکام: قرطبی
(478) درالمنثور: جلال الدین سیوطی
(479) جامع ترمذی: امام ترمذی
(480) عرائس البیان: علامہ بقلی
(481) سورۂ فرقان: 58
(482) تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر
(483) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً قرطبی ایضاً ضحاک ایضاً ابن کثیر ایضاً الجزائری ایضاً وھبہ ایضاً بغوی
(484) تفسیر ابن جریر: طبری ایضاً البسیط ایضاً قرطبی
(485) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(486) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(487) الجامع لاحکام: قرطبی
(488) فی ظلال القرآن: سید قطب
(489) تفسیر طبری: ابن جریر ایضاً قرطبی
(490) الجامع لاحکام: قرطبی
(491) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً شنقیطی
(492) تفسیر قرطبی: قرطبی
(493) عرائس البیان: بقلی
(494) روح البیان: اسماعیل حقی
(495) جامع العلوم: مخدوم جہاں گشت قلمی نسخہ
(496) اس مقالہ کی تیاری میں ان کتب سے استفادہ کیا گیا:
(1) تاج العروس (2) لسان العرب (3) الجامع لاحکام (4) بیضاوی
(5) المحرر الوجیز (6) فخر رازی (7) التحریر لابن عاشور (8) تفسیر ضحاک
(9) تاویلات اہل السنہ (10) روح البیان (11) روح المعانی
(497) طبری: ابن جریر ایضاً روح البیان ایضاً کبیر ایضاً بغوی ایضاً جمل ایضاً الجزائری ایضاً التفسیر البسیط ایضاً نعیمی ایضاً نمونہ ایضاً مجمع البیان ایضاً عرائس ایضاً قشیری ایضاً قرطبی ایضاً جامع العلوم ایضاً کاشفی ایضاً درالمصوٰن
(498) تفسیر قشیری ایضاً روح البیان
(499) روح البیان: اسماعیل حقی
(500) روح البیان: اسماعیل حقی
(501) روح البیان: اسماعیل حقی
(502) روح البیان: اسماعیل حقی
(503) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(504) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(505) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(506) تفسیر بغوی: ابو محمد حسین بغوی
(507) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی
(508) کنز الثمین: ابن عثیمین
(509) روح البیان: اسماعیل حقی
(510) تفسیر بغوی: بغوی
(511) تفسیر کبیر: رازی
(512) تفسیر کبیر: رازی
(513) تفسیر کبیر: رازی
(514) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً اقراب الموارد ایضاً لسان ایضاً تفسیر واحدی
(515) لسان العرب: ابن منظور
(516) تاج: زبیدی حنفی

(517) لغات القرآن: پرویز
(518) فی ظلال القرآن: سید قطب
(519) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(520) روح البیان: اسماعیل حقی
(521) سورہ یونس: 62
(522) مقالہ کی تیاری میں ان کتابوں سے استفادہ کیا:
تاج العروس، لسان العرب، المفردات، الصحاح، محیط، تھذیب اللغہ، التحقیق، قرطبی، ابن جریر، آلوسی، اسماعیل حقی، جمل، بیضاوی، فخر رازی، فی ظلال، کمالین، جلالین، ابن عاشور، بغوی، ثعلبی، وھبہ وغیرہ
(523) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(524) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(525) تفسیر سمعانی: امام سمعانی تفسیر ثعلبی ایضاً التفسیر البسیط ایضاً آلوسی ایضاً فی ظلال القرآن ایضاً مظہری
(526) تفسیر بغوی: امام بغوی ایضاً اسماعیل حقی
(527) مفاتیح الغیب: فخر الدین
(528) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(529) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(530) تفسیر کبیر: رازی ایضاً المفردات ایضاً تاج العروس ایضاً قرطبی ایضاً جوہری ایضاً مصطفوی ایضاً ابن عاشور ایضاً روح
(531) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً آلوسی ایضاً واحدی ایضاً آمدی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً مظہری وغیرہ
(532) روح البیان: اسماعیل حقی
(533) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(534) مجمع البیان: طبرسی ایضاً نمونہ ایضاً فی ظلال القرآن
(535) صحیح بخاری باب تفسیر القرآن حدیث نمبر 4179
(536) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(537) مصادر یہ ہیں: تاج العروس، قرطبی، تفسیر زجاج، آلوسی، بیضاوی، رازی ایضاً روح ایضاً ابن عاشور ایضاً جوہری ایضاً ابن عطیہ ایضاً التحقیق
(538) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(539) مجمع البیان: طبرسی
(540) تفسیر: فخر الدین رازی
(541) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً اقرب الموارد ایضاً لسان العرب ایضاً رازی ایضاً قرطبی ایضاً جوہری ایضاً راغب ایضاً تھذیب اللغہ ایضاً التحقیق
(542) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(543) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(544) اسماء الحسنیٰ: ڈاکٹر صارم ایضاً مجمع البیان طبرسی ایضاً الجزائری ایضاً وھبہ ایضاً التفسیر الوسیط ایضاً التفسیر البسیط ایضاً ابن طقطقی ایضاً نمونہ ایضاً روح
(545) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(546) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(547) زاد المسیر: ابن جوزی، تفسیر کلبی ایضاً قرطبی ایضاً مظہری ایضاً ماجدی
(548) تاج العروس: زبیدی حنفی
(549) تاج العروس: زبیدی حنفی
(550) لسان العرب: ابن منظور ایضاً المفردات ایضاً قاموس ایضاً تفسیر ماجدی ایضاً رازی ایضاً خان زادہ وغیرہ
(551) احکام القرآن: جصاص رازی
(552) الکنز الثمین: محمد بن صالح عثیمین
(553) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان گجراتی ایضاً حاشیہ کنز الایمان
(554) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(555) التفسیر المنیر: وھبہ
(556) زاد المسیر: ابن جوزی
(557) المفردات: راغب اصفہانی
(558) تاج العروس: زبیدی حنفی
(559) لسان العرب: ابن منظور
(560) الصحاح: جوہری ایضاً تاج ایضاً محیط
(561) التفسیر المنیر: وھبہ
(562) زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً وھبہ ایضاً تاج
(563) الکنز الثمین: علامہ محمد بن صالح العثیمین
(564) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(565) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(566) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً مجمع البیان ایضاً وھبہ ایضاً نمونہ ایضاً اللباب
(567) الجامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً التفسیر المنیر

(568) الجامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً التفسیر المنیر
(569) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(570) صحیح البخاری باب ماجاء فی العلم حدیث: 61 ایضاً قرطبی
(571) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(572) المیزان: طباطبائی ایضاً طبرسی ایضاً نمونہ ایضاً احیا العلوم ایضاً وھبہ ایضاً التفسیر الوسیط ایضاً التفسیر البسیط
(573) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(574) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً زمخشری
(575) درمنثور: سیوطی ایضاً تبیان
(576) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(577) تبیان القرآن: سعیدی
(578) الترغیب والرھیب: منذری
(579) تبیان القرآن: سعیدی
(580) الجامع البیان: طبری ایضاً سعیدی
(581) درالمنثور: سیوطی ایضاً سعیدی
(582) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی
(583) تاج العروس: زبیدی حنفی
(584) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(585) الکشاف: زمخشری ایضاً رازی
(586) تفسیر کبیر: رازی
(587) تفسیر کبیر: رازی
(588) مفاتیح الغیب: رازی
(589) مفاتیح الغیب: رازی
(590) تفسیر کبیر: رازی
(591) تفسیر بیضاوی: بیضاوی ایضاً الکشاف
(592) روح المعانی: آلوسی
(593) تفسیر خازن: خازن
(594) الکنز الثمین: عثیمین
(595) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان
(596) روح المعانی: آلوسی
(597) تاج العروس: زبیدی ایضاً راغب ایضاً جوہری ایضاً لسان ایضاً رازی ایضاً جمہرہ ایضاً مصطفوی
(598) فی ظلال القرآن: سید قطب
(599) فی ظلال القرآن: سید قطب
(600) احکام القرآن: جصاص رازی
(601) تفسیر کبیر: رازی فخر الدین
(602) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً ابن جریر طبری ایضاً بخاری ایضاً مسلم ایضاً وھبہ ایضاً فی ظلال ایضاً الروایۃ والدرایہ ایضاً شنقیطی
(603) فی ظلال القرآن: سید قطب
(604) فی ظلال القرآن: سید قطب
(605) الجامع الصحیح: محمد بن اسماعیل بخاری کتاب الربوٰ
(606) درالمنثور: جلال الدین سیوطی
(607) تبیان القرآن: غلام رسول سعیدی
(608) سنن ابن ماجہ: ابن ماجہ کتاب الربوص: 165
(609) درالمنثور: جلال الدین سیوطی
(610) سنن ابن ماجہ: ابن ماجہ حرمت سود: 167
(611) تبیان القرآن: غلام رسول سعیدی
(612) حرمت سود: مفتی محمد شفیع ایضاً سود کی تباہ کاریاں: باقر الصدر
(613) الکوثر: محسن ایضاً سود: ابوالاعلیٰ مودودی
(614) روح البیان: اسماعیل حقی
(615) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(616) تفسیر روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً رازی ایضاً وھبہ ایضاً نور الثقلین ایضاً رازی ایضاً آلوسی
(617) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(618) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(619) تاج العروس: زبیدی حنفی
(620) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(621) التفسیر البسیط: واحدی
(622) تفسیر طبری: ابن جریر طبری
(623) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(624) روح البیان: اسماعیل حقی
(625) روح البیان: اسماعیل حقی

(626) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی
(627) سیرت جعفر رضی اللہ عنہ: ابونعیم خزاز ایضاً نمونہ ایضاً حنفی
(628) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً ابن عاشور ایضاً قرطبی ایضاً روح البیان ایضاً وھبہ ایضاً جامع البیان
(629) روح البیان: اسماعیل حقی
(630) روح البیان: اسماعیل حقی
(631) روح البیان: اسماعیل حقی
(632) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(633) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(634) تفسیر بغوی: بغوی ایضاً ابن عاشور ایضاً معارف القرآن ایضاً روح البیان
(635) حاشیہ قرآن مجید: شاہ رفیع الدین
(636) فی ظلال القرآن: سید قطب
(637) روح البیان: اسماعیل حقی
(638) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(639) تفسیر قرطبی: علامہ قرطبی
(640) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(641) تفسیر ابن عربی: ابن عربی
(642) تفسیر ماجدی: عبد الماجد دریا آبادی
(643) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً قرطبی
(644) تفسیر قرطبی: قرطبی ایضاً کمالین ایضاً وھبہ ایضاً جامع العلوم
(645) تدبر قرآن: امین اصلاحی
(646) المفردات: راغب ایضاً تاج
(647) تاج العروس: زبیدی حنفی
(648) حاشیہ بیضاوی: قونوی ایضاً لغات القرآن
(649) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(650) فی ظلال القرآن: سید قطب
(651) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی
(652) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(653) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(654) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(655) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(656) گلدستہ تفاسیر: عبد القیوم مدنی
(657) تفسیر خازن: علامہ خازن
(658) درمنثور: جلال الدین سیوطی
(659) درمنثور: جلال الدین سیوطی ایضاً خازن ایضاً روح ایضاً کبیر ایضاً ابن عاشور ایضاً قرطبی ایضاً بقاعی ایضاً طبری ایضاً جالین ایضاً نعیمی
(660) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً آلوسی ایضاً بیضاوی ایضاً تفسیر نعیمی ایضاً اکلیل
(661) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی ایضاً روح البیان ایضاً درمنثور ایضاً الدر المصون
(662) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً روح البیان
(663) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً تفسیر قرطبی ایضاً روح ایضاً نعیمی ایضاً طبری ایضاً ابن عطیہ ایضاً درمنثور
(664) معالم التنزیل: ابو محمد بغوی شافعی
(665) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً روح البیان
(666) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(667) المفردات: راغب اصفہانی
(668) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً مدارک التنزیل
(669) تفسیر ماجدی: عبد الماجد دریا آبادی
(670) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً تفسیر حقانی مولوی عبد الحق
(671) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(672) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(673) تاج العروس: زبیدی حنفی
(674) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(675) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی